بزمِ رثا

حضرت بزم آفندی اکبرآبادی

کے غیر مطبوعہ مرثیے

ترتیب و پیشکش

باقر رضوی



ادب میں مرثیہ نگاری کی روایت مستحکم بھی ہے اور تابناک بھی۔ دکنی شعرا سے لے کر عصر حاضر کے شعرا تک بیشتر شاعروں نے عقیدت اور محبت کے اسلوب میں جو مرثیے قلم بند کیے وہ اردو ادب کی آبرو ہیں۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت وہ "عظیم فتح" ہے جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم حضرات کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ متعدد غیر مسلم شعرا کے مراثی ان کی عقیدت کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس امر کے بھی مظہر ہیں کہ مرثیہ اپنی تاثیر میں شاعری کے کسی بھی عالمی معیار پر کھرا اترتا ہے۔ ہماری تنقید میں بے معنی کلیشے ملتے ہیں جنہیں آنکھیں بند کر کے بلا سوچے سمجھے قبول کر لیا جاتا ہے۔ انہی کلیشوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ "کوئی شاعر مرثیہ گو" بن جاتا ہے — تو کیا اس قول کی رو سے میر انیس اور مرزا دبیر بگڑے شاعر تھے؟؟

مرثیے کو خون جگر سے سینچنے والوں میں تابناک اسما کی کہکشاں ملتی ہے اور ایک ایسا ہی تابندہ ستارہ اپنے عہد کے نامور مرثیہ نگار بزم آفندی تھے۔ وہ خود تو کلاسیکی مزاج کے حامل مرثیہ نگار تھے مگر انہوں نے جدید مرثیے کے خدوخال وضع کیے جس کی تکمیل ان کے صاحبزادے نجم آفندی نے کی۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ نجم آفندی نے دراصل حضرت بزم آفندی کے کام کو نکتۂ عروج تک پہنچایا۔

جناب باقر زیدی کا ایک علمی خانوادے سے تعلق ہے اور انہوں نے بزرگوں کی تخلیقی میراث میں اضافہ کرتے ہوئے اپنی انفرادیت کا ثبوت بھی دیا ہے۔ معاصر شعرا اور خصوصاً مرثیہ گو شعرا میں باقر زیدی صاحب کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ مرثیے سے ان کی والہانہ شیفتگی کا سب سے بڑا ثبوت بزم آفندی کے مرثیوں کی تلاش اور ان کی تدوین ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر باقر صاحب نے ان مرثیوں کی اشاعت کا اہتمام نہ کیا ہوتا تو یہ یقیناً تلف ہو جاتے۔ لہٰذا ان کی تالیف "بزم رثا" اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ ایک تو بزم آفندی کے مرثیے یکجا ہو گئے اور دوسرے اس لحاظ سے بھی کہ اردو مرثیے کے ارتقا کی ایک اہم کڑی ضائع ہونے سے بچ گئی۔ مجھے توقع ہے کہ مرثیے سے تخلیقی اور تنقیدی دلچسپی رکھنے والے قارئین اس کو بے حد مفید پائیں گے۔

ڈاکٹر سلیم اختر

19-مئی 2011ء

569-جہاں زیب بلاک، گلی نمبر 17-علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بزمِ رثا

حضرت بزم آفندی اکبرآبادی

کے

غیر مطبوعہ مرثیے

ترتیب و پیش کش

باقر زیدی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَتَکَلَّمُوۡا تُعۡرَفُوۡا (حضرت علی علیہ السلام)

کلام کرو تا کہ پہچانے جاؤ۔

ایک شب عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر وہ غم ہے، خدا سے بھی اٹھایا نہ گیا

معراج الشعرا، میرزا عاشق حسین بزم آفندی اکبرآبادی کی غزل کا ایک شعر

اِنتساب

بزمِ آفندی کی پوتی **چندن** کے نام

جس نے

اپنے ہوش میں اپنے دادا کو نہیں دیکھا

مگر

دادا ابا کے مرثیوں سے بھرے ہوئے صندوق کو آگرے میں ضرور دیکھا،

جو اُسے آج بھی یاد ہے

اور

جس نے ان کے تمام دستیاب مرثیوں کی اشاعت کا اہتمام کیا،

اور دنیائے اردو کو ''بزمِ رثا'' جیسا گراں قدر تحفہ دیا۔

جناب بزم آفندی کا عکسِ تحریر

ترتیب

مضامین

نمبر شمار	عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
1	حرفِ اوّل	جناب باقر زیدی	7
2	بزمِ آفندی کی مرثیہ نگاری	جناب سید ضمیر اختر نقوی	36
3	بزمِ آفندی کی مرثیہ نگاری	پروفیسر ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن	57
4	حضرت بزمِ آفندی کی مرثیہ گوئی	پروفیس حسن سجاد	89
5	بزمِ آفندی حیات اور شاعری	سیّد ارتضیٰ عباس نقوی	100
٦	بزمِ آفندی مرثیہ نگاری کا معتبر حوالہ	پروفیسر حسن عسکری کاظمی	824

مراثی بزمؔ

نمبر شمار	مطلع	در حال	تعداد بند	صفحہ نمبر
1	کیا گل اندامِ گلستانِ رسالت کو ملے	پسرانِ حضرت زینبؑ	۱۳۲	121
2	دُرِ یگانہ بحرِ وفا ہر اوّل تھا	حضرت حُرؑ	۹۰	149
3	اگرچہ باغِ سخن میں ہیں پھول رنگا رنگ	حضرت عون و محمدؑ	۱۷۵	168
4	آمد مَلَکُ الموت کی ہے دشتِ وغا میں	حضرت عباس علمدارؑ	۹۴	204
5	رشکِ بہارِ خُلد ہے صحرائے کربلا	شاہِ روم کا سفرِ کربلا	۱۲۶	224
6	کس کے نشاں سے نامِ تجلّی بلند ہے	حضرت عباس علمدارؑ	۹۰	251
7	دُرّۃُ التاجِ فصاحت ہے ثنا خوانی حُر	حضرت حُرؑ	۱۳۴	270
8	پھر مجھے بادۂ جودت سے چھکا دے ساقی	حضرت حُرؑ	۱۱۵	298
9	نجمِ اقبالِ محمدؐ ہیں، جنابِ قائمؑ	حضرت ولی عصرؑ	٦۸	322
10	پیرِ فلک کو بختِ زُلیخا ملا ہے آج	حضرت حبیب ابنِ مظاہرؓ	۸۹	337

نمبر شمار	مطلع	درحال	تعداد بند	صفحہ نمبر
11	چرخ پر جب کہ نمایاں شبِ عاشور ہوئی	حضرت عباس علمدار علیہ السلام	۹۵	356
12	کیا شرف مجھ کو ثنا خوانیٔ سرور سے ملے	حضرت حر علیہ السلام	۱۳۴	376
13	دولتِ مدحِ نبیؐ دین کا سرمایا ہے	حضرت علی اکبر علیہ السلام	۱۳۴	404
14	وغا کو شیرِ الٰہی کا شیر آتا ہے	حضرت عباس علمدار علیہ السلام	۸۵	432
15	محبوبِ کردگار کا مطلوب کون ہے	حضرت امام حسین علیہ السلام	۱۱۸	450
16	بے رنگ سا کچھ رنگِ گلستانِ جہاں ہے	حضرت امام حسین علیہ السلام	۱۳۰	475
17	بن بیاہے جواں بیٹے کا ماتم ہے حرم میں	حضرت امام حسین علیہ السلام	۱۰۷	502
18	چراغِ بزمِ ولا کس ولی سے روشن ہے	حضرت حر علیہ السلام	۹۴	525
19	فرماں روائے کشورِ مدح و ثنا ہوں میں	خورشید بانو نصرانیہ	۱۲۷	545
20	حضرتؑ سے رضا لے کے چلے جب علی اکبرؑ	حضرت علی اکبر علیہ السلام	۶۵	573
21	جب علقمہ پہ فوجِ خدا کا گذر ہوا	حضرت امام حسین علیہ السلام	۱۲۴	587
22	ہر بزم میں جلوہ ہے مری شمعِ زباں کا	حضرت علی اصغر علیہ السلام	۹۱	613
23	کوچ فکرِ رب سے جو سلطانِ زماں کرتے ہیں	سفرِ مدینہ حضرت امام حسینؑ	۹۲	633
24	کمال و اوج مجھے اے خدائے برتر دے	حضرت امام حسین علیہ السلام	۱۰۰	653
25	لَیلَۃُ القَدر کی غیبت ہے حجابِ زہراؑ	عروسیٔ جنابِ سیدہؑ	۹۵	674
26	ہر ماہ کو بے مہریٔ دنیا سے گلہ ہے	حضرت امام حسین علیہ السلام	۹۳	694
27	غیرتِ ساغرِ جمشید ہوا جامِ سخن	حضرت عباس علمدار علیہ السلام	۹۲	714

مسدس

28	ساقی کسی زاہد کے نہ بہکانے میں آنا	معراج	۱۲۴	734
29	عبدِ ناچیز سے خالق کی ثنا کیوں کر ہو	حمد، نعت، معراج، اور تخلیقِ کائنات پر مشتمل	۳۱۴	760

حرف اوّل

باقر زیدی

یہ بات میرے لئے لائق صد شکر و افتخار ہے کہ میں گذشتہ دو صدیوں پر محیط اردو کے نامور شاعر معراج الشعرا حضرت بزمؔ آفندی اکبر آبادی کے غیر مطبوعہ مراثی پہلی دفعہ ترتیب دے کر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، بزمؔ آفندی سے میرا تعلق اردو ادب کا قاری ہونے کے علاوہ یہ ہے کہ وہ میری شریکِ حیات سلطانہ زیدی عُرف چندن کے دادا تھے، چندن کو اس بات کا بڑا دُکھ ہے کہ انہوں نے اپنے دادا کو ہوش سنبھالنے کے بعد نہیں دیکھا اور مجھے اِس بات کی خوشی ہے کہ میں نے اُنہیں تقسیم برصغیر کے بعد حیدآباد میں اپنے مختصر قیام کے دوران دیکھا ہے۔ میری عمر اُس وقت ۱۱ سال تھی، مگر میرے ذہن میں اُن کا چہرہ، روپ رنگت، قدوقامت اور آواز ابھی تک محفوظ ہے، وہ گورے چٹے، وجیہ اور دراز قامت بزرگ تھے، ڈاڑھی کے ساتھ اُن کی بھنویں بھی سفید تھیں، اُس وقت ۸۸ سال کی عمر میں وہ بگلے کی طرح لگتے تھے۔ وہ کہیں جانے کے لئے شیروانی اور ٹوپی پہنے تیار تھے، ذرا دیر میں اُن کے شاگرد آئے، اُنہیں گودی میں اُٹھا کر پالکی میں بٹھایا اور مشاعرے کے لئے لے گئے۔

''چراغِ بزمِ ولا کس وَلی سے روشن ہے''

یہ مطلع بزمؔ صاحب کے ایک مرثیہ کا ہے۔ اولاً میں نے اِس کتاب کا نام اس مصرع کا پہلا ٹکڑہ ''چراغِ بزمِ ولا'' رکھنا چاہا تھا لیکن بعض ثقہ احباب کا خیال تھا کہ نام میں چراغ کا لفظ نہ ہو تو بہتر ہے، میں نے بھی اُن کی رائے سے اتفاق کیا اس لئے بھی کہ بزمؔ صاحب کے پہلے طبع شُدہ غزل کے دیوان کا نام ''چراغِ بزم'' تھا اور دوسرے کا ''ایاغ

بزمؔ" پھر ابھی پچھلے سال بزم صاحب کے فرزند جناب سلیماں مرزا کوکبؔ آفندی کا مجموعۂ کلام بھی ان ہی کی غزل کے مقطع سے ایک ٹکڑا لے کر "چراغ بزم کا ہوں" رکھا تھا۔ سو چراغ کا لفظ چھوڑ کر صرف "بزمِ رثا" رکھ لیا اگر اس کی نثر کریں تو ایک تو "رثا کی بزم" ہوتی ہے اور دوسری "رثا کا بزم" یعنی کلام اور صاحبِ کلام دونوں حوالوں سے اسے ٹھیک سمجھا گیا، پھر بھی بعض احباب مُصر تھے کہ نام تبدیل کریں، میں نے قرآن سے تفاول کرایا کہ نام تبدیل کیا جائے یا نہیں، عذاب کی آیت سرورقِ نمودار ہوئی، مسئلہ کا حل نکل آیا نام کی تبدیلی کا ارادہ ترک کر دیا گیا اور اِسے بزمِ رثا کا نام ہی دے دیا گیا۔

بزمِ رثا میں کل ۲۷ مرثیے اور دو نعتیہ مسدس پیش کئے جا رہے ہیں، بزم صاحب کے ۲۵ مرثیے میرے پاس مدت سے محفوظ تھے، تین مرثیے نجم آفندی کی بیٹی سے ملے اور ایک مرثیہ کا اضافہ میرے اس دفعہ کراچی آنے کے بعد اُس وقت ہوا جب میری ملاقات کئی کتابوں کے مصنف جناب عباس ارتضیٰ نقوی سے ہوئی جن کے ذاتی کتب خانے میں جو ایک قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیہ محفوظ تھا وہ انہوں نے مجھے عنایت کر دیا، یہ ۸۹ بند کا مرثیہ حضرت حبیبؑ ابن مظاہر کے حال کا بے مثال مرثیہ ہے، مطلع ہے "پیر فلک کو تختِ زُلیخا ملا ہے آج" اِس مرثیے کے لئے میں عباس ارتضیٰ کا صمیم قلب سے ممنون ہوں۔

ان مراثی میں ۲۴ یا ۲۵ مرثیے بزم صاحب کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، وہ آخری بند کے نیچے "تمام شد" کے الفاظ ضرور لکھتے ہیں کہیں تصنیف کی ہجری تاریخ، کہیں عیسوی اور کہیں دونوں تاریخیں لکھتے ہیں۔ ساتھ شہر کا نام بھی لکھتے ہیں۔ ان ۲۴/۲۵ مرثیوں میں جن کے کاتب بھی وہ خود ہی ہیں دس مرثیے غازی آباد میں لکھے گئے ایک لکھنؤ میں اور ایک حیدر آباد دکن میں، باقی ۱۵ مرثیوں کا پتہ نہیں چلتا کہ کہاں لکھے، وقت کے اعتبار سے جن ۱۳ مرثیوں پر تاریخ لکھی ہے ان میں غازی آباد کے دسوں مرثیے ۱۱۱ اکتوبر

۱۹۱۴ء سے ۱۹ مارچ ۱۹۲۸ء کے دوران لکھے جبکہ حیدرآباد دکن کا مرثیہ ۱۹۳۶ء اور لکھنؤ والا ۱۹۴۱ء میں تصنیف ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سن ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۸ء تک کے چودہ سال اُن کا قیام غازی آباد میں رہا ہوگا۔

بزم صاحب بہت خوش خط انسان تھے، ان کے بعض مراثی کی تحریر اعلیٰ نمونے کی خطاطی کی مثال ہے، مگر سو سال پہلے اردو کس طرح لکھی جاتی تھی اس کا اندازہ آج کے Composers کو بالکل نہیں ہے، میری اس کوشش کے باوجود کہ صرف اُن ہی لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں جو مرثیے سے بالکل نابلد نہ ہوں، مجھے سخت حیرت اور افسوس ہوا کہ کوئی ایک مصرع بھی ایسا نہ تھا جس میں غلطیاں اور فاش قسم کی غلطیاں موجود نہ ہوں، ابتدا میں جب یہ کام میں علامہ نجم آفندی کے نواسے انوار الحسن نقوی سے لے رہا تھا تو میں ان اذیتوں سے نہیں گزرا تھا جو بعد میں کتاب کے کام میں تیزی پیدا کرنے کے سبب مجھے اٹھانی پڑیں۔ جب یہ کام کئی دوسرے لوگوں سے بھی کروایا، میری بھی کچھ مجبوریاں تھیں، ۳ دسمبر ۲۰۱۰ء کو میری لینڈ امریکہ سے کراچی آیا تھا اور ابھی یہ کام مزید کئی ماہ چاہتا تھا۔ اس لئے ان مراحل سے مجھے گزرنا پڑا۔ کبھی گھبرا کر یہ خیال بھی آیا کہ مرثیوں کی کمپوزنگ ترک کر کے یہ مرثیے جیسے بزمؔ صاحب نے لکھے ہیں، ان کی فلم بنوا کر کتاب چھاپ دی جائے، لیکن الفاظ کو ملا کر لکھنا، نون غنہ پر بھی نقطوں کا اعلان، ''ٹ'' پر ''ط'' کے ساتھ ''ت'' کے لفظوں کا لکھنا ''ہ'' اور ''ھ'' کا استعمال، ہر بند کے دوسرے تیسرے چوتھے اور بیت کے چھٹے مصرعہ میں قافیوں کے بعد ردیفوں کا نہ لکھا جانا، یہ سب آج کی اردو آبادی کے لئے لاطینی اور یونانی تحریر ہو کر رہ جاتی۔ اس لئے یہ بھی نہ ہو سکا، ایک ایک مرثیہ کو چار چار بار پڑھ کے تصحیح کرائی گئی۔

بزم رثا میں ان ۲۷ مرثیوں کے علاوہ دو نعتیہ مسدس بھی شامل ہیں، جن کے مطلع

یہ ہیں:

۱۔ ساقی کسی زاہد کے نہ بہکانے میں آنا..... بند ۱۲۴

۲۔ عبدنا چیز سے خالق کی ثنا کیوں کر ہو..... بند ۳۱۴

ان دونوں مسدسوں کا مرکزی خیال حضورؐ کا سفرِ معراج ہے، جو انتہائی تفصیل کے ساتھ نمایاں طور پر موجود ہے، جبکہ دوسرے طویل مسدس میں حمد و نعت کے ساتھ، تخلیقِ کائنات کے مضامین اور تفصیلات سفرِ معراج میں کربلا سے گزرنا اور پھر واقعاتِ کربلا کا جبریلِ امین کی زبانی مفصل بیان بھی موجود ہے، اس کے باوجود یہ مسدس مجلس کی خواندگی سے زیادہ محافل میلاد کے لئے زیادہ موزوں ہے، خود بزم صاحب نے پہلے مسدس کو میلاد شریف کا عنوان دیا ہے اور انہیں مرثیہ نہیں مسدس ہی کہا ہے۔

کیا بزمؔ آفندی نے صرف یہی مرثیے اور مسدس لکھے جو اس کتاب کا حصہ ہیں، نہیں، ہرگز نہیں بزم صاحب کی زندگی میں اُن کے دو یا تین دیوان چھپ گئے تھے ایک رباعیوں کا مجموعہ اور ایک مسدس بھی لیکن ان کے مرثیے غیر مطبوعہ رہے۔ بزم صاحب کے مرثیوں کی تعداد کے متعلق کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں جناب ضیاء الحسن موسوی نے النجم میں لکھا ہے کہ ''سلام، رباعیات، قصائد اور غزلیات کے علاوہ اُن کی یادگار تقریباً تین سو مرثیے ہیں جو نجم آفندی مرحوم کے پاس تھے یا اُن کے عزیز خاص سید علی رضا صاحب مرحوم کے پاس جو حیدرآباد کے ہوم آفس میں ملازم اور میرے والد کے خاص احباب میں شامل تھے، بزم اکبرآبادی کے سات دیوان غزلیات کے تھے جن میں پہلا دیوان چراغِ بزم ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا تھا اور چند سال کے بعد دوسرا دیوان ایاغِ بزم کے نام سے شائع ہوا۔ باقی پانچ دیوان غیر مطبوعہ ہیں'' صاحبِ دبستانِ دبیر نے بھی بزم کے مرثیوں کی تعداد ۳۰۰ لکھی ہے، (صفحہ ۶۶۴)

میری بیوی چندن جو کوکبؔ آفندی کی بیٹی نجمؔ آفندی کی بھتیجی اور بزمؔ آفندی کی پوتی ہیں اُن کا کہنا ہے کہ ایک ٹین کا صندوق دادا ابا کے مرثیوں سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ بچوں کو وہ صندوق چھونے کی اجازت نہیں تھی، میں نے ایک دفعہ کھولا تھا تو امی نے کہا اس کو ہاتھ نہ لگانا، یہ تمہارے دادا ابا کے مرثیوں کا صندوق ہے، چندن کا یہ بیان، جناب ضیاء الحسن موسوی کی بیان کردہ تعداد سے مُطابقت رکھتا ہے اور اس کی تصدیق کے لئے کافی ہے، ۱۹۶۲ یا ۱۹۶۳ کی بات ہے، میں ڈاکٹر یاور عباس مرحوم کے ہاں مجلس مرثیۂ نو تصنیف میں شرکت کے لئے جا رہا تھا، خالو ابا (کوکبؔ آفندی) نے پوچھا: باقر میاں کہاں جا رہے ہو، میں نے کہا: مرثیہ سننے۔ کہنے لگے: ہمارے ابا بہت اچھا مرثیہ پڑھتے تھے۔ میں نے کہا: خالو ابا آپ نے کبھی مرثیہ کہا؟ کہنے لگے: نہیں، مگر ابا نے بہت مرثیے کہے ہیں، میں نے پوچھا: بہت کتنے؟ تو ہنسے، کہنے لگے: سینکڑوں، جتنی دیر میں ہم سے دو تین غزلیں مشکل سے ہوں، ان کا مرثیہ ہو جاتا تھا، ان کے بیٹے کوکبؔ آفندی نے بھی سینکڑوں کا ہی لفظ استعمال کیا۔ بزمؔ صاحب خود اپنے ایک مرثیہ میں اپنے دادا میرزا فصیح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اُس آفتابِ سخن کا ہوں میں بھی اک ذرّہ یہ مال کیوں نہ پہنچتا کہ اِرث تھا میرا
غنی ہوں نقدِ سخن کی طرف سے میں بخدا کہ پانچ ہیں مرے دیوان مرثیے صدہا
نفیس طبع بھی، مضمون آفریں بھی ہوں
میں خاندان کا اپنے ہی، خوشہ چیں بھی ہوں

یہ مرثیہ اُن دس مرثیوں میں سے ایک ہے جو انہوں نے غازی آباد ضلع میرٹھ میں تصنیف کئے، بزمؔ صاحب نے اس مرثیے کے نیچے یکم فروری ۱۹۲۱ء کی تاریخ تحریر کی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہے کہ غزلوں کے پانچ دیوان اور سینکڑوں مرثیے

جنوری ۱۹۲۱ء تک لکھے جا چکے تھے، اس کے بعد وہ ۳۲ سال سے زیادہ زندہ رہے، ایسے باکمال قادرالکلام اور زود گو شاعر نے اپنے فن کے عروج کے ۳۲ سالوں میں کیا کچھ نہ کہا ہوگا۔ یہ میں اپنے قائین کے فہم وادراک اور حُسنِ ظن وتخمین پر چھوڑتا ہوں۔ ہمارے اندازے کے مطابق تو وہ سات دیوان غزل کے اور ۳۰۰ سے کہیں زیادہ مرثیے چھوڑ کر گئے جس کی تعداد پانچ سو تک بھی ہوسکتی ہے اور اس سے زیادہ بھی، وہ بے حد زود گو شاعر تھے، حضرت حُر کے حال کا ۹۰ بند کا یہ مرثیہ، ''دُرِ یگانۂ بحرِ وفا ہر اول تھا'' انہوں نے چھ دن میں مکمل کیا، اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے حال کا ۹۲ بند کا مرثیہ صرف نو دن میں مکمل کیا جس کا مطلع یہ ہے: ''ہر ماہ کو بے مہریٔ دنیا سے گلہ ہے''

بزمؔ آفندی بڑے کُہنہ مشق، زود گو اور قادرالکلام شاعر تھے، ۹۳ سال کی حیات میں ان کی عمرِ سخن تین رُبع صدی سے بھی زیادہ ہے، اردو زبان کے مستند اساتذۂ سخن میں شمار ہوتے تھے، سراج الشعرا اور معراج الشعرا کے خطابوں سے نوازے ہوئے تھے، رامپور اور حیدآباد کے درباروں سے بھی وابستہ رہے۔

بزمؔ آفندی کا خاندان کتنا معتبر، وقیع اور معزز تھا اور ہر دور میں کتنا محترم، منفرد اور فقید المثال رہا ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ میرزا فصیح، منشی مُنیر، بزمؔ آفندی اور نجمؔ آفندی، اپنے اپنے وقت کی عہد ساز شخصیت رہے ہیں۔ میرزا فصیح کا حضرت ابو طالبؑ اور حضرت خدیجہ کے مزارات کی مرمت اور ان پر گنبد تعمیر کرانا وہ سعادت ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی، اور پھر حاجیوں اور زائرین کی مسلسل دیکھ بھال اور ان کی مثالی خدمات فراہم کرنا، یہ ایسی نیکی اور خوش بختی ہے جو مشکل ہی سے کسی کو ملتی ہے، ''تا نہ بخشد خدائے بخشندہ''، ان خدمات کے اعتراف میں میرزا فصیح کو حکومتِ ترکی کی طرف سے آفندی کا خطاب ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو نسلاً بعد نسلٍ باعثِ امتیاز ہے۔

معراج پر اُن کی نگارشات کے صلہ میں، حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر دہلی میں ایک خاص جلسہ میں بزم آفندی کو معراج الشعرا کا خطاب خواجہ حسن نظامی نے دیا۔

حضرت علامہ نجم آفندی کو شاعر اہلبیت کا خطاب سرکار ناصر الملّت نے عطا کیا، کسی ایک ہی خاندان کی پے در پے نسلوں میں اتنے لوگوں کا ایسے اعزازات کا حصول شاید ہماری تاریخ میں کہیں اور نہ ہو۔ نیکیوں کی وہ کارکردگی جس کی بنیاد پر یہ اعزازات ملے آفندی خاندان کی نسلوں کے لئے فخر و شرف ہے۔

بزمؔ آفندی نے بڑی فعال اور بھرپور زندگی گزاری، اپنے ۹۳ سال کے عرصۂ حیات میں ۷۵ سال زبان و ادب کی بھرپور خدمت کی، اُن کی باقیات الصالحات میں اپنے شعر و سخن کے ذخیروں کے علاوہ انہوں نے قوم کو ایک نابغۂ روزگار فرزند بھی دیا جس نے اپنی فکر کے ایسے چراغ روشن کیئے جس کی روشنی نے رثائی ادب کا قبلہ ہی تبدیل کر کے رکھ دیا، اُن کے قلم کا جہاد بڑے گراں قدر اور دور رس نتائج کا حامل ہے، نجم آفندی نے خود دو ہی مرثیے کہے مگر وہ چراغِ راہ کا کام دے رہے ہیں اور دیتے رہیں گے۔ احساس کی چنگاریوں سے بھری ہوئی ان کی شاعری نے مُردہ ذہنوں میں زندگی کی روح پھونک دی، اردو بولنے والوں میں کوئی عزاداری کرنے والا گھر ایسا نہیں جہاں ہر سال نجم آفندی کی آوازیں نہ گونجتی ہوں۔

ع نشانِ فوج پیمبر سجایا جاتا ہے

بزم صاحب کے دوسرے فرزند، مرزا کوکب آفندی کی غزلوں کا مجموعہ، ''چراغ بزم کا ہوں'' منظر عام پر آچکا ہے، انگریز خاتون سے اُن کی بیٹی جو دنیائے شاعری میں پروین کجکُلاہ کے نام سے مشہور ہیں غزل کے کئی دیوان چھوڑ کے گئی ہیں جن کا اب پتہ بھی نہیں کہ کہاں ہیں، میری بیوی کو ''چندن'' نام بھی انہی خاتون نے دیا تھا بزم صاحب نے اور

ان کے خانوادے نے شعر و سخن کو کیا کچھ دیا ہے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔

بزم صاحب کے انتقال کے ۵۸ سال بعد ان کے سینکڑوں مرثیوں میں سے صرف ۲۷ مرثیے دنیا کے سامنے پیش کرنا کوئی حق ادا ہونے کی بات نہیں ہے تاہم آج کی دنیا کو ایک اور اسلوب و آہنگِ مرثیہ سے روشناس کرانا ادبیاتِ اردو میں ایک کارِ خیر کی کوشش ضرور ہے، خدا کرے یہ اشاعت بزم صاحب کے مزید مرثیوں کی دریافت اور ان کی اشاعت کا پیش خیمہ ثابت ہو، ورنہ چار پانچ غزل کے دیوان اور سینکڑوں مرثیوں کا اتلاف کسی بھی زبان و ادب کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تو ہے ہی، رباعی سلام اور قصیدوں کا تو ذکر ہی کیا۔

غیر منقسم ہندوستان کے بزمؔ آفندی لاہور بھی آچکے ہیں، اب سے تقریباً ۳۲ سال قبل میں جناب وحید الحسن ہاشمی مرحوم سے ملنے ان کے گھر گیا، دوران گفتگو نجم آفندی کا تذکرہ چھڑا، اسی دوران ہاشمی صاحب نے کہا کہ یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ بزمؔ آفندی لاہور آچکے ہیں اور یہاں وہ مشاعرے میں بھی شریک ہوئے اور ان کی ملاقات علامہ اقبال سے بھی ہوئی، میں نے سال پوچھا تو انہوں نے میری پیدائش سے پہلے کا بتایا، میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوا تھا، افسوس کہ آج ہاشمی صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں، اگر ہوتے تو اُن کا ایک تفصیلی مضمون اس کتاب کا حصہ ضرور بنتا، مجھے یاد ہے کہ میں نے ہاشمی صاحب سے یہ کہا تھا کہ آپ اپنی ان قیمتی یادداشتوں کو قلم بند ضرور کریں، ہاشمی صاحب کے لائق فرزند اور ان کے جانشین ڈاکٹر شبیہ الحسن ہاشمی بزمؔ آفندی پر ایک مقالہ تحریر کر رہے ہیں جو کسی حد تک ہاشمی صاحب کی کمی کے احساس کو ضرور کم کردے گا۔

بزمِ رثا کی پروف ریڈنگ کے دوران میں نے ان کا یہ سارا کلام حرف حرف پڑھا ہے اُن کے مرثیوں میں فن کی پختگی اور حُسنِ زبان و بیان کا ایک بڑا خوبصورت

امتزاج نظر آتا ہے، سات غزلوں کے دیوان، سینکڑوں مرثیے، معراج پر نعتیہ مسدس لکھنے والے اور علامہ اقبال کے شکوہ پر شکایت نظم کرنے والے دنیائے اردو کے اِس مایۂ ناز شاعر نے اپنی قادر الکلامی کے جو شاہکار چھوڑے ہیں اُن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے ہمارا یہ شاعر فکر وفن کی بلندیوں کے کن مدارج پر فائز تھا اس پر کچھ لکھنا مجھ جیسے کم بساط وکم پایہ طالب علم کا منصب نہیں ہے۔ لیکن اپنی پسند وناپسند کے اظہار کا حق جو ہر قاری کو ہوتا ہے اسی استحقاق کی بنیاد پر اپنے خیالات پیش کر رہا ہوں۔

بزم صاحب کے مرثیے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قادر الکلامی سے ایک مضمون یا ایک بات کو سو طرح سے کہنے کی استعداد رکھتے تھے زبان بڑی با محاورہ استعمال کرتے تھے، روزمرہ خوب برتتے تھے، رعایتِ لفظی کا استعمال بڑی خوبصورتی سے کرتے تھے، نئے نئے مضامین لاتے تھے کبھی کوئی پرانا مضمون لکھتے بھی تھے تو اس میں اپنی فکر سے تنوع پیدا کر لیتے تھے، فرسودہ تراکیب وتشابیہ سے گریز کرتے تھے اور نئے نئے فکری رجحانات کو متعارف کراتے تھے، نئے نئے مضامین کی ایجاد ان کا محبوب مشغلہ تھا، اور ان کی یہ کوشش شعوری ہوتی تھی جس کا اپنے کلام میں ادّعا بھی کیا ہے اور اعادہ بھی ان کے مرثیے زبان وفکر دونوں اعتبار سے لاجواب ہیں۔ محاورے اور زبان، روزمرہ اور بول ٹھول، پر ان کی گرفت اور اہلیت مثالی تھی صنائع بدائع اور حُسن تعلیل کا حُسن دیکھنے کے قابل ہوتا ہے، گھوڑے اور تلوار کی تعریف میں ان کے بند لاجواب ہیں خاص طور پر جہاں ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تقابلی مکالمے لکھے ہیں، بے مثال ہیں، تشبیہ واستعارہ اور تلمیح واشارہ ان کی فکر اور ان کے مضمون کو اجاگر کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان کے محاوروں کی بے ساختگی اور روزمرہ کی چاشنی دلوں کو چھوتی ہے۔ ایک اور چیز جو ان کے ہاں بہت ممتاز ہے وہ اُن کا ادبی اصطلاحات کو

مثالیں بنا کر اپنے نفسِ مضمون کو ظاہر کرنا ہے اور اِس میں وہ غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں، ان کی تشبیہات بہت چونکا دینے والی ہوتی ہیں۔ عام فکر و مزاج سے ہٹ کر بالکل نادر اور اچھوتی تشبیہ نکالنے میں انہیں غیر معمولی قدرت حاصل ہے اور اس کی مثالیں ان کے مرثیوں میں بھری پڑی ہیں۔ ضیاء الحسن موسوی مرحوم نے ''النجم'' میں تشبیہ کے حوالے سے بزم صاحب کی یہ بیت لکھی ہے جو حضرت عون و محمد کے گھوڑوں کی تعریف میں ہے:

؎ دونوں فلک نورد ہیں گردوں سریر ہیں گھوڑے ہیں یا کہ فکرِ انیس و دبیر ہیں

اسی حوالے سے ایک اور تشبیہ دیکھئے؛

؎ جب اُڑے فرش سے یوں عرشِ علا تک پہنچے جیسے تکبیر کی آواز خدا تک پہنچے

حضرت امام حسین علیہ السلام کا خیمہ سے برآمد ہونے پر یہ تشبیہ بھی ملاحظہ کیجئے؛

؎ یوں نکلے شاہ ہر دو سرا بارگاہ سے جس طرح آہ، قلب رسالتمآب سے

امام زمانہؑ کے پردۂ غیب میں رہنے پر کیسی کیسی خوبصورت تشابیہ اس بند میں ہیں، بیت میں جو تشبیہ ہے بالکل اچھوتی اور منفرد ہے، پڑھئے اور آپ بھی لطف لیجئے۔

اس طرح غار میں یہ رشکِ قمر مخفی ہے جس طرح طائرِ جاں تن میں ہے پر مخفی ہے
اِس طرح بحرِ جہاں میں یہ گہر مخفی ہے جیسے الحمد کے جملے میں خبر مخفی ہے
آپؑ اس شان سے روپوش ہیں اِس محفل میں
جیسے اللہ کے اَسرار علیؑ کے دل میں

بزم آفندی کا اپنے کمال فن کا ادراک

بزم آفندی کو اپنے مقام اور مرتبہ کا پورا شعور تھا، اس کا اظہار ان دو بندوں میں دیکھئے؛

ہم زباں مونس و دمساز مجھے کہتے ہیں خوش بیاں صاحبِ اعجاز مجھے کہتے ہیں
مدح خواں ہمدم و ہمراز مجھے کہتے ہیں ہمہ داں بُلبُلِ شیراز مجھے کہتے ہیں
وجہِ شادابیِ گلزارِ معانی ہوں میں
جوہرِ آئینۂ سحر بیانی ہوں میں

زینتِ بزمِ فصاحت ہے فسانا اپنا موجدِ طرزِ بلاغت ہے گھرانا اپنا
مرثیہ گوئی میں قائل ہے زمانا اپنا حُسنِ ایجاد ہے انداز پرانا اپنا
ہم نے آغاز کیا طرز صف آرائی کو
گویا ہم خلق میں پیدا ہوئے گویائی کو

حمد، نعت، منقبت

بزم صاحب نے اپنے مرثیوں میں خالق کائنات کی حمد وثنا کا بہت خیال رکھا ہے ان کے دعائیہ بندوں میں بھی حمد کا عنصر بہت زیادہ ہے اسی طرح نعتِ مصطفوی کا بڑا اہتمام نظر آتا ہے۔ ان کا شاید ہی کوئی مرثیہ ہو جس میں منقبت اور رثا کے ساتھ حمد ونعت کا عنصر موجود نہ ہو۔ ''عبدِ ناچیز سے خالق کی حمد وثنا کیونکر ہو'' یہ مسدس توحید باری تعالیٰ اور ثنائے مصطفیٰؐ سے بھرا پڑا ہے۔ رسول مقبول ﷺ کے لئے ان کے مدح کے شعرا اپنا جواب نہیں رکھتے، بڑی بڑی نادر تشابیہ استعمال کی ہیں۔ اس کتاب کا تیرھواں مرثیہ تو انہوں نے شروع ہی نعت سے کیا ہے اس کے پہلے چھ بند نعتیہ ہیں، ملاحظہ ہوں:

دولتِ مدحِ نبیؐ دین کا سرمایا ہے اسی نایاب رقم سے یہ شرف پایا ہے
کلمہ پڑھتی ہے فصاحت وہ مرا پایا ہے بیت ہر اک مری قرآن کا اک آیہ ہے
عرشِ منبر پہ مکیں ہوں یہ قرینہ دیکھیں
کلمۂ گو مری معراج کا زینہ دیکھیں

جس کا مداح ہے رَب اُس کی ثنا پڑھتا ہوں اپنے پڑھنے پہ میں خود صَلِ علا پڑھتا ہوں
کچھ فرشتوں ہی کو معلوم ہے، کیا پڑھتا ہوں قلمِ کاتبِ قدرت کا لکھا، پڑھتا ہوں
وصفِ محبوبِ خدا اور مرا منہ، واہ رے میں
ذرۂ خاک کا یہ مرتبہ، اللہ رے میں

واہ رے ذکر، کہ آوازِ ثنا آتی ہے میری امداد کو تائیدِ خدا آتی ہے
بزم میں، گلشنِ جنت کی ہوا آتی ہے اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ کی صدا آتی ہے
ذکر سرور کا بیاں کیا ہو کہ جو پایا ہے
وَ رَفَعْنَا لَكَ قرآن میں جب آیا ہے

زیرِ منبر مَلِکِ عالَمِ بالا بھی ہیں اپنے مشتاق سب ادنی بھی ہیں اَعلا بھی ہیں
ذکر اوروں کا تو کیا سیّدِ والا بھی ہیں یاں نظر کردۂ اللہ تعالیٰ بھی ہیں
ساتھ فردوس سے سب اور نبیؐ آئے ہیں
مرحبے سننے رسولِؐ عَرَبی آئے ہیں

میری تعریف کی یہ مدح و ثنا، صلِ علیٰ یوں درودوں کی ہر اک سمت صدا صلِ علیٰ
انبیا مدح کریں، شکر خدا صلِ علیٰ ای محمدؐ کی ثنا صل علیٰ صلِ علیٰ
اور کیا اس سے زیادہ مری عزت ہوجائے
مدح گو سے وہ بڑھے، جس کو نبوت ہوجائے

میرا کیا منہ جو محمدؐ کی میں توصیف پڑھوں ہاتھ جس تک کہ پہنچتا ہو وہ تالیف پڑھوں
آج مجلس میں نئی صنف کی تصنیف پڑھوں محو تعریف ہوں سب، پہلے وہ تعریف پڑھوں
پر لکھوں کس کی ثنا یہ مجھے حیرانی ہے
ثانیٔ ختم رسالت بھی تو لاثانی ہے

آخری بند سے چھٹے مصرعے میں منقبت کی طرف کس قدر خوبصورت گریز کیا ہے، ان بندوں میں بھی ذرا منقبت کا ٹھاٹھ دیکھئے، پہلا بند ضیاء الحسن موسوی کے مضمون سے لیا گیا ہے جب کہ دوسرا بند اس کتاب کے چھبیسویں مرثیے کا نواں بند ہے:

پیدا ہوا ہے جوہر جرأت علیؑ کے ساتھ رفعت ہوئی ہے قابل رفعت علیؑ کے ساتھ
جھولے میں جھولتی تھی شجاعت علیؑ کے ساتھ بچپن میں کھیلتی تھی قیامت علیؑ کے ساتھ
گویا علیؑ کے ساتھ پلی، اور بڑی ہوئی
جب پاؤں یہ چلے ،تو قیامت کھڑی ہوئی
(النجم صفحہ ۱۴۶)

میں اس کا ثنا خواں ہوں، جو خود علم کا ہے در اس بحر کا قطرہ ہوں، جو ہے آب میں کوثر
اُس ماہ کا تارا ہوں، جو ہے عرش کا اختر دم بھرتا ہوں اس دم کا، جو ہے نفسِ پیمبر
دخل اپنے عقیدے میں نہیں، شرک و ریا کا
سو جان سے بندہ ہوں نُصیری کے خدا کا

تغزّل:

بزم آفندی کے مرثیے تغزل سے بھرے پڑے ہیں اس لئے کہیں بوجھل نہیں، ان بندوں میں حُر، اس کے بھائی، بیٹے اور اس کے غلام کو امام عالی مقام جنت کے مناظر دکھاتے

ہیں۔ بزم صاحب نے اس موقع کی منظر کشی میں کیسے کیسے مصرعے نکالے ہیں اور پھر خود ہی اپنے آپ کو تنبیہ کر کے گریز کی راہ نکال کے مصائب کی طرف چلے جاتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

کہیں یاقوت کے گھر ہیں کہیں قصرِ مرجاں کہیں تسنیم کہیں چشمۂ کوثر ہے رواں
کہیں اک شاخ پہ سو بلبلیں ہیں زمزمہ خواں کہیں گلگشت میں مصروف نگارانِ جناں
پیاری وہ صورتیں دلکش وہ صدائیں اُن کی
وہ کرشمے وہ غضب شوخ ادائیں اُن کی

ہے کوئی غیرتِ خورشید کوئی ماہِ تمام دل پسے جاتے ہیں سینوں میں وہ اندازِ خرام
ہیں دہن غنچۂ فردوس تو آنکھیں بادام سلسلے کاکلِ پُر پیچ کے عشاق کو دام
دیکھ کر جن کو کٹے تیغ بھی ابرو ایسے
حلبی آئینے صدقے کئے زانو ایسے

چوٹیاں اُن کی وہ گوندھی ہوئیں وہ سرو سے قد ہاتھ میں مردمکِ دیدہ کے غمزوں کی سند
آنکھیں وہ دیکھ کے حیراں ہو جسے چشمِ خرد سینے ہیں یا کہ نظر آتے ہیں پھولوں کے سَبَد
نظریں تیر سی ہیں موئے مژہ بھالے ہیں
نیچے اُگلے ہوئے سرمہ کے دُنالے ہیں

نمکیں حُسن وہ آفت کا وہ بیساختہ پن وہ قیامت کی جوانی وہ غضب کا جوبن
چہرے وہ نور کے وہ چست شلوکے وہ بدن بصد انداز و ادا، چھیڑ کے، باہم وہ سخن
کوئی رگ جسم کی، شوخی سے نہیں خالی ہے
پُھرتیاں قہر کی ہیں، چال بھی متوالی ہے

بزمؔ کیوں آج یہ کیا ہے تری طرزِ گفتار یہ طریقہ نہیں اربابِ ادب کا زنہار
کیا غزل کہنے پہ ہے شاعری کا دارومدار تو ہے ذاکر تجھے زیبا نہیں ایسی رفتار
بس قلم روک کہ یہ رنگ متانت کا نہیں
مرثیہ ہے کوئی واسوخت امانت کا نہیں

گھوڑے کی تعریف:

گھوڑے کی سرعت کا بیان دیکھئے؛

؎ یوں عرش سے پلٹ کے زمیں پر رواں ہوا جس طرح کن کے کہتے ہی، عالم عیاں ہوا

؎ کرتا ہے طے، یہ سارا جہاں اتنی دیر میں معراج کو رسولؐ گئے، جتنی دیر میں

*****

معشوق کو پیار آتا ہے، رہوار کے اوپر سیماب تڑپ جاتا ہے، رفتار کے اوپر
پانی کی طرح پھرتا ہے، تلوار کے اوپر مچھلی کی طرح تیرتا ہے، دھار کے اوپر

تتلی کو نہ آزار ہو رفتارِ فرس سے
لچکے نہ ذرا تارِ نظر بارِ فرس سے

؎ ہر ایک قدم پہ اَبد سے سفر مزید ہوا پھرا ازل کو، تو ماضی سے بھی بعید ہوا

*****

؎ ازل سے اُڑ کے پہنچ جائے یوں قیامت میں کہ جیسے شکر کی آواز، گوشِ قدرت میں

*****

؎ ہمیشہ رکھتا ہے دل کی خبر، وہ دانا ہے نگاہِ چشمِ خیال، اس کو تازیانہ ہے

*****

قدم ہمیشہ رواں، رو میں پتلیاں جیسے پکڑ سکے نہ کوئی کہتے کی زباں جیسے
صفوں سے تن کے نکل جائے، دم میں جاں جیسے زمیں سے، عرش پہ مظلوم کی فغاں جیسے

پلٹ کے عرش سے یوں جانبِ زمیں آیا
علیؑ کو جیسے کہ معراج پر یقیں آیا

*****

کس زباں سے ہوں بیاں، توسنِ غازی کی ثنا جس کے سائے کو کبھی دوڑ کے، پائے نہ ہوا
تیز رو بادیہ پیما، نہیں دیکھا ایسا شوخیاں وہ، کہ زمانے کے حسیں جس پہ فدا

کبک و طاؤس و ہما، آ کے قدم لیتے ہیں
حُسنِ رفتار پہ معشوق بھی جاں دیتے ہیں

؎ کیا ثنا کر سکیں آفاق میں مرؤم اس کی عکس ہے کاہکشاں جس کا، وہ ہے دُم اس کی

عون و محمد علیہما السلام کے گھوڑوں کی تعریف میں یہ بند دیکھئے؛

دونوں رہوار، سبک رو بھی ہیں طرّار بھی ہیں خوش عناں بھی ہیں، صبادم بھی ہیں، جاں دار بھی ہیں
صاحب فہم بھی، خوش رو بھی ہیں، جرار بھی ہیں جیسے اسوار ہیں، ویسے ہی یہ رہوار بھی ہیں
جب اڑے فرش سے، یوں عرشِ علا تک پہنچے
جیسے تکبیر کی آواز خدا تک پہنچے

تلوار کی تعریف:

؎ ڈر جاؤں گی کیوں ان سے، وہ ایسے ہیں کہاں کے میں بھی تو وہیں کی ہوں، فرشتے ہیں جہاں کے

*****

کاٹھی سے تیغ نکلی، کہ بجلی سحاب سے یا دستِ حق پرستِ یداللہ، حجاب سے
یا حکمِ رب، حدیث رسالت مآبؐ سے یا آیۂ جہاد، خدا کی کتاب سے
یوں دین کے رواج کو نکلی میان سے
جیسے علیؑ کی مدح نبیؐ کی زبان سے
رن میں کب اس کی چال سے، محشر بپا نہ تھا ظالم کو یاد، کونسا طرزِ جفا نہ تھا
لیتی تھی جان، اور کوئی مدعا نہ تھا رُک جانے کا سبب، کبھی اس نے پڑھا نہ تھا
مضمون نیا ہے مدح میں تیغِ خوش آب کی
گویا زبان تھی کسی حاضر جواب کی

حضرت حُرؑ کی تلوار کی کاٹ دیکھئے؛

ذرا کوئی جو اُبھرتا تھا، اس کو کاٹتی تھی جو کوئی آن ہی مرتا تھا اس کو کاٹتی تھی
جو کوئی آہ بھی بھرتا تھا، اس کو کاٹتی تھی جو دل میں وہم گزرتا تھا، اس کو کاٹتی تھی
ذرا سی دیر میں لاشوں سے دشت پاٹ دیا
کمال یہ ہے، خیالِ فرار کاٹ دیا

جدا وہ کرتی تھی سر، سر پہ وہ بٹھاتے تھے گلا وہ کاٹتی تھی، وہ گلے لگاتے تھے
وہ خون پیتی تھی، دم دے کے وہ پلاتے تھے وہ ناز کرتی تھی جتنا بھی، وہ اٹھاتے تھے
طریقِ جنگ بھی، معشوقیت کے ساتھ رہا
ہر ایک طرح سے میدان اس کے ہاتھ رہا

*****

؎ بھیجی تھیں اتنی روحیں کہ کچھ انتہا نہ تھی دوزخ میں ایک تل کے بھی رکھنے کی، جا نہ تھی

*****

گھوڑے اور تلوار کے بند ہمارے روایتی مرثیہ کی جان ہوتے ہیں ہر شاعر اپنی جان لڑا کر ان بندوں کو خوب سے خوب تر کہنے کی کوشش کرتا تھا۔ بزم صاحب نے اس روایت کا پاس ہی نہیں کیا بلکہ اس کو بڑھایا بھی ہے۔ چوتھے مرثیے میں جس کا مطلع ہے ''آمد ملک الموت کی ہے دشتِ وغا میں'' بند اٹھارہ سے تیس تک گھوڑے کی تعریف کے بند ہیں، ۳۶ سے ۴۲ پھر ۴۶ سے ۵۴ تلوار کی تعریف ہے۔ بند ۵۵ سے گھوڑے اور تلوار کی گفتگو ہے، بند ۶۰ میں تیر شریکِ گفتگو ہو جاتا ہے ایک دوسرے پر اپنی سبقت بیان ہوتی ہے، سوال و جواب ہوتے ہیں اور بند ۶۴ میں نیزہ اس مکالمہ میں داخل ہوتا ہے۔ بند ۶۶ پر گرز ۶۷ پر چار آئینہ ۶۸ پر زرہ اور ۶۹ پر سپر کا بھی مکالمہ لکھا ہے، تمام آلاتِ حرب کا اپنی اپنی اہمیت اور فوقیت جتانے کا مکالمہ بزم صاحب کا کمال ہے جو انہیں دوسرے مرثیہ گو شعرا سے ممتاز و ممیّز کرتا ہے، یہ گویا ان کی طرف سے ایک اضافہ ہے۔ ایک ایک آلۂ حرب کی اس کی زبان سے اہمیت کا بیان دوسرے کا جواب اور پھر جواب الجواب یہ سب آپ کو کہیں اور ملنا مشکل ہے، یہ بزم آفندی کا اجتہاد ہے اور رزمیہ ادب میں ایک اضافہ۔

حروفِ تہجی اور زبان کی اصطلاحات:

بزم صاحب نے حروفِ تہجی سے بھی خوب کام لیا ہے وہ جہاں چاہتے ہیں بڑی آسانی سے تمام حروف کو صوری مماثلت پیدا کر کے حروف تشبیہ بنا دیتے ہیں، الف، نون، صاد، جیم اور ہمزہ وغیرہ کا استعمال بڑی خوبصورتی کے ساتھ کرتے ہیں۔ اردو زبان، قواعد صرف ونحو اور شعر وادب کی اصطلاحات کو انہوں نے جس خوبصورتی سے استعمال کیا ہے اور زبان و بیان کے پیکر میں ڈھالا ہے اس نے شعر کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے ہیں یہ بھی ان کا خاص فن ہے جس میں کوئی ان کے مقابل نظر نہیں آتا یہ مثالیں دیکھیں؛

اے قلم سیرِ گلستانِ جناں دکھلا دے　　بیت میں قطعہ گلشن کا سماں دکھلا دے
بحر میں آبروئے نہرِ رواں دکھلا دے　　عصمتِ حور کو مضمونِ نہاں دکھلا دے
نقش میں صورتِ معنیٔ نگار آجائے
بے بھی اُس باغ کی لکھ دوں تو بہار آجائے

حرفِ سبزانِ جناں باغِ سخن میں آئیں　　اکڑیں شمشاد کی صورت یہ الف اترائیں
بائیں مانندِ بروبار دلوں کو بھائیں　　جعفری جیم کے جوبن کی طرف جھک جائیں
دال رے مِل کے ہو درسین سے سبزہ ہو جائے
شین اِس شان سے آئے کہ شگوفہ ہو جائے

*****

حُسن ہو صادِ صنوبر میں کہ آنکھیں کھولے　　تارِ طاؤس سے اِس باغ کا طوطی بولے
مدعی بحر سے حرفوں کے جواہر رولے　　گُل سُبک ہوئیں جو کانٹا بھی نظر سے تولے
عین سے سارا جہاں گلشنِ عنبر ہو جائے
فے سے فردوس ہو دل قاف سے قنبرؑ ہو جائے

کاف سے کوزۂ کوثر ملے اور گاف سے گل لام سے لعلِ جناں لب سے ملے میم سے مُل
ورد کا واؤ ہو اور ہائے ہوائے بُلبُل لام الف لالۂ بے داغ دکھائے بالکل
دائرہ کھینچوں تو پینا کو ہو کوثر معلوم
یائے مجہول ہو بیلے کے برابر معلوم

اللہ ری آن بان، زہے شانِ تیغ تیز خونخوار، سر شگاف، جگر سوز، شعلہ ریز
خونریز، حشر خیز، زباں تیز، خوش سَتیز ممکن کہیں گریز، نہ آرام بے گریز
اللہ کا عذاب کہ شہ کی ستیز تھی
لشکر کے شاعروں کو بھی فکرِ گریز تھی

جو شعر وصفِ تیغ میں تحریر ہوگیا مصرع بھی لفظ کے لئے شمشیر ہوگیا
خود سلسلہ حروف کو زنجیر ہوگیا ہر دائرہ کمان، الف تیر ہوگیا
خوفِ حُسامِ شہ سے ہر اِک رُکن گھٹ گیا
خود قافیہ ردیف سے ڈر کر لپٹ گیا

*****

مثالِ نظم اُٹھا بند و بستِ ملکِ سخُن جو بیت نظم میں تھے، رکن گر کے ہوگئے عُن
گھٹے ہیں یوں کہ افاعیل رہ گئے فعلُن مگر ہے بحر کو پیہم رواروی کی دُھن
گریں حروف تو پھر ذکر کیا حریفوں کا
الم سے تنگ ہے خود قافیہ ردیفوں کا

رُباعیاتِ عناصر نہ خمسہ ہائے حواس ہوا مُسدّسِ اطراف میں تواردِ یاس
ہر ایک بیت میں مضمونِ درد و رنج و ہراس ہر ایک قلب میں تضمینِ غم سے قطع ہے آس
نہ کیسے مصرعِ برجستہ جست و خیز کرے
سخن کے نام سے مضموں ہی جب گریز کرے

حضرت علی اصغرؑ کے حوالہ سے یہ بند دیکھئے، چہرہ لکھنے کا یہ منفرد انداز ان کا اپنا ہے۔

معصوم کی بینی الف اور صاد ہے اِک عین پر خال کے نقطے کے سبب عین دگر غین
اور صاف خطِ نسخ کی رِے ابروئے پُرزین اصغرؑ کے حروف آئے ہیں قرآن کے مابین
خاطر جو پریشاں ہے تو ہر حرف جُدا ہے
اصغرؑ یہ مگر خالقِ اکبر نے لکھا ہے

چھ ماہ کے سپاہی کو ماں نے جنگ کے لئے تیار کیا ہے۔ ایک سپاہی کی ساری ضروریات بہم کی ہیں۔

سر پنجۂ مژگاں سے کیا زُلف میں شانہ جوشن کی جگہ حرزِ علیؑ بازو پہ باندھا
اور جائے سپر پشت پہ یا فاطمہؑ لکھا چار آئینہ تھا نام فقط چار کُتب کا
یہ فکر تھی کیا چیز ہو ہتھیار کے بدلے
پنجے پہ علیؑ لکھ دیا تلوار کے بدلے

حضرامام حسین علیہ السلام کے سراپا میں چہرے کا یہ بند دیکھئے؛

نونِ نبی ہے، ابروئے شاہنشہِ انام صادِ صلاۃ، دیدۂ حق بیں ہے لا کلام
بینی کے بھی الف کا سنیں راز خاص و عام ایما ہے سوئے آلِ رسولِ فلک مقام
یعنی رسول رَب سے نہ ان کو جدا کہو
باہم نبیؐ و آل پہ صلِ علیٰ کہو

مورچے لشکر اغلاط کے ہیں پیشِ نظر بڑھ کے کیوں صحتِ لفظی نہ کہے، پیشِ نظر
ہیں جگر چاک، تشدد ہے یہ تشدیدوں پر جزم کی ہیبتِ مُو، کب سے خمیدہ ہے کمر
صفیں استادہ ہیں سطروں پہ گماں ہوتا ہے
مد سے پرچم کا نشاں صاف عیاں ہوتا ہے

اثرِ آمد غازی ہے، سخن میں بھی عیاں ڈر سے جنبش میں ہیں سب ہیبتِ سخن کے ارکاں
رکن سالم رہیں کیا، بحر میں جب ہو طوفاں قافیہ تنگ ہے، دہشت سے روی کی ہر آں
اپنے قابو میں یہاں، دخل سخن رس کا نہیں
قید خانہ ہے، ہر اک بند مسدس کا نہیں

یہ بیتیں بھی دیکھئے؛

؎ اثرِ آمدِ ہم رتبۂ حمزہؓ دیکھو منحنی ہو کے، خمیدہ ہوئی ہمزہ دیکھو

*****

؎ رنگِ آمد جو زبانوں پہ عیاں ہونے لگے حال و آئندہ، مضارع میں نہاں ہونے لگے

*****

محوِ تعلیمِ پسر، بنتِ شہِ مرداں تھی دورِ قرآں سے عیاں، منزلت عرفاں تھی
آنکھ آیت کی جھپکتی ہی نہ تھی، حیراں تھی صرف خود صرفِ محبت تھی، بلاگرداں تھی
نحو بھی محو ہوئی، علمِ عَرَب سیکھ لیا
نُطق منطق نے، بلاغت نے اَدَب سیکھ لیا

وقتِ تعلیم، شجاعت کا اثر پیدا تھا صرف میں بحث جو تھی، شیر کا دل بڑھتا تھا
حذف و اسقاط کا، بچپن سے جری شیدا تھا راس کی ہمزہ کی، تعلیل کا دل جویا تھا
نحو میں تذکرۂ زیر و زبر پیش ہوا
فتح اور کسر کا ، اک معرکہ درپیش ہوا

شیر بولا، تری بازی کہیں چلتی ہے شقی مرگ تیری، کف افسوس کو ملتی ہے شقی
دم نکل جائے گا، لے تیغ نکلتی ہے شقی اور مضمون ہے اب، طرح بدلتی ہے شقی
مصرع قد کے مقابل، جو یہ مصرع ہو گا
قافیہ تنگ نظر آئے گا، مقطع ہو گا

؎ سو کئے جسم کے ہمراہ، زرہ کے مصرعے ایک مصرع پہ ہوئے، اتنے گرہ کے مصرعے

بزم آفندی نے اپنے مرثیوں میں جگہ جگہ احادیث و آیات کا استعمال کیا ہے مگر اتنی خوبصورتی و روانی کے ساتھ کہ پڑھنے یا سننے میں کوئی مصرعہ بوجھل محسوس نہیں ہوتا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بزم صاحب کو عربی زبان پر کیسا عبور تھا، مثالیں بہت ہیں مگر چند یہ ہیں؛

؎ اُدھر کی فوج جو دشمن، ہر اک حُسین کی تھی صدا لبوں پہ، و اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کی تھی

*****

؎ معبود کی رضا پہ رضامند، سب کے سب فَاسْتَجْعَلُوا الصَّلَاۃ کے پابند، سب کے سب

*****

؎ ذکر سرور کا بیاں کیا ہو، کہ جو پایا ہے وَ رَفَعْنَالَكَ قرآن میں جب آیا ہے

*****

؎ سرخروحق نے کیا، آل میں شامل ہم ہیں آخر اَکْمَلْتُ لَکُمْ آیا، وہ کامل ہم ہیں

*****

؎ فوجوں سے کبھی کھیت میں کچھ بن نہیں آیا کیا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا نہیں آیا

*****

ع ذرا اجل سے ڈرو، کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَان

''کیا گل اندام، گلستانِ رسالت کو ملے'' یہ اس کتاب کا پہلا مرثیہ ہے جو حضرت امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کی تعریف و توصیف سے شروع ہوا ہے اس کے ایک بند کی یہ بیت دیکھئے کہ ایک لفظ کا انتخاب بعض اوقات بہت سے بند کہنے سے بچا لیتا ہے؛

؎ جان لی دونوں کی، کفار کی سرتابی نے تشنگی نے اِنہیں مارا، انہیں سیرابی نے

کیا اس سے کم لفظوں میں یہ مضمون سمیٹا جا سکتا ہے؟

حضرت حُر علیہ السلام کے حال کے ایک مرثیہ میں حضرت حُر علیہ السلام کی زبان میں ابن سعد کے لئے یہ بند دیکھئے محاورے اور روزمرہ کے برمحل استعمال نے زبان و بیان کی جو خوبیاں

پیدا کی ہیں ان کا لطف اٹھایئے اور زبان کے چٹخارے لیجے؛

بہک رہا ہے، کھڑا ہو لعین، ہٹ کے پرے تو کون ہے، جو کسی کے پھٹے میں پاؤں دھرے
گھر اپنا شوق سے لٹوائے، زخم کھائے، مرے ہر ایک شخص ہے آزاد، جو بھی چاہے کرے

مرے گلے کا بہت دیر سے جو ہار ہے تو
تو کیا تمام خدائی کا فوجدار ہے تو

شاعرانہ تعلّی:

شعراو فصحاء شاعرانہ تعلّی کو اپنا حق گردانتے ہیں، شاید ہی کوئی قابل ذکر شاعر ایسا ہو جس نے تعلّی کے ذریعے اپنا علو نہ پیش کیا ہو، بزم صاحب نے اس بند میں نامی اور گرامی سخن گستران پیشینی کے مقابلہ میں اپنے علو کو پیش کیا ہے جو چوتھے مصرعے سے واضح ہوتا ہے اور اس بند کی بیت کے حسن کا اندازہ تو صرف اہل نظر ہی لگا سکتے ہیں؛

اس نظم کو سن پائے، تو عش ہوئے نظامیؔ یوں سر کو دُھنے، چور ہو، جامِ سرِ جامیؔ
سعدیؔ، خطِ ریحاں سے لکھے، خطِ غلامی یہ لوگ غزل گو، میں شہِ دیں کا سلامی

سحبانؔ نے، یہ نکتۂ صائب نہیں لکھے
صائبؔ نے کبھی، ایسے مصائب نہیں لکھے

اسی سلسلہ کا ایک اور بند دیکھئے؛

گو بادِ بہاری نے، مرے رنگ اُڑائے باندھی نہ ہوا، روز گلِ تازہ کھلائے
شاخیں ہی نکلتی رہیں، گو رنگ جمائے خُو بُو مری، اوروں کو نہ آئی ہے، نہ آئے

میں ایک روش پر نہیں، آگاہ بشر ہیں
گل کاریاں کیا، مجھ میں ہزار اور ہنر ہیں

اور یہ ہنر ہی اُنہیں سُخن آرائی کا بزمؔ آفندی بناتے ہیں۔

حرفِ شُکر و تشکر

سب سے پہلے اپنے رب کے حضور سجدہ ہائے شکر پیش کرتا ہوں کہ اُس مسبب الاسباب نے میرے اس مشکل اور صبر آزما کام میں اتنی آسانیاں فراہم کیں کہ میں اِس سے عُہدہ برآ ہو سکا۔

میں اپنے احباب اور کرم فرماؤں کی محبتوں اور عنایتوں کے قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں، ایسا بوجھ جس کا اتارنا میرے بس کی بات ہے بھی نہیں، میرے ان قرض خواہوں میں گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی سرِ فہرست نام گوشی ہی کا ہے جسے اگر پھیلا کر کہوں تو سید علی باسط زیدی ہوتا ہے، حسبِ سابق یہاں میرے چھ سات ماہ کے قیام میں اُس نے جس طرح میرے کام نپٹائے ہیں، لائقِ تحسین و آفریں ہے، اِس مُسافرت میں جس طرح اُس نے میرے آرام و آسائش کا خیال رکھا ہے، اس سے زیادہ شاید میرے اپنے بیٹے بھی نہ کر پاتے، اللہ اُسے تندرست توانا، خوش حال رکھے، گوشی کے والد بتاتے ہیں کہ گوشی کے دادا سلمان زیدی کی دوسری اور تیسری شادی بزم صاحب کے بیٹوں نے کروائیں ایک کوکب آفندی نے اور دوسری نجم آفندی نے، یہ عجب حُسنِ اتفاق ہے کہ بزم آفندی پر مرثیوں کا کام آج سلمان زیدی کے پوتوں کے گھر ہی سے ہو رہا ہے۔

عمران کی محنت اور تعاون سے ''اک سلسلہ سخن کا'' شائع ہو گئی ہے اور اس کی پہلی کاپی جو آج ہی مجھے ملی ہے، عمران کا حق ہے جسے میں اُسے بھیج رہا ہوں، ''بزم رثا'' کی تیاری میں عمران کے علاوہ اور جن کو میں نے بار بار تنگ کیا ہے وہ ارما اور عامر ہیں، وقت نا وقت اُن سے مرثیے کھلوا کھلوا کر ضروری معلومات لیتا رہا، اللہ انہیں شاد و کامران رکھے

کہ وہ اپنے بچوں کے بھی سارے حقوق خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے ادا کر سکیں۔

انوار الحسن نقوی نے، کہ علامہ نجم آفندی کے نواسے ہیں، مرثیوں کی کمپوزنگ میں حتی الامکان مدد فراہم کی، بزم صاحب کی سو سال پرانی تحریروں کو جس آسانی سے وہ پڑھ سکتے ہیں، دوسرے نہیں۔ اس کا اندازہ تب ہوا جب دوسرے لوگوں کو بھی مرثیوں کی کمپوزنگ کا کام دیا گیا، غلطیوں کا ایک بحرِ نا پیدا کنار تھا، ایک لامتناہی سلسلہ تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا، کوئی ایک بھی مصرعہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی غلطی نہ ہو بلکہ بعض جگہ ایک ہی مصرع میں دو دو تین تین غلطیاں بھی عام تھیں، یہ ضرور ہے کہ مرثیوں کی پروف ریڈنگ چار چار مرتبہ کرنی پڑی مگر بالآخر برادرم مُجاہد حسین حرؔ کے تعاون اور ٹھنڈے مزاج نے اِس مشکل کو بھی آسان کر دیا۔

لاہور سے عدنان عادل اور کراچی سے برادرم ساجد رضوی اور ڈاکٹر جاوید منظر جنہوں نے اس کتاب کے لئے مقالوں کے بندوبست میں اپنی سی کوششیں کیں میرے شکریے کے مستحق ہیں۔

زبان و ادب کی محترم شخصیات نے اپنی نگارشات سے کتاب کی صوری و معنوی قدر و آبرو بڑھائی ہے اور میں ان سب کا تہہِ دل سے ممنون ہوں۔

جناب سید ضمیر اختر نقوی، جناب شبیہہ الحسن ہاشمی، جناب عباس ارتضیٰ نقوی اور بھائی پروفیسر حسن سجاد کا اپنے قلب کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری عرضداشت قبول کی، وقت نکالا اور اپنی خوبصورت تحریروں سے نوازا جو قارئین کی بزمؔ شناسی میں بھرپور کردار ادا کرتی رہیں گی۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی وعدے کے باوجود اپنا مضمون ارسال نہ کر سکے، میں ان کی

بے پناہ مصروفیات سے خوب واقف ہوں اس لئے مجھے اُن سے کوئی شکوہ نہیں ہے مگر چھ ماہ کے تھکا دینے والے انتظار کے بعد بغیر اُن کی تحریر کے کتاب چھاپنے کا دُکھ تو ہے اور رہے گا۔

دُعا گو ہوں کہ رب العزت برادرم ڈاکٹر ہلال نقوی کو شفا یاب کرے اور ایسی تندرستی اور توانائی عطا کرے کہ وہ اپنے ادبی مشاغل توجہ اور آسانی کے ساتھ ادا کرتے رہیں، ان کی علالت ہی ان کی مجبوری بنی ورنہ بزمِ آفندی کے حوالہ سے اُن کے نکتہ ہائے نظر ہمارے سامنے ضرور آتے۔

چلتے چلتے اپنے تریسٹھ سال پرانے دوست اور ساتھی شبر رضوی کے اخلاص کا بھی شکریہ ادا کردوں،، شبر جیسے اصول پرست، مُہذب اور باوضع انسان مشکل ہی سے ملتے ہیں، اللہ اسے خوشحال وتوانا رکھے (آمین) اور اب بغیر ابنِ حسن کے تذکرے کے میں اس تحریر کو ختم نہیں کرسکتا، اول تو اس لئے کہ وہ ایک بے حد خوبصورت انسان ہے، سر سے پیر تک دل ہی دل ہے، اس کا آدھی صدی سے زیادہ کا ساتھ بے مثال ہے، ہر اعتبار سے دوست کہنے کے لائق ہے، ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ، اپنے دسترخوان پر سب دوستوں کو اکٹھا کرنا اُس کا محبوب ترین مشغلہ ہے اور اس میں بھی کھانے والوں کی پسند کا خیال رکھنا اس سونے پر سُہاگہ، میں اُس کی بیوی، بیٹوں اور دیگر اہل خانہ کو بھی اس میں برابر کا شریک سمجھتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ اپنی تواضع اور کُشادہ دستی سے مزیّن حُسنِ سلوک کی وجہ سے اِس گھر کا رزق دن بدن بڑھتا ہی رہے گا، اللہ اس گھرانے کو اور ممتاز و کامران کرے۔

حتی المقدور میں نے اپنے تمام معاونین اور ہمدردوں کا شکریہ بہ ظاہر تو ادا کردیا مگر کیا پتہ کسی کا حق ادا ہونے سے رہ بھی گیا ہو، ہر حقدار کا حق تو وہ خدائے برحق ہی ادا کر

سکتا ہے انسان کے بس کی بات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ بڑے بڑے کاموں میں کبھی کسی کا ہمت افزائی کا ایک بول بھی بڑا کام کر جاتا ہے اور ہمارے ساجد رضوی کو اِس کام کا ڈھب خوب آتا ہے، ورنہ ہمت شکن اور دل شکن جملے تو بہت لوگوں کو یاد ہوتے ہیں۔

آپ سے اجازت لینے سے پہلے میں ایک بار پھر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر، اپنے وجود کے ہر بُنِ مو سے اُس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اسی نے مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوا.....والسلام

باقر زیدی

۶ مئی ۲۰۱۱ء

جناب محترم:

معراج الشعراء حضرت بزمؔ آفندی اکبرآبادی مرحوم کے سانحۂ ارتحال پر اظہارِ غم کے لئے بتاریخ ۱۳ مئی ۱۹۵۳ء شب آٹھ بجے ایک تعزیتی جلسہ ترتیب دیا رجا رہا ہے۔ جس کے لئے جناب سے ایک ''پیام'' کی گذارش کی جارہی ہے۔ مرحوم قدردانان ادب کی توجہ کا بہت بڑا استحقاق رکھتے ہیں۔ فقط

نوٹ:

بزم آفندی کے جلسہ کا یہ دعوت نامہ اور مختصر حالات حیدرآباد دکن میں نجم آفندی کے شاگردوں کی طرف سے طبع ہوا تھا اور مجھے شاہد حیدر صاحب نے دیا تھا--- باقر زیدی

حضرت بزمؔ آفندی اکبرآبادی کے مختصر حالات

ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی اکبرآبادی تمام عمر اردو ادب کی خدمت کرتے رہے۔ مرزا فصیحؔ کے پوتے اور منشی منیرؔ کے قابل فخر شاگرد تھے۔ چار پشتوں سے مرثیہ گوئی کا شرف حاصل تھا۔ اکثر مرثیے آج بھی ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ غزل بھی بے پناہ کہتے تھے اور پڑھتے بھی خوب تھے، کلام اور آواز میں جوانی کا زور تھا۔ سیکڑوں مشاعرے پڑھے اور ہمیشہ بزم شعر و سخن کی زینت اور زندگی ثابت ہوئے۔ تقریباً سو (۱۰۰) برس کی عمر پائی۔ دس بارہ برس کی عمر سے شعر کہتے تھے۔ اسی (۸۰) برس تک مشق شعر و سخن جاری رہی۔ سات آٹھ برس سے ناتوانی نے مشاعروں کی شرکت سے معذور کر دیا تھا۔ آخری ماہر فن، دورِ قدیم کے آخری شاعر اور اپنے معاصرین اساتذہ میں آخری فرد تھے۔ بہت سادہ مزاج، وضعدار اور مرنجان مرنج، صلح کل انسان تھے۔

پہلا دیوان ''چراغِ بزم'' ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوا۔ اور اس کے تقریباً ۲۵ سال بعد ''ایاغِ بزم'' کی اشاعت عمل میں آئی۔ ایک رباعیوں کا مجموعہ شکوہ کے جواب میں شکایت اور ''نظم المعراج'' مولود معراج کا ایک مسدس ہندوستان بھر میں مشہور و مقبول ہوئے اور بارہا طبع کرائے گئے۔

بہرحال قدیم شاعری کا یہ جھلملاتا چراغ ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو صبح کے گیارہ بجے بجھ گیا۔ فقط

بزمؔ آفندی کی مرثیہ نگاری

علامہ ڈاکٹر سیّد ضمیر اختر نقوی

مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی ۱۸۶۰ء میں کٹرہ حاجی حسن آگرہ میں پیدا ہوئے، بزمؔ آفندی مشہور مرثیہ گو مرزا جعفر علی فصیحؔ کے بھائی مرزا نجف علی بلیغؔ کے پوتے اور مرزا ملیحؔ کے بیٹے تھے، گھر کا ماحول شاعرانہ تھا اس لئے ابتدائے عمر سے ہی شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا اور بزمؔ آفندی نے مشورۂ سخن کے لئے اپنے حقیقی ماموں سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی کا انتخاب کیا، ایک تو خود جوہر قابل اور اس پر منیرؔ کے سے کامل کی تربیت، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بزم اکبر آباد کی بزمِ سخن میں ایک ممتاز مقام کے مالک تصور کئے جانے لگے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ''دبستانِ دبیرؔ'' میں لکھتے ہیں:-

''بزمؔ آفندی گورے چٹے خوبصورت آدمی تھے، چہرے کے نقش بڑے پیارے اور دلکش تھے، لبوں پر ہمیشہ ایک لطیف مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی، گفتگو بہت شیریں اور دلنشین انداز میں کرتے تھے، قدیمی اخلاق اور وضعداری کا نمونہ تھے، اپنے معاصرین کا بڑا احترام کرتے تھے اور کبھی کسی پر اعتراض نہیں کرتے تھے، مبتدیوں کو بھی دل کھول کے داد دیتے تھے، آواز بڑی پاٹ دار تھی اس لئے جب مرثیہ پڑھتے تھے تو مجمع پر چھا جاتے تھے، بڑھاپے میں بھی اس زور شور سے مرثیہ پڑھتے تھے کہ جوانی کا شبہ ہونے لگتا تھا، اگر حاضرین میں سے کوئی عرض کرتا کہ اس ضعیفی میں بلند آواز سے پڑھنے کی زحمت نہ کیجئے تو جواب دیتے تھے کہ آہستہ پڑھنا اوّل تو مزاج پر بار ہوتا ہے، دوسرے مرثیہ کا کیف کھو دیتا ہے، جہاں تک پڑھ سکوں گا اسی آواز سے پڑھوں گا، قوت جواب دے دے گی تو منبر سے اُتر آؤں گا''۔

بزمؔ آفندی بڑے زود گو اور پُر گو تھے، فن اور عروض کے نکات کے بڑے ماہر تھے، کلام بہت چست اور پختہ ہوتا تھا، غزل کے ساتھ دیوان مرتب کئے، لیکن چراغِ بزمؔ اور ایاغِ بزمؔ کے علاوہ بقیہ دواوین زیور اشاعت سے آراستہ نہیں ہو سکے، تقریباً تین سو مرثیے بھی یادگار چھوڑے، سلام قصائد اور رباعیات کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا جن میں سے صرف چند رباعیوں کا ایک مجموعہ خواجہ برقی پریس دہلی سے شائع ہوا، بقیہ کلام غیر مطبوعہ ہے، علامہ اقبالؔ کے ''شکوہ'' کے جواب میں ''شکایت لکھی جو بہت مقبول ہوئی اور ''مولود معراج'' کو بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، مولود معراج خواجہ حسن نظامی مرحوم کی فرمائش پر کہہ کے حضرت محبوب سبحانی خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز کی درگاہ میں پڑھا تھا جس پر خواجہ صاحب نے اسی محفل میں اُن کو ''معراج الشعرا'' کا خطاب عطا فرمایا تھا۔

بزمؔ کے کلام میں چستی، برجستگی، اور شگفتگی کا ایک حسین امتزاج پایا جاتا ہے، ندرتِ فکر اور جدت ادا پر خاص توجہ تھی، محاورہ بندی اور روز مرہ اہلِ زبان کی پابندی ضروری تصور کرتے تھے، نزاکتِ خیال اور معنی آفرینی کو جانِ سخن جانتے تھے اور چونکہ مکتبِ دبیرؔ و منیرؔ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے سامنے کے پیش پا افتادہ مضامین نظم کرنے میں عار محسوس کرتے تھے، پرانے مضامین بھی کہیں نظم کرنا ہوتے تو فکر کے سہارے ان میں بھی کوئی نیا گوشہ ضرور نکال لیتے تھے، ہر صنفِ سخن میں اپنا مخصوص طرز کلام قائم رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس دَور میں جب سائلؔ، بیخودؔ، آرزوؔ، صفیؔ، اور ثاقب وغیرہ کا طوطی بول رہا تھا اور مرثیہ کے میدان میں خانوادۂ انیسؔ و دبیرؔ کے اساتذہ کوس لمن الملکی بجا رہے تھے، بزمؔ نے بزمِ سخن میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا اور ملک کے مسلّم الثبوت اساتذہ میں شمار کئے جانے لگے۔

بزم کے اشعار میں حُسنِ زبان کے ساتھ ہی تاثیر اور جوشِ فطری کے وہ عناصر

پورے طور پر جلوہ گر نظر آتے ہیں جو صالح اور صحت مند ادب کی نشانی ہیں۔

غزل میں بزمؔ کا انداز سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

ایک شب عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا ہجر وہ غم ہے خدا سے بھی اُٹھایا نہ گیا

قفس میں دور ہوئی نیند آشیانے کی کھلی جو آنکھ فضا اور تھی زمانے کی

اسیر قیدِ کہن چھوٹ کر کہاں جائیں زمین پاؤں پکڑتی ہے قیدخانے کی

بہت سیدھا عدم کا راستہ ہے اے جہاں والو مسافر آنکھوں سے پہنچ جاتے ہیں منزل پر

اُس کارواں میں ہے جوازل کی نمود سے بے قصد و اختیار مسلسل سفر میں ہے

ہزار بار دیئے تم نے طعنہ ہائے کرم کسے خبر تھی یہ چھریاں بھری ہیں احساں میں

ایک عالم گوش بر آواز تھا یومِ الست جو تڑپ اُٹھا وہ ذرّہ قلبِ مضطر بن گیا

بزمؔ آفندی کے سلام بھی بڑے چُست اور شگفتہ ہوتے تھے ان میں جوشِ بیان اور زورِ مدح کے ساتھ ہی فلسفۂ شہادت اور شہدائے کربلا کے کردار کو اُجاگر کرنے پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، ان سلاموں میں مظلومیت کی جگہ شہدا کے کردار کو موضوعِ فکر بنایا گیا ہے اور بیان مصائب کی جگہ ان اعلیٰ اخلاقی قدروں کو نمایاں کرنے پر توجہ کی گئی ہے جو واقعۂ کربلا کی روح کہی جاسکتی ہے، جدتِ فکر اور ندرتِ بیان سلاموں میں بھی نمایاں ہے، مثال کے طور پر ذیل کے شعر ملاحظہ ہوں۔

نہ جانے اور کیا کرتا قیامت ان کا افسانہ اگر میدان میں آتے علی اصغر جواں ہو کر

زمینِ گرم مقتل پر حسینؑ اس طرح سوئے ہیں کہ جیسے نیند آتی تھی کبھی زہراؑ کی چادر پر

اکبرؑ و اصغرؑ گئے دنیا سے ہنستے کھیلتے کوئی کھیلا نیزۂ قاتل سے کوئی تیر سے

بزمؔ آفندی کے مراثی بھی جدتِ فکر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان میں دبستانِ دبیرؔ کی اجتہادی شان پورے طور پر جلوہ گر ہے، زبان و بیان کی پاکیزگی محاورات کا دروبست، بندشوں کی چستی، نادر تشبیہات و استعارات سے کلام میں حُسن اور نمک پیدا کر دینا، نفسیات انسانی کا لحاظ رکھا جانا اور مناظر قدرت کی لطیف انداز میں عکاسی بزمؔ کا مخصوص انداز ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک مرثیہ گو کی حیثیت سے وہ ملک گیر شہرت کے مالک بنے، جگہ جگہ عشرے پڑھتے تھے اور اربابِ فن سے دادِ سخن وصول کرتے تھے۔

بزمؔ آفندی کے مراثی جدید و قدیم کا ایک حسین امتزاج پیش کرتے ہیں، ان میں جہاں قدما کا خلوص فکر، عقیدت و ارادت کا طغیان اور جوش ولا کی کیفیات سموئی نظر آتی ہیں وہیں جدید اندازِ فکر کی جھلکیاں بھی صاف دکھائی دیتی ہیں، حضور سرورِ کائنات کے ملبوس مبارک کا ذکر قدیم انداز میں ملاحظہ ہو۔

جب پہننے لگے پوشاک شہنشاہِ زمن دیکھ کر گل سا بدن پھول گیا پیراہن
شوق سے تنگ بغل میں لیا کرتے نے بدن چاند کنٹھے کا ہوا ضو سے گلے کی روشن
شادی وصل سے دامان عبا پھول گئے
تن میں جب آئے تو کچھ اور سوا پھول گئے

اس تفاخر سے مسرت کا ہوا یہ عالم بولیں کلیاں یہ چٹک کر گل فردوس ہیں ہم
شہ سے بیعت ہوئی دستانے یہ کہتے تھے بہم موزے کہنے لگے ب شہ کے نہ چھوڑیں گے قدم
سبھی قائل ہوئے عمامہ کی تو رفعت کے
پیچ قسمت کے کھلے سر سے بندھا حضرت کے

منزلِ لامکاں میں تاجدار کُن فکاں کی تشریف آوری ملاحظہ ہو:

اور آگے جو بڑھے شوق میں شاہ ابرار غیریت گم ہوئی وحدت کا ہوا پھر اظہار
کوئی پردہ نہ رہا کھل گئے سارے اسرار آپ ہی طالبِ مضطر تھا وہ آپی دلدار
اہلِ ظاہر کبھی بھید اس کا نہیں پائیں گے
شرع کی آنکھ سے تو دو ہی نظر آئیں گے

امیرالمومنینؑ کی مدح میں ایک بند ملاحظہ ہو:

پیدا ہوا ہے جوہر جرأت علیؑ کے ساتھ رفعت ہوئی ہے قابلِ رفعت علیؑ کے ساتھ
جھولے میں جھولتی تھی شجاعت علیؑ کے ساتھ بچپن میں کھیلتی تھی قیامت علیؑ کے ساتھ
گویا علیؑ کے ساتھ پلی اور بڑی ہوئی
جب پاؤں یہ چلے تو قیامت کھڑی ہوئی

بزمؔ آفندی مرثیہ کی پرانی روایات کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان کو چھوڑنے پر کبھی تیار نہیں ہوئے، چنانچہ عونؑ و محمدؑ کا علم کے لئے مچلنا اور اس پر جنابِ زینبؑ کی پریشانیِ خاطر قدیمی مراثی کا ایک روایتی جزو ہے، بزمؔ نے اسے بھی ترک نہیں کیا، اس روایت کے سلسلے میں جناب زینبؑ اور جنابِ علی اکبرؑ کا ایک مکالمہ ملاحظہ ہو جس میں جناب زینبؑ بچوں کی ضد پر روشنی ڈال رہی ہیں۔

مادر کا ساز سمجھیں گے سرور سمجھتے ہو الزام مجھ پہ آئیں گے اکبرؑ سمجھتے ہو
ہے بات بیچ کی مرے دلبر سمجھتے ہو واری علم ہے ورثۂ جعفرؑ سمجھتے ہو
اس وہم نے کلیجہ پہ خنجر پھرا دیا
سب کو گمان ہوگا کہ ماں نے سکھا دیا

گھوڑے کی تعریف میں مرثیہ نگاروں نے اپنے اشہبِ فکر کی جولانیوں اور توسنِ طبع کی عرش پیمائیوں کے خوب خوب مظاہرے کئے ہیں، لیکن بزمؔ آفندی نے ایک بیت

میں عونؑ و محمدؑ کے گھوڑوں کے لئے جو تشبیہ ایجاد کی ہے وہ قطعی ان کی ندرتِ فکر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، ملاحظہ ہو۔

دونوں فلک نورد ہیں گردوں مسیر ہیں
گھوڑے ہیں یا کہ فکرِ انیسؔ و دبیرؔ ہیں

بزمؔ کا انتقال ۲۳ر مارچ ۱۹۵۳ء کو ہوا، بزمؔ کو خدا نے پانچ اولادیں عطا کیں، جن میں صرف نجم آفندی اور سلیمان مرزا کوکب آفندی مشہور ہوے، نجمؔ آفندی نے بزمؔ، منیرؔ اور فصیحؔ کی خاندانی مسند سنبھالی تھی۔

بزمؔ اپنے دَور کے مستند اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور مرثیہ گوئی میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ ان کے مراثی نعمتِ اشاعت سے محروم رہے، یہ مرثیے نجم آفندی کے پاس محفوظ تھے لیکن ان کی اشاعت نہیں ہوسکی۔ ممتاز شاعر باقر زیدی (قیام امریکہ) کے ذخیرے میں بزم کے مرثیے موجود تھے۔ یہ مرثیے وہ شائع کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر سراج الحق قریشی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''منیر شکوہ آبادی کی شاعری'' میں لکھتے ہیں:-

مرزا عاشق حسین نام، بزمؔ تخلص، خلف مرزا عباس ملیحؔ، برادر زادہ مرزا فصیحؔ مرثیہ گو۔ ۱۲۷۸ھ آپ کا سال پیدائش ہے، بچپن یتیمی میں گذرا۔ سولہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی۔ فخر الاساتذہ منشی اسمٰعیل حسین صاحب منیر شکوہ آبادی سے جو رشتہ میں آپ کے دادا بھی ہوتے تھے رجوع کیا (ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی دبستانِ دبیر منیرؔ کو بزم آفندی کا ماموں لکھتے ہیں)۔ انھوں نے خاص توجہ سے نکات فن بتائے آپ کا دیوان موسوم بہ ''بزمِ سخن'' اور مثنوی ''تصویرِ سخن'' ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

شوقِ گیسو میں بلند عمر رواں ہوتی ہے دیکھئے شام مسافر کو کہاں ہوتی ہے

غیر تک پہنچے گی کیونکر تری تلوار کی آنچ ہم نے یہ آگ کلیجہ سے لگا رکھی ہے

کیا جانے مرنے والوں کو آیا پسند کیا ہستی تباہ کی عدم آباد کردیا

تجھی پر کچھ اے بت نہیں منحصر جسے ہم نے پوجا خدا ہوگیا

جامِ مے ہاتھ میں لو، آنکھ دکھا کر پوچھو کس کو اربابِ خرد ہوش رُبا کہتے ہیں

بے وفا میں نے کہا تم کو تو کیا قہر ہوا کہنے والے تو کچھ اس سے بھی سوا کہتے ہیں

(یادگارِ ضیغم صفحہ ۷۶، خم خانۂ جاوید۔۔۔۔جلد اوّل۔۔۔۔صفحہ ۵۷۵)

ڈاکٹر سید نواز حسن زیدی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے ''نجمؔ آفندی فکر و فن'' میں لکھتے ہیں: مرزا فصیحؔ کے برادر خورد نجف علی بلیغؔ اور ان کے بیٹے مرزا عباس ملیحؔ دونوں شاعر تھے۔ ملیحؔ مرثیہ گو تھے ان کے کچھ مرثیے نجم آفندی کے پاس محفوظ تھے لیکن انقلاب کی نذر ہوکر ضائع ہوگئے تھے۔ (نجم آفندی، خط بنام خلش پیر اصحابی)

ملیحؔ نے اکبر آباد (آگرہ) کو مستقر بنایا ان کے ایک صاحبزادے مرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی تھے جو کٹڑہ حاجی حسن آگرہ میں ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ (مالک رام تذکرہ معاصرین جلد ۳، صفحہ ۳۴۹)

بزمؔ آفندی شاعری میں نامور مرثیہ نگار منیرؔ شکوہ آبادی (ف ۱۸۸۰ء) کے شاگرد تھے۔ مالک رام نے منیرؔ شکوہ آبادی کو بزمؔ آفندی کا حقیقی ماموں قرار دیا ہے۔ (قدر عریضی، تعارف، اسرار و افکار از نجم آفندی، ص ۹) لیکن قدر عریضی کے مطابق منیر شکوہ آبادی بزم آفندی کی والدہ کے رشتے کے بھائی تھے (قدر عریضی، تعارف، اسرار و افکار از نجم آفندی، ص ۹) خود نجم آفندی کا موقف بھی یہی ہے۔ (نجم آفندی، جب آتش جوان تھا، مشمولہ مجلہ ''النجم'' ص ۲۸۱) منیر شکوہ آبادی کو غزل میں ناسخ اور مرثیے میں دبیرؔ سے تلمذ حاصل تھا۔ اس نسبت سے بزم

آفندی کا شمار دبستانِ دبیرؔ میں کیا جاتا ہے۔ (نجم آفندی، خط بنام خلش پیر اصہابی)

بزمؔ آفندی کی شادی آگرہ کے ایک معزز خاندان میں ہوئی۔ ان کے خسر آغا حسین آغا صاحب دیوان شاعر تھے۔ انہیں حاتم علی مہرؔ کی شاگردی پر فخر تھا جبکہ مہرؔ ناسخؔ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (نجم آفندی، سوانح حیات، مشمولہ مجلہ "النجم" ص ۲۷۱) بزمؔ آفندی نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی سے تین بیٹے اور دوسری بیوی سے (جو انگریز تھی) ایک بیٹی تھی۔ بڑے بیٹے مرزا اعجاز حسین کا انتقال اکیس برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔ (خلش پیر اصہابی، نجم آفندی کی قومی شاعری ۔۔۔ص ۲۱) دوسرے بیٹے نجم آفندی اور تیسرے مرزا سلیمان کوکب آفندی تھے۔ بزم آفندی کی انگریز بیوی سے جو بیٹی تولد ہوئی اس کا نام شہزادی فرطیس بانو اختر جہاں کجکلاہ پروین (پ ۱۹۰۱ء) تھا وہ بھی شاعرہ تھیں۔

(خلش پیر اصہابی، نجم آفندی کی قومی شاعری۔۔۔ص ۲۱)

شانِ علی اکبر علیہ السلام

بزمؔ آفندی میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے عہد سے قریب کے مرثیہ نگار تھے۔ لکھنؤ کی زبان کا سکّہ چل رہا تھا۔ دبستانِ دبیرؔ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بزمؔ آفندی کی زبان میں وہی چاشنی ہے جو میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ، میر مونسؔ اور تعشقؔ کی زبان میں پائی جاتی ہے۔ دبیریؔ اسکول سے وابستہ ہونے کے باوجود وہ مشکل تراکیب سے گریز کرتے ہیں اور میر انیسؔ کی سلاستِ زبان کو اختیار کرتے ہیں۔

اللہ رے جمالِ پسرِ حضرت شبیرؑ آئینۂ قدرت میں جلالت کی ہے تصویر
انجم کی زرہ ہے نہ مہِ نو کی ہے شمشیر افلاک پہ گردش میں ہے سیاروں کی تقدیر

چہرے کی چمک دیکھ کے یہ شور بپا ہے
لو ظلِّ خدا دھوپ کے سانچے میں ڈھلا ہے

رُخ سے ہے عیاں رعبِ شبابِ شہِ دلگیر یوسفؑ کو بھی اب یاد نہیں خواب کی تعبیر
تقدیرِ سکندر ہے زُلیخا کی طرح پیر اکبر کے تجمل پہ اذاں کہتی ہے تکبیر
ہوگا نہ زمانے میں نبیؐ خیرِ ورا سا
ہدیہ علی اکبرؑ سا شہنشاہِ خدا سا

ممتاز تھا یوں خانہ زیں اُن کی ضیا سے جس طرح دلِ ختمِ رُسل حق کی وِلا سے
آئینہِ دیں میں ہے جلا رُخ کی صفا سے مضمون ملا اور ، مگر زُلفِ رسا سے
ایک غُل ہے یہ اعجازِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
لو زُلف کے سانچے میں شبِ نور ڈھلی ہے

علی اکبر علیہ السلام کی تلوار:

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیوں میں تلوار کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے بعد کے مرثیہ نگاروں نے بھی اپنے مرثیوں میں تلوار کی تعریف میں کچھ بند کہہ کر مرثیوں میں شامل کئے۔ بزمؔ آفندی جدید مرثیہ نگاری کی طرف راغب نظر آتے ہیں۔ لیکن تلوار کی تعریف میں میر انیسؔ کا اسلوب اپناتے ہیں۔

تلوار کے خم کو انیسؔ نے مختلف طریقے سے پیش کیا ہے میر انیسؔ کہتے ہیں:-

بد اصل تکبّر کے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

اور بزمؔ آفندی تلوار کے خم کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

اس طرح جھکی قتل پہ وہ اہلِ جفا کے
جس طرح کہ زاہد کوئی سجدے میں خدا کے

کاٹھی سے جدا یوں ہوئی تیغِ صفہانی جس طرح کے موسیٰ کے لئے سنگ سے پانی
لشکر پہ چلی جھوم کے وہ دشمنِ جانی یا جوش پہ آئی کسی دلبر کی جوانی
اس طرح جھکی قتل پہ وہ اہلِ جفا کے
جس طرح کہ زاہد کوئی سجدے میں خدا کے

گل رنگ نہیں جوہرِ آئینۂ شمشیر شنجرفِ شفق سے ہے رقم آیۂ تسخیر
یہ مُصحفِ گُل پر صفتِ آل ہے تحریر یا نہرِ بہشتی میں ہے یکجا عسل و شیر
مضمون نیا سُرخیٔ جوہر سے جلی ہے
ہاں شاہدِ نصرت نے حنا آج مَلی ہے

ذوالفقار کی تعریف:

جُھکی نماز سلامیِ تیغ کو ہر بار زمیں پہ سجدوں کا غُل تھا کہ ہم ہیں شکر گزار
قنوت کی یہ دُعا تھی کہ رحمتِ غفّار زکوٰۃ خُمس خوشی سے یہ صدقے اور وہ نثار
وضو کا شور یہ تھا آبرو دو چند ہوئی
اذاں پکار رہی تھی کہ سر بلند ہوئی

حرؑ کی تلوار:

جدا وہ کرتی تھی سر، سر پہ وہ بٹھاتے تھے گلا وہ کاٹتی تھی وہ گلے لگاتے تھے
وہ خون پیتی تھی دم دے کے وہ پلاتے تھے وہ ناز کرتی تھی جتنا بھی وہ اُٹھاتے تھے
طریقِ جنگ بھی معشوقیت کے ساتھ رہا
ہر ایک طرح سے میدان اُس کے ہاتھ رہا

گھوڑے کی تعریف:

تلوار کی طرح گھوڑے کی تعریف بھی مرثیہ نگاروں کا پسندیدہ موضوع تھا، اِس موضوع کے تحت شعرا کو نادر تشبیہات دکھانے کا موقع ملتا تھا، لفظ و بیان پہ شاعر کو کتنی کمانڈ ہے یہ بات خوبصورت تشبیہات اور تراکیب سے ظاہر ہوا کرتی تھی، بزمؔ آفندی کو اُنہی مجمعوں میں مرثیہ پڑھنا تھا جس بزم میں اب بھی لوگ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیے سن کر جھومتے تھے، حالانکہ اُس عہد کو عرصہ گذر چکا تھا۔ بزمؔ آفندی نے بھی گھوڑے کی تعریف میں اُس کی تیز روی اور بانک پن کا تذکرہ نہایت دبدبے سے دکھایا ہے۔

گھوڑے کی جست و خیز سے تھا حشر کا سماں چکر میں دیکھ دیکھ کے تھا رخشِ آسماں
وہ پھرتیاں وہ چال وہ شوخی وہ تیزیاں مضموں ہے سرسری جو کہیں سر سرِ جناں

لڑنے سے ہاتھ بھاگنے سے ہر قدم رُکا
توسن کی چال ڈھال پہ تیغوں کا دم رُکا

سب خلق سے عناصرِ رہوار ہیں جدا بجلی کی آگ گلشنِ فردوس کی ہوا
ناگاہ بہرِ گل جو ہوا حکمِ کبریا پارے کو خاک کر کے یہ نقرہ بنا کیا

کیوں چال میں نہ ڈھنگ ہو ابرِ بہار کا
پانی فرس کے خِلط میں ہے ذوالفقار کا

جب خلد کی ہوا میں یہ رشکِ ہما اُڑا بولے ملک براق کا بختِ رسا اُڑا
مل کر قدم سے طائرِ رنگِ حنا اُڑا تا چرخ ہمرہِ فرس بادِ پا اُڑا

پھر تھک گیا تو رنگ کا خود رنگ فق ہوا
یاں تک کہ گر کے چرخ بریں پر شفق ہوا

حرؑ کی آمد:

خیر و شر کی کشمکش سے حضرت حرؑ کا کردار اُبھرتا ہے اور فتح شر کے مقابلے میں خیر کی ہوتی ہے۔ حضرتِ حرؑ باطل کا لشکر چھوڑ کر امامِ حسینؑ کے پاس آجاتے ہیں۔ حضرت حرؑ کا کردار تمام مرثیہ نگاروں کا پسندیدہ موضوع ہے اور اِس سلسلے میں بہت عمدہ مرثیے تمام مرثیہ نگاروں نے تخلیق کئے، بزمؔ آفندی نے بھی ایک مرثیہ حضرتِ حرؑ کے حال کا تصنیف کیا ہے۔ اس مرثیے کے چند بند قابلِ ملاحظہ ہیں۔ حرؑ حسینؑ کی طرف آرہے ہیں:-

سُنی جو شاہؑ نے اُس تازہ میہماں کی صدا تڑپ کے حضرتِ عباسؑ سے یہ فرمایا
حُرِ جری مِرے پاس آ رہا ہے اے بھیّا مگر ہے اُس کے تعاقب میں فوجِ اہلِ دغا
اُسے نکال کے جلد اُس ہجوم سے لاؤ
علم کے سائے میں غازی کو دھوم سے لاؤ

تمہارے ساتھ میں قاسمؑ بھی جائیں اکبرؑ بھی بہن کے بیٹے بھی مسلم کے دونوں دلبر بھی
مری خوشی ہے کہ ہوں اور کچھ دلاور بھی چلو کہ آتا ہے لینے کو خود یہ مضطر بھی
وقار چاہئے اُس نامدار و ذیشاں کا
رسولؐ کہتے تھے رُتبہ بڑا ہے مہماں کا

قدم بڑھانے بھی پائے نہ تھے علمبردار کہ مختصر سی اُٹھی گرد سامنے اِک بار
کہا یہ شاہؑ نے ہنس کر وہ آ گیا جرّار قریب آیا تو آنکھیں نہ کیں کسی نے چار
حجاب و شرم سے اُس کا عجیب عالم تھا
کہ دونوں ہاتھ بندھے تھے سرِ جری خم تھا

ملول عبد و برادر بھی تھے پسر بھی تھا شہؑ انام سے دیکھا گیا نہ یہ نقشا
جری کے کھول دیئے ہاتھ اور یہ فرمایا یہ شرم کس لئے ہے کیسا جرم کیسی خطا
ذرا سا میل جو تھا بھی تو طبع صاف ہوئی
فروگزاشت ہوئی تھی سو وہ معاف ہوئی

تجھے حسابِ قیامت کا ہے تردد کیا کہ پنجتن کا بس اب تیرے سر پر ہے سایہ
عجیب وقتِ مصیبت میں آ کے ساتھ دیا عبث ملول ہے تجھ سے تو اے جری بخدا
حسنؑ بھی، میں بھی، علیؑ بھی، بتولؑ بھی راضی
یہاں تلک کہ خدا بھی رسولؐ بھی راضی

حضرت عباسؑ کا سراپا:

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے مرثیوں میں شہیدوں کے سراپا لکھے گئے ہیں۔ اِس موضوع سے مرثیہ نگاروں کو یہ فائدہ پہنچتا تھا کہ سراپا کے سہارے کچھ منقبتی بند ہو جاتے تھے۔ جس میں سیرت و کردار کے پہلو نکل آتے تھے اور قرآنی آیات اور حدیثوں کی روشنی میں ممدوح کی قصیدہ خوانی ہو جاتی تھی۔ اِس طرح مرثیہ نگار سامعین سے داد لینے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ بزمؔ آفندی نے بھی اپنے ممدوح حضرتِ عباسؑ کا سراپا لکھا ہے۔ سلیس زبان میں بزمؔ آفندی نے بہت سے علمی نکتے پیدا کئے ہیں۔

اُدھر تو رعب سے بے حال ہیں زمین و زماں ادھر ہیں صورت آئینہ حسن پر حیراں
دکھایا نیرِ رُخ نے زمیں پر وہ سماں کہ ڈگمگا گیا سورج پرستوں کا ایماں
دکھائی شکل کتابی وہ روئے زیبا نے
کہ رُخ پھرا لیا انجیل سے مسیحا نے

سوادِ چشمِ تجلی ہے کاکلِ اَذفر کہیں جو مشکِ ختن یہ خطا ہے سرتا سر
کبھی نہ مانیں جو سارا جہاں کہے عنبر جہاں کا عنبرِ سارا نہ اِک سرِ قنبر
چراغِ رُخ کا اگر ذہن میں دھواں آیا
چمک کے سر پہ مرے سورۂ دُخان آیا

صفائے بینی و ابرو سے رُخ پُر آب ہوا خود آب اس الف و با سے بہرہ یاب ہوا
انہیں کی وجہ سے رُخ صورتِ کتاب ہوا ابوتراب کے حرفوں سے آفتاب ہوا
جب آفتاب ، الف و با سے شکلِ آب بنا
تو لا فتیٰ سے فتا لے کے آفتاب بنا

ثنائے چشم کو بھولا خطا ہوئی مجھ سے عشا و صبح کی طاعت قضا ہوئی مجھ سے
مری بھی آنکھ کی ترچھی ادا ہوئی مجھ سے حجاب میں ہے نظر یہ حیا ہوئی مجھ سے
ثنائے دیدۂ گل رنگ فرضِ عینی ہے
کہ خط رُخِ حسنی ہے تو یہ حسینی ہے

پہلوانِ بصرہ کی روایت:

میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے بہت سی تاریخ اور مقتل کی روایتوں اور واقعات کو بہت خوبصورتی سے نظم کیا ہے۔ مثلاً میر انیسؔ کے مرثیے میں عصر کے وقت ایک مسافر کی کربلا میں آمد کی روایت نظم کی گئی ہے۔

مرزا دبیرؔ کے ایک شاگرد صغیرؔ الٰہ آبادی نے پہلوانِ بصرہ کی روایت نظم کی ہے۔ بزم آفندی نے بھی اپنے اس مرثیے میں پہلوانِ بصرہ کی روایت نظم کی ہے۔ اِس پوری روایت کو نظم کرتے ہوئے۔ مصائب پر بھرپور گرفت رکھی ہے۔ اور پُر درد لب و لہجے میں اثر پیدا کیا ہے۔ خصوصاً جب جنابِ فاطمہ صغریٰؑ کا ذکر آتا ہے تو بزمؔ آفندی اپنے سامعین کو گریہ کرنے پر تیار کر لیتے ہیں، اِس طرح وہ بین اور مصائب میں کامیاب شاعری کے خالق قرار پاتے ہیں۔

اُس غول میں تھا ایک جواں مرد نمودار بصرے سے چلا تھا پئے قتلِ شہِ ابرارؑ
دولت کی ہوا میں تھا جہنم کا طلبگار کس شوق سے بڑھنے لگا وہ تول کے تلوار
اِک دم میں مگر خادمِ دیرینہ ہوا وہ
صورت پہ نظر کرتے ہی آئینہ ہوا وہ

کس درد کی آواز سے بولے شہِ عادل بھائی تُو مرے خون میں کیوں ہوتا ہے شامل
یاں آپ کوئی دم ہے کہ بے جاں ہے یہ بسمل اِس یاس کی باتوں پہ جگر ہوگیا گھائل
نعلین کے بوسے تھے کبھی پاؤں پہ سر تھا
گردوں کی طرح دم میں بلا گرد قمر تھا

دل نورِ تُولا سے ہوا وادیِ ایمن ہر طرح کیا دولتِ ایمان نے ایمن
سب داغِ گنہ دھو گئے چمکا رُخِ روشن ابرِ کرم و لطف ہوا خضر کا دامن
اِک دم میں کدھر لے گئی تقدیر کدھر سے
فردوس میں داخل ہوا وہ راہِ سقر سے

بولا مرے سیّد مجھے ذلت سے بچا دے اے موت کے عاشق مجھے مرنے کی رضا دے
اے خضر کے رہبر مجھے رستے سے لگا دے شہؑ بولے کہ بھائی یہ گماں دل سے بھلا دے
باہر تری خدمت سے یہ ناکام نہیں ہے
پر کیا کریں محضر میں ترا نام نہیں ہے

اس دشتِ پرآشوب سے تو جلد ہو راہی نزدیک ہے احمدؐ کے سفینے کی تباہی
ہے خوفِ نزولِ غضب و قہرِ الٰہی تڑپیں گے کوئی دم میں برابر مہ و ماہی
فریاد کو سُن کر جو نہ امداد کریں گے
مر جانے پہ یہ وقت بہت یاد کریں گے

پر دیکھئے اعجازِ عطائے شہؑ والا وہ خون بھرا ہاتھ گریبان میں ڈالا
پردے سے چمکتا ہوا یاقوت نکالا فرمایا کہ اے بندۂ اللہ تعالیٰ
حالِ دمِ رخصت نہ تجھے یاد رہا تھا
کہہ چلتے ہوئے کیا تری دختر نے کہا تھا

لے ہم تری دُختر کے لئے دیتے ہیں سوغات پر جلد خبر لے کہ تڑپتی ہے وہ دن رات
ہیں سخت ترے ہجر میں بچّی پہ صعوبات میں درد رسیدہ ہوں مجھے شاق ہے یہ بات

ہے داغِ تری طرح ہمارے بھی جگر پر
اک دختر بیمار کو چھوڑ آئے ہیں گھر پر

بیمار تھی شدت سے وہ گردوں کی ستائی کیا جانئے عُسرت میں دوا پائی نہ پائی
مدّت ہوئی اب تو کہ خبر بھی نہیں آئی شاید کہ مرے ہجر میں جاں اُس نے گنوائی

رو رو کے مرے غم میں قضا کر گئی صغراؑ
اُٹھا نہ جدائی کا قلق مر گئی صغراؑ

آیات:

ایک کامیاب مرثیہ نگار کے لئے ضروری ہے کہ وہ آیاتِ قرآنی اور تفسیر پر عبور رکھتا ہو۔ بزمؔ آفندی بھی قرآنی آیات تلمیحات اور تشبیہات اور استعاروں سے اپنی شاعری کو سجاتے اور بناتے ہیں۔

حضرتِ علیؑ اور جنابِ سیدہؑ کے عقد کے سلسلے میں بزمؔ آفندی کا جو مرثیہ ہے اُس میں قرآن کی آیات سے مصرعوں کو سجایا گیا ہے۔

مثلاً سورۂ قدر اور سورۂ برأت کا ذکر ہے۔ اِس انداز سے اشعار میں خوبصورتی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ بند رجز کے ہیں جس میں آیات قرآنی سے مصرعے سجائے گئے ہیں، مثلاً سورۂ یٰسین میں مبین کا لفظ سات بار استعمال ہوا ہے۔ بزمؔ آفندی کا یہ مصرع دیکھئے۔

؎ دادا کا شرف سورۂ یٰسین سے مبین ہے

یا ایک جگہ پر آیت والشمس کے ساتھ بدر کا ذکر ہے۔ سورۂ قدر کے ساتھ قدر کا

ذکر ہے۔ آیت لکَ صَدرَک کے ساتھ صدر کا ذکر ہے۔ لکَ صَدرَک چونکہ سورۂ الم نشرح میں ہے، اس لئے پانچویں چھٹے مصرعے میں الم نشرح کو ردیف قرار دیا ہے۔

ایک بند میں سورۂ فجر کی آیت، نفسِ مطمئنہ سے مصرعے کو سجایا گیا ہے، ایک بند پورا سورۂ رحمن کی آیات سے لفظی تراکیب کو لے کر فکری انداز میں لکھا گیا ہے۔

مثلاً سورۂ رحمن میں مرجان کا ذکر ہے۔ ثقلان کا ذکر ہے، احسان کا ذکر ہے، کُلِ من علیہا فان کا ذکر ہے۔ اِسی طرح وجہ اللہ کا ذکر ہے تفسیر میں ہے کہ یہاں اللہ کا چہرہ رہ جائے گا سے مراد حضرت علیؑ کا چہرہ ہے۔ بزمؔ آفندی نے آیات اور تفسیر کے آئینے میں بہت عمدہ بند لکھے ہیں۔

سورۂ قدر و برات آئی کہ ہاں آئے برات ساتھ پیغام برأت کا مگر لائے برات
صورتِ وحیِ خدا پیش نبیؐ جائے برات نار سے ہو کے بری حق سے ہراک پائے برات

نائب شاہؑ ہو نوشاہ ، نبیؐ قاضی ہو
اور ایجاب ہے پھر کیا جو خُدا راضی ہو

نعرہ تھا کہ حاکم ہے کدھر ہاں ادھر آئے ہم مصحفِ اعجاز و کرامت کے ہیں آیے
قرآن میں ظاہر جو شرف ہم نے ہیں پائے ایسی کوئی دعوے کی سند ہم کو دکھائے

عالی نسب ایسا کوئی عالم میں نہیں ہے
دادا کا شرف سورۂ یٰسین سے مبیں ہے

جہاں میں منزلِ والشمس ہیں شہِ ذی قدر مِلا ہے شہؑ کی بدولت کمالِ فاتحِ بدر
اِنہیں کی قدر کا پردہ ہے ایک سورۂ قدر سُناتی ہے لکَ صَدرَک کہ ایسے ہوتے ہیں صدر

مثالِ بدر زمانے میں ہے اَلم نشرح
صفائے صدر زمانے میں ہے الم نشرح

اگر ہو دوست تو مشکل میں ہوں گدا کے شریک رضا پہ راضی و شاکر ہیں اور قضا کے شریک
صلوٰۃ میں ہیں یہی لوگ مصطفیٰ کے شریک وہ لاشریک ہے پر حق پہ ہیں خدا کے شریک
اگرچہ زور میں سردارِ اِنس و جنہ ہیں
نہ کیوں سکوت رہے نفسِ مطمینّہ ہیں
یہی ہیں گوہر و مرجانِ حضرتِ رحمن انہیں کو حق نے پکارا ہے ایُّھا الثقلان
کریم ہیں کہ ہے احسان کی جزا احسان ذرا اجل سے ڈرو کُلُّ مَن علَیھَا فاٰن
نہ منہ پھراؤ کہ وجہِ خدا ہے اِن کے لئے
فنا بھی ہوں تو ہمیشہ بقا ہے ان کے لئے

شفاعت:

شفاعت کے موضوع کو مرثیہ نگاروں نے اپنے مرثیوں میں جگہ دی ہے۔ اُمت کی شفاعت کے سلسلے میں ایک طولانی حدیث کتابوں میں موجود ہے۔ اِس حدیث کو میر عشقؔ نے بھی نظم کیا ہے۔ بزمؔ آفندی نے اِسی روایت کو وضاحت کے ساتھ نظم کیا ہے اور وہ اس کوشش میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

ایک دن احمدِ مرسل نے یہ زہراؑ سے کہا اپنی خاطر تو ہر اِک وقت ہے تسبیح و دُعا
بہرِ احباب بھی کچھ رکعتیں پڑھتی ہو بھلا عرض کی اُن کی تو تسبیح ہے زہراؑ کو سدا
بہرِ اُمت ہے مِری محنت و کُلفت کا ثواب
اُن ہی کو بخشتی ہوں شب کی عبادت کا ثواب
بولے احمدؐ کہ ہے اُمت کا بڑا ہم کو خیال حشر ہوئے گا جو محشر کو تُلیں گے اعمال
ہنس کے زہراؑ نے ندا دی کہ شہِ عرش جلال جس کے پلّے پہ ہوں میں پھر اُسے کیا خوف وملال
روزِ حشر آپ کی اُمت پہ نہ ہوگا بھاری
اپنے اعمال سے کر دوں گی میں پلّہ بھاری

گرم بازارئ محشر جو کرے گی میزاں ساتھ اعمال کے رکھ دوں گی میں اِک جنس گراں
بولے شہ جنسِ گراں کیا ہے بتاؤ مری جاں بولی اِک قلزمِ اعجاز کے دُرِّ دنداں
پوچھا پھر بھی سُبکی ہوئے تو کیا ہوئے گا
عرض کی پاس سرِ شیرِ خُدا ہوئے گا
پوچھا اس پر بھی برابر نہ ہو پلّہ تو کیا عرض کی دوڑ کے رکھ دوں گی جگر شبرؑ کا
پوچھا پھر بھی نہ مساوی ہو تو رو کر یہ کہا ٹکڑے قاسمؑ کے بدن کے میں رکھوں گی بابا
پوچھا پھر سُبکی ہوئے تو کیا باقی ہے
رو کے چلّائی کہ زینبؑ کی ردا باقی ہے
پوچھا اس سے نہ چلا کام تو بولی رو کر بابا جاں دوڑ کے رکھ دوں گی سکینہؑ کے گُہر
رو کے فرمایا کہ پھر بولی نہ پوچھو سرورؑ پھر تو میں حشر میں دکھلاؤں گی تازہ محشر
دیکھوں اِس پر تو نہ پلّہ ہو برابر بابا
رکھ دوں گی پیاسے کا میں خون بھرا سر بابا

پھول:

پھول کی تعریف کا موضوع قصیدہ نگاری سے مرثیہ نگاری میں در آیا سوداؔ اور میر حسنؔ نے قصیدوں کی تشبیب میں ہزاروں پھولوں کے نام اور اُن کی خصوصیات رنگ اور خوشبو کا ذکر کیا ہے۔ بزم آفندی نے اپنے مرثیوں میں پھولوں کی بہار دکھائی ہے اُن کے نعتیہ مسدس میں پھولوں کی تعریف ملتی ہے۔ یہ ایک بند مرثیے کا ہے:-

چھت پہ گل کاریاں فرش پہ ہے پُھلواری نازنین گُل جنہیں خود بارِ نزاکت بھاری
نشۂ حسن میں وہ جھومنا باری باری ہوش اُڑاتی ہے گُل جعفری کی طیاری
صف بہ صف نخل ہیں یا جنگ کی تیاری ہے
گُل عباسؑ کے حصے میں علمداری ہے

امامِ زمانہؑ کی تعریف

قدیم مرثیہ نگاری میں حضرت رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حضرتِ فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ اور حضرت امام زین العابدینؑ کے حال کے مرثیے خاصی تعداد میں مل جاتے ہیں، لیکن بعد کے ائمۂ طاہرین پر مرثیے میر انیسؔ نے بھی نہیں لکھے۔ یہ سلسلہ ہمیں صرف مرزا دبیرؔ اور اُن کے شاگردوں میں نظر آتا ہے۔ دبیرؔ کی تقلید میں متعدد شعرا نے امامِ زمانہؑ کے موضوع پر مرثیے لکھے جس میں بزمؔ آفندی بھی شامل ہیں، امامِ زمانہؑ غیب میں ہیں، شاعر کے لئے غیب کے موضوع پر قرآن اور حدیث کی روشنی میں شاعری کرنے کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔ علمِ کلام میں استدلال کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے چند بند امامِ زمانہؑ کی تعریف میں دیکھئے۔ یہ رنگ آپ کو بعد میں نسیمؔ امروہوی میں بھی نظر آئے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نسیمؔ امروہوی نے بزمؔ آفندی کے مرثیے سنے تھے اور پڑھے تھے۔ خصوصاً مندرجہ ذیل مصرعے کا مفہوم نسیمؔ امروہوی کے ایک مرثیے میں بھی نظر آتا ہے۔

یہ چراغِ رہِ ایماں بھی جو گل ہو جاتا
آل کی فاتحہ قرآن کا قل ہو جاتا

قامتِ حُورِ عبادت ، قدِ بے سایہ ہے سر میں سجدوں کے سرانجام کا سرمایہ ہے
جو یداللہ کا پایا تھا وہ ہاتھ آیا ہے غار میں رُتبۂ محبوبِ خدا پایا ہے
جلوۂ نور ہر اِک دیدۂ مشتاق میں ہے
چاند بدلی میں ہے اور چاندنی آفاق میں ہے

آپ کے دم سے زمیں اور زماں قائم ہے قائمِ آلِ محمدؐ سے جہاں قائم ہے
آپؑ سے نامِ خدا حق کا نشاں قائم ہے تا قیام اِن سے نماز اور اذاں قائم ہے
کیوں مٹے دین کہ یہ ماہ لقا حافظ ہے
یہ وہ قرآں ہے کہ خود جس کا خدا حافظ ہے

حق سے پوچھیں تو کہے حجتِ خالق ہیں یہی آیتیں بول اُٹھیں مصحفِ ناطق ہیں یہی
صبح جعفر کی قسم کھائے کہ صادق ہیں یہی خود امامت یہ پکارے مرے لائق ہیں یہی

کلمہ پڑھنے لگے ، کلمہ کہ کلام ایسا ہو
خود یہ تسبیح ندا دے ، کہ امام ایسا ہو

یہ نہ ہوتے تو حرم کی نہ یہ حُرمت ہوتی پھر شریعت کی نہ کچھ اصل وحقیقت ہوتی
دین کا خون تو کلمے کہ شہادت ہوتی آلؑ وقرآن سے نہ اخلاص کی صورت ہوتی

یہ چراغِ رہِ ایماں بھی جو گُل ہو جاتا
آلؑ کی فاتحہ قرآن کا قُل ہو جاتا



بزم آفندی کی مرثیہ نگاری

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

عصرِ حاضر میں یہ نادیدہ دنیا بھی چشمِ انسانی میں سمٹ آئی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دنیا کے لیے ''گلوبل ولیج'' کا تصور اُبھرا۔ ایک دوسرے سے شناسائی اور قربت میں اضافہ ہوا تو اسی دنیا کے لیے ''گلوبل ہٹ'' کا لفظ وضع ہوا۔ سائنسی ترقی کی بدولت اب تو تمام فکری ونظری اور جسمانی فاصلے یکسر ختم ہو چکے ہیں اور دنیا آنکھ کی پتلی میں سما گئی ہے۔ اس صورتِ حال نے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شعروادب کو بھی بے حد متاثر کیا ہے۔ شاعری اب محض دلی جذبات کے اظہار کا نام نہیں رہ گئی بلکہ اس میں تمام آفاقی جذبے بھی شامل ہو گئے ہیں۔ آج کے تخلیق کار کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اگر اپنی تخلیقات میں وہ محض اپنی ذات اور ماحول کی عکاسی کرتا ہے تو آفاقی سطح پر اس کی پذیرائی ممکن نہیں ہو پاتی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تخلیق کار آفاقی طرزِ احساس کو اپنے شعروادب میں سمونے کی کوشش کرے اور سطحی مسائل ومعاملات سے نکل کر بین الاقوامی صورتِ حال سے نبرد آزما نے ہونے کی مشکور سعی کرے۔ اگر ہمارے تخلیق کاروں نے ذاتی نمود و نمائش اور سطحی خیالات سے کنارہ کشی اختیار نہ کی تو آنے والا وقت ہمیں اور ہمارے ادب کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔

جدید دور میں ہر چیز کو معیشت اور ٹیکنالوجی کی عینک سے دیکھنے کا احساس شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شعروادب کو معیشت اور ٹیکنالوجی کے معیارات پر پرکھا جائے تو اس کی مبادیات بھی یقیناً تبدیل ہوں گی۔ معاشرتی دانش وروں کا مؤقف

یہ ہے کہ اب وہی شاعری مفید ہوگی جو مال تجارت کے فروغ کے لیے سودمند ہو اور ایسا ادب تخلیق کیا جائے جو صنعتی ترقی اور ٹیکنالوجی کی افادیت کا سبب بنے۔ اس صورتِ حال میں ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی کے بجائے ادب برائے مفاد یا ادب برائے حصولِ زر کے نظریات فروغ پائیں گے اور اخلاقیات یا اخلاقی نظام کو شعروادب کے ایوان سے بے دخل ہونا پڑے گا۔

شاعری میں اخلاقیات کی کیا حیثیت ہے؟ اور جدید عہد میں اس کا کیا جواز ہے؟؟ افلاطون سے حالی تک تمام مفکرین نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاقیات کے سوتے مذہب سے پھوٹتے ہیں اور مہذب معاشروں میں اخلاقی اقدار کے فروغ میں مذہب کا کردار اساسی ہوتا ہے۔ اردو شعروادب میں اخلاقی شاعری کو فروغ دینے میں مرثیہ کا کردار ہر عہد میں مثالی رہا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مرثیے سے منسلک تین اصناف سلام ونوحہ وسوز آج بھی اخلاقی موعظت کا بہترین نمونہ ہیں۔ مرثیے کو دوسرے اصناف پر یہ تفوق حاصل ہے کہ اس میں موضوعات اور اسالیب دونوں سطحوں پر اخلاقیات کا ''قبضہ'' ہوتا ہے۔ اسے واقعۂ کربلا کا اثر کہیے یا اہل بیتؑ کی بے مثال قربانیوں کی تاثیر کہ مرثیے میں نہ تو مبتذل خیالات جگہ پاتے ہیں اور نہ الفاظ۔ یہی سبب ہے کہ مرثیہ نگاروں کو ایک منضبط اخلاقی دائرے میں رہتے ہوئے اپنا تخلیقی ثمر پیش کرنا ہوتا ہے تاہم اس کے باوجود وہ ایک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھ کر قارئین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ اردو مرثیے کے مہر وماہ انیس ودبیر کو یہ افتخار حاصل ہے کہ کسی نے ان کی طرح عروسِ سخن کو نہیں سنوارا۔ ان دونوں مرثیہ نگاروں نے محض اپنی صناعانہ کاوشوں کے جوہر ہی نہیں دکھائے بلکہ وہ اردو مرثیے کو اسالیب وموضوعات کی ایک وسیع شاہراہ بھی عطا کر گئے جس پر بعد میں آنے والے مرثیہ نگاروں نے مرصع اور دلکش محلات تعمیر کیے اور سلامت روی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ مرثیے کی صنف کو اپنے افکار ونظریات اور

اجداد کی شاندار اور پر تجمل روایت سے مالا مال کرنے والوں میں ایک اہم اور معتبر نام مرزا عاشق حسین المعروف بہ بزم آفندی (۱۸۶۰ء۔ ۱۹۵۳ء) کا بھی ہے۔ بزم آفندی نے تقریباً ایک صدی تک روایتی ایوان مرثیہ میں زندگی بسر کی۔ ایک جانب تو انہوں نے فصیحؔ و منیرؔ کی شاندار رثائی روایت کو آگے بڑھایا اور دوسری جانب انہوں نے رثائی شاعری کے بدلتے ہوئے رجحانات کا ادراک کیا اور نجم آفندی کی شکل میں ایک ایسا شاعر عطا کیا جس نے عزائی شاعری کا رُخ تبدیل کر کے اسے مقصدی انقلاب کا نمونہ بنا دیا۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ بزم آفندی کی زندگی اور شاعری دونوں کلاسیکیت اور جدت کا حسین سنگم ہیں۔ وہ خود اپنی مرثیہ نگاری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

اگرچہ باغِ سخن میں ہیں پھول رنگا رنگ مگر ہر اک کی طبیعت کا ہے نرالا رنگ
پسند کرتے ہیں کچھ بدمذاق پھیکا رنگ یہ رنگ ہے کہ دلوں پر گراں ہے گہرا رنگ
مگر کسی سے کہاں اپنا ڈھنگ اڑتا ہے
ہر ایک مصرعۂ رنگیں پہ رنگ اڑتا ہے

ریاضِ دہر میں کس سے جما سخن کا رنگ بڑھا فصیحؔ کی جودت سے، اس چمن کا رنگ
کبھی زمانے میں ایسا تھا انجمن کا رنگ مگر عجیب ہے اس گنبدِ کہن کا رنگ
کہ فیض پا کے بھی کج بحثوں کو خیال نہ ہو
ہمارا رنگ بھی لیں اور زبان لال نہ ہو

انہیں کا ملک سخن میں چلا کیا سکہ جدھر کو آئی طبیعت بہا دیئے دریا
رباعیوں کا سلاموں کا تو ہے ذکر ہی کیا بحور مختلفہ میں ہیں مرثیے صدہا
نہ ہو جہان میں مشہور کیسے نام اُن کا
خدا کے فضل سے مقبول ہے کلام اُن کا

چمن زمین سخن میں نیا لگا کے گئے طریقہ مرثیے کی نظم کا بتا کے گئے
جہاں میں اپنے مضامیں کے دُر لُٹا کے گئے مزا ریاضتِ تصنیف کا، اُٹھا کے گئے
گلِ شگفتہ و خوش رنگ اس بہار کے تھے
یہ جن کا فکر ہے دادا وہ خاکسار کے تھے

نیا نہیں میں سخن گو بفضلِ رب صَمَد مرا کلام ہے خود میرے ادعا کی سَند
عبث ہے بعض کو اہلِ سخن میں مجھ سے حسد مٹائیں رنگ مرا، رہتی ہے ہمیشہ یہ کَد
خیال اُن کے مگر میں مٹا کے اٹھتا ہوں
وہ رنگ اکھاڑتے ہیں، میں جما کے اُٹھتا ہوں

میں غیرِ سعادت کوئی عادت نہیں کرتا کس بند میں کس شعر میں صنعت نہیں کرتا
لکھتا ہوں بدائع کوئی بدعت نہیں کرتا دشمن مرے آگے کبھی حجت نہیں کرتا
دم بازوں کے یاں بند ہیں دَم کچھ نہیں کہتے
کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ہم کچھ نہیں کہتے

اللہ رے عروسانِ مضامیں کی ادائیں لیلیٰ ابھی لے لے سرِ مژگاں سے بلائیں
ظاہر ہیں ہُنر اپنے مگر عیب نمائیں چشمک ہو تو لاکھوں میں نہ ہم آنکھ چرائیں
یہ کیسے کہیں نظم میں آمد نہیں ہوتی
کیا عیب ہے جاہل کی خوشامد نہیں ہوتی

مذہب میں مرے کفر ہے جُہال کی مِنّت اپنا یہی دیں ہے یہی مذہب یہی ملّت
پر کثرتِ ایماں کی سند مال کی قلّت قبضے میں اُسی کے ہے مگر عزت و ذلّت
قاروں کا بہت زر تھا مگر خاک ہوا وہ
بوذرؓ کے لئے خاک تھا زر پاک ہوا وہ

(اقتباس: مرثیہ حضرتِ علی اصغرؑ)

حضرت بزم آفندی کے درج ذیل مراثی زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہے ہیں۔
ان مراثی کے حوالے سے چند بنیادی معلومات آپ کی نذر کی جا رہی ہیں۔

پہلا مرثیہ

حضرت عون و محمد کی سیرت و کردار کے نمایاں رُخوں کا بیان۔ کربلا کے میدان میں ان کی جنگ کے مناظر اور ان کی المناک شہادت کا بیان۔ حضرت زینبؑ اور دیگر خواتین کے بین۔

نمونہ کلام

گلشن دیں میں یہ دونوں گل تر ہیں یکتا دل سے ہیں، تابعِ احکامِ امامِ دوسرا
گو یہ غم تھا کہ نہ پایا علمِ شاہِ ہدا پر مِلا خلق میں ایسا نہ کسی کو رتبا
علمِ فوجِ امامِ دو جہاں بھی پاتے
سِن ذرا کم جو نہ ہوتا تو نشاں بھی پاتے

خُلق میں مثلِ حسنؑ، زُہد میں مثلِ حیدرؑ رُعب میں مثلِ علمدارِ شہِ جن و بشر
حلم میں صبر میں، مانندِ رسولؐ داور فضلِ خالق سے ملے سارے بزرگوں کے ہُنر
کرم اللہ کا، صدقہ شہِ دل گیر کا ہے
کیوں نہ ہو سب یہ اثر، فاطمہؑ کے شیر کا ہے

ایسے ساونت کہ اس پیاس میں کڑیاں جھیلیں ننھے ہاتھوں سے پرے فوج ستم کے ریلیں
یہ وہ بچے ہیں کہ تلواروں سے رن میں کھیلیں حکم حضرت کا جو پا جائیں تو کوفہ لے لیں
دوسرا کوئی زمانے میں کہاں ایسا ہے
زورِ بازوئے یداللہ انہیں پہنچا ہے

دوسرا مرثیہ

کربِ وبلا کے میدان میں حضرت حُرعلیہ السلام کی آمد اور اہلِ بیتؑ کا طرزِ عمل۔

حضرت حُر کی میدان جنگ میں آمد، دشمنوں سے پر مغز خطاب۔ والہانہ جنگ اور شہادت ۔اہلِ بیتؑ کی شہادتِ حُرؑ پر افسردگی۔

نمونہ کلام

سُنی جو شاہؑ نے اُس تازہ میہماں کی صدا تڑپ کے حضرتِ عباسؑ سے یہ فرمایا
حُرِ جری مرے پاس آ رہا ہے اے بھیّا مگر ہے اُس کے تعاقب میں فوجِ اہلِ دغا
اُسے نکال کے جلد اُس ہجوم سے لاؤ
علم کے سائے میں غازی کو دھوم سے لاؤ

قدم بڑھانے بھی پائے نہ تھے علمبردار کہ مختصر سی اُٹھی گرد سامنے اِک بار
کہا یہ شاہؑ نے ہنس کر وہ آ گیا جرار قریب آیا تو آنکھیں نہ کیں کسی نے چار
حجاب و شرم سے اُس کا عجیب عالم تھا
کہ دونوں ہاتھ بندھے تھے سرِ جری خم تھا

تجھے حسابِ قیامت کا ہے تردد کیا کہ پنجتن کا بس اب تیرے سر پہ ہے سایہ
عجیب وقتِ مصیبت میں آ کے ساتھ دیا عبث ملول ہے، تجھ سے تو اے جری بخدا
حسنؑ بھی، میں بھی، علیؑ بھی، بتولؑ بھی راضی
یہاں تلک کہ خدا بھی رسولؐ بھی راضی

تیسرا مرثیہ

اپنے اور اپنے اسلاف کی مرثیہ گوئی کی مدح۔ حضرات عون و محمدؑ کا میدانِ جنگ میں جانے کا اصرار اور امام حسینؑ کا انکار۔ حضرت زینبؑ کی سفارش پر امامؑ کی جانب سے اجازت۔ بچوں کی میدانِ جنگ میں آمد۔ بے مثال معرکہ آرائی۔ شہادت۔ اہلِ بیتؑ کی آہ و بکا۔

نمونہ کلام

یہ دو صغیر اِدھر تھے اُدھر تمام سپاہ ملول دھوپ کی گرمی سے تھے وہ غیرتِ ماہ
نہ ایک دم کی بھی تیغوں سے ہاتھ آئی پناہ دکھایا بخت نے کیا مہ وشوں کو روزِ سیاہ
جدھر یہ جاتے تھے سینوں پہ تیر چلتے تھے
وفورِ زخم جگر سے لہو اُگلتے تھے

گلے تو زخمی ہیں اب شیر کس کو للکاریں رواں ہیں زخموں سے تیغوں کے خون کی دھاریں
کسے بھگائیں وہ بڑھ بڑھ کے اور کسے ماریں بدن ضعیف ہیں ہمت نہ کس طرح ہاریں
پیامِ موت بہت جلد آنے والے ہیں
لہو بھرے ہوئے دنیا سے جانے والے ہیں

چوتھا مرثیہ

موضوع حضرت عباس علمبردار کی میدان جنگ میں آمد۔ دشمنانِ دین پر خوف و دہشت۔ حضرت عباسؑ کی جنگ۔ تلوار، گھوڑے اور تیر و کماں کے دلچسپ مکالمے۔ حضرت عباس کی شہادت۔ اہلِ حرم کے بین۔

نمونہ کلام

ہوتی تھی اُدھر تیغ و فرس میں تو یہ گفتار اڑنے کے لئے تیر اِدھر ہو گیا تیار
گویا ہوا فوراً لب سو فار سے اک بار ماروں اُسے پلہ پہ جو ہو کوئی خطا کار
جب تک کہ میں ترکش میں ہوں تنکے سے سوا ہوں
پر چلہ سے نکلا کہ میں فرمانِ قضا ہوں

جب کیجئے رواں مثلِ نظر جاتا ہوں فوراً ہو فاصلہ کتنا ہی مگر جاتا ہوں فوراً
تیزی ہے یہ مجھ میں کہ جدھر جاتا ہوں فوراً دشمن کے کلیجے میں اُتر جاتا ہوں فوراً
ہٹتا ہوں نہ میں مثلِ فرس جان کے ڈر سے
رُکتا ہوں نہ میں تیغ کی مانند سپر سے

پانچواں مرثیہ

روم کے بادشاہ اور وزیر کا کربلا کے واقعہ پر مکالمہ۔ بادشاہ کا واقعہ کربلا سے بے پناہ متاثر ہونا اور عازمِ سفر ہونا۔ کربلا میں پیش آنے والے واقعات کے ہمہ گیر اثرات کا بیان۔

نمونہ کلام

بجلی خدا کے قہر کی تھی تیغِ آبدار شعبے بلا کے تھے تو قیامت کی اس کی دھار
گرما کے بعد گرم سے اٹھتا تھا جب غبار ترک فلک کے جسم میں چڑھتا تھا اک بخار

غُل تھا تہہِ فلک یہی برنا و پیر میں
کیا آگ لگ گئی کرۂ زمہریر میں

رن میں کب اس کی چال سے محشر بپا نہ تھا ظالم کو یاد کون سا طرزِ جفا نہ تھا
لیتی تھی جان اور کوئی مدعا نہ تھا رُک جانے کا سبق کبھی اس نے پڑھا نہ تھا

مضموں نیا ہے مدح میں تیغِ خوشاب کی
گویا زبان تھی کسی حاضر جواب کی

چھٹا مرثیہ

علَم کی عظمت و اہمیت۔ کربلا کے میدان میں علم کے حصول کی حسرت۔ علم کے سلسلے میں عمر کی سازش اور عون و محمدؑ سے گفتگو۔ پسران مسلمؑ کی شہادت کی خبر اور اہلِ حرم کی آہ و بکا۔

نمونہ کلام

کہتا ہے تو کہ ترکۂ احمدؐ میں کیا ملا ایماں ملا، فروغ ملا، مرتبہ ملا
بنتِ نبیؐ سے حصۂ صبر و رضا ملا شیرِ خُدا سے ورثۂ زورِ خُدا ملا

خُلقِ حسنؑ سے یہ حشم و جاہ مل گیا
بندوں کو اِس جناب سے اللہ مل گیا

تیری نظر میں بیکس و محتاج ہیں حسینؑ سرکردگانِ خلق کے سرتاج ہیں حسینؑ
فردا کے شاہؑ نامِ خدا آج ہیں حسینؑ عینِ عروج صاحبِ معراج ہیں حسینؑ
اللہ کا حسینؑ یہ ذی جاہ ایک ہے
جس طرح سے حسینؑ کا اللہ ایک ہے

سادہ اگرچہ یاں علمِ بوترابؑ ہے جلوہ پکارتا ہے کہ یہ آفتاب ہے
پر آفتابِ حشر کا منہ پر سحاب ہے دُر ریز اِس کے پنجۂ آہن کی آب ہے
لوہا ہر اِک نے مانا ہے اِس کے وقار کا
جوہر سے جُزوِ خاص ہے یہ ذوالفقار کا

ساتواں مرثیہ

حضرت حُرؑ کے فضائل ومحاسن۔ کرب ولا کے میدان میں حضرت حُر کی آمد اور شاعر کی چشمِ تخیل کی حیرت سامانیاں۔ حضرت حُر کی شہادت اور اہلِ بیتؑ کی آہ وبکا

نمونہ کلام

دُرۃ التاجِ فصاحت ہے ثنا خوانیٔ حُرؑ غیرتِ ماہِ شبِ قدر ہے پیشانیٔ حُرؑ
بخدا کوئی دو عالم میں نہیں ثانیٔ حُرؑ خُلد میں کی شہِ لولاک نے مہمانیٔ حُرؑ
نارِ دوزخ سے جُدا ہو کے جناں میں پہنچا
سُرخرو خدمتِ شاہِ دو جہاں میں پہنچا

پیاس میں ساتھ دیا شہ کا، خوشا ہمتِ حُرؑ کم نہیں بوذرؓ و مقدادؓ سے کچھ عزتِ حُرؑ
نہ ملی قیصر و فغفور کو بھی شوکتِ حُرؑ مہرباں ماہ پیمبر ہے زہے حرمتِ حُرؑ
حوریں خدمت کو ملیں سایۂ طوبا پایا
ایک شبیرؑ کے مل جانے سے کیا کیا پایا

آٹھواں مرثیہ

حضرت حُرؑ کی امام حسینؑ کی جانب روانگی۔ عمر سعد کے ساتھ دلچسپ مکالمہ۔ حضرتِ حُرؑ کے پسر کی شہادت اور امام حسینؑ اور ان کے رفقا کے تاثرات۔ ساقی نامہ۔ حضرت حُرؑ کی شہادت اور اہلِ بیت کی گریہ وزاری۔

نمونہ کلام

سینہ سالم رہا، دل کاٹ دیا واہ ری تیغ جان لی اور نہ معلوم ہوا، واہ ری تیغ
لہو خونخواروں کا اِک دم میں، پیا واہ ری تیغ کوئی ٹھنڈا ہوا اور کوئی جلا، واہ ری تیغ

وہیں سیدھی گئی، جس غول میں بانکے دیکھے
سرد و گرم اُس نے بہت سے تھے، جہاں کے دیکھے

آئی خوں بار کبھی، گاہ شرر بار چلی کبھی اِس پار، کبھی فوج کے اُس پار چلی
ندیاں خوں کی بہاتی، جو وہ تلوار چلی موذیوں نے یہ صدا دی، کہ ہمیں مار چلی

بے زبانی کے غم و رنج کو سہہ جاتے تھے
زخم منہ کھول کے حیران سے رہ جاتے تھے

نواں مرثیہ

قائمِ آلِ محمدؐ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی سیرت و کردار کے مظاہر۔ حضرت امام مہدی کی آمد۔ شاعر کا امام مہدی کو پرسہ اور شہدائے کربلا کی قربانیوں کی داد۔

نمونہ کلام

جو کہ سب خلق سے اُولیٰ ہے وہ مولا ہے یہی جس میں دادا کے فضائل ہیں وہ پوتا ہے یہی
مقتدی جس کے ہیں عیسیٰؑ وہ مسیحا ہے یہی جس کے قبضے میں خدائی ہے وہ بندہ ہے یہی

جو کہ قرآن سے ملتا ہے کلام ایسا ہے
جس کے پیرو ہیں پیمبرؐ یہ امامؑ ایسا ہے

اِسی یوسفؑ کی وِلا باعثِ آزادی ہے اِسی گُل سے چمنِ شرع کی آبادی ہے
عدل و انصاف و ہدایت کا یہی عادی ہے جو رسولوںؑ کا بھی مہدی ہے یہ وہ ہادی ہے

اب کسی کے لئے توقیرِ امامت نہ رہی
بعد مہدیؑ کے ہدایت کی ضرورت نہ رہی

دسواں مرثیہ

حضرت حبیب ابن مظاہرؓ کی سیرت و کردار کے دیر پا نقوش کا بیان۔ کرب و بلا کے میدان میں حضرت حبیب ابن مظاہرؓ کی جوانوں کی طرح کاوشیں۔ میدانِ جنگ میں شہادت۔ خیمۂ امام میں حضرت زینبؑ کے بین

نمونہ کلام

لکھ اے قلم جواہرِ توصیفِ خط و خال گو ضعف کو عروج، جوانی کو ہے زوال
اس سن میں بھی وہی ہے جری کا مگر کمال جھک جھک کے دیکھتا ہے رُخِ پاک کو ہلال

پیری سے جھریاں نہیں روئے جناب پر
مسطر کے نقش ہیں ورقِ آفتاب پر

ماتھا ہے چرخ، تیغ ہے ابروئے خوں فشاں جب چرخ پر ہے تیغ تو پھر تیرگی کہاں
نظروں سے نورِ چشمِ پیمبرؐ جو ہے نہاں پلکوں سے ہاتھ ملتی ہیں ہر بار پتلیاں

نزدِ جبینِ صاف، جو ہیں جلوہ گر چراغ
کیونکر نہ جھلملائیں قریبِ سحر چراغ

گیارہواں مرثیہ

کرب و بلا میں شبِ عاشور کے طلوع ہوتے ہی آلِ محمدؐ کے خیموں میں حشر کے آثار۔ کربلا میں ایک ایک کر کے احباب کی شہادت اور حضرت عباس کی آمد۔ جنگ کے مناظر۔ حضرت عباس کی شہادت۔ اقربا کے بین۔

نمونہ کلام

چرخ پر جبکہ نمایاں شبِ عاشور ہوئی روشنی مہرِ جہاں تاب کی سب دور ہوئی
اُس طرف فوجِ عدو خُرم و مسرور ہوئی اِس طرف روح نبیؐ قبر میں رنجور ہوئی
عرش تک فرش سے آوازِ بُکا جانے لگی
خیمۂ شاہ سے ماتم کی صدا آنے لگی

بارھواں مرثیہ

خاندانِ رسالت کی عظمت اور فیض رسانی۔ کرب وبلا کے میدان میں شبِ عاشور کو حضرت حُرؑ کی بے قراری۔ حُرؑ کی اپنے احباب کے ہمراہ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضری اور معافی کی درخواست۔ امام کی پذیرائی۔ حضرت حُرؑ کی جنگ اور شہادت۔

نمونہ کلام

حُرؑ کو سینہ سے لگا کر یہ شہِ دیںؑ نے کہا بھائی واللہ مجھے رنج نہیں تجھ سے ذرا
تیرے مداح ہیں جنت میں رسولِ دوسرا شکر کر شکر کہ خورسند ہوا تجھ سے خدا
ہاں گناہوں کا جو دفتر تھا وہ سب چاک ہوا
یک قلم نامۂ اعمال ترا پاک ہوا
جوڑ کر ہاتھوں کو رویا جو وہ جرار اکبار بولا سینے سے لگا کر یہ نبی کا دلدار
مجھ سے دیکھا نہیں جاتا ترا رونا زنہار یہی مرضی ہے تو اچھا سوئے فردوس سدھار
حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

تیرھواں مرثیہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا بیان۔ شبیہِ پیغمبر حضرت علی اکبرؑ کی ولادت باسعادت۔ علوم وفنون میں مہارت۔ کربلا کے میدان میں حضرت علی اکبرؑ کی بے مثال جنگ اور شہادت۔ خیمۂ رسول میں قیامتِ کبریٰ کے آثار۔

نمونہ کلام

شہؑ کو تقدیر نے آفت یہ نئی دکھلائی غمِ اکبرؑ سے جو زائل ہوئی تھی بینائی
راہ مقتل کی بڑی دیر میں شہ نے پائی لاشِ فرزند پہ اس وقت میں قسمت لائی
کہ عجب حال سے اس رشکِ قمر کو دیکھا
ہچکیاں لیتے ہوئے نورِ نظر کو دیکھا

چودھواں مرثیہ

حضرت عباس علمبردار کی میدانِ جنگ میں پرشکوہ آمد۔ حضرت عباسؑ کی جنگ کے مختلف اور متنوع مناظر۔ شہادت حضرت عباس کے غم انگیز لمحات۔ امام حسینؑ پر اثرات۔ بیبیوں کے بین۔ بی بی سکینہؑ کی آہ وزاری۔

نمونہ کلام

عجیب چال ہے مضمونِ یال باندھوں گا بہت سا سر کو جھکا کر خیال باندھوں گا
کوئی طریق نہیں ہے کہ چال باندھوں گا کمال یہ ہے کہ اُس کو زوال باندھوں گا
زمیں سے عرش پہ یوں دَم میں مثلِ غُل جائے
کہ جیسے بندھتے ہی نیت خدا پہ کُھل جائے
پری کہوں تو پری کے یہ چشم و گوش کہاں ملک کہوں تو ملک میں یہ طیش و جوش کہاں
فلک کہوں تو فلک میں یہ ناؤ نوش کہاں کہوں جو رنگِ حنا اُس میں عقل و ہوش کہاں
ازل سے اُڑ کے پہنچ جائے یوں قیامت میں
کہ جیسے شُکر کی آواز گوشِ قدرت میں

پندرھواں مرثیہ

حضرت امام حسینؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں رُخوں کا احاطہ۔ پنجتن پاک

میں امام حسینؑ کا مرتبہ۔ کربلا کے میدان میں امام عالی مقام کی آمد اور امام کی شہادت اور جناب زینبؑ کے بین۔

نمونہ کلام

رُخ پر چلی تو زیست کا نقشہ مٹا دیا منہ میں زباں پھرائی تو گویا مٹا دیا
یاں بات میں زبان کا قصہ مٹا دیا واں لوح پر نصیب کا لکھا مٹا دیا
کیوں موت خوش نہ ہوتی کہ محظوظ تھی وہی
اِک لوح بچ گئی تھی کہ محفوظ تھی وہی

منہ میں زباں، گلے میں صدا کو بھی دو کیا اہلِ خطا کے، تیر دُعا کو بھی دو کیا
اس بُت نے، مشرکوں کے خدا کو بھی دو کیا اوروں کا ذکر کیا، کہ قضا کو بھی دو کیا
پھر تو شریر اور بھی ناکام ہو گئے
دو ٹکڑے ہو کے موت کے دو نام ہو گئے

سولہواں مرثیہ

اس کائناتِ رنگ و بو کی حقیقت و اصلیت۔ دنیا سے دل نہ لگانے کا مشورہ۔ کرب و بلا کے میدان میں امام حسینؑ کی آمد اور شدائد دنیا کا برداشت کرنا۔ امامؑ کی جنگ اور شہادت۔

نمونہ کلام

بے رنگ سا کچھ رنگِ گلستانِ جہاں ہے گل گشت کی یہ جا نہیں عبرت کا مکاں ہے
سوسن کی بھی ہے بند زباں، ہوں ہے نہ ہاں ہے نرگس کا یہ عالم ہے، بحیرت نگراں ہے
موقع جو ٹھہرنے کا نہیں پاتی ہیں بیلیں
بڑھتی ہوئی آگے ہی چلی جاتی ہیں بیلیں

سترہواں مرثیہ

کرب و بلا کے میدان میں ایک ایک کر کے امام عالی مقامؑ کے تمام اصحاب و

اقربا کی شہادت۔ امام عالی مقام کا اہلِ حرم کے ساتھ گریہ وزاری۔ امام عالی مقام کا خود میدانِ جنگ میں جہاد فی سبیل اللہ کرنا اور جام شہادت نوش کرنا۔

نمونہ کلام

یہ کہہ کہ صغیروں کو قریب اپنے بلایا ایک ایک کا منہ چوم کے چھاتی سے لگایا
روٹھیں تھیں سکینہؑ انہیں مشکل سے منایا کہتی تھیں کہ بابا مجھے پانی نہ پلایا
ہے ہے میں کئی دن سے گرفتارِ بلا ہوں
عمو نے بھی کی دیر میں اُن سے بھی خفا ہوں

اٹھارواں مرثیہ

حضرت حُرؑ کا امام عالی مقام کی فوج میں شامل ہونا۔ امام عالی مقام کا حضرت حُرؑ کو خوش آمدید کہنا۔ حضرت حُرؑ کا میدان وغا میں جانا اور دشمنوں سے جنگ کرنا۔ شہادت اور سیدانیوں کے بین۔

نمونہ کلام

ہوا جہاں سے یکا یک جو مُشکِ شب کافور سپیدۂ سحری کا ہوا فلک پہ ظہور
زمیں تو کیا کہ زمانہ بنا تھا عالمِ نور ہر آشیانے سے آنے لگی صدائے طیور
چٹک کے وجد میں کلیاں جو شب مہکنے لگیں
ہوائے سرد چلی بُلبُلیں چہکنے لگیں
روش وہ صاف وہ شفاف خوشنما کیاری زمینِ صاف پہ سبزہ کہیں وہ زنگاری
کسی روش پہ وہ مہندی کی ٹٹیاں پیاری وہ باغبانِ ازل کی چمن میں گلکاری
ہزار طرح کے جوبن وہ غنچہ و گُل پر
وہ بوستاں کی حکایت زبانِ بُلبُل پر

انیسواں مرثیہ

کرب و بلا کے میدان میں امام عالی مقام کی بے مثال شہادت اور اہلِ حرم کا

اسیر ہو کر یزید کے دربار میں جانا۔ امام حسین کا سرِ مبارک پیش کرنا اور اہلِ بیت کی گریہ و زاری۔

نمونہ کلام

حور و ملک ہیں تابعِ فرمانِ پنجتنؑ عرشِ بریں ہے زینۂ ایوانِ پنجتن
ظلِ خدا ہے، سایۂ دامانِ پنجتن مختارِ شش جہت ہیں غلامانِ پنجتن
بخشے تھے یہ شرف جنھیں رَبِ قدیر نے
کیا کیا انہیں تباہ کیا چرخِ پیر نے

بیسواں مرثیہ

کرب و بلا کے میدان میں حضرت علی اکبرؑ کی روانگی اور امام حسینؑ کی حالت زار۔ حضرت علی اکبرؑ کی بے مثال اور دلیرانہ جنگ۔ حضرت علی اکبرؑ کی المناک شہادت۔ اہلِ حرم کا بین۔

نمونہ کلام

اس طرح قریں آپؑ سے ہے شوکت وسطوت جس طرح نبیؐ سے شبِ معراج میں رحمت
اس طرح سے ہمراہ ہے ارمانِ شہادت جس طرح نبوت کی جلو دار امامت
اس طرح اُڑا رنگِ فلک خوفِ جری سے
جس طرح کہ جبریلؑ کے پر تیغِ علیؑ سے

اکیسواں مرثیہ

امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی کربلا آمد۔ یزیدی فوجوں کی یلغار۔ نہر علقمہ سے امامؑ کی روانگی اور دشت میں خیموں کی تنصیب۔ سات محرم سے خیام حسینؑ تک پانی کی بندش۔ کربلا میں دس محرم کو جنگ کا آغاز۔ اصحابِ باصفا کی کاوشیں۔ امام عالی مقام کی

جنگ اور شہادت۔

نمونہ کلام

خیمے سے سُن رہی تھی یہ زینبؑ جگر فگار گھبرا کے دی یہ بھائی کو آواز ایک بار
بھیّا یہ کس سے کرتے ہو باتیں بہن نثار اس وقت کیا مدد کو کوئی آیا دوست دار
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
کیوں لڑتے لڑتے روک لیا ذوالفقار کو

سر پر اجل ہے عصر کی ساعت قریب ہے مشتاقِ مرگ آج یہ آفت نصیب ہے
اس دم ہماری پیاس سے حالت عجیب ہے دنیا سے اب وداعِ حسین غریب ہے
اس سے زیادہ حال نہ اب غیر ہو مِرا
مانگو دُعا کہ خاتمہ بالخیر ہو مِرا

بائیسواں مرثیہ

تمہید میں شاعرانہ تعلّی اور اہلبیتؑ سے اپنی والہانہ محبت کا بیان۔ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے بعد حضرت علی اصغرؑ کی حالت زار امام عالی مقام کا سوالِ آب۔ حضرت علی اصغرؑ کو میدان میں لے جانا۔ حرملہ کا معصوم بچے کو تیر سے ذبح کرنا۔ امام عالی مقام کی جنگ اور شہادت۔

نمونہ کلام

اصغرؑ کا لہو چہرۂ اقدس پہ لگایا اور سوئے فلک دیکھ کے بولے کہ خُدایا
اِس فرقۂ بے دین نے مہماں کو ستایا پانی کے عوض خوں مِرے بچے کا بہایا
تُو اِس کے عوض مجھ کو صلہ دیجیو یارب
اُمت کو جہنم سے بچا دیجیو یارب

تیئیسواں مرثیہ

امام حسین علیہ السلام کی مدینے سے روانگی کے دلخراش منظر۔ بی بی صغریٰ کی حالت

زار۔ اہلِ مدینہ کا امام عالی مقام کو رخصت کرنا۔ امام عالی مقام کا حج کا ارادہ کرنا۔ دشمنوں کی یلغار۔ امام کا مکہ چھوڑ کر کربلا کی جانب روانہ ہونا۔ پسران مسلم کی شہادت کی خبر اور آہ و بکا۔

نمونہ کلام

مصلحت کچھ یہ فقط میری نہیں ہے صغراؑ اُس کی مرضی ہے یہی جو کہ ہے خالق سب کا
یہ قوی وجہ نہ ہوتی تو تمھیں لے چلتا منصفی شرط ہے بندے کا بھلا زور ہے کیا

محل ایسا ہو تو مصروفِ دُعا ہوتے ہیں
کیا وہ ملتے نہیں جو لوگ جُدا ہوتے ہیں

چوبیسواں مرثیہ

اللہ تعالیٰ کے حضور شاعر کی دردمندانہ التجائیں اور عفو و رحم کی درخواست۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی میدان کربلا میں آمد۔ امام کی دلنشیں گفتگو۔ بے مثال شجاعت کا مظاہرہ۔ شہادت امام عالی مقام اور اہلِ بیتؑ کے خیموں میں کہرام۔

نمونہ کلام

دیا الم مجھے کیا کچھ نہ شادمانی نے دکھایا جلوۂ پیری شبِ جوانی نے
بنایا ہمچداں میری نکتہ دانی نے کیا ہے گنگ مجھے میری خوش بیانی نے

ریاضِ دہر میں گرچہ برنگِ خار ہوں میں
رؤف، پر تری رحمت کا خواستگار ہوں میں

پچیسواں مرثیہ

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی سیرت و کردار کے اعلیٰ مظاہر۔ حضرت فاطمہ اور حضرت علیؑ کے عقد کے الٰہی فیصلے۔ شادی کے مراحل اور جناب فاطمہؑ کی رخصتی۔ حضرت

فاطمہؑ کے طرزِ حیات کے نمونے۔ مصائب جناب فاطمہؑ کا دردناک بیان۔

نمونہ کلام

بیٹی عفت کے محافہ میں نبیؐ کی دُختر ہر طرف آیۂ تطہیر نے روکی چادر
کلمہ پڑھتی ہوئی ہمشیرِ کلیمِ داور آسیہؑ آگے چلی کاندھے پہ چکی رکھ کر
حق نے مریمؑ کو خواصی کے لئے بھیجا ہے
عطرِ عنبر کے چھڑکنے کے لئے سارہؑ ہے

باغِ جنت سے ہوا کرنے کو حوّا آئی صندلِ خُلد لئے مادرِ عیسیٰؑ آئی
آسیہؑ آس میں دہلی کی جبیں سا آئی سارا گھر ہو گیا فردوس جو سارہؑ آئی
بڑھ کے حیدرؑ سے کہا آل میں شامل ہوئے اب
یہ سلامی ہے کہ صلوات کے قابل ہوئے سب

چھبیسواں مرثیہ

دنیا کی بے مہری اور بے وفائی کا تذکرہ۔ بادشاہ سے لے کر فقیر تک ہر ایک کی دنیا بیزاری۔ حضرت یعقوبؑ کی شہادت کے لیے آمادگی اور جناب علی اکبرؑ کی شہادت سے اس کا موازنہ۔ حضرت امام حسینؑ کا میدانِ جنگ میں جا کر رجز پڑھنا۔ بے خوفی سے راہِ خدا میں جدال اور شہادت۔ اہلِ حرم کی آہ و بکا۔

نمونہ کلام

اے فکرِ رسا شمسۂ ایوانِ سخن ہو اے طبعِ رواں خضرِ بیابانِ سخن ہو
اے مصرعِ نو یوسفِؑ کنعانِ سخن ہو اے کبکِ قلم بُلبلِ بُستانِ سخن ہو
ہو شورِ ثنا بُلبلِ سدرہ کی زباں پر
داؤدؑ بھی تحسین کریں حُسنِ بیاں پر

جو صاحبِ انصاف ہیں اُن سے ہے یہ شکوا کی قدر مری اور نہ ہُنر کو مرے دیکھا
راحت ہے یہاں کم مجھے اور رنج زیادا پچھتائیں گے جس وقت میں عالم میں نہ ہوں گا

پائیں گے نہ ایسا کوئی اب فرد جہاں میں
میں قافلۂ رفتہ کی ہوں گرد جہاں میں

ستائیسواں مرثیہ

شاعر کا مداح محمدؐ و آلِ محمدؐ ہونے پر فخر۔ کرب و بلا کے میدان میں حضرت عباسؑ علم بردار کی پرشکوہ آمد۔ حضرت عباسؑ کا خطاب۔ دشمنوں سے جنگ اور شہادت۔

نمونہ کلام

رشکِ فغفور ہوں غیرت دہِ دارا ہوں میں ملک ہے مِلکِ معانی، سخن آرا ہوں میں
آتشِ الفتِ سرورؑ کا شرارا ہوں میں عرشِ مضموں کا، چمکتا ہوا تارا ہوں میں
شمع ساں کیوں نہ جلیں خلق میں دشمن مجھ سے
آفتابِ فلکِ نظم ہے روشن مجھ سے

ہاں قلم حملۂ ضرغامِ الٰہی دکھلا غول پر غول سپاہی پہ سپاہی دکھلا
فوجیں برباد ہوں وہ رن میں تباہی دکھلا لشکرِ شام کو پھر سطوتِ شاہی دکھلا
رقصِ بسمل کا تماشا نظر آئے سب کو
دشت میں لاشے پہ لاشہ نظر آئے سب کو

عصرِ حاضر میں شاعری محض جذبات کے اظہار کا نام نہیں ہے۔ اب شاعری میں زندگی کے تمام مسائل بے کم و کاست بیان کر دیے جاتے ہیں۔ تمام مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ ایک عظیم شاعر ایک مکمل نظامِ حیات وضع کرتا ہے۔ اس کی دیرینہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تشکیل کردہ تخیلی ریاست معاشی اور اخلاقی ہر دو اعتبار سے قابلِ تقلید بن جائے۔ دوسرے شعرا کی نسبت مرثیہ نگار کو ایک سہولت میسر ہوتی ہے کہ اس کے سامنے کربلا کی بے مثال ریاست کا نقشہ موجود ہوتا ہے۔ اس کے سامنے مثالی کردار بھی ہوتے ہیں اور بے مثال نظامِ حیات بھی۔ اس کا کام محض یہ ہوتا ہے کہ اپنے شعری افکار و نظریات کے ذریعہ کربلائی سماج کے محاسن اُجاگر کرے اور اپنے معاشرے کی اس طرح

اخلاقی تطہیر کرے کہ اس کا پورا معاشرہ کربلا شناس اور کربلا مزاج بن جائے۔ اسی طرح افراد میں وہ جوش وجذبہ پیدا ہو جائے کہ وہ اصحابِ حسینیؑ کی طرح باطل قوتوں کے سامنے ڈٹ جائیں اور کردار حسینی کی روشنی سے اپنے معاشرے کو ہر سطح پر منور کر لیں۔ بزم آفندی نے اپنے مرثیوں میں جہاں ایک طرف خانوادۂ رسولؐ اور اصحابِ حسینؑ کی مدح سرائی کی ہے۔ وہاں دوسری طرف اہلِ جہاں کے سامنے دنیا کی حقیقت بھی آشکار کر دی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ یہ دنیا فانی اور بے ثبات ہے لہٰذا عقل مند وہی ہے جو اس دنیا سے دل لگانے کے بجائے اللہ سے لو لگا لے۔

نہ پھولے اس چمنِ روزگار پر انساں خیالِ گردشِ گردونِ دوں رہے ہر آں
سُنو بحسنِ سماعت اگر کھلے ہوں کاں عیاں کتاب سے ہے کُل من علیہا فاں
رہیں گے خلق میں سلطاں نہ یہ گدا باقی
ہر ایک چیز ہے فانی فقط خدا باقی

نہ وہ عروجِ فریدوں نہ طاقِ کسریٰ ہے نہ کیقباد ہے دنیا میں اب نہ دارا ہے
نہ تخت و طبل و علم ہے نہ وہ خزانہ ہے کدھر وہ جاہ و حشم ہے کہاں وہ غرا ہے
کفن لباس ہے تن میں، مکان تربت ہے
نہ ملک و مال نہ وہ نشۂ حکومت ہے

جو فخرِ قیصر و فغفور تھے وہ خاک ہوئے مکان کیسے خود اُن کے مکیں ہلاک ہوئے
نہ مدتوں کبھی دل جن کے دردناک ہوئے اُنہیں کے غم سے گریبان چاک چاک ہوئے
فقط سکندر و جمشید کا فسانا رہا
مٹے کچھ ایسے کہ قبروں کا بھی پتہ نہ رہا

جو اہلِ سیف و قلم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو یہ جن کے جاہ و حشم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو
جو صاحبانِ کرم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو جو شاہِ روم و عجم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو
نہ وہ شکوہ نہ وہ تخت و تاج باقی ہے

لحد میں ہڈیوں کا ڈھیر آج باقی ہے

(اقتباس: مرثیہ حضرت امام حسینؑ)

بزم آفندی کا کمال محض یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو فروغ دینے کی کاوش کی بلکہ ان کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انہوں نے واعظ اور ناصح کا روپ دھارے بغیر صاحبانِ فہم وذکا کو متاثر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شاعر محض معاشرے پر طنز کے تیر برساتا ہے تو دوسروں پر اس کے افکار گراں گزرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر وہ شاعرانہ پیرائے میں تاریخی حقائق کو اجاگر کرنے کی سعی کرتا ہے تو اس کی باتوں میں تاثیر پیدا ہوجاتی ہے۔ بزم آفندی نے معاشرے میں مثبت اقدار کے فروغ کے لیے تاریخی شواہد کا سہارا بھی لیا ہے اور اپنی شاعرانہ مہارتوں کو بھی بھرپور طریقے سے استعمال کیا ہے۔ اس طرح ان کے مرثیاتی اشعار سوچ اور فکر کے نئے زاویے اُجاگر کرتے ہیں اور انسان منفی قدروں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ بزم آفندی کا یہ طریقۂ کار معاشرے کو سنوارنے کا سبب بنتا ہے۔ آپ ان کے ایک مرثیے کے چند بند ملاحظہ کیجیے جو ہمارے اس مؤقف کی تائید کریں گے۔

ہر ماہ کو بے مہریِ دنیا سے گِلا ہے سوزش کی بلا میں ہے اگر بوئے وِلا ہے
پھولوں سے بسا تھا جو مکاں خود وہ کھلا ہے بخشے یہاں خلعت تو کفن اُس کا صلا ہے
جو خار ہیں دُنیا میں یہ باغ اُن کے لئے ہے
جو ماہ ہیں کامل یہاں داغ اُن کے لئے ہے

کچھ سیم بدن ہیں انہیں زیور نہیں پیدا کچھ غنچہ دہن ہیں، کہ اُنہیں زر نہیں پیدا
ہر فن میں جو ہیں طاق، انہیں گوہر نہیں پیدا جز فرشِ زمیں، خاک بھی بستر نہیں پیدا
جو سروِ رواں تھے وہ ندامت سے گڑے ہیں
مسند پہ جو رہتے تھے وہ تکفیں میں پڑے ہیں

شاہی کو ثبات اور نہ گدائی کو بقا ہے پر یادِ بقا، خاک کا سر پر طبقہ ہے
افسر جسے روزی ہے زمیں کا نفقہ ہے کاہش کو کہاں درد، کہ یہ ماہ لقا ہے

کچھ پاسِ جوانی نہیں کمبخت اجل کو
یہ تاک کے لیتی ہے اُبھرتے ہوئے پھل کو

شاہوں کے یہ ساماں یہ حشم بھی نہ رہیں گے بُلبُل پہ گلوں کے یہ ستم بھی نہ رہیں گے
شادی رہے یک سو یہاں غم بھی نہ رہیں گے غم بھی نہ رہیں گے کبھی ہم بھی نہ رہیں گے

شبنم کی روش دیکھیے، یہ ساماں یہاں آ کے
روتے ہوئے آئے، گئے اوروں کو رُلا کے

(اقتباس: مرثیہ حضرت امام حسینؑ)

بزم آفندی بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ انہیں مختلف علوم و فنون پر کماحقہٗ دسترس تھی اور وہ علوم متداولہ پر بھی مہارت رکھتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں کے مطالعہ سے ان کے علمی تبحر کا احساس ہوتا ہے۔ بزم آفندی نے اپنے ایک مرثیے (ع اگرچہ باغ سخن میں ہیں پھول رنگا رنگ) میں فصیح اور منیر سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے اور ان کے نقوش قدم پر چلنا اپنے لیے موجبِ فخر و مباہات قرار دیا ہے تاہم راقم کا مؤقف یہ ہے کہ بزم آفندی کی مرثیہ نگاری پر سب سے زیادہ مرزا سلامت علی دبیرؔ کے اثرات مرتسم دکھائی دیتے ہیں۔ بزم آفندی دبیرؔ کی علمی صلاحیتوں سے بے پناہ متاثر ہیں۔ دبیرؔ کے مرثیوں کو ناقدین نے ''علم کا پلندہ'' قرار دیا ہے۔ خاص طور پر علمِ فلکیات پر انہیں جو دسترس حاصل تھی اردو شاعری میں کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ علوم شرعیہ پر بھی کماحقہٗ دسترس رکھتے تھے۔ بزم آفندی کے مرثیے بھی علمی موعظت اور فکری اصابت کے لحاظ سے مرزا دبیر کی توسیع معلوم ہوتے ہیں۔ بزم آفندی کے مرثیوں کا عمیق نگاہی سے مطالعہ کریں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ان میں ایک علمی و فکری سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ آپ ان کے

درج ذیل بندوں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ ان پر مرزا دبیر کی چھوٹ پڑتی دکھائی دیتی ہے۔

ماتھا ہے بحرِ حُسن تو ابرو ہیں مچھلیاں کیونکر درازیٔ شبِ کاکُل کروں بیاں
احمدؐ کی شامِ ہجر کا حیدرؑ کو ہے گماں ہے ابرو و جبیں سے یہ مضمونِ نو عیاں
کشتی یہ عُمر کی ہے، وہ چشمہ حیات کا
یا سلسبیل میں ہے سفینہ نجات کا

کاکُل بہ رنگِ پردۂ کعبہ ہے محترم پیشانیٔ حسیں کو ملا رُتبۂ حرم
کچھ اس طرح سے ابروے شاہِ ہدا ہیں ضم کعبہ میں جیسے احمدؐ و حیدرؑ ہوئے بہم
گردوں سے بہرِ دید فرشتے اُتر پڑے
عیدین کے ہلال رجب میں نظر پڑے

تازہ بہار گلشنِ حُسنِ حسنؑ میں ہے سورج بھی پاک برگِ خزاں اس چمن میں ہے
کوثر کی آب گوہرِ سلکِ سخن میں ہے جبرئیلؑ پکارتے ہیں کہ کُلی دہن میں ہے
لب سے عیاں ہوئی ہے فصاحت زبان کی
لام اس میں لعل کا ہے، تو 'ب' ہے بیان کی

مرغِ نظر ہے صائرِ سدرہ کا ہم سبق آنکھوں کو دیکھ کر یہی کہتے ہیں اہلِ حق
لائے ہیں جبرئیلِ امیں خُلد کے طبق اکبرؑ کے غم میں سینۂ مژگاں ہوا ہے شق
مردم سے کہہ رہی ہے یہ پُتلی جناب کی
عیسیٰؑ کے ہاتھ میں ہے سپر آفتاب کی

اللہ رے جلوس شہنشاہِ خوش خصال تیغِ جلال ساتھ لئے قہرِ ذوالجلال
تھامے ہوئے رکابِ مبارک کو ہے ہلال زرّیں وہ کہکشاں کا علم وہ قمر کی ڈھال
زُہرہ بجائے رقص کے، اب سینہ کوب ہے

گردوں ہے طبل، نیزہ خورشیدِ چوب ہے

(اقتباس: مرثیہ فرماں روائے کشور و مدح وثنا ہوں میں)

نہ کیوں ہو زور یداللہ کے ہاتھ پائے ہیں وہ نقشِ پا کہ فلک سر جہاں جھکائے ہیں
وہ صدرِ رازِ خدا جس میں سب در آئے ہیں وہ دوش، بار شفاعت کا جو اُٹھائے ہیں

خجل ضیائے رُخِ شہؑ سے چاند ہے دیکھو
جبیں کے نور سے خورشید ماند ہے دیکھو

زہے تجمل و رعب و جلالِ شاہِ جمیل عقب میں ساتھ تھے سرکھولے انبیائے جلیل
کہیں تھے حضرتِ موسیٰؑ کہیں تھے نوحؑ و خلیلؑ رکاب تھامے ہوئے جبرئیل و اسرافیل

بہار آخری زہراؑ کے پھول کی دیکھو
شکوہ راکبِ دوشِ رسولؐ کی دیکھو

فرس رسولؐ کا ہے لاجواب ہو کہ نہ ہو خفیف تیز روی میں، سحاب ہو کہ نہ ہو
جمالِ شہ سے خجل آفتاب ہو کہ نہ ہو بہار شیب پہ صدقے، شباب ہو کہ نہ ہو

خجل نہ شمس ہو کیوں رنگِ زعفرانی سے
سوا ہے جلوۂ پیری کہیں جوانی سے

ثنائے رخشِ فلک سیر میں ہے گنگ زباں وہ حُسن ہے کہ براقِ رسولؐ کی ہے جاں
وہ نعل جس کی چمک سے ہلال ہو حیراں وہ پتلیاں ہیں کہ حوروں کی آنکھیں ہو قرباں

جو وصف کیجئے اس رخش کا وہ تھوڑا ہے
وہ تیزیاں ہیں کہ قحبی کا ذکر کوڑا ہے

وہ چال جس سے کہ ہو منفعل نسیمِ بہار وہ جست و خیز کہ شرمندہ آ ہوئے تاتار
سُبک لجام و فلک سیر و تیز رو، طرار فلک بھی دیکھتا تھا جھک کے شان کو ہر بار

یہ ناز تھا کہ فزوں کیوں نہ ہو وقار مرا

سوارِ دوشِ پیمبرؐ ہے شہسوار مِرا

(اقتباس: مرثیہ حضرت امام حسینؑ)

بزم آفندی مرزا دبیر کی طرح اپنے مرثیوں میں حزنیہ کیفیات کو بطورِ خاص اُجاگر کرتے ہیں۔ ان کے تمام مرثیے درد وغم میں ملفوف ہیں۔ وہ شعوری طور پر کوشش کرتے ہیں کہ پورے مرثیے کو حزن وملال کا مرقع بنادیں۔ یہی سبب ہے کہ دبیرؔ کی طرح وہ اپنے مرثیوں کو براہِ راست پُر درد موضوع سے شروع کرتے ہیں۔ وہ انیسؔ کی طرح طویل تمہیدات کا سہارا لیے بغیر کرب وابتلا سے مرثیے کا آغاز کرتے ہیں۔ آپ ان کے درج ذیل مراثی کا مطالعہ فرمالیجیے کہ وہ براہِ راست مصائب سے شروع ہو جاتے ہیں۔

۱----- آمد ملک الموت کی ہے دشتِ وغا میں

۲----- چرخ پر جب کہ نمایاں شبِ عاشور ہوئی

۳----- وفا کو شیرِ الٰہی کا شیر آتا ہے

۴----- بے رنگ سا کچھ رنگِ گلستانِ خزاں ہے

۵----- بن بیاہے جواں بیٹے کا ماتم ہے حرم میں

۶----- حضرت سے رضا لے کے چلے جب علی اکبرؑ

۷----- جب علقمہ پہ فوجِ خدا کا گزر ہوا

۸----- کوچ یثرب سے جو سلطانِ زماں کرتے ہیں

بزم آفندی کا ہر مرثیہ غم والم سے عبارت ہے۔ خاص طور پر مرثیے کے آخری بکائیہ بند اپنی نوعیت کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہیں۔ انیسؔ نے تو محض یہ کہا تھا کہ "مرثیہ درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے" لیکن بزم آفندی نے اس فکر کی عملی توضیح اپنے مرثیوں میں پیش کردی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بزم آفندی نے ان مرثیوں میں جہاں ساقی نامہ یا بہاریہ رنگ

اُجاگر کیا ہے وہاں بھی کسی نہ کسی لفظ سے المیاتی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ آپ بزم آفندی کے مختلف مرثیوں کے چند بند ملاحظہ فرمایئے اور اس میں موجود درد و غم کی کیفیات کو محسوس کیجیے۔

دی در خیمہ سے فضہؓ نے یہ حضرت کو صدا پاس پردہ کے کھڑی روتی ہیں بنت زہراؑ
جلد فرمایئے یا شاہِ غریب الغربا گھر میں کب آئیں گے ہمشکلِ رسول دوسرا
غم سے سیدانیوں کی جان چلی جاتی ہے
آپ کے رونے کی جس وقت صدا آتی ہے

خیریت سے تو ہیں ہمشکلِ رسولِ دوسرا دی صدا سرور عالم نے بصد آہ و بکا
لٹ گیا لختِ دل و جانِ بتولِ عذرا لاش اب اُن کی میں لاتا ہوں اٹھا کر تنہا
کوئی مونس کوئی ہمدم کوئی غم خوار نہیں
بنے قاسم نہیں، عباسؑ علمدار نہیں

سُن کے حضرت کی صدا دل ہوا ایسا بیتاب دخترِ فاطمہ خیمہ سے نکل آئیں شتاب
تھی ردا فرق مطہر پہ نہ چہرے پہ نقاب تھا یہ نوحہ کہ ٹھہر جایئے اے عرش جناب
ضعف و ناطاقتیٔ شاہ سے گھبراتی ہوں
لاش لینے علی اکبرؑ کی میں خود آتی ہوں

چُھٹ گیا مجھ سے، مری گود کا پالا ہے ہے چھد گیا ظلم کی برچھی سے کلیجا ہے ہے
گرد ماں بہنیں تھیں، نے دخترِ زہرا ہے ہے دم مرے شیر کا تنہائی میں نکلا ہے ہے
حلقِ خشکیدہ سے کیا کرب اٹھایا ہو گا
نزع میں پانی کا قطرہ بھی نہ پایا ہو گا

(اقتباس: حضرت علی اکبر علیہ السلام)

کہا حسینؑ نے اکبرؑ ابھی ہے بھائی میں دم بہن کو روکو اخی کو گلے لگا لیں ہم
بڑھے امام تو کیا دیکھتے ہیں ہائے ستم کہ دم نکل بھی چکا سرد ہو گیا ضیغم

پکارے ہائے جہاں سے گزر گئے عباسؑ
سکینہؑ کس کو مناؤ گی مر گئے عباسؑ

وہ رو کے بولی کہ ہے ہے گزر گئے عموں میں آ کے ملنے نہ پائی کہ مر گئے عموں
کہاں میں ڈھونڈنے نکلوں کدھر گئے عموں اخیر دن مری سقائی کر گئے عموں
نصیب کی مرے اللہ کیا خبر تھی مجھے
کھڑی تھی نہر پہ موت آہ کیا خبر تھی مجھے

چچا یہاں سے میں زندہ نہ گھر کو جاؤں گی تمہیں گنوا کے نہ کنبے کو منہ دکھاؤں گی
بنی اسد سے کفن جا کے مانگ لاؤں گی لبِ فرات تمہاری لحد بناؤں گی
کہیں یہ لوگ کہ عموں کی جان کو کھو کر
بھتیجی قبر پہ بیٹھی فقیرنی ہو کر

(اقتباس: مرثیہ حضرت عباسؑ)

بیاں ہو شمر کی بدعت کا حال اب کیونکر کہاں وہ موزہ کہاں سینۂ شہِؑ اطہر
بکا کے واسطے یہ بات بس ہے تا محشر رسولؐ زادے کو ظالم نے کر دیا بے سر
بتولؑ پیٹتی ہیں بوترابؑ روتے ہیں
جگر کو تھامے رسالت مآبؐ روتے ہیں

سیاہ و زرد اُٹھیں رن میں آندھیاں پیہم ہر اِک نگاہ میں ظلمات کا ہوا عالم
گہن میں مہر تھا ہر شے تھی محوِ رنج و الم ملائکہ میں فغاں تھی، جنوں میں تھا ماتم
سحابِ حسرت و غم چار سو برستا تھا
زمیں پہ چرخ سے تازہ لہو برستا تھا

پکارتی تھی یہ زہراؑ کدھر گئے بیٹا زمیں پہ غش میں ہو تم یا گزر گئے بیٹا
لہو میں چاند سے رُخسار بھر گئے بیٹا یہ کس زباں سے کہے ماں کہ مر گئے بیٹا

ہمیشہ خاک اُڑانے یہاں میں آؤں گی
نہ اب لحد میں بھی تاحشر چین پاؤں گی

نظر میں پھرتی ہیں اس دم شجاعتیں تیری رہیں گی شہرۂ آفاق ہمتیں تیری
پسند دل سے تھیں اے جان عادتیں تیری نہ تھیں رسولؐ سے کچھ کم عبادتیں تیری

فزوں ہر ایک سے شوقِ نماز تھا تیرا
عجب کریم سے راز و نیاز تھا تیرا

(اقتباس: مرثیہ حضرت امام حسینؑ)

حضرت بزم آفندی اُردو مرثیے کی کلاسیکی روایت کے امین تھے۔ ان کے ہاں جدید مرثیہ نگاروں کی طرح موضوعاتی تنوع تو نہیں ملتا لیکن ان کا اسلوب انیس و دبیر کی یاد دلاتا ہے۔ بزم آفندی بنیادی طور پر ایک ایسے دور کے مرثیہ نگار ہیں جب کلاسیکی مرثیے کا چراغ جھلملا رہا تھا اور اُردو نظم کے اثرات کے باعث جدید مقصدی اور فکری مرثیے کی ضرورت کا احساس جنم لے رہا تھا۔ بزم آفندی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے کلاسیکی مرثیے کے چراغ کو اپنے خونِ جگر سے فروزاں رکھا اور آنے والے عہد کو بھی خوش آمدید کہا۔ ان کی غزلیں اور جدید نظمیں ہمارے مؤقف کی تائید کریں گی۔ بزم آفندی کا سب سے بڑا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مرثیوں میں کلاسیکی اردو زبان کو زندہ و تابندہ رکھا۔ ایک ماہر لفظ شناس کی طرح انہوں نے ہر لفظ کو اس کے خاص سیاق و سباق میں استعمال کیا ہے۔ دبیر، فصیح اور منیر سے طبعی اور فکری وابستگی کے باعث ان کے اسلوب میں ایک خاص طرح کی پاکیزگی موجزن ہے۔ ان کا ہر لفظ مصرعے میں نگینہ کی طرح جڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ دبیرؔ کی طرح ان کے ہاں دقیق الفاظ کا بکثرت استعمال ہے لیکن کہیں محسوس نہیں ہوتا کہ شاعر نے محض متاثر کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ ان کے مرثیوں میں مسدس کی بیتیں انتہائی پراثر ہوتی ہیں

کہ دلوں کو فوراً تسخیر کر لیتی ہیں۔ آپ ان کے مختلف مرثیوں کی صرف پانچ بیتیں ملاحظہ فرمایئے اور ان کی تاثیر خود محسوس کیجیے۔

اٹھے جہاں سے قبر میں سونے کے واسطے
خالی فسانہ رہ گیا رونے کے واسطے

.....

نخوت سے قدم کل جو نہ رکھتے تھے زمیں پر
آرام سے لیٹی ہے زمیں آج انہیں پر

.....

سلطاں سے غرض مجھ کہ نہ کچھ کام گدا سے
مطلب ہے فقط مدحِ امامؑ دوسرا سے

.....

عاجز یہ کبھی ہمت عالی نہیں رہتی
درویش کی جھولی کبھی خالی نہیں رہتی

.....

جیتے ہی رہیں گے یہ خبر گر کہیں پاتے
فولاد کی اینٹوں سے مکانات بناتے

.....

بزم آفندی اردو کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی زبان سے بھی کما حقہ آگاہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں جگہ جگہ قرآن و احادیث سے استفادے کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ انہوں نے شعوری طور پر مرصع زبان استعمال کر کے کلاسیکی اسلوب کو تر و تازہ رکھا ہے۔ بزم آفندی نے علم بیان و بدیع کے مختلف اراکین کو انتہائی

سلیقے سے استعمال کیا ہے۔ نادر تشبیہات و استعارات کے باہنر استعمال نے ان کے اشعار کو وقعت بخشی ہے۔ صنعت تلمیح، صنعت تضاد، صنعت حسن تعلیل، صنعت لف ونشر اور صنعت مراعاۃ النظیر کے برمحل استعمال سے ان کے مرثیے لکھنوی شعرا کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ اسی طرح خوبصورت ترکیب و مرکبات اور مستند روزمرہ اور محاورے بھی مرثیوں کی فنی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اپنے اندازِ بیان کے اعتبار سے بھی بزمِ آفندی کے مرثیے ہمارے ادب میں نادر اضافہ ہیں۔

حضرت باقر زیدی ایک علمی و ادبی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ شعر اور نثر دونوں میدانوں کے شہ سوار ہیں۔ شاعری میں غزل اور نظم کے ساتھ مرثیہ گوئی میں بھی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی ہر شعری جہت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ یہ امر باعثِ امتنان ہے کہ محترم باقر زیدی نے ''بزمِ رثا'' کے عنوان سے بزمِ آفندی اکبر آبادی کے ستائیس مرثیے تلاش کر کے ترتیب دے دیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مرثیوں کی دریافت اور عمیق نگاہی سے ان کی ترتیب و تسوید ایک دقت طلب کام تھا جسے موصوف نے انتہائی سلیقے سے انجام دے دیا ہے۔ اب یہ بات بلاخوف و بلاتردد کہی جاسکتی ہے کہ بزمِ آفندی اپنے ان نو دریافت شدہ مرثیوں کی بدولت شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس ادبی دستاویز کی تزئین و آرائش کی بدولت جناب باقر زیدی کا نام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ موصوف بزمِ آفندی کے دیگر کلام کی اشاعت کا اہتمام فرما کر شعر و ادب کے تشنگان کو سیراب فرمائیں گے۔

مندرجہ بالا پیش کردہ نکات کا ماحصل یہ ہے کہ جدید عہد کے تقاضوں کو سمجھنا اور شعر و ادب کو ان مقتضیات کے مطابق ڈھال کر پیش کرنا بے حد ضروری ہے۔ عصرِ حاضر کے مرثیہ نگاروں کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انہوں نے

بدلتے ہوئے زمانے کے رُخوں کا ادراک کیا اور اس صنف کو اپنے خونِ جگر سے حیاتِ تازہ عطا کی۔ ایک ایسے دور میں جب معاشرہ صنعتی خوشحالی کے زعم میں اخلاقی نظام کو اپنے پاؤں تلے روندرہا تھا۔ اردو مرثیہ نگاروں نے اخلاقیات کا پرچم بلند کیا اور اپنے مرثیوں میں ایسا اخلاقی نظام پیش کیا جو لائق صد تحسین ہے۔ بزم آفندی کا اختصاص محض یہ نہیں ہے کہ انہوں نے دبیر، فصیح اور منیر کی مرثیاتی روایت کو تابندہ رکھا بلکہ ان کا کارنامۂ خاص یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عہد کے بگڑتے ہوئے سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی اور خصوصاً اخلاقی نظام کو راہ راست پر لانے کے لیے صنفِ مرثیہ کا سہارا لیا۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں ظلم وتمرد، سماجی استحصال، عدم مساوات، ناانصافی، فکری جکڑ بندیوں اور اظہار رائے پر قدغن کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس طرح ان کے مرثیے جہاں ایک طرف تاریخی حقائق کا سرچشمہ ہیں وہاں دوسری طرف ان میں عصری آشوب بھی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بزم آفندی کے دستیاب مرثیوں کا عمیق نگاہی سے مطالعہ کریں اور اس کے فکری وفنی محاسن کا دوبارہ احاطہ کریں۔ اگر ہم نے اپنا سطحی رویہ تبدیل نہ کیا تو بزم آفندی اہل دانش سے یہی شکوہ کریں گے:

جو صاحبِ انصاف ہیں، ان سے ہے یہ شکوہ کی قدر مری اور نہ ہُنر کو مرے دیکھا
راحت ہے یہاں کم مجھے اور رنج زیادا پچھتائیں گے جس وقت میں عالم میں نہ ہونگا
پائیں گے نہ ایسا کوئی اب فرد جہاں میں
میں قافلۂ رفتہ کی ہوں گرد جہاں میں

۲۵۳۔ایف، رحمان پورہ، لاہور پروفیسر ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
رابطہ موبائل ۰۳۳۳۔۴۲۵۵۱۵۳ ۱۹/ مئی ۲۰۱۱ء
e-mail:drshabihulhasan@gmail.com

20

حضرت بزمؔ آفندی کی مرثیہ گوئی

(پروفیسر حسن سجاد)

تاریخِ ادب میں یہ واقعہ اکثر گزرا ہے کہ ایک نہایت ذی استعداد اور صاحبِ کمال شاعر کو اس کے اپنے زمانے میں وہ قدر و منزلت اور شہرت حاصل نہیں ہوتی جس کا وہ بجا طور پر مستحق ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال نظیر اکبر آبادی ہیں جنہیں ان کے ہم عصر شعراء اور نقادوں نے شاعر ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا مگر آج ان کو میر، غالب اور انیس کی صف میں جگہ دے کر اردو کے عظیم شعراء میں شامل کیا جا چکا ہے۔ اس کے برعکس کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شاعر شہرت و مقبولیت کے مدارج طے کر کے ایوانِ ادب میں ایک اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے مگر اس کی شاعری کے روشن نقوش زمانے کے پیچ و خم میں کھو کر مدھم ہو جاتے ہیں۔

بزمؔ آفندی کا شمار بھی ایسے ہی شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ ایک صاحب علم و فضل اور ایک ایسے قادر الکلام شاعر تھے جنہوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ان کا استادانہ مرتبہ مسلمہ ہے لیکن ان کا نام اور کلام دونوں زمانے کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں جس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا کلام شائع نہ ہو سکنے کی وجہ سے عام لوگوں تک نہ پہنچ سکا۔ جنابِ باقر زیدی لائق صد تحسین ہیں کہ انہوں نے بزمؔ آفندی کے ۲۷ مراثی اور ۲ مسدس کو نہ صرف دریافت کیا بلکہ ان کی ترتیب و تدوین کے بعد ان کی اشاعت کا اہتمام کر کے اہلِ ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ ادبی مذاق کی تربیت کرنے اور ادبی روایت کا شعور حاصل کرنے کے لئے ان کی یہ تحقیقی کاوش یقیناً ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

مرثیہ گوئی کو انیس اور دبیر اور انیس و دبیر کے خانوادوں نے جس بلندی پر پہنچایا تھا، بعد میں آنے والے شاعروں کے لئے اس تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ زیادہ تر مرثیہ گویوں نے روایتی مرثیہ ہی کی تقلید کی ہے۔ بزمِ آفندی کی مرثیہ نگاری کی بنیاد بھی اگرچہ کلاسیکی مرثیہ پر ہی رکھی گئی ہے لیکن انہیں شعری اور فنی اظہار پر ایسی مکمل گرفت حاصل تھی کہ انہوں نے اردو شاعری کے لوازم، اسالیب، مناسباتِ شعری، رعایتِ لفظی، صنائع بدائع اور مضمون آفرینی کا ایک فن کارانہ مرکب بنا کر اس طرح پیش کیا کہ ان کے مراثی ہم کو روایت کی تقلید کا نمونہ نظر آنے کے بجائے ایک تازہ تخلیقی تجربے میں ڈھلے ہوئے نظر آتے ہیں بلاشبہ اردو شاعری، شاید اب کوئی دوسرا انیس یا دوسرا دبیر پیدا نہ کر سکے۔ لیکن تخلیق کا دھارا کبھی رکتا نہیں ہے اور ادب میں زندہ تجربوں کا سفر برابر جاری رہتا ہے اور بزمِ آفندی کے مرثیے اسی سفر کی روداد ہیں۔

آیئے دیکھیں کہ انہوں نے اپنے تجربے، تخیل اور احساس کی رنگ آمیزی سے اردو مرثیہ کے دامن کو کس طرح مالا مال کیا ہے۔ شاعری میں تشبیہ اور استعارہ سے ہمیشہ کام لیا گیا ہے لیکن بزمِ آفندی نے تشبیہات کے استعمال میں اپنی سوچ کے نئے انداز اور اظہار کی انفرادیت کو ہر جگہ برقرار رکھا ہے۔ حضرت حبیب ابن مظاہر کا سراپا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ماتھا ہے چرخ، تیغ ہے ابروئے خوں فشاں جب چرخ پر ہے تیغ تو پھر تیرگی کہاں
نظروں سے نورِ چشمِ پیمبرؐ جو ہے نہاں پلکوں سے ہاتھ ملتی ہیں ہر بار پُتلیاں
نزدِ جبینِ صاف جو ہیں جلوہ گر چراغ
کیونکر نہ جھلملائیں قریبِ سحر چراغ

کیا خوشنما ہے چہرے پہ ریشِ خضاب دار پیدا حلب میں لعل ہوا، شانِ کردگار
چہرے پر رنگِ شوقِ شہادت ہے آشکار قرآں میں دیکھو سرخیٔ شنجرف کی بہار
غل ریش و رخ کو دیکھ کے یہ اہلِ حق میں ہے
دیکھو وہ آفتابِ درخشاں شفق میں ہے

منظر نگاری مرثیے کا جزوِ لاینفک رہی ہے۔ اس بارے میں پروفیسر کرار حسین نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ ''شاعری کا تعلق ہمیشہ ایک کیفیت کے اظہار سے ہوتا ہے اور جس چیز کو ہم منظر نگاری کہتے ہیں وہ الفاظ اور بیان کے Medium میں ایک کیفیت کے معروضی متبادل کی تخلیق کا نام ہے۔ یہ کیفیت ہی ایک نظم کے تاثر کا جزو یا کل ہوتی ہے''۔ بزم اکبرآبادی نے اپنے مراثی میں منظر نگاری کے حوالے سے کچھ ایسی ہی کیفیات کا اظہار کیا ہے ایک مقام پر کربلا میں گرمی کی شدت کا منظر یوں بیان کرتے ہیں۔

دوزخ بنا ہوا تھا وہ میدان ہے غضب ذی روحوں پر قیامت کبریٰ کا تھا تعب
آواز آتی تھی یہ ہَوا سے پناہِ رب سورہ دخاں کا پڑھتے تھے جنات سب کے سب
الٹا ہوا تھا قلب ہر اک ذی حیات کا
گرمی سے جوش کھاتا تھا پانی فرات کا

بزمِ آفندی کے مراثی میں خیال کی ظاہری سطح کے نیچے، معانی اور مفاہیم کی کئی پرتیں ہوتی ہیں۔ خاص طور پر رزمیہ مناظر کے بیان میں مادی چیزوں کے ظاہری اوصاف بیان کرتے ہوئے وہ تشبیہات و استعارات کے پردے میں رمز و کنایہ کے طلسم باندھتے ہیں۔ رزمیہ مناظر میں گھوڑے اور تلوار کی تعریف ہو یا لڑائی کا حال، ان کا شاعرانہ تخیل، الفاظ کی مصورانہ تخلیق میں یوں ڈھلتا ہے۔

تلوار کی تعریف

روحیں پھڑک رہی تھیں، دلوں کو نہ تھا قرار وہ اضطرابِ قلب، وہ خاطر کا انتشار
لیتی تھی دم ذرا نہ کسی جا وہ شعلہ بار صحرا میں تھی بہار کہ پھولا تھا لالہ زار
رن کی زمیں عدو کے لہو سے چمن بنی
گیتی لباسِ سرخ پہن کر دلہن بنی

ضرب اس کی دفتروں میں بھی مرقوم ہوگئی عالم میں اس کی کاٹ کی اک دھوم ہوگئی
بسمل، ہر اک صفِ حبشی و روم ہوگئی ہر شے ہلالِ تیغ سے معدوم ہوگئی
غل تھا کہ کیا بلندی و پستی میں رہ گیا
اک دل کا چاک، جامۂ ہستی میں رہ گیا

گھوڑے کی تعریف

گھوڑے کی جست وخیز سے تھا حشر کا سماں چکر میں دیکھ دیکھ کے تھا رخشِ آسماں
وہ پھرتیاں وہ چال وہ شوخی، وہ تیزیاں مضموں ہے سرسری جو کہیں صرصرِ جناں
لڑنے سے ہاتھ بھاگنے سے ہر قدم رکا
تو سن کی چال ڈھال پہ تیغوں کا دم رکا

لڑائی کا حال

لو وغائے پسرِ حیدرؑ کرار سنو ذکرِ جانبازیٔ عباسؑ علمدار سنو
انتشارِ سپہِ حاکمِ مے خوار سنو نعرۂ شیر سنو، تیغ کی جھنکار سنو
فدیۂ شاہ کے ہاتھوں کی صفائی دیکھو
اسدِ ضیغمِ داور کی لڑائی دیکھو
لو اٹھا حشر ہوئی تیغِ علمدار علم لو ہوئی طبع، شجاعِ ازلی کی برہم
کھنچتے ہی اس نے دکھایا مہِ نو کا چم چم سرگرے، ہوش اڑے، اٹھ گئے اعدا کے قدم
طُرفہ ہلچل ہوئی لشکر کے زرہ پوشوں میں
قدر انداز بھی ڈر ڈر کے چھپے گوشوں میں

حمد ونعت ومنقبت تو ہمیشہ سے اردو مرثیہ کا حصہ رہی ہیں لیکن بزم اکبرآبادی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے اردو مرثیے میں پہلی بار تخلیقِ کائنات اور سفرِ معراج

جیسے موضوعات شامل کر کے مرثیے کے امکانات کو وسعت دی اور اس طرح وہ اردو کے پہلے مرثیہ گو ہیں جنہوں نے مرثیہ کا تعلق مابعد الطبیعات سے جا ملایا۔ معراج کو، واقعۂ کربلا سے ربط دے کر اس کے رثائی پہلو کو بھی بڑی استادانہ مہارت سے انہوں نے بیان کیا ہے۔ یہ خوبی بھی صرف بزمِ اکبرآبادی ہی سے مخصوص ہے کہ انہوں نے اردو کا طویل ترین مرثیہ لکھا ہے جو ۳۱۴ بندوں پر مشتمل ہے اسی مرثیے میں انہوں نے اپنے زورِ تخیل سے یہ دکھایا ہے کہ معراج پر جاتے ہوئے جب حضور اکرم ﷺ کربلا سے گزرے تو آپ کے دل میں غم والم کی ایک کیفیت پیدا ہوگئی۔

شہ کو رستے میں عجب ایک مقام آیا نظر جس میں چلتی تھی غم و رنج کی بادِ صرصر
مرکبِ خلد کے اڑنے سے ہوئے ساکت پر دم الجھنے لگا گھبرائے شہِ جن و بشر
کہا جبریل سے غم دل پہ گھرا آتا ہے
نام اس دشتِ پُر آفت کا بتاؤ کیا ہے

عرض کی حضرت جبریل نے اے شاہِ ہدیٰ حق نے دنیا میں نبی جتنے کئے ہیں پیدا
آ کے اس بن میں اٹھائی ہے ہر اک نے ایذا یہی وہ جا ہے جہاں تختِ سلیماں تھا گرا
ابنِ مریم نے بھی یاں رنج و الم پایا تھا
اور یہیں نوح کی کشتی پہ زوال آیا تھا

کربلا نام ہے اس دشت کا اے خیرِ بشر طبع محزوں ہو، یہاں کی ہے ہوا کا یہ اثر
کس طرح سے شہِ والا کو سناؤں یہ خبر آپ کے پیارے نواسے کا کٹے گا یہیں سر
رنگ تقدیر یہ اک وقت میں دکھلائے گی
گلشنِ آلِ محمدؐ پہ خزاں آئے گی

اس کے بعد مرثیے کے تمام فنی عناصر کو برئے کار لاتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کی شہادت بیان کی گئی ہے۔ رخصت، آمد، سراپا، رجز، گھوڑے اور تلوار کی تعریف، جنگ اور

شہادت کے بعد جب جبریل کا بیان ختم ہوتا ہے تو فطری طور پر بین کا مرحلہ آتا ہے۔ نواسے کی المناک شہادت کا حال سن کر حضورؐ کا دل گرفتہ و رنجور ہونا ایک فطری امر ہے۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہادتِ امام حسین علیہ السلام کی خبر دی تو آپ آبدیدہ ہوئے۔ بزم صاحب نے بھی اس مقام پر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے؛

سن کے اس واقعے کو ضبط کا یارانہ رہا
اے اَخی یاں سے چلو پہلے، یہ حضرتؐ نے کہا

گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسی تاریخی روایت کو جو حضرتِ جبریل سے منسوب ہے، پس منظر کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس مرثیے میں پوری شاعرانہ توسیع کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یوں بھی بزم آفندی کے مراثی میں تفصیل و توضیح کی کارفرمائی ہر جگہ نظر آتی ہے اور یہ ان کا طرۂ امتیاز ہے کہ وہ جو واقعہ بیان کرتے ہیں اور جس منظر کی تصویر کھینچتے ہیں، اس کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑتے مگر اس تمام تفصیل پسندی میں فنی لحاظ سے کہیں کوئی جھول نہیں پیدا ہوتا۔ ان کی سوچ میں جو جدت ہے اور قوتِ متخیلہ کے استعمال میں جو بانکپن ہے وہ فنِ شعر پر ان کی گرفت اور اظہار پر ان کی قدرت کی بہترین مثال ہے۔

اظہار پر یہی قدرت ہے جس نے ان کے مراثی میں یک رنگی کے بجائے ایک نوع کا تنوع پیدا کر دیا ہے چنانچہ جہاں ہم کو مرثیہ کے چہرے میں رفعتِ خیال اور شکوہِ الفاظ کے نمونے ملتے ہیں وہاں حزنیہ مقامات پر زبان کی سادگی، بیان کی سلاست اور جذبہ کا گداز نظر آتا ہے۔ ایک کامل استادِ فن ہونے کی وجہ سے وہ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ کس موقع پر کون سا اسلوب اختیار کرنا ہے مثال کے طور پر ان کے چہرے کے دو بند دیکھئے:

غیرتِ ساغرِ جمشید ہوا جام سخن عرشِ مضموں جسے کہتے ہیں وہ ہے بامِ سخن
سحرِ خلد نہ کس طرح بنے شامِ سخن نظر آنے لگا آغاز میں انجامِ سخن
طبع اس رنگ کی دنیا میں کہاں ہوتی ہے
مشق پیری کی جوانی میں عیاں ہوتی ہے

باغبانِ چمنِ مدحِ امامِ دوسرا صدفِ گوہرِ توصیف، شہنشاہِ ہدیٰ
قمرِ برجِ سخن، آئینۂ دل کی ضیا شمعِ بزمِ فصحا، نزہتِ باغِ شعرا
یہ شرف میرے سوا اور نے کب پائے ہیں
ہاں مری طبعِ رسا نے یہ لقب پائے ہیں

اوراب اس موقع کے یہ بند دیکھئے جب حضرت عباسؑ گھوڑے سے گرنے کے بعد امام حسینؑ کو آواز دیتے ہیں اور آپ بھائی کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے میدان کی طرف روانہ ہوتے ہیں:

یہ صدا سنتے ہی مجروح ہوا قلبِ امام دوڑے میداں کی طرف روتے ہوئے شاہِ انام
لب پہ نوحہ تھا یہی، ہائے علیؑ کے گلفام تیرے لچھٹ جانے پہ، جاتا رہا میرا آرام
صدمۂ ہجر سے دل ہے تہ و بالا میرا
کون غربت میں ہے اب چاہنے والا میرا

اب سنبھل جائیں عزادارِ امامِ دوسرا پہنچے ہیں شیر کی بالیں پہ شہنشاہِ ہدیٰ
رو کے کہتے ہیں کہ کچھ منہ سے تو بولو میں فدا ہائے کس وقت میں مظلوم سے ہوتے ہو جدا
جاں بلب سبطِ رسول الثقلین آیا ہے
کھول دو آنکھوں کو بھیا کہ حسینؑ آیا ہے

مندرجہ بالا دونوں نمونے اپنے اسلوبِ بیان کے لحاظ سے اس لئے مختلف

ہیں کہ انہیں مقتضائے حال کے مطابق بیان کرنا مقصود تھا اور یہ نکتہ بزم آفندی اپنے مراثی میں کہیں نظر انداز نہیں کرتے۔

مرثیہ کا موضوع زندگی کے باطن میں پوشیدہ وہ صداقت ہے جس کو شاعر دریافت کرتا ہے اور اپنے اشعار کی گرمی سے ہماری روحِ خفتہ اور دلِ مردہ کو بیدار اور متحرک کر دیتا ہے۔ یہ مرثیہ کا وہ اعلیٰ اور ارفع پہلو ہے جو نہ صرف اسے دوسری اصناف سے ممتاز کرتا ہے بلکہ اپنے قارئین کو حق و باطل اور خیر و شر کی پہچان کرواتا ہے ہر زمانے میں خیر کے کچھ نمائندے ہوتے ہیں جن کو اپنی مخالف قوتوں کے ساتھ تصادم سے گزرنا پڑتا ہے۔

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید اقبالؔ

اور اسی تصادم سے وہ المیہ پیدا ہوتا ہے جو مرثیہ کا موضوع سمجھا جاتا ہے مگر مرثیہ کا موضوع صرف اس کا یہ المیہ پہلو نہیں ہے بلکہ جبرِ حالات کی زنجیرِ گراں کو توڑنے والے ہاتھوں کی صلابت کی قصیدہ خوانی بھی ہے۔ مرثیہ کے رثائی پہلو پر بوجوہ اتنی زیادہ توجہ دی گئی ہے کہ عظمتِ کردارِ حسینی کی طرف ہمارے مرثیہ گویوں کی توجہ کم رہی ہے۔ بزم آفندی نے اپنے مراثی میں شعوری طور پر اس بات کی کوشش کی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نہ صرف آپ کی بلکہ آپ کے اجداد کی صفاتِ علویہ کو نمایاں کیا جائے اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کی ہمت و شجاعت، دلیری و مردانگی اور جذبۂ ایثار و قربانی کو پیش کیا جائے۔ مختلف مرثیوں سے ایک ایک بند ملاحظہ ہو۔

حضرت علیؑ کی مدح میں کہتے ہیں:

کنندۂ درِ خیبر بھی کون، شیرِ خدا علی و عالی و معصوم و بت شکن، مولا
وصیٔ احمدِ مرسل، معینِ شاہ و گدا قسیمِ نار و جناں، زوجِ حضرتِ زہراؑ
امامِ خلق بھی، پیشِ خدا جلیل بھی ہیں
نبی کے خویش بھی، استادِ جبریل بھی ہیں

امام حسین علیہ السلام کی تعریف میں لکھتے ہیں: 20

یہ وہ ہیں، جن کا وصف ہے قرآں میں لاکلام فرزند بھی امام کے ہیں، خود بھی ہیں امام
راہِ خدا میں، آپ شہادت کا پی کے جام بگڑا ہوا بنا گئے، امت کا سارا کام
مخلوق کے، کوئی عملِ بد نہ دھو سکا
وہ کر گئے، جو اور کسی سے نہ ہوسکا

اتنے الم سہے، کوئی یہ دل لگی نہ تھی دعوت میں اس غریب کی، شے کون سی نہ تھی
خنجر نہ تھا کہ تیغ نہ تھی، یا چھری نہ تھی کٹوانا سر کا کھیل، شہادت، ہنسی نہ تھی
مولا کو میرے، جبر پہ کیا اختیار تھا
بہر خدا کہو یہ اٹھانے کا باد تھا

حضرت عباس علیہ السلام کی شانِ دلاوری یوں بیان کی ہے:

لو سنو آمدِ ضرغام کی ہیبت کا بیاں متزلزل ہے زمیں، فوجِ عدو ہے لرزاں
مضطرب پھرتی ہے ہر سمت ہوا بھی حیراں ہوش کی طرح سے اڑتا ہے غبارِ میداں
آسماں تک تحتِ گرد نظر آتا ہے
خاک کے پردے میں گردوں بھی چھپا جاتا ہے

متزلزل ہے زمیں دشت کی، ہلتے ہیں جبال چشمِ حیرت سے کھڑے دیکھتے ہیں سارے غزال
آمدِ شیر کی دہشت سے ہوا ہے یہ حال کوئی سرہنگ بڑھے آگے، نہیں اتنی مجال
تیغ زن کہتے ہیں وہ صاحبِ صمصام آیا
بزدلو بھاگو کہ بپھرا ہوا ضرغام آیا

مگر یہ تمام تفصیل بیان کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ بزم آفندی کے مرثیوں میں بینیہ پہلو نظر انداز ہوا ہے۔ وہ ہر لحاظ سے ایک مکمل مرثیہ گو ہیں اور اس کے ہر تقاضے کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔ واقعۂ کربلا کے بارے میں سلیم احمد

نے لکھا ہے۔ ''یہ وہ المیہ ہے جسے بیان کرنے کے لئے دل میں ایک چھوٹی سی کربلا پیدا ہونی چاہیے''۔ حقیقت یہ ہے کہ بزم اکبرآبادی کے مراثی میں جذبے کی صداقت اور گہرائی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ کربلا ان کی روح کا زخم بن چکی تھی جس کی موجِ خوں سے ان کی شاعری کا چمن رنگین ہوا ہے۔ قدرتِ کلام کے بل بوتے پر محض روایتی انداز سے واقعاتِ کربلا بیان کر دینے سے بڑی شاعری پیدا نہیں ہو سکتی۔

بزم اکبرآبادی کی شاعری، المیے کی جن بلندیوں کو چھو رہی ہے، اس سے ان کے سوزِ دروں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور یہ سوزِ دروں ان کے اشعار میں یوں جھلکتا ہے۔ جناب عون و محمد علیہما السلام کے مصائب کا حال اس طرح لکھا ہے۔ جیسے بقول فیض خونِ دل میں انگلیاں ڈبولی ہوں۔

زبانیں پھیرتے تھے تشنگی سے ہونٹوں پر مثالِ ماہیٔ بے آب، مضطرب تھے جگر
جھکائے ضعف سے ہرنوں پہ جب سرِ انور قوی دلوں کو کیا، کہہ کے یا شہِ خیبر
پئے دغا جو وہ اب نیچے اٹھاتے ہیں
تو زخمی ہاتھ، صغیروں کے تھرتھراتے ہیں

واقعۂ کربلا کے بعد حرم کا سفرِ کوفہ و شام بقولِ شاعر ایک اور کربلا تھی

زینبؑ کو پیش ہونا ہے دربارِ شام میں
اک اور کربلا ہے ابھی کربلا کے بعد مہرؔ اکبرآبادی

اس سفر کا حال بزم اکبرآبادی نے کس دلسوزی سے لکھا ہے:

بے کجاوہ وہ شتر وہ حرمِ شاہ زمن وہ قلق اور وہ صدمے وہ غم و رنج و محن
وہ اسیروں کے گلے اور وہ آفت کی رسن وہ ستم فوج کے، وہ آلِ شہِ قلعہ شکن
خوف سے روح سکینہ کی جو گھبراتی تھی
دم بہ دم وَا ابتَا کہہ کے وہ چلاتی تھی

آلِ اطہار کہاں اور کہاں فوجِ ستم وہ تماشائی کہاں اور کہاں شہ کے[illegible]

بے ردائی کا جو غم کھاتی تھیں رانڈیں پیہم رو کے کہتی تھیں کہ دشوار ہے جینا اک دم

راہ میں دھیان اِدھر اور نہ اُدھر ایک کا تھا

ایک کی پشت پہ نہوڑا ہوا سر ایک کا تھا

بزمِ آفندی کے ان مراثی کی اشاعت نہ صرف ان لوگوں کے لئے خوش آئند ہوگی جو اعلیٰ درجہ کی شاعری پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں بلکہ مرثیہ نگاری کی تاریخ پر کام کرنے والے محققین کے لئے ان مراثی کا زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آنا کسی نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے کیونکہ یہ وہ مراثی ہیں جو مرثیہ کی ارتقائی تاریخ میں ایک گمشدہ کڑی کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی بازیافت سے نہ صرف اردو مرثیہ کی ارتقائی صورتِ حال کو سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ مرثیہ کے نقادوں کو بحیثیت مرثیہ گو بزمِ آفندی کا مقام و مرتبہ متعین کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔

*****

بزمِ آفندی کی رباعی

ظلم و ستم و جور کی بانی ہوتی
اتنی بھی ہمیں نہ شادمانی ہوتی
پہلے ہی سے کم بخت نہ آنے دیتی
پیری کے اگر بس میں جوانی ہوتی

20

میرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی

حیات اور شاعری

سیّد ارتضیٰ عباس نقوی

بزمؔ آفندی کا شمار بیسویں صدی کے اکملِ فن شعراء میں ہوتا ہے۔ جس سرزمین پر آپ کی ولادت ہوئی اسے اردو ادب کی تاریخ میں مرکزیت حاصل ہے۔ رام بابو سکسینہ کے بیان کے مطابق اردو کی نشوونما اکبرِ اعظم کے عہد میں اس کے دارالسلطنت اکبر آباد اور نواحِ اکبر آباد میں ہوئی تھی۔

ملا شیداؔ، میر سجادؔ اکبر آبادی، شرف الدین مضمونؔ، سراج الدین علی خان آرزوؔ، میر تقی میرؔ، نظیرؔ اکبر آبادی، محمد بقا اللہ بقاؔ، میر جعفر زٹلی، مرزا مظہر جانجاناں، مرزا فصیحؔ، مرزا غالبؔ، حاتم علی مہرؔ، گلزار علی اسیرؔ، منیرؔ شکوہ آبادی، نسیمؔ بہرسری، سیمابؔ اکبر آبادی، بزمؔ آفندی، عجمؔ آفندی، صباؔ اکبر آبادی، مخمورؔ اکبر آبادی، مکیشؔ اکبر آبادی اور علی سردار جعفری اسی سرزمین کے گوہر آبدار ہیں۔ جنہوں نے اردو کے ستون کو مضبوط کیا اور اس کی فصاحت و بلاغت میں چار چاند لگا دیئے۔

انہیں کاملانِ فن میں میرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی بھی ہیں جن کا شمار منیرؔ شکوہ آبادی کے نمایاں شاگردوں میں ہوتا ہے۔ کیونکہ بیشتر افراد ان کے حالاتِ زندگی اور کلام سے ناواقف رہے ہیں اسی لئے ان کو وہ مقام نہ دیا جا سکا جس کے وہ حقیقی حقدار تھے۔

بزمؔ آفندی کے اجداد:

بزمؔ آفندی کے والد میرزا محمد عباس بلیغؔ تھے اور ان کے والد میرزا نجف علی بلیغؔ، میرزا فصیحؔ کے بھائی تھے۔ میرزا فصیحؔ کے بزرگوں سے متعلق مصحفیؔ نے لکھا ہے کہ:-

''یہ قومِ قریش اور اولادِ حضرتِ عقیلؑ ابن ابی طالبؑ سے ہیں۔ چونکہ [illegible] کے بزرگ ایران میں رہتے تھے اس لئے مرزا مشہور ہوگئے۔ ان کی ماں سیّدانی تھیں''۔(تذکرہ ریاض الفصحا)

میرزا جعفر علی فصیحؔ کے حالاتِ زندگی سید ضمیر اختر نقوی نے تفصیل سے ''دبستانِ ناسخ'' میں درج کر دیئے ہیں۔ مزید تفصیلات کی گنجائش نہیں میرزا فصیحؔ کے مرثیوں کی تین مطبوعہ جلدیں جو مطبع جعفری واقع نخاس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھیں۔ ہمارے کتب خانے میں موجود ہیں۔ قلمی ذخیرے میں سلام اور غیر مطبوعہ مرثیے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ فصیحؔ کی مثنویات میں مثنوی برقع لامع، مثنوی نان ونمک، نخلِ ماتم (دو جلدیں) اور مثنوی گنجِ نعمت بھی موجود ہے۔

میرزا فصیحؔ کے قلمی مرثیوں میں ایک مرثیہ بہت زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ جس کا تذکرہ مولانا آغا مہدی لکھنوی مرحوم نے اپنی کتاب میں بھی کیا ہے۔ وہ کچھ اس طرح ہے کہ جب میرزا فصیحؔ نے عرب کی طرف پہلا سفر کیا تو وہاں ایک جن سے ان کی ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے اس سے کربلا کے مفصل حالات دریافت کئے اور ان تمام حالات کو ایک مرثیے میں نظم کر دیا جس کا مطلع تھا:-

جبکہ شبدیز قلم کرنے لگا جولانی

انہوں نے لکھنؤ پہنچ کر یہ مرثیہ ایک مجلس میں پڑھا۔ کچھ نے داد دی کچھ نے مذاق اُڑایا، دل برداشتہ ہوکر دوبارہ عازم زیارت ہوئے اور کربلا پہنچ کر ضریحِ امام حسینؑ میں وہ مرثیہ ڈال دیا اور عرض کیا مولاؑ یہ مرثیہ میرے کام کا نہیں ہے۔ اگر یہ مرثیہ صحیح ہے تو اس پر دستخط کر دیجئے یا کوئی ایسی تدبیر کیجئے کہ لوگ اس کا اعتبار کرنے لگیں، گریہ گلوگیر ہوا اور روتے روتے غنودگی طاری ہوئی خواب میں دیکھا کہ امام حسینؑ باہر تشریف رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں میرزا فصیحؔ مرثیہ اٹھالو ہم نے اس پر دستخط کر دیئے اب لوگ اس کا اعتبار کریں گے اگر اب بھی نہ کریں تو جو چیز مرے جسم سے مس ہوجاتی ہے اس کو آگ نہیں

جلاتی تم اس کو بلا تکلف آگ میں ڈال دینا، آگ اپنا کام نہ کرے گی۔ میرزا فصیح نے [illegible] اٹھایا تو اس پر سبز روشنائی سے ایک عربی عبارت لکھی تھی اور "حسین ابن علیؑ" بطور دستخط ثبت تھا۔ لکھنؤ آ کر اس مرثیے کو دوبارہ پڑھا۔ معترضین نادم و پشیماں ہوئے آہ اور واہ سے مجلس معمور ہوئی اور جب مرثیے کو نذرِ آتش کرنا چاہا تو آگ نہ جلا سکی۔

اس کے بعد لکھا ہے کہ خان بہادر نواب سید مظفر علی خاں کوثر رئیس جانسٹھ نے اس مرثیے کو بچشم خود دیکھا اور بہت بڑی رقم پر حاصل کرنا چاہا مگر جس کے پاس یہ صحیفہ تھا اس نے منظور نہ کیا۔ اس سرگزشت کو نواب صاحب کے چشم و چراغ میرے معزز دوست سید سرفراز علی خاں صاحب نے اپنے والد صاحب کی زبانی بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ مرثیے کا سرِ ورق اُس زمانے میں غائب ہو گیا اور خیال ہوتا ہے کہ عالم بالا کی طرف اٹھا لیا گیا۔ (الحسینؑ۔ مولانا آغا مہدی لکھنوی)

اس مرثیے کی نقل کسی طرح زاہد سہارنپوری شاگرد امیر مینائی کے پاس پہنچ گئی اور ان کے ذاتی کتب کا ایک حصہ عاطف سہارنپوری کراچی لے آئے تھے اس میں یہ مرثیہ بھی شامل تھا۔ ان کے انتقال کے بعد عاکف سہارنپوری کی زوجہ نے یہ مرثیہ مجھے دے دیا تھا۔ یہ مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔ مرثیے میں کل ۱۱۴ بند ہیں۔

مرثیے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جن سے میرزا فصیح کی ملاقات ہوئی تھی اس کا نام یعفض بن عود تھا۔

پورا بند یہ ہے:-

صدقے سے حیدر صفدرؑ کے اب اے ذاکر شاہؑ سات سو جن پہ ہے فرمان مرا خاطر خواہ
نام یعفض ہے مرا عود پدر تھا گمراہ بھائی زعفر مرا سلطان جنوں کا واللہ
حکم سے اس کے یہاں آٹھ پہر رہتا ہوں
مرثیہ سنتا ہوں شبیرؑ کا اور روتا ہوں

اس کے بعد یعفض جن نے حالاتِ کربلا بیان کئے اور خاندانِ بنی ہاشم کی

شہادت کے تذکرے کئے۔ میرزا فصیح نے سب نظم کیا ہے آخر میں زعفر جن کی آمد کا ذکر ہے اس کے بعد کہتے ہیں:-

یہ بیاں کر کے لگا پھر تو وہ رونے یعفض میں بھی رونے لگا رو رو کے کہا اے یعفض
سب کے سب مر گئے جب بھانجے بیٹے یعفض شہ کا کیا حال تھا سب کہہ دے تو مجھ سے یعفض

بولا جو شکر خدا منہ سے نہ کچھ کہتے تھے
لاشوں کو تکتے تھے اور اشک پڑے بہتے تھے

میرزا فصیح کے تین بھائی اور تھے۔ میرزا نجف علی بلیغ، میرزا صادق علی شرر اور میرزا صبیح۔ تینوں شاعر تھے۔ بزم آفندی کے والد میرزا محمد عباس ملیح بھی شاعر تھے اور ان کے بھائی میرزا علی حسین قیصر بھی شاعر تھے اور آتش کے شاگرد تھے۔ میرزا صادق علی شرر کے پوتے میرزا الطاف حسین عالم بھی شاعر تھے۔

بزم آفندی نے اپنے مسدس مولود معراج میں اپنے جد و آباء کے کارناموں پر فخر کیا ہے اور سلسلۂ اجداد کا اس طرح تذکرہ کیا ہے:

ہے تخلص سے یہ ظاہر کہ مرے جد ہیں فصیح کیوں سخن میں نہ مزا ہوئے کہ بابا میں ملیح
کیوں نہ روشن ہو مرا نام کہ عمو ہیں صبیح موجدِ بیتِ سخن میرے برادر میں ذبیح

اس گھرانے سے ہے ایجاد ثنا خوانی کا
اب مگر خاتمہ ہے مجھ پہ سخندانی کا

اس گھرانے سے ہویدا ہوئے کیا کیا ایجاد جدِّ اعلیٰ نے کیا وصفِ سراپا ایجاد
مدح گوئی میں کیا جنگ کا نقشا ایجاد بات پیدا کی سخن میں کیا اچھا ایجاد

کس کے آئینِ سخن میں نہیں پرتو اپنا
جو ہے اس راہ کا رہرو، وہ ہے پیرو اپنا

اپنے رُتبہ پہ جو میں فخر کروں زیبا ہے جدّ و آبا مرے کیسے ہیں چچا کیسے ہے
بھائی بھی حق نے وہ بخشا ہے کہ جو یکتا ہے ارث یہ اپنے بزرگوں سے ہمیں پہنچا ہے

سخنِ غیر سے کچھ کام نہیں رکھتے ہم
پاس مانگی ہوئی صمصام نہیں رکھتے ہم

بزمؔ آفندی کا شجرہ درج کیا جارہا ہے تا کہ سلسلہ اجداد کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ میرزا الطاف حسین عالم کی کتاب ''فردوس ولا'' کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

میرزا طاہر اصفہانی.....میرزا شمس.....میرزا نور.....میرزا عون
میرزا محمد ہادی
میرزا فصیحؔ.....میرزا نجف علی بلیغ.....میرزا صادق علی شررؔ.....میرزا صبیحؔ
میرزا محمد عباس ملیحؔ.....میرزا علی حسین قیصرؔ (شاگرد آتش).....آغا میرزا
میرزا الطاف حسین عالمؔ
میرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی.....میرزا اشتیاق حسین نظمؔ.....میرزا ذبیحؔ
میرزا تجمل حسین مجمؔ آفندی (۱۸۹۳ء تا ۱۹۷۵ء)..... سلیماں میرزا کوکب آفندی (۱۸۹۹ء تا ۱۹۷۰ء).....گوہر سلطان.....میرزا اعجاز حسین.....پروین کجکلاہؔ

بزمؔ آفندی کی ولادت اور تربیت:

لالہ سری راقم نے لکھا ہے کہ:-

''میرزا محمد عاشق حسین بزمؔ رئیس اکبر آباد خلف میرزا محمد عباس ملیحؔ برادر زادۂ میرزا فصیحؔ مرثیہ گو ۱۲۷۸ھ آپ کا سالِ پیدائش ہے'' (مخزنہ جاوید جلد اول صفحہ ۵۷۵)

معزالدین قادری کا کہنا ہے کہ:-

''میرزا عاشق حسین بزمؔ آفندی ۱۸۶۰ء میں کٹرہ حاجی حسن آگرہ میں پیدا ہوئے'' (اسرار و افکار صفحہ ۸)

دراصل لالہ سری رام سے تسامح ہوا ہے بزم آفندی کی ولادت ۱۲۷۸ھ میں نہیں بلکہ ۱۲۷۷ھ میں ہوئی ہوگی چونکہ ۱۲۷۸ھ عیسوی اعتبار سے ۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیان گزرا ہے۔ صحیح سالِ ولادت ۱۸۶۰ء مطابق ۱۲۷۷ھ ہے۔ مالک رام نے بھی ''نجم آفندی.....ایک مطالعہ'' میں یہی لکھا ہے۔

بزم آفندی کے گھر کا ماحول خالص ادبی تھا اس لئے طبیعت فطری طور پر بچپن ہی سے شعر گوئی کی طرف مائل ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد میرزا محمد عباس بلیغ کے زیر سایہ ہوئی لیکن بزم آفندی نے اپنے والد کے ساتھ زیادہ عرصہ نہیں گزارا وہ دس برس کی عمر ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ لالہ سری رام کا بیان ہے کہ:-

''دس برس کی عمر تھی کہ آپ کو داغِ یتیمی نصیب ہوا۔ میرزا علی حسین قیصر شاگرد رشید آتش نے جو آپ کے حقیقی چچا تھے آپ کو اپنے ظلِ عاطفت میں لیا'' (مخزنہ جاوید جلد اول صفحہ ۵۷۵)

اس بیان کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ میرزا محمد عباس بلیغ کی وفات ۱۸۷۰ء میں ہوئی اور بزم آفندی کا بچپن اپنے چچا میرزا علی حسین قیصر کے زیر سایہ بسر ہوا۔ یقیناً ان سے بھی فنِ شاعری کے بہت سے نکات سیکھے ہوں گے لیکن جب ان کی طبیعت باقاعدہ طور پر شاعری کی طرف مائل ہوئی تو منیر شکوہ آبادی کی شاگردی اختیار کی۔ جو رشتے میں آپ کے حقیقی ماموں تھے۔

شاعری کی ابتدا اور منیر کی شاگردی:

بزم آفندی سولہ برس کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے۔ لالہ سری رام لکھتے ہیں:-

''۱۶ برس کی عمر سے شاعری کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ فخر الاساتذہ منشی اسمٰعیل حسین صاحب منیر شکوہ آبادی سے جو رشتہ میں آپ کے دادا بھی ہوتے تھے رجوع کیا۔ انہوں نے خاص توجہ سے نکاتِ فن بتائے چنانچہ چند ہی برس میں اچھا کہنے لگے اور تین چار

برس میں خاصہ سرمایہ فراہم ہوگیا'' (شمخانۂ جاوید جلداول صفحہ ۵۷۵، ۵۷۶) 20

بزمؔ آفندی کے سالِ ولادت کی طرح منیرؔ اور بزمؔ کے رشتے میں بھی لالہ سری رام سے تسامح ہوا ہے۔ منیرؔ شکوہ آبادی بزمؔ کے دادا نہیں بلکہ ماموں تھے۔ سید ضیاء الحسن موسوی لکھتے ہیں:-

''بزمؔ آفندی اپنے حقیقی ماموں سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی کے شاگرد تھے۔ منیرؔ شکوہ آبادی میرزا دبیرؔ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے'' (انجم صفحہ ۱۴۵)

معزالدین قادری لکھتے ہیں:-

''گھر کا ماحول شاعرانہ تھا اس لئے ابتدائے عمر سے ہی شعر وسخن کا ذوق پیدا ہوا اور بزمؔ نے مشورہ سخن کے لئے اپنے حقیقی ماموں سید اسمٰعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی کا انتخاب کیا۔ ایک تو خود جوہر قابل اور اس پر منیرؔ کے سے کامل کی تربیت، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں بزمؔ اکبرآبادی بزم سخن میں ایک ممتاز مقام کے مالک تصور کئے جانے لگے'' (اسرار وافکار صفحہ ۸)

بزمؔ اور آفندی کا خطاب:

''آفندی'' ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''سردار'' ہیں۔ یہ خطاب میرزا فصیحؔ کو حاجیوں کی خدمت کرنے کے سبب ترکی حکومت کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھتے ہیں:-

''انہوں نے (میرزا فصیحؔ نے) مکے ہجرت کی اور حضرت ابوطالبؑ کے مزار کی تعمیر اور اس کے وقف، مدینہ منورہ کی خدمت اور وہاں کی سکونت بھی اختیار کی۔ چونکہ حکومتِ ترکی اس وقت حرمین کی مالک بنی بیٹھی تھی اور بزمؔ صاحب کو حرمین کی جدی وراثت سے کرایہ وغیرہ ملتا تھا، لہٰذا ان کے مراسلات میں ترکوں کی رسم کے مطابق آفندی لکھا جاتا تھا۔ یہی ''آفندی'' نجمؔ صاحب اور کوکبؔ صاحب نے اپنے تخلص کے ساتھ علامت اور امتیاز کے لئے باقی رکھا'' (انجم صفحہ ۵۳)

بزمؔ آفندی کا شجرہ دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومتِ ترکیہ سے ''آفندی'' خطاب پانے کے باوجود میرزا فصیحؔ نے اپنے نام کے ساتھ کبھی آفندی کا خطاب نہیں لکھا ممکن ہے عرب میں قیام کے دوران لکھتے ہوں لیکن ہندوستان میں اس کا تذکرہ کہیں نظر نہیں آتا۔ اس خاندان میں بزمؔ آفندی نے سب سے پہلے اسے اپنے نام کے ساتھ باقاعدہ طور پر لکھا اور نجمؔ صاحب نے اپنے والد کی پیروی کی اور اب ان کے فرزند سہیلؔ آفندی اسے اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔

بزمؔ آفندی کے نانا سید احمد حسین شادؔ:

آپ منیرؔ شکوہ آبادی کے والد تھے اور امام علی نقیؑ کی اولاد سے تھے۔ سوداؔ کے شاگرد تھے۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ نے لکھا ہے کہہ:-

''نام احمد حسین، ان کے بزرگ سلطان شمس الدین، التمش کے زمانے میں حجاز سے ہندوستان آئے تھے۔ اِس وقت وہ شکوہ آباد میں رہتے ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:-

لب ہلاؤ کبھی، بس ایسی ہے رعنائی کیا کام آئے گی قیامت کو مسیحائی کیا

(گلشنِ بے خار صفحہ ۲۶۶)

منیرؔ شکوہ آبادی کی وفات:

لالہ سری رام کا بیان نقل کیا جا چکا ہے کہ منیرؔ کی شاگردی میں آنے کے تین چار برس بعد ہی بزمؔ، بزم شاعری میں اپنی تابندگی بکھیرنے لگے تھے۔ اسی دوران ۴ رمضان ۱۲۹۷ھ مطابق ۹ اگست ۱۸۸۰ء کو رامپور میں منیرؔ کی وفات ہوگئی۔ اگر لالہ سری رام کے بیان ک پیشِ نظر رکھا جائے تو بزمؔ آفندی ۱۶ برس کی عمر میں منیرؔ کے شاگرد ہوئے یعنی تقریباً ۱۸۷۶ء میں اور ۱۸۸۰ء میں منیرؔ کی وفات ہوئی اس حساب سے تقریباً ۵ برس بزمؔ آفندی منیرؔ کے شاگرد رہے۔ اس کے بعد بزمؔ نے کسی اور کی شاگردی اختیار نہیں کی۔

منیرؔ کے انتقال پر ان کے تمام شاگردوں نے تاریخ وفات کہی۔ بزمؔ آفندی کی کہی ہوئی تاریخِ وفاتِ منیرؔ کبھی سامنے نہ آتی اگر ثابت لکھنوی اسے ''دربارِ حسین'' میں شامل نہ کرتے۔ جب وہ ''دربارِ حسین'' لکھ رہے تھے تو انہیں منیرؔ کی تاریخ رحلت کی تلاش تھی۔ بزمؔ آفندی ان دنوں غازی آباد میں مقیم تھے انہوں نے اپنی کہی ہوئی تاریخ وفات ثابت لکھنوی کو بھیجی جس میں ذکر تھا کہ منیرؔ کی وفات ۴ رمضان کو ہوئی تھی۔ ثابت لکھنوی نے اس کا تذکرہ کچھ اس طرح کیا ہے:-

''اس قدر لکھنے کے بعد میری تحریر پر ان (منیرؔ) کے جانشین سراج الشعراء میرزا عاشق حسین صاحب بزمؔ اکبرآبادی نے غازی آباد سے جو تاریخِ وفات ۵ مارچ ۱۹۲۱ء کو لکھ کر بھیجی ہے وہ لکھنا مناسب ہے۔ اس سے روشن ہے کہ یہ آفتابِ شاعری ۱۸۸۰ء (اٹھارہ سواسی) میں چوتھی رمضان شبِ جمعہ کو غروب ہوگیا۔

منیرؔ ماہِ اوجِ نظم روشن سخنور، ذی ہُنر، زاہد، مہذب
گئے دنیا سے وہ خُلد بریں کو مجھے دے صبر اس ماتم میں یارب
دلِ محزوں کو ہے صدمہ نہایت جگر ٹکڑے ہے غم سے، نالہ برلب
مہینہ، وقت، دن رحلت کا ان کی چہارم ماہِ صوم اور جمعہ کی شب
کہی یہ عیسوی تاریخ اے بزمؔ چراغِ شاعری گُل ہوگیا اب

۱۲۰۴+۵۸۱+۵۰+۱۱+۳۱+۳=۱۸۸۰ء'' (دربارِ حسین صفحہ ۵۸)

بزمؔ آفندی کی شادی خانہ آبادی:

بزمؔ آفندی کی شادی سے متعلق معزالدین قادری لکھتے ہیں:-

''بزمؔ کی شادی آگرہ کے جس گھرانے میں ہوئی وہاں بھی شعروسخن کا بڑا مذاق پایا جاتا تھا۔ بزمؔ آفندی کے نانا آغا حسین آغاؔ آگرہ کے رہنے والے تھے اُن کے بزرگوں میں

آغا حاجی حسن تھے جن کے نام سے آگرہ میں کٹرہ حاجی حسن مشہور ہے۔ یہیں ان کا گھر تھا۔ یہ مقام پیپل منڈی آگرہ کے پیچھے واقع ہے" (اسرار وافکار صفحہ ۹)

نجم آفندی اپریل ۱۸۹۳ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۸۹۱ء کے قریب بزم کی شادی آگرہ میں ہوئی ہوگی۔ بزم آفندی کے دوسرے فرزند کوکب آفندی کی صاحبزادی چندن بیگم جو باقر زیدی صاحب کی زوجہ ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ بزم کی زوجہ کا نام ہرمزی خاتم تھا۔ جو آغا حسین آغا کی صاحبزادی تھیں۔ آغا کے دو شعر نجم آفندی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں درج کئے ہیں:-

کیوں دل جلوں کے لب پہ ہمیشہ فغاں نہ ہو ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو
دیکھیں تو کس طرح انہیں ہوتا نہیں اثر لو آج نامہ لکھتے ہیں خونِ جگر سے ہم
(انجم صفحہ ۲۷۰)

دربارِ رامپور سے وابستگی:

بزم آفندی کے حقیقی ماموں اور استاد منیر شکوہ آبادی آخری زمانے میں نواب یوسف علی خاں کے بلانے پر رامپور چلے گئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ ان کے انتقال کے بعد بزم آفندی بھی دربارِ رامپور سے وابستہ رہے۔ اس دوران نواب حامد علی خان کا زمانہ شروع ہو چکا تھا۔ نواب رامپور نے بزم آفندی کی قدردانی کی اور آپ کو درباری شعراء میں ممتاز مقام دیا گیا۔ اس زمانے میں نسیم امروہوی اپنے دادا شمیم امروہوی کے ساتھ دربار میں شرکت کرتے تھے انہوں نے بزم آفندی کو دربارِ رامپور میں دیکھا تھا وہ خود لکھتے ہیں:-

"اب دادا مرحوم مجھے یز ہائینس والی رامپور کے دربار میں اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ یہ دربار آٹھ بجے شب سے دس بجے تک منعقد ہوتا تھا جس میں یز ہائینس اور ان کے بعض اہلِ خاندان کے علاوہ ایک عالم دو ایک شاعر اور دو ایک بڑے افسر ہوتے

تھے۔ دادا مرحوم کے علاوہ شاعروں میں حضرت بزم آفندی اکبرآبادی پابندی سے شرکت فرماتے تھے، لطیفے، قصّے، کہانیاں اور شعروشاعری وغیرہ کے موضوع پر دوستانہ ماحول میں گفتگوئیں ہوتی تھیں" (مراثی نسیم جلد سوم صفحہ ۳۶)

رامپور کا یادگار مشاعرہ:

یوں تو دربارِ رامپور کے مشاعرے تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے لیکن ۱۹۰۸ء میں جو مشاعرہ ہوا تھا اس کی مثالیں تاریخ ادبِ اردو میں بہت کم ملیں گی۔ اس مشاعرے کی طرح تھی:-

"میرے تمہارے چرچے، سب کی زبان پر ہیں"

اس مشاعرے میں جن شعراء نے شرکت کی ان کی تمام غزلیں "تصویرِ مشاعرہ" کے نام سے مطبع سعیدی رامپور سے شائع ہوئیں تھیں۔ اس مجموعے کے سرِ ورق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مشاعرہ یکم جنوری ۱۹۰۸ء کو نواب حامد علی خان رشک کی صدارت میں، محمد مصطفٰی علی خاں بہادر شرر پرائیویٹ سیکریٹری نواب رامپور کی زیرِ نگرانی منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں بزم آفندی بھی خصوصی طور پر مدعو تھے۔ اس زمانے میں بزم تقریباً ۴۸ برس کے تھے اور آپ کا شمار ممتاز شعراء کی صف میں تھا اس مشاعرے میں بزم آفندی نے ۶۳ شعروں کی جو غزل پڑھی تھی اس میں سے چند شعر پیشِ خدمت ہے:-

قربان ہم تو اُن کے پردے کی شان پر ہیں — جلوے زمین پر ہیں خود آسمان پر ہیں
ایماں یہاں سے لائے ہم، ان کی شان پر ہیں — وہ ہم سے کیا بڑھیں گے، جو آسمان پر ہیں
کعبہ کے دیکھنے کو، جاتے ہیں شیخ صاحب — عشقِ مکیں نہیں ہے عاشق مکان پر ہیں
اک رنگ پر نہیں ہے، پھولوں کا بھی مقدر — شب کو کسی گلے میں، دن کو دکان پر ہیں
عمرِ رواں کا تو سن، کیا رام کرلیا ہے — اس چابکی میں ہم کو، ناز اپنی ران پر ہیں

کیا طور کی تو وہ بت، پہنے نہیں ہے بجلی جلوے خدائی بھر کے، پھیلے جو کان پہ تیرے
اس نظم کا صلہ کیوں سرکار سے نہ مانگیں اے بزمؔ ناز کرتے سب قدردان پر ہیں
(تصویرِ مشاعرہ صفحہ ۳۹ تا ۴۱)

بزم آفندی حیدرآباد دکن میں:

آخری دنوں میں بزمؔ آفندی کا قیام حیدرآباد دکن میں رہا۔ نواب تراب بہادر جنگ سعیدؔ نے آپ کی بہت قدر کی۔ ان کے فرزند نواب عباس بہادر یار جنگ رشیدؔ بزمؔ کے شاگرد تھے۔ ضیاء الحسن موسوی لکھتے ہیں:

''حیدرآباد دکن میں بزمؔ اکبرآبادی نواب تراب بہادر یار جنگ سعیدؔ مرحوم سے وابستہ رہے اور نواب تراب بہادر یار جنگ سعیدؔ مرحوم باوجودیکہ پیارے صاحب رشیدؔ کے شاگرد تھے مگر وہ ہر مدرسۂ شاعری کے ارباب کمال کی قدردانی کرتے تھے اور ان کے فرزند نواب عباس یار جنگ رشیدؔ جو میرے عزیز دوست ہیں، انہوں نے اپنے والد کے بعد زیادہ استفادہ حضرت بزمؔ ہی سے کیا ہے''۔ (انجم صفحہ ۱۴۵)

دکن کے مشاعرے اور مقاصدے:

باقر زیدی صاحب نے اپنے بچپن میں بزمؔ آفندی کو حیدرآباد دکن میں دیکھا تھا وہ لکھتے ہیں:

میں نے اپنی نوعمری میں ان کو ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن میں دیکھا ہے، بزمؔ صاحب بلند قامت، باوقار اور وجیہ و شکیل شخصیت کے حامل تھے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے----- ان کے شاگرد انہیں گود میں اٹھا کر پالکی میں سوار کراتے اور وہ اس کبرسنی کے باوجود رات رات بھر مشاعروں کی صدارت کرتے اور مشاعرہ ختم کروا کے گھر لوٹتے

تھے۔ان کے بے شمار شاگرد حیدرآباد دکن، آگرہ اور دیگر شہروں میں موجود تھے"۔(بزمِ غ بزم کا ہوں صفحہ ۸)

بزمؔ آفندی کی شاعری کی طرح ان کی خواندگی بھی قابلِ دید تھی۔آپ دکن کے مشاعروں کی رونق تھے۔ضیاء الحسن موسوی نے اپنے ایام جوانی میں آپ کو دکن کے مشاعروں اور مقاصدوں میں پڑھتے سنا تھا۔وہ لکھتے ہیں:-

"۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۹ء تک اپنے زمانہ قیام حیدآباد دکن میں مجھے بزمؔ اکبرآبادی کو قریب سے دیکھنے اور ان کا کلام سننے کا موقع ملا ضعیفی میں بھی ان کا یہ حال تھا کہ رات بھر مشاعروں اور مقاصدوں میں وہ بیٹھے رہتے اور جب آخر میں ان کے پڑھنے کی باری آتی تو معلوم ہوتا کہ کوئی جوان گونج رہا ہے" (انجم صفحہ ۱۴۵)

بزمؔ آفندی اور ثابتؔ لکھنوی:

ثابت لکھنوی کے بزمؔ آفندی سے بہت دیرینہ مراسم تھے۔انہوں نے اپنی کتاب "دربار حسین" میں چار، پانچ مقامات پر بزمؔ آفندی کا ذکر بہت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔منیرؔ شکوہ آبادی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:-

"ان کے جانشین سراج الشعراء بزمؔ اکبرآبادی ہیں جن کا ذکر خیر پہلے ہو چکا ہے"
(دربارِ حسین صفحہ ۵۷)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:-

"منیرؔ مرحوم کے اکثر شاگرد کامل اور صاحبِ دیوان و مصنف و مولف گزرے ہیں اور اب بھی بعض کامل موجود ہیں۔ان میں سراج الشعراء میرزا عاشق حسین صاحب بزمؔ اکبرآبادی اور سید محمد نوح صاحب شہیرؔ مچھلی شہری اور مولوی کلیم صاحب (عبد الرحیم صاحب) لکھنوی اکملِ فن ہیں۔ہر قسم کا کلام ان صاحبوں کا موجود ہے اور حقیر ثابتؔ کو بھی

ان صاحبوں کی خدمت میں نیاز حاصل ہے" (دربارِ حسین صفحہ ۵۶) 220

ایک اور مقام پر منیرؔ شکوہ آبادی کی نثری خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"نثر کی نسبت اتنا اور عرض کروں کہ جناب منیرؔ افیون کی بدولت داستان گو بھی تھے۔ ان کی ایک داستان بھی میرے عنایت فرما، ان کے نواسے اور جانشین میرزا عاشق حسین صاحب بزمؔ اکبر آبادی نے ایک گلدستہ میں شائع کی تھی جس کا نام شاید "زینتِ سخن" تھا اور جو ۱۸۸۲ء میں آگرہ سے نکلتا تھا" (دربارِ حسین صفحہ ۵۰)

بزمؔ آفندی کی وفات:

بزمؔ آفندی نے طویل عمر پائی اور کثیر سرمایہ شاعری چھوڑا۔ آپ نے ۹۳ برس کی عمر میں ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ء کو آگرہ میں وفات پائی۔ (کاروانِ تحلّی سادات صفحہ ۴۳۷)

بزمؔ آفندی کی ازواج واولاد:

بزمؔ آفندی نے دو شادیاں کی تھیں پہلی زوجہ ہرمزی خانم سے چار اولادیں ہوئیں۔ جن کے نام یہ ہیں:-

میرزا تجمل حسین نجمؔ آفندی، سلیماں میرزا کوکبؔ آفندی، میرزا اعجاز حسین اور گوہر سلطان۔ گوہر سلطان کا عالم شباب میں انتقال ہوگیا تھا۔ میرزا اعجاز حسین نے وکٹوریہ ہائی اسکول سے انٹر پاس کیا اس کے بعد انہیں گوالیار اسٹیٹ میں سب انسپکٹر کی پوسٹ ملی وہیں ملازمت کے دوران ۲۱ سال کے سن میں انتقال کیا۔

دوسری زوجہ کوئی انگریز خاتون تھیں جن سے ایک بیٹی ہوئی جن کا نام پروین کجکلاہؔ تھا۔ آپ شاعرہ تھیں۔ حیدرآباد دکن سے آپ کا شعری مجموعہ شائع ہوا تھا۔

بزمؔ آفندی کی اولادوں میں علامہ نجمؔ آفندی اور کوکبؔ آفندی کو مقبولیت حاصل

ہوئی۔ مجمؔ آفندی کا کل کلام ''کائنات مجم'' کے نام سے ڈاکٹر تقی عابدی نے دو ضخیم جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔

کوکبؔ آفندی کا کلام ضائع ہو جاتا اگر ان کے داماد باقر زیدی صاحب اسے محفوظ نہ کرتے۔ انہوں نے ''چراغ بزم کا ہوں'' کے عنوان سے ان کے حالاتِ زندگی اور کلام شائع کر دیا ہے۔ جس میں لغت، سلام، غزلیں، تخمیس وغیرہ اور سہرے شامل ہیں۔

بزمؔ آفندی کی غزلیات:

بزمؔ آفندی نے ہزاروں غزلیں کہیں۔ ان کی غزلوں کے تین دیوان ان کی زندگی ہی میں شائع ہو گئے تھے۔ سید ضیاء الحسن موسوی لکھتے ہیں:-

''بزمؔ اکبر آبادی کے سات دیوان غزلیات کے تھے جن میں پہلا دیوان ''چراغِ بزم'' ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا تھا اور چند سال بعد دوسرا دیوان ''ایاغِ بزم'' کے نام سے شائع ہوا باقی پانچ غیر مطبوعہ ہیں'' (النجم صفحہ ۱۴۵)

مالک رام نے لکھا ہے کہ:-

''بزمؔ آفندی نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کہا مگر افسوس کہ اس میں سے بہت کم شائع ہو سکا۔ آپ کی غزلوں کے سات دیوان میں سے فقط دو چراغِ بزمؔ اور ایاغِ بزمؔ چھپ سکے'' (مجمؔ آفندی.....ایک مطالعہ)

لالہ سری رام نے ایک مثنوی اور دیوان کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

''عرصہ ہوا آپ کا دیوان موسوم بہ بزمِ سخن اور مثنوی تصویر سخن شائع ہوئی تھی'' (خمخانۂ جاوید جلد اول صفحہ ۵۷۶)

اس حساب سے بزمؔ آفندی کے تین دیوان چراغِ سخن، ایاغِ سخن اور بزم سخن مطبوعہ ہیں اور ایک مثنوی ''تصویر سخن'' ہے۔ ضیاء الحسن موسوی نے ۷ سات دیواوین کا

تذکرہ کیا ہے جبکہ خود بزمؔ آفندی نے اپنے ایک مرثیے میں دیوان کی تعداد پانچ بتائی ہے۔

بزمؔ آفندی کی غزلیات سے انتخاب پیش خدمت ہے:-

شوقِ گیسو میں بلند عمر رواں ہوتی ہے
دیکھئے شام مسافر کو کہاں ہوتی ہے

آمدِ یار ہے اے حسرت ارماں ہٹ جاؤ
میرے دروازے پہ کیوں بھیڑ لگا رکھی ہے

غیر تک پہنچے گی کیوں کر تری تلوار کی آنچ
ہم نے یہ آگ کلیجے سے لگا رکھی ہے

(تذکرہ یادگار ضخیم صفحہ ۷۶ مطبوعہ ۱۸۸۶ء)

ایک عالم گوش بر آواز تھا یوم اِلست
جو تڑپ اٹھا وہ ذرّہ قلبِ مضطر ہوگیا

قبض میں دور ہوئی نیند آشیانے کی
کھلی جو آنکھ فضا اور تھی زمانے کی

اسیرِ قید کہن چھوٹ کر کہاں جائیں
زمین پاؤں پکڑتی ہے قیدِ خانے کی

سب سے چھپ کر جو رہے دل میں وہ بیتابی کیا
جو نہ آئے کبھی منہ تک، وہ کلیجا کیسا

کس طرح وہ ٹھہریں، مرے ٹوٹے ہوئے دل میں
ویران مکاں رہنے کے قابل نہیں ہوتا

جرات گناہ کرنے کی عاصی کو بڑھ گئی
رحمت کو تیری اے مرے غفار دیکھ کر

تشنہ کامانِ شہادت کو تو کردے سیراب
اتنا پانی بھی ترے خنجرِ بُراں میں نہیں

بے وفا میں نے کہا تم کو تو کیا قہر ہوا
کہنے والے تو کچھ اس سے بھی سوا کہتے ہیں

بارِ عالم جو سلاطیں نے اٹھایا سر پر
بادشاہ ہو کے بھی مزدور کے مزدور رہے

صحبتِ غیر میں، گھونگھٹ، نہ دوپٹہ، نہ نقاب
کون سے پردے میں، شرم آج اٹھا رکھی ہے

روز منبر پر کیا کرتے ہیں، ذکر خلد و نار
دیکھئے زاہد کی صورت، یہ ملیں گے حور سے

بُجز سختی اٹھائے، نام ممکن ہے کہیں نکلے
تراشا جائے جب سو بار پتھر، تب نگیں نکلے

چلا ہوں میں حرم کو، دل وہاں کس طرح بہلے گا
خدا ایسا کرے بُت خانہ کعبہ کے قریں نکلے

رنج و ایذا ہو مرے واسطے یا راحت ہو
آپ جس حال میں رکھیں وہی حال اچھا ہے

بزمؔ آفندی کے سلام:

بزمؔ کی غزلیات کو پیشِ نظر رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بزمؔ نے سلام کتنی بڑی تعداد میں کہے ہوں گے۔ امید ہے کسی نہ کسی قلمی ذخیرے میں بزمؔ کے سلام محفوظ ہوں مگر یہ سرمایہ کب سامنے آئے گا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

۱۹۵۹ء میں انجمنِ پنجتنی (آگرہ) کراچی کی جانب سے ''ایثارِ پنجتن'' کے نام سے ایک کتابچہ شائع ہوا تھا۔ اس مجموعہ میں آگرے کے شعراء کے علاوہ دوسرے اساتذہ کے سلام بھی شائع ہوئے ہیں۔ بزمؔ آفندی کا ایک سلام اس مجموعہ میں شائع ہوا تھا جسے یہاں درج کیا جارہا ہے۔ اس کے مقطع میں بزمؔ نے کہا ہے کہ کوئی اس وقت تک شاعر نہیں ہوتا جب تک مدح امام حسینؑ نہ کرے۔

سلام بزمؔ

پیدا کوئی اب حیدر صفدرؑ نہیں ہوتا — دیوار میں کعبہ کی نیا در نہیں ہوتا
خاموش کرے موت تو دیکھیں رُخ حیدرؑ — باتوں سے تو دیدار میسر نہیں ہوتا
آنکھیں غم شبیرؑ میں روتی نہیں جن کی — ایسوں کے تصوّر میں بھی کوثر نہیں ہوتا
شبیرؑ سے ہے ایک زمانے کو عقیدت — ہر قوم میں اس شان کا رہبر نہیں ہوتا
دل آئینہ ہو جاتا ہے رو کر غم شہؑ میں — احساس نکھرتا ہے مکدّر نہیں ہوتا
نسبت نہیں حاتم کو سخاوت سے علیؑ کی — ''قطرہ کبھی دریا کے برابر نہیں ہوتا''
قبریں بھی نہیں ایک جگہ آل نبیؐ کی — اس طرح سے ویران کوئی گھر نہیں ہوتا

اے بزمؔ تولاّ سے وہ نسبت ہے سخن کو
شاعر نہیں جو شہؑ کا ثنا گر نہیں ہوتا

بزمؔ آفندی کے مرثیے:

بزمؔ کے مرثیوں میں ایک مرثیہ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس مرثیے مطلع

ہے:- 20

فرماں روائے کشورِ مدح وثنا ہوں میں (۱۲۷ بند)

یہ مرثیہ خورشید بانو کے حال میں ہے۔ جو ایک زن نصرانیہ تھی۔ جس نے اپنی چالیس کنیزوں کے ساتھ سرِ امام حسینؑ کے سامنے اس قدر ماتم کیا کہ سب بے حال ہوگئیں یہاں تک کہ اپنے بالوں کو چوبِ خیمہ سے باندھ دیا اس کے بعد بھی اتنا ماتم ہوا کہ بال ٹوٹ کر چوبوں میں رہ گئے پھر ایک مومن دیندار سرِ امام حسینؑ نجف اشرف کی طرف لے کر چلا اور وہاں سے کربلا گیا اور سر امام حسینؑ کو کربلا میں دفن کر دیا۔ اس روایت کو نظم کرنے کا سہرا مرزا دبیرؔ کے سر ہے۔ بزمؔ آفندی نے یہ مرثیہ مرزا دبیرؔ سے متاثر ہو کر لکھا ہے۔ دبیرؔ کے مرثیے کا مطلع ہے۔

منبر نشین انجمنِ شاہِ دینؑ ہوں میں (۱۳۰ بند)

بزمؔ آفندی کی نظم ''شکایت'':

بزمؔ آفندی نے اقبالؔ کی نظم ''شکوہ'' کے جواب میں ایک نظم کہی تھی جو ''شکایت'' کے عنوان سے رتن اینڈ کو تاجران کتب دریبہ کلاں دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ مطبوعہ نسخہ پر سنِ اشاعت درج نہیں ہے۔ اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نظم کب کہی گئی۔ اقبالؔ نے نظم ''شکوہ'' ۱۹۱۱ء میں کہی اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے اجلاس میں پڑھی تھی جو ریواز ہوسٹل اسلامیہ کالج کے صحن میں منعقد ہوا تھا نظم ''جواب شکوہ'' ۱۹۱۳ء میں کہی گئی۔

بزمؔ آفندی کی نظم میں ۲۵ بند ہیں۔ سید مقام حسین جعفری نے ۱۹۷۳ء میں ''شکوۂ اقبال'' اور اس کی صدائے بازگشت کے عنوان سے ۱۲ شعراء کی نظمیں یکجا کی تھیں جو ''اقبال'' کی نظم ''شکوہ'' کے جواب میں یا اس سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔ ان بارہ شعراء میں علامہ رشید ترابی کی نظم کو فراموش کیا گیا ہے۔ جو ''جواب شکوہ'' کے نام سے حیدآباد دکن

سے شائع ہو چکی ہے۔ 220

بزمِ آفندی کی نظم ''شکایت'' کے چار بند درج کئے جا رہے ہیں:-

کس طرف سے یہ ہوا زمزمہ پرداز آئی شکوۂ مالکِ تقدیر کی آواز آئی
حد سے بڑھ کر یہ کسے طاقتِ پرواز آئی تیرے کانوں میں صدائے دلِ دمساز آئی

وہ خموشی کا مزہ صبر کا پہلو نہ رہا
منہ سے کچھ بول کہ اب ضبط پہ قابو نہ رہا

امتیں اور رسولوں کی رہی ہیں معتوب ہے یہی امتِ مرحومہ بہ پاسِ محبوب
کہ گناہوں پہ بھی ہو رحم و کرم کا اسلوب اس پہ یہ برق گرانے کا ہے قصہ کیا خوب

دونوں عالم میں کہاں اپنا ٹھکانہ ہوتا
اس کا شیوہ جو کہیں برق گرانا ہوتا

اپنے خالق سے شکایت کا ہمیں کیا حق تھا ہم تو بندے ہیں جو حکم اس کا ہو وہ لائیں بجا
ڈالا آلام و مصیبت میں کہ اچھا رکھا مصلحت اس کی جو کچھ اس نے کیا خوب کہا

وہ رضا مند رہے بس یہی اک مطلب ہے
دخل دیں اس کی خدائی میں یہ منصب کب ہے

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری میرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

''کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں''

معراج کے حال کا مسدس اور ''معراج الشعراء کا خطاب'':

معراج ابتدا ہی سے شعراء کا خاص موضوع رہا ہے۔ دکن کے اولین سرمایہ [illegible] میں بھی اس کی جھلک نظر آتی ہے۔

تاریخ ادب اردو میں اس موضوع پر ہزاروں اشعار کئے گئے ہیں۔ غزل گو شعراء نے بھی اسے غزل کا موضوع بنایا ہے۔ میر انیسؔ، میر زادبیرؔ اور ان کے خاندان کے شعراء نے معراج پر بہت عمدہ بند کہے ہیں۔

مرثیے کے علاوہ سلاموں اور رباعیات میں بھی اس موضوع کو خوب نبھایا ہے۔ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ صفیرؔ بلگرامی نے معراج پر طویل مسدس لکھا تھا جس کا تاریخی نام ''شبستانِ معراج'' ہے جس میں براقِ نبوی کا سراپا، ساتوں آسمانوں کے حالات و کیفیات، طوبیٰ، قاب قوسین اور معراج سے تعلق رکھنے والے دوسرے مضامین کو فنی مہارت کے ساتھ نظم کیا ہے لاجواب مسدس ہے۔ میرزا محمد طاہر رضیعؔ، مہذبؔ لکھنوی اور حامدؔ جونپوری نے بھی اپنے مرثیوں میں اسے موضوع بنایا ہے۔ معراج پر لکھے گئے اس تمام سرمایہ میں بزمؔ آفندی کے مسدس کو بہت زیادہ نمایاں حیثیت حاصل ہے انہوں نے معراج کے حال میں دو مسدس تصنیف کئے تھے۔

۱۔ ساقی کسی زاہد کے نہ بہکانے میں آنا (۱۲۴ بند)

۲۔ عبدِ ناچیز سے خالق کی ثنا کیونکر ہو (۳۱۴ بند)

دوسرا مسدس الگ سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے جس کا ایک نسخہ ہمارے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ مسدس بزمؔ نے خواجہ حسن نظامی کی فرمائش پر کہا تھا۔ مالک رام نے لکھا ہے کہ:-

''ایک مولود معراج خواجہ حسن نظامی کی فرمائش پر کہی تھی جو حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں مخصوص اجتماع میں پڑھی تھی۔ اس پر خواجہ صاحب نے آپ کو معراج الشعراء کا خطاب دیا تھا'' (عجم آفندی.....ایک مطالعہ)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ اس موضوع کو مرثیہ نگاروں نے اعلیٰ فنی مہارت سے پیش کیا ہے۔ مرزا دبیر کہتے ہیں:

سایہ میں ڈھنڈتا تھا رسول غیرؑ کا سائے کے بدلے مل گیا مضمون نور کا
قالب جو بن چکا ملک و جن و حور کا تقسیم شیعوں میں ہوا سایا حضورؐ کا
سائے سے ان کے شیعوں کے پُر نور دل بنے
دل بن چکے تو دیدۂ حق بیں کے تِل بنے

بزمِ آفندی نے سایا نہ ہونے کی وجہ اس طرح بیان کی ہے:

تن میں سایا جو نہ تھا اس کروں وجہ بیاں لکھتے ہیں اہل قلم جس سے حدیث و قرآں
اور باقی جو رہا کچھ وہ بحکمِ یزداں ہو گیا مردمکِ اہلِ نظر میں پنہاں
گو سیہ ہے پہ جھلک نور کی دکھلاتا ہے
اسی سائے کی بدولت تو نظر آتا ہے

مسدس مولود معراج میں اس طرح متعدد مثالیں ملیں گی جو بزمِ آفندی کے اکملِ فن ہونے کی قوی دلیلیں ہیں۔

بزمِ آفندی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاک کے لئے مدح کے جو لعل و گوہر نثار کئے ہیں اس کی تابندگی بزم شاعری میں تا حشر باقی رہے گی اور وہ بزم ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ کبھی بھی رائیگاں نہیں جا سکتا اس کا صلہ وہ حشر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے لیں گے کیوں کہ وہ خود کہہ گئے ہیں:

مدحِ سرور نے کیا، خاک سے اکسیر مجھے
دیں گے محبوبِ خدا خُلد کی جاگیر مجھے

*****

مرثیہ:۱

درحال پسرانِ حضرت زینب سلام اللہ علیہا

مطلع

کیا گُل اندام گُلستانِ رسالت کو ملے

تعداد بند: ۱۳۲

۱

کیا گل اندام گلستان رسالت کو ملے کیا تر و تازہ ثمر، قاسم جنت کو ملے
کیا دُرِبیش بہا تاجِ نبوت کو ملے کیا نمودار پسر شافعِ امت کو ملے
یہ وہ ہیں جنکی زمانے میں عزا ہوتی ہے
۲ رات دن جن کے لئے خلقِ خدا روتی ہے

باغِ زہرا و محمدؐ کے گل تر دونوں حاکمِ خلدِ بریں مالکِ کوثر دونوں
بخدا شانِ امامت میں برابر دونوں خُلق میں، حِلم میں، مانندِ پیمبر دونوں
فرد عالم میں ہوئے، ربِ ہُدا شاہد ہے
۳ دونوں یکتا ہیں زمانے میں خدا شاہد ہے

نیرِ اوجِ سیادت، قمرِ بُرجِ کمال فلکِ عزو شرافت کے درخشندہ ہلال
نیک خونیک چلن، نیک سیر، نیک خصال قرۃ العینِ نبیؐ نورِ خُدائے متعال
حشر میں ایک کا، ایسا نہ تحوک ہوگا کبھی
۴ جس کے پلے پہ ہیں یہ، وہ نہ سُبک ہوگا کبھی

جودو احسان میں ہمشانِ رسولِؐ ذیشاں فضلِ خالق سے ہیں سردارِ جوانانِ جناں
راحتِ جانِ نبیؐ نورِ خُدائے دو جہاں زیبِ گلزارِ ارم، زینتِ بزمِ امکاں
سب بزرگوں کے فضائل انہیں ہاتھ آئے ہیں
۵ جس پہ قرآن ہے شاہد، وہ شرف پائے ہیں

قبلۂ اہلِ کرم کعبۂ اربابِ صفا مُقتدائے دوجہاں مطلعِ انوارِ خدا
ہے وہی مومن کامل، جسے انکی ہے ولا گلشنِ خلدِ بریں اِن کی ثنا کا ہے صلا
فوج قدسی ہے کمربستہ سلامی کے لئے
حوریں خدمت کو ہیں، غلماں ہیں غلامی کے لئے

۶

اوجِ سبطینِ نبیؐ سے ہے زمانہ آگاہ جد و آبا کی طرح یہ بھی ہیں کونین کے شاہ
کعبۂ اربابِ صفا کا ہے، انہیں کی درگاہ دونوں شہزادے ہیں ہم مرتبۂ شیر اللہ
مثلِ احمدؐ شرفِ نامتناہی پائے
ان کے حصہ میں سب اسرار الٰہی آئے ۷

انہیں دونوں سے تو شاداب ہے گلزارِ بہشت آپ خالق نے کیا ہے انہیں سردارِ بہشت
مالکِ کوثر و تسنیم ہیں مختارِ بہشت چشمِ مشتاق، ہے ہر روزنِ دیوارِ بہشت
فضلِ خالق سے سرافراز ہیں یاں بھی واں بھی
دونو ذیقدر ہیں، ممتاز ہیں، یاں بھی واں بھی ۸

جگر و جانِ علیؑ سبطِ رسولِ ثقلین رونقِ ارض و سما، فاطمہ کے دل کے چین
مصطفیٰ خلق میں، قوت میں شہِ بدر و حنین فرد ہیں دونوں یداللہ کے یہ نور العین
فدیۂ امتِ مرحومہ، خطاب ان کا ہے
نہ ہے ثانی کوئی اُن کا نہ جواب اِن کا ہے ۹

ایک ہی برجِ شرافت کے قمر ہیں دونوں ایک ہی بحرِ شجاعت کے گہر ہیں دونوں
ایک ہی نخلِ امامت کے ثمر ہیں دونوں ایک ہی باغِ ولایت کے شجر ہیں دونوں
ان کی تعریف میں جو کچھ کہیں وہ شایاں ہے
انہیں دونوں سے بہارِ چمنِ ایماں ہے ۱۰

تیغِ خونریز سے کفار کا دل چاک کیا لوثِ اصنام سے اللہ کا گھر پاک کیا
دین کو شاد کیا کفر کو غمناک کیا جتنے جاہل تھے اُنہیں صاحبِ ادراک کیا
خلق میں مسلکِ اسلام بتایا سب کو
جادۂ منزلِ توحید دکھایا سب کو

۱۱

جد وہ ان کا ہے جو سردارِ امم خلق میں ہے انہیں دونوں کا پدر، بحرِ کرم خلق میں ہے
ان کی مادر ہے، جو بلقیس شیم خلق میں ہے اور یہ کس کے بزرگوں کا حشم خلق میں ہے

خاندان اور جہاں میں کوئی کب ایسا ہے
کس کا دنیا میں حسب اور نسب ایسا ہے ۱۲

دونوں ذی مرتبہ و ذی شرف و ذی عزت خلق میں دونوں نے اکدم بھی نہ پائی راحت
زندگی بھر نہ ملی دونوں کو غم سے فرصت وہ موئے تیغ سے، سَم سے ہوئی ان کی رحلت

جان لی دونوں کی کفار کی سرتابی نے
تشنگی نے انہیں، مارا انہیں سیرابی نے ۱۳

نشتر غم ہے جگر کے لیے ذکر حسنین نہیں آتا کسی پہلو، دل بیتاب کو چین
باغِ فردوس میں حوریں بھی سدا کرتی ہیں بین شور ہے ہائے یتیمانِ شہ بدرو حنین

گر یہاں ان کی کبھی تشنہ دہانی ہوجائے
قلب کیا چیز ہیں، فولاد بھی پانی ہوجائے ۱۴

ان کی مجلس کا وہ رتبہ ہے، کہ ماشاء اللہ بزمِ ماتم میں خود آتے ہیں، رسولِؐ ذیجاہ
فاطمہ روتی ہیں کرتے ہیں بکا شیراللہ شرفِ اہل عزا سے ہیں ملایک آگاہ

نالۂ اہلِ عزا تابہ فلک جاتے ہیں
عرشِ اعلی سے فرشتے بھی یہاں آتے ہیں ۱۵

انس وجن سُن کے، یہ آلام ومحن روتے ہیں یہ وہ غم ہے، کہ شہنشاہِ زمن روتے ہیں
ساتھ زہراؑ کے، شہِ قلعہ شکن روتے ہیں نالہ سُن کے مَلکِ چرخِ کہن روتے ہیں

ماتم ان دنوں خوزادوں کا دو عالم میں ہے
سنگ اسود بھی سیہ پوش اسی غم میں ہے

۱۶

مختصر حال یہ سبطینِ محمدؐ کا تھا مرتضا کے بھی نواسوں کا سناوں رتبا
دونوں خوش خلق و خوش آئین وڈرِ بحرِ سخا دل سے تھے شیفۂ سبطِ رسولؐ دوسرا

وارثِ زورِ امامِ دوجہاں یہ بھی ہیں
اسی گلزار کے دو سروِ رواں یہ بھی ہیں ۱۷

یوسفِ مصرِ سیادت گہر بحرِ سخا ثمر اک نخل کے، دو نورِ نگاہِ زہراؑ
ثانیٔ جعفر تیار ہیں، یہ ماہ لقا پسرِ بنتِ علی، لختِ دلِ شیرِ خدا

ہے جو احمدؐ سے علیؑ سے بھی وہی رشتہ ہے
جو نبیؐ سے ہے وصی سے بھی وہی رشتہ ہے ۱۸

دل بر شیرِ خدا فاطمہؑ کے نورِ نظر مَطلع عز و شرف بُرجِ شجاعت کے قمر
ایسے ماموں ہیں جو ہیں خلقِ خدا کے رہبر ان کی ماں مریم وسارا سے، کہیں ہے بہتر

کس نے پایا یہ شرف فخر نہ کیوں ہو اس پر
خاندان وہ کہ ہوئی ختم نبوت جس پر ۱۹

مثلِ قرآں نہیں کچھ اِن کی بزرگی میں کلام ان کی نانی ہے نبیؐ زادی تو ماں بنتِ امام
ہے انہیں کے لیے زیبا صَلواۃ اور سلام یہ وہ ہیں وقت دغا ہاتھ میں جن کے صمصام

نہیں اعجاز نہ ہو، فرد شجاعت میں تو ہیں
گو امامت نہ سہی، نسلِ امامت میں تو ہیں ۲۰

ان کی توصیف میں قاصر نہ زباں ہو کیونکر راحتِ جاں جنہیں فرمائیں شہِ تُفتہ جگر
شان و شوکت میں علیؑ جاہ و حشم میں جعفر اب تک ان دونوں کے ماتم میں تڑپتے ہیں بشر

ان کے اوصاف کے سب اہلِ جہاں قائل ہیں
نام بچپن میں وہ پایا کہ جواں قائل ہیں

۲۱

گلشن دیں میں یہ دونوں گل تر ہیں یکتا دل سے ہیں تابعِ احکامِ امامِ دوسرا
گو یہ غم تھا کہ نہ پایا علَمِ شاہِ ہدا پر مِلا خلق میں ایسا نہ کسی کو رتبا
علَمِ فوجِ امامِ دوجہاں بھی پاتے
سن ذرا کم جو نہ ہوتا تو نشاں بھی پاتے ۲۲

دبدبہ وہ کہ ہوں ٹکڑے ابھی شیروں کے جگر آنکھ وہ جس سے دلیروں کی بھی جھک جائے نظر
قوت و زور میں ان سے ہو کوئی کیا سربر آئے غصہ تو ابھی توڑیں یہ باب خیبر
خوف آیا نہ سنانوں سے نہ تلواروں سے
کم سنی میں یہ لڑے بڑھ کے جفا کاروں سے ۲۳

نہ بزرگوں کے شرف جمع ہوں ان میں کیونکر پرورش جن کو کرے فاطمہؑ کا لخت جگر
رعب میں داب میں ہم شان جنابِ جعفر عالمِ علمِ نبیؐ وارثِ زورِ حیدرؑ
دونوں کونین میں ذیقدر و سرافراز ہوئے
خلق میں یہ بھی اسی طرح سے ممتاز ہوئے ۲۴

خُلق میں مثلِ حسنؑ، زہد میں مثلِ حیدرؑ رُعب میں مثلِ علمدارِ شہِ جن و بشر
حلم میں صبر میں، مانندِ رسول داور فضلِ خالق سے ملے سارے بزرگوں کے ہنر
کرم اللہ کا، صدقہ شہِ دل گیر کا ہے
کیوں نہ ہو سب یہ اثر، فاطمہؑ کے شیر کا ہے ۲۵

ایسے ساونت کہ اس پیاس میں کڑیاں جھیلیں ننھے ہاتھوں سے پرے فوج ستم کے ریلیں
یہ وہ بچے ہیں کہ تلواروں سے رن میں کھیلیں حکم حضرت کا جو پا جائیں تو کوفہ لے لیں
دوسرا کوئی زمانے میں کہاں ایسا ہے
زورِ بازوئے یداللہ انہیں پہنچا ہے

۲۶

بچپنے ہی میں یہ نیزے کا ہلانا سیکھے ہاتھ تیار کئے، تیغ لگانا سیکھے
دونوں اک وار میں چورنگ اُڑانا سیکھے مثلِ حیدرؑ ہنرِ جنگ دکھانا سیکھے

دیکھنے والوں کو خالق کے ولی یاد آئے
۲۷ جب کوئی چوٹ نکالی تو علیؑ یاد آئے

تذکرہ گھر میں جو دونوں کا کبھی آتا تھا ہو کے خوش کہتی تھیں عباسؑ سے بنتِ زہراؑ
یہ تمہاری ہی ریاضت کا ثمر ہے بھیا میں بھی حضرت پہ تصدق مرے بچے بھی فدا

کچھ ہنر وقت پہ دکھلائیں تو میں راضی ہوں
۲۸ اپنے ماموں کے جو کام آئیں تو میں راضی ہوں

سن کے یہ ماں کا سخن کہنے لگے وہ ضرغام پھر ہیں کس کام کے مولا کے نہ آئیں جب کام
اُن کو کیا خوف کسی سے ہو، جو اُن کے ہیں غلام کھینچیں تلوار تو برباد کریں کوفہ و شام

کب فنِ جنگ میں ہم سے کوئی بڑھ سکتا ہے
۲۹ منہ پہ شیروں کے جہاں میں کوئی چڑھ سکتا ہے

وقت آئے تو تصدق ہوں شہِ والا پر لڑ کے میدان میں سب جنگ کے دکھلائیں ہنر
ہوں زمانے پہ عیاں تیغ زنی کے جوہر عرض جب ماں سے یہ کرتے تھے وہ دونوں صفدر

جاہ و اقبال کی دیتی تھیں دعائیں زینب
۳۰ ہو کے خوش دونوں کی لیتی تھیں بلائیں زینب

شب کو آرام جو کرتے تھے وہ دونوں صفدر کہتے تھے مادر ذیشاں سے علیؑ کے دلبر
ابھی سونے کو نہیں چاہتا دل اے مادر ہاں بیاں کیجئے کچھ ذکرِ وغائے حیدرؑ

کس طرح شیر خدا جنگ کو سر کرتے تھے
کس طرح فوج کو وہ زیر و زبر کرتے تھے

۳۱

سن کے فرماتی تھی یہ دختر ضرغام صمد کس سے ہو اس کا بیاں جس کے شرف ہوں بیحد
کس لڑائی میں نہ کی احمد مرسلؐ کی مدد حامیٔ شرعِ متیں ناصرِ دینِ احمدؐ

سب شہنشاہ مع فوجِ گراں ڈرتے تھے
اُن کی تلوار سے عالم کے جواں ڈرتے تھے ۳۲

زہد کا ذکر کروں یا کہ عبادت کو کہوں عدل کی شان کہوں میں کہ سخاوت کو کہوں
جو دو احساں کو کہوں یا کہ مروت کو کہوں کس زباں سے شہ والا کی فضیلت کو کہوں

جراتیں بھی وہ دکھائی ہیں کہ جی جانتے ہیں
مرتبہ ان کا خدا اور نبیؐ جانتے ہیں ۳۳

مُجملاً ہے یہ وغائے شہِ ذیشاں کا بیاں جب کسی جنگ پہ جاتے تھے امامِ دوجہاں
پہلواں ہوتے تھے آئینہ کی صورت حیراں بید کی طرح سے لہراتے تھے سب پیر و جواں

پہلوانوں کی زبانوں پہ نہ کیوں نام آئے
ہر لڑائی میں پیمبر کے یہی کام آئے ۳۴

دی ہے آئینۂ ایماں کو جلا حیدرؑ نے حق سے باطل کو کیا صاف جدا حیدرؑ نے
زیر لاکھوں کو کیا وقتِ وغا حیدرؑ نے آبرو دین کی رکھ لی بخدا حیدرؑ نے

یک قلم دل سے ہر اک کفر کا آئیں بھولا
ان کی تلوار کے پھل سے چمنِ دیں پھولا ۳۵

جب گئے جنگ پہ خیبر کی شہِ کون و مکاں بھیجتے کس کو نہ تھے جعفر طیار رواں
اور لوگوں کو علم دے کے کیا شہ نے رواں رن سے واپس ہوئے بے فتح وظفر لے کے نشاں

جب نبیؐ نے نہ کوئی یاور و ناصر پایا
وہ علم حیدرؑ کرار نے آخر پایا

۳۶

متصل جب درِ خیبر کے گئے شیرِ خدا جوش میں بہرِ وغا مرحبِ دیں آیا
تیغِ حیدرؑ گئی سر پر، صفتِ تیغِ قضا مع رہوار، شقی خاک پہ دو ہو کے گرا
زندگی کا جو بکھیڑا تھا اسے پاک کیا
واہ ری ضرب کہ تا بندِ کمر چاک کیا

۳۷

اے خوشا دست زبردست شہِ جن و بشر انگلیوں سے درِ خیبر کو اُکھاڑا بڑھ کر
دَر اُٹھائے ہوئے اس طرح کھڑے تھے حیدرؑ جس طرح فوج سے لڑتا ہے کوئی لے کے سپر
ایک دم کی بھی اماں دی نہ ستمگاروں کو
خوں سے رنگین کیا قلعہ کی دیواروں کو

۳۸

سر ہوئی جب وہ لڑائی بھی بافضالِ خدا فوجِ اسلام میں تکبیر کا اک شور اُٹھا
آئے لشکر کا علم لے کے تمہارے نانا خوش ہوئے دیکھ کے بھائی کو شہنشاہِ ہُدا
اس طرف دست یداللہ، نبیؐ چومتے تھے
دے کے احسنت کی آواز، ملک جھومتے تھے

۳۹

جب اُحد میں گئے لڑنے کو بصد عزّ و وقار قتل اتنے ہوئے ملعوں کہ نہیں جن کا شمار
جب چلی بیرِ الم میں شہِ دیں کی تلوار شیرِ حق ہم کو اماں دو یہ جنوں میں تھی پکار
گو بہت زیرِ زمیں دشمنِ جانی نکلے
آب زُہرے ہوئے یوں لے کے یہ پانی نکلے

۴۰

عُن کے یہ سُرخ ہوئے دونوں کے گُل سے رخسار تیوریاں چڑھ گئیں آپس میں ہوئے کچھ اقرار
کبھی اُٹھے، کبھی بیٹھے کبھی جھومے جرار نیچے تول کے گردن کو ہلایا کئی بار
ہو گئے چیں بہ جبیں غیظ سے منہ لال ہوا
خون آنکھوں سے ٹپکنے لگا یہ حال ہوا

۴۱

جوڑ کر ننھے سے ہاتھوں کو یہ بولے ذیشاں جد امجد کو مِلا فوج کا کس طرح نشاں
مُسکرا کر کہا زینب نے کہ صدقے ہو یہ ماں بچپنے میں یہ ارادہ ہے، یہ ہمت مری جاں
لشکرِ حق کا علم یوں نہیں ہاتھ آتا ہے
جو کہ جرار ہو لاکھوں میں وہی پاتا ہے

۴۲

جب گئے گلشنِ ہستی سے ارم کو حمزہؓ جدِّ اعلا کو تمہارے وہ علم شہ نے دیا
کوئی جعفر سا جواں زور شجاعت میں نہ تھا تیغ سے اُن کی نہ ملتی تھی اماں وقت وغا
جو کہ سرکش تھے بڑے خوف سے تھراتے تھے
پاؤں ثابت قدموں کے بھی ڈگے جاتے تھے

۴۳

جنگِ موتہ میں ہوئے ہاتھ قلم، جعفرؓ کے روئے دو روز رسول دوسرا اُن کے لئے
نہ ملے ایک کو، وہ خلد میں پائے رہتے پر زبرجد کے اُنہیں، خالقِ اکبر نے دیئے
ساتھ حوران بہشتی کے سدا رہتے ہیں
انس و جن جعفرِ طیار اُنہیں کہتے ہیں

۴۴

عرض کرتے تھے یہ جب بنتِ علی کے دلبر کیا ہم اِس عہدہ کے قابل نہیں کیوں اے مادر
کیا نشاں ہم کو عنایت نہ کریں گے سرور چوم کر منہ کو یہ فرماتی تھیں بنت حیدرؓ
جس طرح احمدِؐ مرسل کے علیؑ تھے پیرو
ہیں اُسی طرح سے بھائی بھی انہیں کے پیرو

۴۵

جس میں ہوں پانچ شرف جمع وہ پائے وہ نشاں اولاً یہ کہ وہ جرأت میں ہو یکتائے جہاں
دوسرے کہہ گئے ہوں جس کے لیے شاہِ زماں تیسرے ہو پسرِ شیرِ خدا بھی وہ جواں
چوتھے وہ زور میں بھی فرد ہو جعفر کی طرح
پانچویں یہ کہ لڑے حیدرؑ صفدر کی طرح

۴۶

اک نشاں پانے سے ہوتی نہیں توقیر سوا بات وہ ہو کہ جو دنیا میں رہے نام سدا
یہی منصب ہے کہ خورسند رہیں شاہِ ہدا ایسے بچے نہیں، سمجھو اسے مادر ہو فدا
کوئی بے تیغ کے میداں نہیں لے سکتا ہے
کام تلوار کا رایت کہیں دے سکتا ہے

۴۷

جبکہ ہو سبطِ پیمبر سے لڑائی مری جاں سب سے اول تمہیں ہونا شہِ دیں پر قرباں
فتح پائی تو ہوئے شاد امامِ دوجہاں قتل گر ہوگئے رن میں تو گئے سوئے جناں
سب میں چرچا رہے وہ نام جہاں میں کر جاو
لطف یہ ہے کہ علمدار سے پہلے مرجاؤ

۴۸

فخر سادات کا ہے تیغ سے مرنا پیارو سہل مَردوں کو ہے دنیا سے گزرنا پیارو
تم نے جو منہ سے کہا ہے وہی کرنا پیارو دم شجاعت کا تہہ تیغ بھی بھرنا پیارو
بھانجے ہو شہِ صفدر کے تمہیں خوف ہے کیا
شیر ہو بیشہ حیدرؑ کے تمہیں خوف ہے کیا

۴۹

شمعِ الحادو ضلالت کو بجھانا واری خلق کو جادۂ اسلام دکھانا واری
اپنے نانا کی طرح فوج پہ جانا واری اُسی انداز سے لشکر کو بھگانا واری
نامِ شر صفحۂ عالم سے مٹانا رن میں
رنگ حیدرؑ کی لڑائی کا دکھانا رن میں

۵۰

جانِ زہراؑ کی ولا فرض ہے تم پر پیارو ان کے اعدا سے وغا فرض ہے تم پر پیارو
طاعت رب ہدا فرض ہے تم پر پیارو نصرتِ دینِ خدا فرض ہے تم پر پیارو
تاکہ شاداب سدا گلشنِ اسلام رہے
وہ کرو کام کہ دنیا میں سدا نام رہے

۵۱

کہہ چکیں بیٹیوں سے جس وقت یہ بنتِ زہراؑ باندھ کر ہاتھ کہا ہاں یونہی ہوگا بخدا
منتظر جس کے ہیں ہم وقت وہ آئے تو ذرا لاش پر لاش نظر آئیگی ہنگام وغا
عید اک ہوگی جو سر تن سے جدا ہونگے حضور
۵۲ پہلے سب سے ہمیں سرور پہ فدا ہوں گے حضور

مسکرا کر کہا زینب نے کہ صدقے مادر یاد رکھنا یہ سخن آج کا بہرِ داور
اب سفر کرتے ہیں کوفہ کا شہ جن و بشر عرض کی دونوں نے ہم آپ کے ہیں لختِ جگر
فوجِ کفار کو میداں سے بھاگا دیں گے ہم
۵۳ آپ کے دودھ کی تاثیر دکھا دیں گے ہم

جب سنا حضرت زینب نے یہ بیٹوں کا بیاں ساتھ ہی قتل کا یاد آگیا سارا ساماں
اشک آنکھوں میں بھر آئے نہ ہوا ضبطِ فغاں رو کے فرمایا کہ تم پر ہو یہ مادر قرباں
سمجھو صدقے گئی کیا سوچ کے ماں روتی ہے
۵۴ تم بھی اب سو رہو سب خلق خدا سوتی ہے

سنیو اب دوسری شب اور جو باقی ہے بیاں معرکے جنگِ شہِ دیں کے بہت ہیں مریجاں
خواب کا قصد جو کرتے تھے وہ دونوں ذیشاں صورتیں دیکھتی تھیں بنتِ شہنشاہِ زماں
ہجر کی یاد سے دل سینے میں گھبراتا تھا
۵۵ دونوں آرام جو کرتے تھے تو چین آتا تھا

راویوں نے یہ کتابوں میں لکھا ہے کئی جا داخلِ ماریہ جس دم ہوئے شاہِ دوسرا
نہر پر سبط پیمبر کو اتر نے نہ دیا ساتویں شب کو تو سادات میں تھا حشر بپا
بند تھا آبِ رواں پیاس کی طغیانی تھی
نئی دعوت تھی نئی طرح کی مہمانی تھی

۵۶

لشکرِ شام سے جب صبحِ دہم تیر آئے جاں نثارانِ شہِ تشنہ جگر جھنجلائے
لے کے آقا سے رضا، جنگ کے فن دکھلائے سر کئے شہ پہ فدا، سینوں پر نیزے کھائے
حق ادا کر کے مرے اپنی نمک خواری کا
خاتمہ کر گئے جرار وفا داری کا

۵۷

مصطفیٰؐ کو بھی نہ ہاتھ آئے تھے ایسے رفقا پیاس میں ساتھ جگر بندِ پیمبرؐ کا دیا
جنگ کرتے ہوئے پہنچے جو کنار دریا خشک لب تر نہ کئے پانی سے، اللہ ری وفا
ہاتھ دھوئے ہوئے تھے چھوٹے بڑے جانوں سے
مر گئے لڑ کے ترائی کے نگہبانوں سے

۵۸

کی تھیں اللہ نے کیا منزلتیں اُن کو عطا بھائی کہتے تھے اُنہیں بادشہِ کرب و بلا
ایک اک مالک اشتر کی طرح اہلِ وفا پُر دل و پُر جگر و شیرِ نیستانِ وغا
نصرتِ شاہ میں پیکانِ ستم کھاتے تھے
سینے تانے ہوئے نیزوں کی طرف جاتے تھے

۵۹

اے قلم بس کہ مناسب نہیں اب طولِ کلام کس زباں سے ہو بیاں مدحتِ انصارِ امام
وہ دلاور وہ جری ناصرِ سلطانِ اَنام زندہ جن شیروں سے ہے خلق میں جرأت کا نام
رنجِ غربت کو گوارا کیا مسکن چھوڑا
مر گئے اور نہ شبیرؑ کا دامن چھوڑا

۶۰

لاش ایک ایک کی خود لائے شہنشاہ امم پھر اُنہیں گنجِ شہیداں میں لٹایا باہم
خوں میں تر جسم جو دیکھے تو ہوا سخت الم غم میں اُن سب کے کیا اہل حرم نے ماتم
اس قدر روئے کہ دم، اہلِ عزا میں نہ رہا
دوپہر تک کوئی باقی رفقا میں نہ رہا

۶۱

غم ہر اک دوست کا شاہ دوسرا کرتے تھے کبھی سر پیٹتے تھے گاہ، بُکا کرتے تھے
کبھی عباس کی تعریفِ وغا کرتے تھے کبھی ایک ایک کی بخشش کی دعا کرتے تھے
کبھی کہتے تھے کہ یہ داد وفا دے کے گئے
کبھی کہتے تھے کہ جینے کا مزا لے کے گئے

۶۲

کبھی فرماتے تھے آنکھوں سے نہاں ہو گئے سب پوچھتے بھی نہیں اب حال مرا ہائے غضب
کس سے جا کر کہوں جو قلب پہ ہے رنج و تعب کیوں خفا ہو گئے کھلتا نہیں کچھ اِس کا سبب
بڑھ کے سینوں پہ نہیں تیر و سناں کھاتے ہیں
کیوں نہیں میری مدد کے لیے اب آتے ہیں

۶۳

یک بیک آ کے کیا خیمہ میں فضہ نے بیاں بیبیو آتی ہے اب گلشنِ مُسلم پہ خزاں
پوچھا زینب نے کہ دونوں مرے بچے ہیں کہاں بولی وہ صدقہ گئی آپ کے بھائی ہیں جہاں
کسی خود سر کو نہیں پاوں بڑھانے دیتے
کوئی حربہ شہِ دیں تک نہیں آنے دیتے

۶۴

کانپ کر غیظ سے تب دختر حیدر نے کہا سب سے پہلے یہ عزیزوں میں ہوئے کیوں نہ فدا
کہا فضہ نے کہ ان کی نہیں کچھ اس میں خطا جنگ کی خود شہِ والا نے نہ دی اِن کو رضا
ورنہ تیغوں سے یہ بچے نہیں ڈرنے والے
کہیں رکتے بھی ہیں صدقہ گئی، مرنے والے

۶۵

یاں یہ باتیں تھیں کہ آئی یہ صدائے جانکاہ ہے غضب قتل ہوئے مسلمِ مظلوم کے ماہ
لاشیں لینے کو گئے ہیں ابھی روتے ہوئے شاہ سن کے یہ حادثہ بیبیوں نے کیا حال تباہ
میتیں آتے ہی ہونے لگا ماتم ان کا
پہلے حضرت کے عزیزوں میں ہوا غم ان کا

۶۶

جب سدھارے چمن خلد کو مسلم کے پسر اپنے بیٹوں سے یہ کہنے لگی بنتِ حیدرؑ
کیوں نہ تم دونوں سے خوش ہو یہ حزین و مضطر خوب کٹوائے گلے خوب ہوئے خون میں تر
خوب امدادِ شہِ ہر دوسرا کی تم نے
خوب لاکھوں سے مری جان وغا کی تم نے ۶۷

خوب کی نصرتِ فرزندِ پیمبر رن میں خوب تلواروں سے برپا کیا محشر رن میں
پاؤں پیچھے نہ ہٹے دونوں کے بڑھ کر رن میں یوں ہی جرار لڑا کرتے ہیں اکثر رن میں
کیوں میں شکوہ کروں جو تم نے کیا خوب کیا
اس بہرے کنبہ میں تم نے مجھے محبوب کیا ۶۸

تم نے مسلم کے صغیروں کی بھی ہمت دیکھی آج اُن دونوں کی جانبازی و جرأت دیکھی
دونوں جراروں کی میداں میں جلالت دیکھی قتل لاکھوں کو کیا رن میں شجاعت دیکھی
سرخرو خدمتِ شاہنشہِ دیں میں پہنچے
پہلے تم دونوں سے وہ خلد بریں میں پہنچے ۶۹

جو ہیں دنیا میں جری نام پہ وہ مرتے ہیں اپنے آقا کی رفاقت ہی کا دم بھرتے ہیں
منہ سے جو کہتے ہیں جانباز وہی کرتے ہیں شیر بھی سامنے آجائے تو کب ڈرتے ہیں
بادفا جو ہیں وہ مالک سے وفا کرتے ہیں
جو بہادر ہیں وہ لاکھوں سے وغا کرتے ہیں ۷۰

بولی جھنجلا کے جو بیٹوں سے یہ بنت حیدرؑ دل میں وہ سمجھے کہ آزردہ ہیں شاید مادر
گر کے قدموں پہ یہ کہنے لگے وہ رشکِ قمر ہم نے ماموں سے رضا جنگ کی چاہی تھی مگر
رنج فرقت کا شہِ دیں کو گوارا نہ ہوا
ہم ہیں مجبور کہ اماں ہمیں چارا نہ ہوا

۷۱

تھا یہی ذکر کہ جو خیمہ میں آئے سرور بھائی کو دیکھ کے رونے لگی بنت حیدرؑ
یک بیک پڑ جوگئی عون و محمدؑ پہ نظر پوچھا حضرت نے کہ کیا حال ہے ان کا خواہر
عرض کی صبح سے مچلے ہیں شہادت کے لیے
۷۲ مجھ سے دونوں ہیں مصر جنگ کی رخصت کے لیے

صبح سے آئے ہیں خیمہ میں یہ بچے کئی بار یہی کہتے ہیں کہ ماموں پہ کریں جان نثار
روکے بولے یہ نہیں مجھ کو گوارا زنہار سامنے میرے پھرے ان کے گلوں پر تلوار
کہا زینب نے کہ طالب یہ جری نام کے ہیں
۷۳ آپ کے کام نہ آئیں تو یہ کس کام کے ہیں

جب سُنے حضرتِ زینب کے یہ حضرت نے کلام روئے تا دیر جھکا کر سر اقدس کو امام
پھر یہ ہمشیر سے فرمانے لگے شاہِ انام مجھ کو اکبر کے برابر ہیں یہ دونوں گلفام
صدمے اس طرح کے اللہ نہ دے دشمن کو
۷۴ خیر جو مرضئ معبود سدھاریں رَن کو

پائی اُن دونوں نے میداں کی جو حضرت سے رضا غم جانکاہ تھا، زینب نے مگر ضبط کیا
دونوں بیٹوں سے یہ گویا ہوئیں بنتِ زہراؑ جاؤ اے سیم برد ماں نے خدا کو سونپا
ہائے قسمت نے تمہیں پھولنے پھلنے نہ دیا
۷۵ موت نے بیاہ کا ارمان نکلے نہ دیا

کس طرح روؤں نہ اس غم میں بتاتے جاؤ اک چُھری قلب پہ مادر کے پھراتے جاؤ
بو مجھے گیسوئے مُشکیں کی سنگھاتے جاؤ پھر مجھے چاند سے چہروں کو دکھاتے جاؤ
دل میں حسرت ہے کہ پھر محوِ فغاں دیکھ تو لے
میرے بچو تمہیں جی بھر کے یہ ماں دیکھ تو لے

۷۶

الغرض ماں سے بھی رخصت ہوئے وہ ماہ لقا جُھک کے دونوں نے کیا بنتِ علیؑ کو مُجرا
نکلے ڈیوڑھی سے جو خیمہ کا اٹھا کر پردا غل تھا اک برج سے دو نجم ہوئے جلوہ نما

چڑھ کے گھوڑوں پہ جو میداں کو وہ ذیجاہ چلے
دی صدا فتح نے اقبال بھی ہمراہ چلے

۷۷

پھر مجھے وہ مئے گلرنگ پلادے ساقی جو مرے آئینۂ دل کو جلا دے ساقی
جلد پردا مری آنکھوں سے اٹھا دے ساقی جلوۂ شاہدِ مقصود دکھا دے ساقی

مثلِ بلبل میں تری بزم میں چہکوں برسوں
جام پر جام پیوں اور نہ بہکوں برسوں

۷۸

دیے وہ بادہ جسے ابرار پیا کرتے ہیں راتدان مومن دیندار پیار کرتے ہیں
عاشقِ حیدرؑ کرار پیا کرتے ہیں تابعِ احمدؐ مختار پیار کرتے ہیں

دل سے جو دور کرے غم مجھے وہ بادہ دے
حشر تک کیف نہ ہو کم مجھے وہ بادہ دے

۷۹

ہاں سُنیں غور سے اب سب فُصَحا نظم مری ہے پسندِ دلِ اربابِ صفا نظم مری
کیوں نہ مقبول دو عالم ہو سدا نظم مری سُننے خود آتے ہیں شاہِ شہدا نظم مری

ہاں اِسے فیضِ امامِ دوسرا کہتے ہیں
انبیا بھی مرے مشتاق سدا رہتے ہیں

۸۰

اس تجمل سے پئے جنگ وہ جرار گئے غل تھا ہمراہِ علیؑ جعفرِ طیار گئے
یوں اُڑاتے ہوئے اُس فوج پہ رہوار گئے من چلے لشکر کفار کے جی ہار گئے

ہمکے دونوں نے بڑھ کر جو کئے مقتل میں
ہل گئے خوف سے شیروں کے جگر جنگل میں

۸۱

آنکھ وہ آنکھ، کہ ہو آب اسد کا زُہرہ ہاتھ وہ ہاتھ، جنہیں زورِ یداللہ ملا
تیغ وہ تیغ، کہ جو نافذِ منشورِ قضا لہجہ وہ لہجہ، فصیحانِ عرب جس پہ فدا
دھاک وہ دھاک، کہ سب بانیٔ شر کانپتے ہیں
رُعب وہ رُعب، کہ شیروں کے جگر کانپتے ہیں

۸۲

لیلۃ القدر جو زلفوں کو کہوں کیا ہے مجال دودِ آہِ دلِ زینبؑ سے مناسب ہے مثال
ابرو و چشم کی نسبت یہ ہمارا ہے خیال نقطہ جیم ہے یہ اور وہ سرِ جیم جمال
روئے پر نور کی تشبیہ بھی لاثانی ہے
خطِ رخسار نہیں آیتِ قرآنی ہے

۸۳

کچھ عجب نیمچوں نے دونوں کے پائے ہیں کمال بخدا سیف زبانوں سے ہے وصف ان کا محال
تیز ایسے ہیں کہ ممکن نہیں عالم میں مثال وقتِ تصویر کشی ان کا جو آجائے خیال
ان کی برش کا ہر اک شہر میں شہرا اُڑ جائے
ہوش نقاش کے تصویر کا خاکا اُڑ جائے

۸۴

نیمچے دونوں کے دو ابروئے پیوستہ ہیں یا کہ اک بیت کے دو مصرعۂ برجستہ ہیں
یا صفائی میں یہ برگِ گُلِ نورستہ ہیں جنگِ کفار کو ہر وقت کمربستہ ہیں
دم بھریں خنجر و شمشیر نہ کیونکر ان کا
طائرِ جاں کے لیے دام ہے جوہر ان کا

۸۵

خطِ تقدیر ہے ہر نیمچۂ سر انداز مرکزِ کافِ کرامت وہ، یہ زادِ اعجاز
وہ جو لیلیٰ کا ہے عُشوہ تو یہ شیریں کا ہے ناز ناخنِ پنجۂ شاہیں وہ، یہ بالِ شہباز
وہ ہے گر قوس فلک دائرہ ماہ یہ ہے
شانِ معبود وہ ہے قدرت اللہ یہ ہے

۸۶

وہ ہے گردابِ اجل اور یہ ہے موجِ فنا موت کا وہ ہے طمانچہ تو یہ سیلیٔ قضا
شعلہ طور وہ ہے، اور یہ ہے قہرِ خدا وہ ہے حلالِ مُہمّات تو یہ عُقدہ کشا
اُس کے خم کو، خمِ محرابِ عبادت کہئے
اس کی نابوں کو خطِ کا تبِ قدرت کہئے

۸۷

تابع حکم اگر اُس کا ہے جلادِ اجل اس کا کوفہ سے ہے تاوادیٔ برہوت عمل
فرق پر وہ ہے کبھی یہ ہے کبھی زیرِ بغل عقل میں اس سے فتور اُس سے دماغوں میں خلل
دامنِ دشت کو وہ لاشوں سے پاٹ آتا ہے
خون کا رنگ رگ و پے میں یہ کاٹ آتا ہے

۸۸

آیتِ فتح وہ ہے، رایتِ نصرت یہ ہے وہ ہے اکلیلِ ظفر، تاجِ شجاعت یہ ہے
زورِ سرپنجہ وہ ہے بازوئی ہمت یہ ہے حشر انگیز وہ ہے شورِ قیامت یہ ہے
وہ اگر نذر میں کفار کے سر لیتا ہے
طائرِ روح کی بڑھ کر یہ خبر لیتا ہے

۸۹

پردۂ چشم میں پھرتا ہے وہ مانندِ نگاہ دل میں گھر کر کے نکل آتا ہے یہ صورتِ آہ
روح فرسا ہے الم اُس کا غم اس کا جانکاہ امن ملتی ہے نہ اُس سے، نہ یہ دیتا ہے پناہ
ملک الموت وہ ہے مرگِ مفاجات یہ ہے
قابضِ روح وہ ہے ہادمِ لذات یہ ہے

۹۰

وہ ہے تعزیرِ عمل، یہ ہے سزائے کردار دشمنِ شرک وہ ہے، یہ ہے عدوے کفار
وہ ہے خونریز غضب کا، یہ بلا کا خونخوار یہ جہنم کا ہے مالک، وہ سقر کا مختار
رخنہ انداز یہ ہے، تفرقہ پرداز وہ ہے
بخدا گر یہ کرامت ہے، تو اعجاز وہ ہے

۹۱

بختِ برگشتۂ وہ ہے گردشِ ایام یہ ہے وقت پیکار وہ رُستم ہے اگر سام یہ ہے
قاضیٔ شرع وہ ہے، مفتیٔ اسلام ہے یہ وہ ہے فرمانِ قضا، موت کا پیغام ہے یہ
دل میں گھر کرتا ہے وہ حسرت و ارماں ہوکر
آنکھوں میں آتا ہے یہ خواب پریشاں ہوکر

۹۲

میمنہ پر کبھی یہ میسرہ والوں پہ چلے کبھی فوجوں پہ چلے گاہ رسالوں پہ چلے
ٹکڑے ٹکڑے کیا جب ظلم خصالوں پہ چلے اُڑ گئے پھول جو فولاد کی ڈھالوں پہ چلے
آفت آتی تھی اُسی سمت جدھر مڑتے تھے
سراعدا صفت برگِ خزاں اُڑتے تھے

۹۳

دست و پا جنگ میں ہرایک کے بیکار ہوئے منہ کٹے ان کے مقابل جو نمودار ہوئے
جب چلے رن میں پرے فوج کے مسمار ہوئے کشتوں کے پشتے ہوئے لاشوں کے انبار ہوئے
گرتے تھے شعلہ صفت آگ لگانے کے لیے
برق تھے خرمنِ ہستی کے جلانے کے لیے

۹۴

پاس جس کے گئے سر تن پہ نہ پایا فوراً جب مقابل ہوئیں فوجیں تو بھگایا فوراً
جب اُٹھے وہ تو عمل اپنا بٹھایا فوراً جب گرے لشکرِ ناری کو جلایا فوراً
شور تھا قہر ہے دم وقت روانی ان کا
خاصیت آگ کی سب رکھتا ہے پانی ان کا

۹۵

ڈر سے ان نیچوں کے اہلِ ستم بھاگتے تھے سر جو کٹتے تھے تو وہ نحس قدم بھاگتے تھے
غول کے غول جو اعدا کے بہم بھاگتے تھے پھینک کر رن میں علمدار علم بھاگتے تھے
اس پہ بھی دونوں سے دم بھر نہ اماں ملتی تھی
چرخ تھراتا تھا میداں کی زمیں ہلتی تھی

۹۶

نیمچے چلنے میں گویا تھے زبانِ طرار اُن کے کھچنے میں تھی بالکل کششِ ابروئے یار
دونوں معشوقوں کے ابرو کی طرح تھے خمدار قلزم فتح کا دھارا تھا ہر اک ان کی دھار

خون پینے سے نہ مہلت تھی کوئی دم ان کو
ماہیٔ بحرِ فنا کیوں نہ ہیں ہم ان کو ۹۷

جلوہ دکھلا رہے تھے سب کو وہ عشوہ پرداز منہ پہ چڑھتا تھا دم جنگ نہ کوئی جانباز
یہ لگاوٹ تھی نہ پریوں میں نہ حوروں میں یہ ناز جان لیتے تھے گلے مل کے نیا تھا انداز

اس طرف دیکھنے کی سب سے قسم لیتے تھے
جو نظر کرتا تھا منہ اس کا پہرا دیتے تھے ۹۸

کی جگہ روح نے خالی جو کیا دل میں گھر بر میں بیٹھے تو ملا کھول کے آغوشِ جگر
دی جگہ صدر میں سینوں نے انہیں خوش ہوکر ٹھہرے دم بھر تو گلے مل کے لیا نذر میں سر

یہ کھچاوٹ نہ لگاوٹ نہ صفائی دیکھی
مِیل ایسا نظر آیا نہ جدائی دیکھی ۹۹

بند سب سُست ہیں بیکار ہر اک نیزا ہے گوشۂ امن کمانوں کو نہیں ملتا ہے
ڈر یہ غالب ہے کہ اترا ہوا ہر چلّا ہے تیر یوں بھاگے کہ پھر کر بھی نہ دیکھا کیا ہے

خوف سے پھول ہر اک ڈھال کے کُملاتے ہیں
سب کا منہ دیکھ کے چار آئینے رہ جاتے ہیں ۱۰۰

خوف سے سہم کے لی تیروں نے ترکش میں پناہ سرکشی بھولا ہر اک نیزۂ فوجِ گمراہ
شعلۂ تیغ سے ڈھالیں ہوئیں جل جل کے سیاہ چار آنکھیں تھیں مگر چار نہ کرتی تھیں نگاہ

مرکبِ گرمِ دَوِ موت پیادوں کو ملے
دشتِ میں امن کے گوشے نہ کبادوں کو ملے

۱۰۱

ڈر سے قرنا کا بھی دم بند تھا، کیسا شہپور بول سکتا تھا نہ اک بول بھی تارِ طنبور
ہاتھ سے رکھ دیا تھا اپنے سرافیل نے صور چھوڑ کرنے کو صدا دشت میں پہنچی تھی دور

جنگ کا حال دگرگوں جو ہوا جاتا تھا
۱۰۲ بوق کے دل میں بھی ناسور نظر آتا تھا

طبل کا پھول گیا پیٹ یہ ہول اس کو ہوا خوف نے بن کے سناں چھان دیا دِل نے کا
سینہ کوبی کی ہر اک تاشے سے، پیدا تھی صدا دَف نے میداں میں طمانچہ پہ طمانچہ کھایا

خوف گھیرے ہوئے تھا آپ سے خاموش نہ تھے
۱۰۳ جتنے باجے تھے کسی کے بھی بجا ہوش نہ تھے

آنکھیں صدہا تھیں زرہ کی پہ نہ آتا تھا نظر جتنے خنجر تھے بنی جاتی تھی ان کے دم پر
بند ڈھیلے ہوئے سب یہ ہوئے نیزے لاغر جُھک گیا خوف سے ہر تیغ کا میدان میں سر

خود کماندار ہر اک، دور سے چلاتا تھا
۱۰۴ تیر پر رکھتے تھے لیکن نہ اُڑا جاتا تھا

یک بیک ٹوٹ گئیں ظلم کی جب دیواریں رنگ اُڑنے لگے قبضوں سے چھٹیں تلواریں
کس طرح فوج کے شہزور نہ ہمت ہاریں اُڑ کے جاتی تھیں نشانوں پہ لہو کی دھاریں

جو تھے رودار جواں منہ نہیں دکھلاتے تھے
۱۰۵ ڈھال کی طرح پس پشت چُھپے جاتے تھے

کبھی بجلی کی طرح ابرِ سپر کے اندر صفت موت کبھی شکر شر کے اندر
تھے کبھی سینہ کے اندر کبھی سر کے اندر خون کی طرح کبھی قلب و جگر کے اندر

کھول دیں دل کی گرہ، بند کمر سے پہلے
گوشِ اندیشہ میں، جا پہنچیں خبر سے پہلے

۱۰۶

کبر و نخوت کی ہوا تھی نہ سرِ خود سر میں چرخ کی طرح تھی ہر ایک سپر چکر میں
تیغیں بے آب تھیں دم تھا نہ کسی خنجر میں تیر اُڑتے تھے حواسوں کی طرح لشکر میں

تیزیاں اپنی جو وہ نیچے دکھلاتے تھے
دھجیاں دامنِ دل سب کے ہوئے جاتے

۱۰۷

اُن سمندوں کی ثنا کیا کرے خامہ تحریر یہ براقِ نبوی ہے تو وہ رف رف کا نظیر
گردنیں کاہ کشاں سُم ہے ہر اک بدرِ مُنیر یوں اشاروں میں پھریں پھرتی ہے جیسے تقدیر

آنِ واحد میں فلک سے سوئے لشکر آئے
نہ رُکے نامِ فرس بھی جو زباں پر آئے

۱۰۸

دونوں رہوار سبک رو بھی ہیں طرّار بھی ہیں خوش عناں بھی ہیں صبادم بھی ہیں جاندار بھی ہیں
صاحب فہم بھی خوشرو بھی ہیں جرار بھی ہیں جیسے اسوار ہیں ویسے ہی یہ رہوار بھی ہیں

جب اُڑے فرش سے یوں عرشِ علا تک پہنچے
جیسے تکبیر کی آواز خدا تک پہنچے

۱۰۹

بام گردوں پہ پہنچ جائیں نظر سے پہلے طے کریں دور منازل کو قمر سے پہلے
عرش پر جا کے پھریں فکر بشر سے پہلے جائیں یہ قبل دعا آئیں اثر سے پہلے

ان کی تعریف میں جو کچھ کہیں وہ تھوڑا ہے
جنبشِ ابروئے اسوار انہیں کوڑا ہے

۱۱۰

دونوں جب کرتے تھے حملے صفتِ شیرِ خدا فوجِ کفار میں ہوتا تھا تلاطم برپا
ایک پر ایک جفا کار گرا پڑتا تھا چرخ ہلتا تھا لرز جاتے تھے کوہ و صحرا

رن میں غارت ستم و کفر کے کب گاؤں نہ تھے
بھاگتی سر پہ زمیں رکھ کے، مگر پاؤں نہ تھے

۱۱۱

جب لعیں ایک بھی میدانِ وغا میں نہ رہا ہنس کے چھوٹے نے یہ دی عونِ دلاور کو صدا
اب نہیں کوئی ستمگار مقابل آتا کیسے بزدل یہ وغا باز ہیں دیکھا بھیا
ایک ہی حملے میں سب بانیٔ شر بھاگ گئے
۱۱۲ چلئے اماں سے کہیں شمر و عمر بھاگ گئے

ناگہاں ٹوٹ پڑا بچوں پہ سب لشکرِ شر گھر گئے لاکھوں ستم گاروں مین زینب کے پسر
سر سے پا تک ہوئے زخمی جو وہ دونوں صفدر گر پڑے گھوڑوں سے بالائے زمیں غش کھا کر
غل ہوا فوج میں پیاسوں کے سروں کو کاٹو
۱۱۳ جلد حیدرؑ کے نواسوں کے سروں کو کاٹو

یہ خبر سُن کے تڑپنے لگے سب خوردو کلاں خاک اُڑاتے ہوئے مقتل کو گئے شاہِ زماں
ہو کے مضطر یہ کہا بنتِ علیؑ نے اُس آں لوگو یہ تو کہو مجھ سے علیؑ اکبرؑ ہے کہاں
کہہ دو لِلّٰہِ نہ تم فوج میں جانا واری
۱۱۴ جوشِ خوں سے کہیں غصہ میں نہ آنا واری

سن کے فضہ نے کیا عرض یہ بادیدۂ تر ساتھ شبیر کے مقتل میں ہے وہ رشکِ قمر
ہے یہ انصاف کی جاغور کریں آپ اگر جاتے اس وقت مصیبت میں نہ کیونکر اکبر
غم میں اس طرح کے کیوں دل نہ پریشاں ہوتا
۱۱۵ لاش پر بھائیوں کے بھائی نہ گریاں ہوتا

سُن کے ارشاد کیا یہ ہے خوزادہ وہ غلام میں ہوں خوش اُن سے کہ دونوں کا ہوا نیک انجام
کس لیے رووں میں کیا اور کسی سے مجھے کام بھائی دنیا میں رہیں اور یہ مرا ماہِ تمام
شہِ کو دکھلائے خدا لختِ جگر کا سہرا
دیکھوں آنکھوں سے میں اس نورِ نظر کا سہرا

۱۱۶

یاں تو فرماتی تھیں یہ زینب ناشاد و حزیں پہنچے واں روتے ہوئے شاہ بھی لاشوں کے قریں
دیکھا مہمان کوئی دم کے ہیں وہ ماہ جبیں بولے سر پیٹ کے دونوں سے یہ شاہنشہِ دیں

قد نکالے تھے یہ دنیا سے گزرنے کے لیے
کیا مدینہ سے یہاں آئے تھے مرنے کے لیے

۱۱۷

پہنچی جب کان میں دونوں کے یہ حضرت کی صدا کھول کر آنکھوں کو منہ شاہ کے قدموں پہ ملا
چاہتے تھے کہ کہیں کچھ وہ مگر دم جو رُکا دونوں صفدر ہوئے راہی طرفِ ملک بقا

موت یثرب سے کہاں کھینچ کے لائی ہے ہے
لُٹ گئی دشت میں زینب کی کمائی ہے ہے

۱۱۸

آئی اک سمت سے ناگہ یہ صدائے زہراؑ ہائے زینبؑ کا کوئی پوچھنے والا نہ رہا
لو بس اب شیعو، یہ ہے شیون و فریاد کی جا جلد ان بچوں کا دو بنتِ علیؑ کو پُرسا

ان کا غم آپ رسولؐ دوسرا کرتے ہیں
خلد میں حیدرؑ صفدر بھی بُکا کرتے ہیں

۱۱۹

میتیں لائے جو خیمہ میں شہنشاہِ ہُدا سب یہ پیٹے کہ کسی کے نہ رہے ہوش بجا
روکیے ہمشیر سے یہ سیّد والا نے کہا سفرِ دارِ بقا، عون و محمد نے کیا

چھوڑ کر ہم کو سوئے خلد سدھاریے دونوں
ہائے پیاسے گئے کوثر کے کنارے دونوں

۱۲۰

جب سنا زینبِ مضطر نے بیاں بھائی کا قلب بیتاب ہوا ضبط کا یارانہ رہا
آ کے فرزندوں کے لاشوں پہ یہ دی رو کے صدا کس پہ اِس دشت میں تم نے مجھے چھوڑا تنہا

اب تو اس دشت سے مر کر بھی نہ جاؤں گی میں
قبریں تم دونوں کی جنگل میں بناؤں گی میں

۱۲۱

کبھی روئیں تو کبھی سر پہ دو ہتڑ مارے کبھی رخساروں سے دونوں کے مَلے رخسارے
کبھی کہتی تھیں نہ کیوں جان یہ مادر وارے گرچہ لاکھوں سے وغا کی نہ مگر جی ہارے
قتل چن چن کے کیے شاہ کے دشمن تم نے
۱۲۲ نام دادا کا کیا دشت میں روشن تم نے

تم نے جو منہ سے کہا تھا وہی اے جان کیا سچ ہے دنیا میں یہی کرتے ہیں اربابِ وفا
طے عجب حُسن سے کی، منزلِ تسلیم و رضا حشر تک نام رہا، خوش ہوا رَبِّ دوسرا
عاشقِ سبطِ رسولِ دوسرا کہلائے
۱۲۳ تابد ناصرِ شاہ شہداء کہلائے

اے مرے گیسوؤں والے مرے ذیشاں بچو صدقے بھائی پہ ہوئے، تم پہ میں قرباں بچو
کیا یہ قسمت نے دکھایا مجھے ساماں بچو میرے دل کا نہ بر آیا کوئی ارماں بچو
سہرے دکھلائے نہ اے راج دلارو ہے ہے
۱۲۴ ہونے پائے نہ جواں اے مرے پیارو ہے ہے

اے مرے غازیو اے راج دلارو اٹھو اے مرے صفدرو، اے عرش کے تارو اٹھو
اپنی اُلجھی ہوئی زلفوں کو سنوارو اٹھو خون میں تر ہے یہ پوشاک اتارو اٹھو
جی میں آتا ہے کہ ارمان نکالوں پیارو
۱۲۵ دم آخر تمہیں نوشاہ بنالوں پیارو

ہائے تم پیاسے ہی دنیا سے سدھارے بچو اب کہاں پاؤں میں تم کو مرے پیارے بچو
پہنچوں کس طرح سے میں پاس تمہارے بچو میں جیوں خلق میں اب کس کے سہارے بچو
آئے تھے گھر سے یہاں قبر میں سونے کے لیے
رہ گئی ہائے یہ بیکس تمہیں رونے کے لیے

۱۲۶

آؤ لوگو مرے دلداروں کی صورت دیکھو قبضے اب تک نہ چھٹے ہاتھوں سے قوت دیکھو
رن سے زندہ نہ پھرے دونوں کی غیرت دیکھو کی دغا لاکھوں سے اِس سن میں یہ ہمت دیکھو

صاف ہوتا ہے گماں کروٹیں اب لیتے ہیں
صورتوں سے ہے یہ ظاہر کہ ہنسے دیتے ہیں ۱۲۷

پھر کئے عون کے رخسار سے منہ مل کے یہ بین ہائے اے لختِ جگر ہائے مرے نور العین
کس طرح آئے گا اس غم میں مرے قلب کو چین لو اُٹھو خواب سے میدان کو جاتے ہیں حسینؑ

نُصرت دینِ خدا میں تمہیں کد لازم ہے
اپنے ماموں کی مری جان مدد لازم ہے ۱۲۸

لاش پر چھوٹے کی پھر بنتِ علیؑ نے یہ کہا اپنی دائی کا ذرا حال تو دیکھو بیٹا
یہ تو بتلاؤ کہ کس بات پہ ہو مجھ سے خفا کھول دو آنکھ تو جان آئے مرے تن میں ذرا

دل سنبھلتا نہیں ہر طرح سے بہلاتی ہوں
دیکھ کر خواب عدم میں تمہیں گھبراتی ہوں ۱۲۹

ہے مرے پیشِ نظر صُبح سے آج اے دلدار تیغ کو دوش پہ رکھ کر وہ ٹہلنا ہر بار
بھولی بھولی وہ تری شکل، وہ پیاری رفتار اے مرے گیسوؤں والے، تری ہمت کے نثار

دل بھرا آتا ہے جاں جسم میں گھبراتی ہے
ہر ادا تیری کلیجہ مرا تڑپاتی ہے ۱۳۰

پالنے والی کو کس رنج میں ڈالا بچو کوئی ارمان نہ مادر کا نکالا بچو
کون زینب کا ہے اب پوچھنے والا بچو تھا تمہیں سے تو مرے گھر میں اُجالا بچو

شکل کیا کنبے کے لوگوں کو میں دکھلاؤں گی
اب مدینے کو نہ اس دشت سے میں جاؤں گی

۱۳۱

ہائے اے عون و محمدؑ تمہیں پاؤں کیونکر دل پہ جو زخم ہیں کاری، وہ دکھاؤں کیونکر
تم کو اب ملکِ عدم سے میں بلاؤں کیونکر حال اس رنج و مصیبت کا سناؤں کیونکر

لطف اب زیست کا دنیا میں نہیں ہے پیارو
آسماں دور ہے اور سخت زمیں ہے پیارو

۱۳۲

بزمؔ بس اور نہ کر حالِ مصیبت تحریر سن سکیں گے نہ عزادارِ شہِ عرش سریر
تو نے پائی ہے جو یہ اہل سخن میں توقیر بخدا ہے یہ فقط لُطفِ جناب شبیرؑ

خضر بھی نظم کی وادی کا ہے سیاح بھی ہے
فضلِ اللہ سے ذاکر بھی ہے مداح بھی ہے

مرثیہ:۲

درحال حضرت حُر علیہ السلام

مطلع

دُرِ یگانۂ بحرِ وَفا ہر اوَل تھا

وقت تصنیف: ۶ دن

تعدادِ بند:۹۰

غازی آباد-- ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۴ء

۱

دُرِ یگانۂ بحرِ وفا ہراول تھا مُعین و عاشقِ شاہِ ہُدا ہراول تھا
خذف کے ریزوں میں الماس یا ہراول تھا زہے عروج وہ کس فوج کا ہراول تھا
لکھی تھی فوج جو فردوس کی مقدر میں
ہوا تھا بندے کا چہرہ خدا کے دفتر میں

۲

جہاں میں ہوتے ہیں کم ایسے لوگ نیک خیال کریں جو دولتِ دنیا کے آگے فکرِ مآل
جنابِ حُرؑ کی ثنا میں مگر زبان ہے لال خدا کی شان کہ اُن پتھروں میں نکلا لعل
وہ آبرو اُسے دی مرتضیٰؑ کے گوہر نے
کہ اُس کی چاہ کی خُلدِ بریں میں کوثر نے

۳

جو کی دلیر نے دل سے حسینؑ کی نُصرت خدا نے اُس کو عطا کی وہ عزت و رفعت
بشر تو کیا کہ ملائک نے کی ثنا و صفت بغیر دیکھے ہی عاشق تھے شاہدِ جنّت
ادب کی شان سے مہماں کا نام لیتے تھے
خطِ غلامی ہی غلمان لکھے دیتے تھے

۴

خدا کا فضل تھا نیکی کی سمت دھیان گیا حسینؑ امام ہیں حق کی طرف یہ جان گیا
خدا کے ملنے کا رستہ یہی ہے مان گیا وہیں گیا کہ جدھر حیدری نشان گیا
بسر بہشت میں کرتا ہے عیش و راحت میں
مگر وہاں بھی جری ہے علیؑ کی خدمت میں

۵

جنابِ حُرؑ اِدھر آئے اُدھر گنہ ہوئے پاک جری سے یاورِ شاہِؑ ہُدا ملے بہ تپاک
جو پائے سرورِؑ دیں کی ملی جبیں پر خاک سرے سے دفترِ عصیاں ہی ہوگیا سب چاک
کوئی گناہ ہے اب فرد میں کہاں باقی
جہاں میں رہ گئیں غازی کی نیکیاں باقی

۶

سُنا جو عُذرِ جری خوش ہوئے امامؑ انام کہا کہ عفو کے دفتر میں لکھ گیا ترا نام
یہ دیکھو بخشش و الطافِ خالقِ علّام زباں ہلاتے ہی سب بن گیا دلیر کا کام
یہ ایک بات کی حُرؑ نے ہزار باتوں میں
کہ خُلد لے لیا حضرت سے چار باتوں میں

۷

بڑا عقیل تھا شر سے ہوا بخیر جدا نہ مرتبہ کی، نہ زر کی ہوئی اُسے پروا
اگرچہ سعد کے بیٹے نے سب ہی کچھ تو کہا نہ دھمکیوں میں، نہ لالچ ہی میں جری آیا
دیا جواب مِرا نام کاٹ دے ظالم
یہ نوکری کا ہے پروانہ چاٹ لے ظالم

۸

رسالداری کی مجھ کو نہیں ہے کچھ پروا جسے ہو آرزو اِس کی اُسے یہ دے عہدہ
شراب خوار کی میں نوکری نہیں کرتا امامِ وقت سے پروانہ خُلد کا لوں گا
لعین کام کر اپنا پڑا ہے کس غم میں
بہشت ملتے ہوئے کیوں جلوں جہنم میں

۹

سحر سے کانوں میں میرے یہ آرہی ہے صدا کہ تو بہشت کا اے حُرؑ بہشت ہے تیرا
شبِ گزشتہ کو حوروں میں تھا ترا چرچا ہر ایک قصر سجایا گیا ہے جنت کا
گلوں کی بو سے معطر زمیں کا دامن ہے
کِھلے ہوئے ہیں یہ تختے نہال گلشن ہے

۱۰

روش روش ہے یہ غُل میہمان آتا ہے ہے جس پہ خالقِ کُل مہربان آتا ہے
ہے جس دلیر کا حیدرؑ کو دھیان آتا ہے سر اپنا کر کے فدا دے کے جان آتا ہے
خوشا نصیب یہی ہے شہیدِ اوّل بھی
یہی حسینؑ کے لشکر کا ہے ہراول بھی

۱۱

رہِ ثواب سے کیوں پھیرتا ہے او شیطاں علاوہ اِس کے وہ باغ اور وہ شاہدانِ جناں
کہ جن کی صورتوں پر مہر و ماہ ہیں قرباں بتاؤ اِن کی کروں سیر یا مروں میں یہاں
وہ چہرے چاند سے وہ زلفِ عنبریں دیکھوں
کہ تیری صورتِ منحوس اے لعیں دیکھوں

۱۲

بتا حسینؑ سے بہتر ہے کون عالم میں شریک کیوں نہ ہوں پھر اُن کے رنج اور غم میں
ہوا بہشت کی کھاتا ہوں اب کوئی دم میں تجھے ہے مال کی پروا تو جا جہنم میں
عجب نہیں کہ جو اب کچھ فتور ہو ناری
جو ہے حسینؑ کا دشمن تو دور ہو ناری

۱۳

یہ باتیں سُن کے دبا ابنِ سعدِ ناہنجار جری سے پھر بہ لجاجت یہ اُس نے کی گفتار
یقین کر لیا کس طرح اس کا اے جرّار کہ تجھ کو خُلد کریں گے عطا شہؑ ابرار
کہا یہ حُرؑ نے سخی ہیں یہ اُن کی عادت ہے
خُدائی بانٹ دیں جنّت کی کیا حقیقت ہے

۱۴

کوئی جہان میں ایسا سخی نہیں بخدا خیال رکھتے ہیں مایوس پھر نہ جائے گدا
نہ پوچھ حال ستمگار اُن کے دینے کا دُعائیں دیتے ہیں گو پاس کچھ نہیں ہوتا
گُہر بھی رخت بھی اور مال و زر بھی دیتے ہیں
جو کوئی سر کا ہو طالب تو سر بھی دیتے ہیں

۱۵

سُجھائی دے تجھے کیا تیری عقل ہے زائل نہیں حسینؑ سا کوئی کریم اور باذل
ہمیشہ دینے ہی پر طبع رہتی ہے مائل یہی تلاش ہے ہر دم، ملے کوئی سائل
فقط ذرا سے بہانے کی بس ضرورت ہے
تلی ہی رہتی ہے دینے پہ وہ سخاوت ہے

۱۶

کہا یہ ہیز نے مانا کہ دے بھی دیں شہِ دیں مگر بہشت کے ہونے ہی کا کسے ہے یقیں
کہا یہ حُر نے مسلماں بھی اے لعیں تُو نہیں جگہ ہے دوزخِ اسفل میں تیری او خود بیں
یہاں تو کرتا ہے بڑھ بڑھ کے گفتگو ناری
میں جب بہشت میں ہوں گا جلے گا تُو ناری

۱۷

کہا شقی نے کہ بچوں کا بھی خیال نہیں کہا یہ حُرّ نے کہ اُن کا بھی کچھ ملال نہیں
بشر وہ کیا ہے کہ سوچھے جسے مآل نہیں گناہگار ہے کیا میرا بال بال نہیں
کبھی فریب میں دنیا کے اب نہ آؤں گا
امامِ دیں سے خطا اپنی بخشواؤں گا

۱۸

کہا شقی نے ملے گی وہاں نہ یہ راحت کہا یہ حُر نے اذیت کی جا نہیں جنّت
کہا شقی نے کہ فاقوں کی ہے وہاں نوبت کہا یہ حُرّ نے کہ ہے فقر فخر اور عزت
کہا شقی نے کہ جاں مفت کھوئے دیتا ہے
کہا یہ حُر نے تو ناحق ہی روئے دیتا ہے

۱۹

ہنسی سی آتی ہے کچھ تیری عقل پر اے وائے کوئی تو جان دے خوش ہو کے اور کوئی کہے ہائے
کسی کے زخم لگے کوئی درد سے چلّائے یہ وہ مثل ہے نشہ ہو کسی کو کوئی چڑھائے
نہ سامنے مرے یوں بڑ بڑا بہت ناری
ملی جو مفت کی مے پی گیا بہت ناری

۲۰

بہک رہا ہے کھڑا ہو لعیں ہٹ کے پرے تو کون ہے جو کسی کے پھٹے میں پاؤں دھرے
گھر اپنا شوق سے لٹوائے، زخم کھائے، مرے ہر ایک شخص آزاد ہے جو چاہے کرے
مرے گلے کا بہت دیر سے جو ہار ہے تو
تو کیا تمام خدائی کا فوج دار ہے تو

۲۱

پڑی ہے کیا تجھے میری تُو اپنی فکر تو کر کہ کیا کہے گا خدا سے قریب ہے محشر
یہ ظلم و جور و ستم اور فاطمہؑ کا پسر اُجاڑنے کو ہے ایمان اور شرع کا گھر
خدا کے آگے اِسی شکل سے تُو جائے گا
وہاں بھی کیا یہی منحوس منہ دکھائے گا

۲۲

یہ زیست جس پہ ہے نازاں ہے، چار دن کی ہوا پھر اُس کے بعد ہے بس پنجۂ قضا میں گلا
تو جس کے واسطے یہ کر رہا ہے ظلم و جفا وہ ملکِ رَے تجھے بخشانے واں نہ جائے گا
خیال انہیں کو بس اُمّت کے امن وچین کا ہے
وہاں ہے کام محمدؐ کا یا حسینؑ کا ہے

۲۳

جہاں ہزاروں ندامت سے سر جھکائیں گے بہادرانِ جہاں کو جہاں غش آئیں گے
جہاں نبیؐ بھی پیمبرؑ بھی تھر تھرائیں گے وہاں یہ نانا نواسے ہی کام آئیں گے
یقینی امر نہیں اِک خیال ہے بخشش
بغیر اِن کی مدد کے محال ہے بخشش

۲۴

یزید کا یہ حشم چار دن کا ہے ناداں ہمیشگی ہے جہاں اُن کی سلطنت ہے وہاں
وہ ہے پلید گدا اور یہ ہیں شاہِ شہاں کہاں وہ اِک خَر بے دم، کہاں یہ فیلِ دماں
لعین کرتا ہے اِس سے مقابلہ اُن کا
خدائی اُن کی نبیؐ اُن کے ہیں خُدا اُن کا

۲۵

ذلیل خاک کو مُشکِ ختن سے نسبت کیا کہاں بہشت کا گلزار اور کہاں صحرا
شگفتہ پھول کجا اور خارِ دشت کجا یزید اِک سگِ دنیا یہ ابنِ شیرِ خدا
نجس وہ قطرۂ مے دُرِّ بے بہا ہیں یہ
پسر وہ ہند کا فرزندِ فاطمہؑ ہیں یہ

۲۶

یہ گفتگو جو سُنی واں سے ہٹ گیا اکفر کہا یہ خاص رسالے سے گھیر لو بڑھ کر
کہا سنبھل کے یہ غازی نے تُو نکل باہر دکھا کمال بنا ہے جو فوج کا افسر
بناؤں ایک کے دو تھا یہ مدعا ظالم
ہوئی یہ خیر کہ خیمے میں چھپ گیا ظالم

۲۷

یہ بات کہہ کے اُڑایا فرس چلا جرار بڑھائے عبد و برادر نے ساتھ ہی رہوار
چلا برادرِ حُرِّ جری بھی ہو کے سوار پکارا فوج کا افسر نکل نہ جائے شکار
کرو وہ جنگ کہ آجائے چرخ چکّر میں
پہنچنے پائے نہ یہ شاہِ دیں کے لشکر میں

۲۸

پکارا حُرِّ دلاور کہ خام ہے یہ خیال ہوا کو لے کوئی مُٹھی میں ہے یہ امر محال
پکڑ سکے کوئی بجلی کو ہے کسی کی مجال یہ کہہ کے گھوڑوں کی کچھ اور تیز کردی چال
اگرچہ فوج نے تیزی بہت سی دکھلائی
مگر نہ گرد بھی اُن تازیوں کی ہاتھ آئی

۲۹

پھرے سب اپنا سامنہ لے کے پیادے اور سوار اُدھر نکل گئے حد سے بغیر وہ جرار
صدا یہ شاہ کو حُرِّ جری نے دی اِک بار معاف میری خطا کر رسولؐ کے دلدار
بس اِک نگاہِ کرم کا امیدوار ہوں میں
علیؑ کے لال پشیمان و شرمسار ہوں میں

۳۰

سُنی جو شاہؑ نے اُس تازہ میہماں کی صدا تڑپ کے حضرتِ عباسؑ سے یہ فرمایا
حُرِّ جری مرے پاس آرہا ہے اے بھیّا مگر ہے اُس کے تعاقب میں فوجِ اہلِ دغا
اُسے نکال کے جلد اُس ہجوم سے لاؤ
علم کے سائے میں غازی کو دھوم سے لاؤ

۳۱

تمھارے ساتھ میں قاسمؑ بھی جائیں اکبرؑ بھی بہن کے بیٹے بھی مسلم کے دونوں دلبر بھی
مری خوشی ہے کہ ہوں اور کچھ دلاور بھی چلو کہ آتا ہے لینے کو خود یہ مضطر بھی
وقار چاہئے اُس نامدار و ذیشاں کا
رسولؐ کہتے تھے رتبہ بڑا ہے مہماں کا

۳۲

قدم بڑھانے بھی پائے نہ تھے علمبردار کہ مختصر سی اُٹھی گرد سامنے اِک بار
کہا یہ شاہؑ نے ہنس کر وہ آگیا جرار قریب آیا تو آنکھیں نہ کیں کسی نے چار
حجاب و شرم سے اُس کا عجیب عالم تھا
کہ دونوں ہاتھ بندھے تھے سرِ جری خم تھا

۳۳

ملول عبد و برادر بھی تھے پسر بھی تھا شہؑ انام سے دیکھا گیا نہ یہ نقشا
جری کے کھولدئے ہاتھ اور یہ فرمایا یہ شرم کس لئے ہے کیسا جُرم کیسی خطا
ذرا سا مَیل جو تھا بھی، تو طبع صاف ہوئی
فروگذاشت ہوئی تھی، سو وہ معاف ہوئی

۳۴

تجھے حسابِ قیامت کا ہے تردد کیا کہ پنجتن کا بس اب تیرے سر پہ ہے سایہ
عجیب وقتِ مصیبت میں آکے ساتھ دیا عبث ملول ہے، تجھ سے تو اے جری بخُدا
حسنؑ بھی، میں بھی، علیؑ بھی، بتولؑ بھی راضی
یہاں تلک کہ خدا بھی رسولؐ بھی راضی

۳۵

یہ مژدہ سُن کے پھرا پہلے گردِ شہؑ کئی بار ملا ہر ایک دلاور سے پھر وہ نیک شعار
جری سے آیا محبت سے پیش ہر جرار ہر اِک طرف سے تھی تحسین و آفریں کی پکار
حسنؑ کا مہر تو زینبؑ کے ماہ خوش خوش تھے
زیادہ سب سے علمدارِ شاہؑ خوش خوش تھے

۳۶

جب اُس سے حضرتِ عباسؑ نے کیا یہ سوال سنا ہمیں بھی وہاں سے نکلنے کا احوال
کہا یہ حُرِ جری نے کہ اے علیؑ کے لال خدا کے فضل سے بیکا ہوا نہ ایک کا بال
اگرچہ اتنے تھے شامی کے بھر گیا تھا دشت
رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

۳۷

رضائے حرب جو حُرؑ نے حسینؑ سے پائی بقصدِ جنگ بڑھا پہلے شیر کا بھائی
مگر کمالِ شجاعت جری نے دکھلائی تمام کردئے سب مال و زر کے شیدائی
نہ کوہ پر نہ کسی مرغزار میں پہنچے
ہزاروں عاشقِ دینار نار میں پہنچے

۳۸

ہلاک اُس کو کیا جو بھی سامنے آیا بہادروں کی لڑائی کا رنگ دکھلایا
جری کے دستِ زبردست نے غضب ڈھایا اشارے تیغ سے کرتے تھے زخم بھر پایا
پھری نہ اُس کی کبھی تیغ بر قدم خالی
صفیں دلیر نے کر دی تھیں یک قلم خالی

۳۹

مگر کہاں یہ جری ایک اور کہاں لشکر سپاہی جس میں کا ایک ایک سخت و سنگِ جگر
کیا نہ رحم ذرا بھی برادرِ حُرؑ پر بلا سے ٹوٹ پڑے لیکے نیزہ و خنجر
رہی نہ جنگ کی جب تاب شہؑ کے شیدا میں
شہید ہو گیا گھر کر غریب اعدا میں

۴۰

گیا دلیر کا فرزند پھر برائے وغا جری نے کھینچ جو لی اپنی تیغ برق نما
بچھا بچھا دیں صفیں مورچہ ہر اِک توڑا وہ جنگ کی کہ دُہائی کا شور مچنے لگا
فریب سے اُسے اہلِ وغا نے مار لیا
نیام کرتے ہی تلوار سر اُتار لیا

۴۱

لعین کر چکے اُس کا بھی جب کہ کام تمام برائے جنگ بڑھا اپنا گرز لے کے غلام
کہا پکار کے اے صفدرانِ لشکرِ شام سمجھ لو خوب کہ ہر شب کا صبح ہے انجام
بُرے جب آتے ہیں دن پھر بُری ہی سوجھتی ہے
یہ زندگی نہیں پچھلے پہر کی چاندنی ہے

۴۲

سمجھ رہے ہو رہیں گے ہمیشہ ہی زندہ ہمیشہ عیش رہے گا یہی یہی رُتبہ
یہ سب تمھارے خیالاتِ خام ہیں بخدا سوا خدا کے ہر اِک ذی حیات کو ہے فنا
ہر اِک کا ساتھ بُرے اور بھلے میں دے گا وہی
ہمیشہ تھا وہی، اب ہے وہی، رہے گا وہی

۴۳

اُسی خدا کے نبیؐ کے نواسے ہیں حضرتؑ یزید کون ہے اُس کی تو کچھ بتاؤ صفت
یہاں تو آیا ہے قرآن یہ ہوئی عزّت سُناؤ اُتری ہوئی واں کی بھی کوئی آیت
ہوا ہے ذرّہ بنانے سے آفتاب نہیں
کوئی بیاض ہی دکھلاؤ گر کتاب نہیں

۴۴

امیرِ شام کہاں یہ کہاں خدا سے ڈرو وہ ابن ہند یہ حیدرؑ کی جاں خدا سے ڈرو
وہ گنگ اور یہ مُعجز بیاں خدا سے ڈرو کُجا زمین کُجا آسماں خدا سے ڈرو
عزیز و قبلۂ ایماں سے منہ پھرائے ہو
یہ جس کا مرتبہ ہے اُس سے لڑنے آئے ہو

۴۵

یہ ابنِ دستِ خدا ہے نہ اِس پہ ہاتھ اُٹھاؤ ارے نہ دوزخِ اسفل میں اپنے پاؤں سے جاؤ
نبیؐ کا پیارا نواسہ ہے یہ اِسے نہ ستاؤ تم اُن کا پڑھتے ہو کلمہ رسولؐ سے شرماؤ
یہ چند روز کا جاہ و جلال کیا شے ہے
نظر مآل پہ رکھو یہ مال کیا شے ہے

۴۶

لعیں جلے جو سُنی یہ غلام کی گفتار پکارا شمر کہ بچنے نہ پائے یہ زنہار
بڑھے جو اُس کی طرف جمع ہو کے بدکردار زمین ہل گئی ایسے لگائے گُرز کے وار
جری نے ضرب کی جس جس کے سر پہ بھی تن کے
لہو کا ایک چھٹہ وہ رہ گیا بن کے

۴۷

بڑھی رہی یہی مہمان کے غلام کی تیغ زبانیں کاٹ لیں نکلی بڑے ہی کام کی تیغ
نشاں مٹانے میں تھی ایک اپنے نام کی تیغ لہو میں بھر گئی میداں، سیاہ فام کی تیغ
زمانے کو بھی تو رفتار اپنی بھولی تھی
شفق زمیں پہ عوض آسماں کے پھولی تھی

۴۸

غرض کہ حشر مچایا تھا تیغِ صفدر نے کیا ہر ایک پہ ثابت یہ اُن کی بھگدڑ نے
شکست کھائی بُری طرح لشکرِ شر نے کہاں ہے حُرّ جو یہ پوچھا کسی دلاور نے
کہا یہ اُس نے دعا گو مدام ہوں اُس کا
مجھی سے پہلے نبٹ لے غلام ہوں اُس کا

۴۹

اگر تھا جنگ کا حُرّ سے خیال دیر نہ کر سکھائے ہیں مجھے بیٹے کی طرح اُس نے ہنر
اگر یہ پوچھنا تھا پوچھنا ہی مدِ نظر تو خیر جا کہ بڑھانا نہیں ہے مجھ کو بھی شر
اِسی طرح کبھی منہ کو بھی موڑ لیتا ہوں
ہزاروں صدقے میں قنبر کے چھوڑ دیتا ہوں

۵۰

یہ کہہ کہ پھر ہوا مصروفِ کارزار جری مگر ہے ایک کی لاکھوں میں کیا سپاہ گری
سناں کسی کی جو دل پر لگی تو آہ بھری جو سر پہ گرز پڑا ہرنے پر جبین دَھری
لکھا ہے غش جو دلاور کو زین پر آیا
سنبھل سکا نہ فرس پر زمین پر آیا

۵۱

غلامِ حرؑ کا بھی جب خاتمہ بخیر ہوا وہاں سے اُس کو اُٹھا لائے شاہؑ کے رفقا
لہو سے حرؑ نے جو دیکھا بھرا ہوا لاشہ غم اُس کا شیر نے فرزند کی طرح سے کیا
کسی ملال میں مضطر وہ با وفا نہ ہوا
کمر کو باندھ کے خود جنگ کو روانہ ہوا

۵۲

سنبھل کے اے قلمِ دو زباں کر اب تقریر کہ بہرِ جنگ چلا ہے ہراولِ شبیرؑ
یہ حال کر گئے سب اور کرتے ہیں تحریر کمال جب ہے کھنچے کارزار کی تصویر
ہر ایک صفحہ ہو میداں کے ڈھنگ کا گویا
ہر ایک بند مرقع ہو جنگ کا گویا

۵۳

عمامۂ عَرَبی کی وہ شان گردِ گلاہ وہ گول بازو، وہ سینہ، وہ رُخ، وہ گردن واہ
ہر ایک عضو سے ظاہر ہے قدرتِ اللہ فرس پہ حضرتِ حرؑ ہیں یا تخت پر نوشاہ
شبیہِ شیرِ فلک غیظ میں بنی ہوئی ہے
عروسِ تیغ جو پہلو میں ہے تنی ہوئی ہے

۵۴

ہوا جو واردِ میدانِ جنگ وہ جانباز یہ ابنِ سعد کو دی اُس دلیر نے آواز
ذرا سی دیر کو غافل کر اپنی چشم کو باز دکھاؤں تا تجھے وہ بات جس پہ ہے مجھے ناز
کہ میں ہراولِ فوجِ خدا بھی کہلایا
مُعینِ سرورؑ ہر دوسرا بھی کہلایا

۵۵

خلیلِ حق نے مجھے اپنا میہماں جانا زمیں سے پست تھا پر مجھ کو آسماں جانا
میں خار تھا پہ گُلِ گلشنِ جناں جانا سوائے خُلد کے اب مجھ کو ہے کہاں جانا
سر اپنا دے کے شہیدوں میں جا ملوں گا میں
جہاں کا گل مجھے سمجھا وہیں کھلوں گا میں

۵۶

تو خارِ دشت ہے رہ اِس ذلیل حالت میں شقی نے کھو دیا ایماں خیالِ دولت میں
ملا ہے ہم کو تو یہ شاہؑ کی محبت میں کہ ایک پاؤں یہاں اور ایک جنّت میں
تجھے یزید کی اُلفت میں کیا ملا ناری
ملے گا اِس کا میں قائل نہیں دکھا ناری

۵۷

مجھے تو شاہؑ نے جنّت دکھا بھی دی بخدا کہے تو باتوں ہی باتوں میں کھینچ دوں نقشا
وہ باغ اور وہ فرحت وہ تازگی وہ ہوا سُہانا وقت وہ حُوریں وہ اُن کے ناز و ادا
نہ چوندھیائے بھلا کیوں نگاہ ناظر کی
کہ تخت سونے کے ہیں مسندیں جواہر کی

۵۸

کوئی ہے لعل کا قصر اور کوئی مکاں دُر کا ہر ایک نقرئی دیوار پر ہے کارِ طِلا
کوئی زمرّدی فیروزی کوئی دُرِ رجا کوئی ہے بو قلموں کوئی نیلگوں صفا
شراب پینے کا ساماں بھی حیرت افزا ہے
کیا ہر ایک صراحی پہ کارِ مینا ہے

۵۹

چنے ہوئے ہیں طبقچوں میں میوہ ہائے جناں کہ جن کا لطف اُٹھاتی ہے دور ہی سے زباں
لطیف ایسے کہ بارِ نگاہ جن پہ گراں کھڑے ہیں منتظرِ حکم اِک طرف غلماں
یہ چند روزہ ہے وہ لازوال دولت ہے
یہاں یزید کی واں اپنی بادشاہت ہے

۶۰

کلام یہ جو سُنے بُھن گیا وہ نابکار جواب کچھ نہ دیا فوج سے یہ کی گُفتار
کہ جا کے گھیر لو چاروں طرف سے بس اِک بار یہ سُن کے حضرت حرؑ نے بھی کھینچ لی تلوار
مگر وہ نکلی ہے کیا جلد میان کے گھر سے
کہ جیسے خیر کا کلمہ زبانِ حیدرؑ سے

۶۱

خراب حال ہے اے ساقیٔ پری رُخسار بس اب تو طاق سے شیشوں کو جلد جلد اُتار
مصافحہ تو ہوا دُخترِ رز سے دو اِک بار معانقے کہ ہیں مشتاقِ عاشقِ دیدار
پلاتا کیوں نہیں ظالم یہ دیر دار ہے کیا
گھٹا بھی آچکی اب اور انتظار ہے کیا

۶۲

لے وہ پھوار بھی پڑنے لگی نہ دیر لگا فلک سے رعد کی آواز آئی کاگ اُڑا
وہ برق چمکی دکھا تو بھی آفتاب اپنا خدا کے واسطے اتنا مگر سمجھ لینا
بہت اُبھارتا جوشِ شباب ہے مجھ کو
مئے نجس سے مگر اجتناب ہے مجھ کو

۶۳

مجھے تو طاہر و اطہر شراب دے ساقی جو بے زوال ہے وہ آفتاب دے ساقی
جو مے کہ خُلد میں ہے انتخاب دے ساقی جو دسترس نہیں تیرا جواب دے ساقی
نجف کے میکدے سے دستگیر دے دیں گے
مجھے تو میرے جنابِ امیرؑ دے دیں گے

۶۴

جنابِ احمدِؐ مختار کے برادر ہیں خدیوِ مملکتِ شرع دیں کے رہبر ہیں
ابوترابؑ ہیں حیدرؑ ہیں شیرِ داور ہیں خدا کے فضل سے ساقیٔ حوضِ کوثر ہیں
نہ محتسب سے نہ قاضی سے منہ چھپائیں گے
یہی وہ ساقی ہیں بے دغدغے پلائیں گے

۶۵

نئی طرح سے چلی تیغ حُرِ صفدر کی نہ اصل خُود کی سمجھی نہ اُس نے بکتر کی
زرہ کو آنکھ دکھاتی رہی وہ جوہر کی پری تھی صرف کمی تھی اگر تو دو پر کی
فقط نہ باڑھ کا کام اُس کا گھاٹ دیتا تھا
کہ پڑ کے سایہ بھی ظالم کا کاٹ دیتا تھا

۶۶

سوار پر نہ یہ رُکتی تھی اور نہ توسن پر نہ خُود پر، نہ زرہ جامے پر، نہ جوشن پر
کوئی یہ کہتا تھا کیسے ہو فتح دشمن پر کوئی یہ پوچھتا تھا سر ہے میری گردن پر
یہ کس طرف سے قیامت ہے اِس طرف آئی
میں ہوں صحیح و سلامت یقین ہے بھائی

۶۷

وہ ابتری ہوئی ناری سنبھل نہیں سکتے اگرچہ جان کا ڈر ہے پہ ٹل نہیں سکتے
یہی نہیں کہ وہاں سے نکل نہیں سکتے شریر چہرے کی رنگت بدل نہیں سکتے
عجب طریقِ وغا اُس کو ہاتھ آیا ہے
کہ سکّہ تیغ نے مہمان کی بٹھایا ہے

۶۸

کسی کے ہاتھ ندارد کسی کا سر غائب کسی شریر کا شانہ مع سپر غائب
کسی کا دل تو کسی شخص کا جگر غائب کہیں یہ حال جو دیکھا تو فوج بھر غائب
لعین کہتے ہیں حیرت کا ماجرا ہوا ہے
کہ جس دہائی کو دیکھو صفر لگا ہوا ہے

۶۹

ہر اِک رسالے میں مثلیں کی مثلیں تھیں ابتر جہاں پچاس تھے واں پانچ آرہے تھے نظر
یہ حال دیکھ کے تھے چار آئینے ششدر اُلٹ پُلٹ ہوا جاتا تھا فوج کا دفتر
جو مرتے جاتے تھے نام اُن کے چھٹتے جاتے تھے
گلوں کے ساتھ میں چہرے بھی کٹتے جاتے تھے

۷۰

بہت سے بھاگ گئے تیغِ تیز کے ڈر سے صلاح لی نہ کسی سے نہ پوچھا افسر سے
بڑے بڑوں کا یہ تھا حال خوفِ صفدر سے غنیمت اُن کو نکلنا ہوا تھا لشکر سے
نہ دفتری تھا نہ دفتر میں کوئی ناظر تھا
جسے بھی خیر سے پوچھا وہ غیر حاضر تھا

۷۱

اُنہیں نے کیا کیا حاضر جو فوج میں تھے جواں عوض میں تیغ و تبر کے اُٹھائے دستِ اماں
جری کی تیغ پہ دل میں ہوا کئے قرباں خوشی سے کر لیا مہماں کی تیغ نے مہماں
لعیں تو جانتے تھے اِس کا دم غنیمت ہے
وہ یہ سمجھتی تھی جنگل میں خوانِ نعمت ہے

۷۲

کبھی تو دھار سے قتال زخم دھارتی تھی کبھی یہ حال تھا دم دے کے سر اُتارتی تھی
زمانہ ہارے مگر یہ کبھی نہ ہارتی تھی غضب کا سامنا تھا ہر ادا سے مارتی تھی
یہی نہیں کہ طریقہ لگاؤ ہی کا نہ تھا
شریر سے کوئی پہلو بچاؤ ہی کا نہ تھا

۷۳

ذرا کوئی جو ابھرتا تھا اُس کو کاٹتی تھی جو کوئی آن ہی مرتا تھا اُس کو کاٹتی تھی
جو کوئی آہ بھی بھرتا تھا اُس کو کاٹتی تھی جو دل میں وہم گزرتا تھا اُس کو کاٹتی تھی
ذرا سی دیر میں لاشوں سے دشت پاٹ دیا
کمال یہ ہے خیالِ فرار کاٹ دیا

۷۴

جنونِ عشق ہوا یا خطا ہوئے اوسان نیا تماشہ یہ دیکھو کہ فوجِ شر کے جوان
حوالے کر کے چلے آئے بے تکلف جان جری کی تیغ سے مدت کی گویا تھی پہچان
کوئی تھا دم پہ فدا کوئی خَم پہ مرتا تھا
جسے بھی دیکھو وہی اُس صَنَم پہ مرتا تھا

۷۵

جُدا وہ کرتی تھی سر، سر پہ وہ بٹھاتے تھے گلا وہ کاٹتی تھی وہ گلے لگاتے تھے
وہ خون پیتی تھی دم دے کے وہ پلاتے تھے وہ ناز کرتی تھی جتنا بھی وہ اُٹھاتے تھے
طریقِ جنگ بھی معشوقیت کے ساتھ رہا
ہر ایک طرح سے میدان اُس کے ہاتھ رہا

۷۶

مچایا حشر وہ مہماں کی تیغ نے آکر امیرِ شام کے لشکر میں پڑ گئی بھگدڑ
اجل کے منہ سے بچاتا نہ تھا پسر کو پدر نہ بھائی لیتا تھا بھائی کی وقتِ مرگ خبر
جو بد حواسی کے انداز کو دکھاتے تھے
وہ ٹھہرو کہتے تھے اور آپ بھاگ جاتے تھے

۷۷

کھڑے ہیں اچھے بھلے سوچ میں کہ سر ہیں کہاں خدنگ رہتا تھا ترکش میں آج پر ہے کہاں
تلاش تیغ کی ہے میان میں سپر ہے کہاں نگاہیں ڈھونڈتی ہیں طائرِ نظر ہے کہاں
شریر سہمے ہوئے پھرتے ہیں وہ جوش نہیں
کہاں ہے تیر کدھر ہے کمان ہوش نہیں

۷۸

وہ بھاگتا ہے کسی کو جو ہوش آتا ہے جو اِن کے ساتھ کا کوئی اگر بلاتا ہے
تو بولتا نہیں زخمِ بدن دکھاتا ہے گلے پہ رکھ کے سوئے تیغ ہاتھ اُٹھاتا ہے
یہ مدعا ہے نہ دیکھے گی کچھ نہ بھالے گی
ذرا سی دیر میں گردن یہ کاٹ ڈالے گی

۷۹

لعین طُرفہ تماشے وغا میں کرتے ہیں عوض میں قبضوں کے سینوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں
بلا کا چہرہ سمجھ کر سپر سے ڈرتے ہیں ذلیل اپنی کمندوں سے اُلجھے مرتے ہیں
کبھی جو گرز کی ضربت کا دھیان لاتے ہیں
پکڑ کے اپنا ہی سر آپ بیٹھ جاتے ہیں

۸۰

پسر نے سعد کے یہ فوج کا جو دیکھا رنگ جفا شعار و ستمگر کی عقل ہوگئی دنگ
کہا پکار کے اچھا نہیں ہے یہ آہنگ ابھی تو ایک فقط اُن کے میہماں سے ہے جنگ
جب آئے گا پسرِ مرتضیٰؑ تو کیا ہوگا
یقیں تو یہ ہے کہ دم بے لڑے فنا ہوگا

۸۱

نکل رہی ہے عبث اِس کی تیغِ تیز سے جاں تمھاری فوج میں جو تھا وہی تو ہے یہ جواں
لگاؤ تیر بڑھو لے کے تیغیں اور سناں امیرِ شام کا دشمن ہے دو نہ اِس کو اماں
سحر سے مدح سرا شاہِؑ مشرقین کا ہے
لہو بہادو مددگار یہ حسینؑ کا ہے

۸۲

سُنا کلام جو اپنے امیرِ لشکر کا اکیلے شیر کو اُن بزدلوں نے گھیر لیا
لگایا تیر کسی نے کسی نے تیغِ جفا کسی نہ گرزِ دو دستی کا وار سر پہ کیا
بہا جو خون زیادہ تو غش سا آنے لگا
فرس کی پشت پر جرار ڈگمگانے لگا

۸۳

پکارا شاہِؑ ہدا کو کہ آیئے مولاؑ یہی تو وقتِ مدد ہے بچایئے مولاؑ
زمیں پہ گرتا ہوں تشریف لایئے مولاؑ بس اب جمالِ مبارک دکھایئے مولاؑ
زمانہ کم تھا تو ارمانِ دل بھی کم نکلے
حضور آکے جو یٰسیں پڑھیں تو دم نکلے

۸۴

صدائے حرؑ جو شہِؑ دیں کے کان میں آئی تڑپ کے روئے، زمیں پر پچھاڑ اِک کھائی
کہا پھر آپؑ نے عباسؑ سے چلو بھائی گرا ہے گھوڑے سے مقتل میں میرا شیدائی
خدا بچالے اُسے تھوڑے سے زمانے تک
کہیں تمام نہ ہوجائے میرے جانے تک

۸۵

یہ کہہ کے اکبرؑ و قاسمؑ سے شہؑ نے فرمایا مدد کو حرِؑ وفادار کی بڑھو بیٹا
چلے یہ چار غضنفر جو سوئے دشتِ وغا وہ بھیڑ چھٹ گئی فوجوں نے دے دیا رستہ
مگر پہنچ کے وہاں اور پڑ گئے غم میں
کہ میہمان کو دیکھا عجیب عالم میں

۸۶

وہ ریگِ گرم پہ بے ہوش اپنے خوں میں ہے تر ہزارہا ہیں بدن پر نشانِ تیر و تبر
یہ حال دیکھ کے قابو رہا نہ پھر دل پر زمیں پہ بیٹھ کے زانو پہ اُس کا رکھ لیا سر
کہا رسولؐ کو خوشنود کردیا تو نے
جہاں میں نامِ وفا آج رکھ لیا تو نے

۸۷

اب آنکھیں کھول کے دیکھا اس طرف کو اے مہماں وہ کون ہے جو ترے غم میں کر رہا ہے فغاں
جری نے آنکھیں جو وا کیں بہت ہوا شاداں کہا غلام کہاں اور یہ مقام کہاں
رکھا ہوا سرِ حرؑ جس پہ شاہِؑ خوش خو ہے
تھی جس کی قدر محمدؐ کو یہ وہ زانو ہے

۸۸

بس اب غلام کی آقا نکل گئی حسرت بہت زیارتِ حضرتؑ سے دل کو ہے فرحت
یہ کہہ رہا تھا کہ کرنے لگی زباں لکنت جری کی روح روانہ ہوئی سوئے جنّت
نہ چھوڑا لاش کو بھی اُس کی شہؑ نے جنگل میں
اُٹھا کے اکبرؑ و عباسؑ لائے مقتل میں

۸۹

کہی جو خیمے میں فضہؑ نے یہ اَلم کی خبر بہت دلیر کو روئی بتولؑ کی دختر
تمام اور بھی سیدانیوں نے پیٹے سر یہ حال دیکھ کے بچّے بھی ہوگئے مضطر
سنا بھی ہوگا نہ اِس عزّ و شان کا پُرسہ
حرم نے شہؑ کو دیا میہمان کا پُرسہ

۹۰

قلم کو روک کے اے بزمؔ کر یہ حق سے دعا کہ دل ہے دردِ جدائی سے بے قرار اپنا
کسی طرح سے بھی اب صبر ہو نہیں سکتا دکھادے اہلِ جہاں کو تماشا قدرت کا
پئے جنابِ حسنؑ عنقریب ایسا ہو
کہ بزمؔ روضۂ شبیرؑ میں ٹہلتا ہو

مرثیہ: ۳

درحال حضرت عون و محمد علیہما السلام

مطلع

اگرچہ باغِ سُخن میں ہیں پھُول رنگا رنگ

تعداد بند: ۱۷۵

غازی آباد ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء

۱

اگرچہ باغِ سخن میں ہیں پھول رنگا رنگ مگر ہر اک کی طبیعت کا ہے نرالا رنگ
پسند کرتے ہیں کچھ بذلہ سنجی کا رنگ یہ رنگ ہے کہ دلوں پر گراں ہے گہرا رنگ
مگر کسی سے کہاں اپنا ڈھنگ اڑتا ہے
ہر ایک مصرعۂ رنگیں پہ رنگ اڑتا ہے

۲

مگر کسی سے بھی ہم کو خیال جنگ نہیں کوئی گر آپ سے الجھے، تو ہاں درنگ نہیں
فساد اپنی طرف سے ہو یہ ترنگ نہیں ہزار رنگ دکھائیں یہ اپنا رنگ نہیں
طبیعتوں کے تلوّن کا رنگ ظاہر ہے
سیہ دروں جو ہیں، خود ان کا رنگ ظاہر ہے

۳

ریاضِ دہر میں کس سے جما سخن کا رنگ بڑھا فصیحؔ کی جودت سے، اس چمن کا رنگ
کبھی زمانے میں ایسا تھا انجمن کا رنگ مگر عجیب ہے اس گنبدِ کہن کا رنگ
کہ فیض پا کے بھی کج بحثوں کو خیال نہ ہو
ہمارا رنگ بھی لیں اور زبان لال نہ ہو

۴

انہیں نے مرثیہ کی صنف میں لیا میداں دکھایا بزم کے ہمراہ رزم کا بھی سماں
وہ چہرے نور کے لکھے کہ خلق تھی حیراں فصیحؔ تھا جو تخلص تو تھے فصیحِ زباں
کلام جتنے بھی تھے بے نظیر تھے اُن کے
بس ایک مدِّ مقابل ضمیرؔ تھے اُن کے

۵

انہیں کا ملکِ سخن مین چلا کیا سِکّہ جدھر کو آئی طبیعت بہا دیئے دریا
رباعیوں کا سلاموں کا تو ہے ذکر ہی کیا بحور مختلفہ میں ہیں مرثیے صدہا
نہ ہو جہان میں مشہور کیسے نام اُن کا
خدا کے فضلؔ سے مقبول ہے کلام اُن کا

۶

چمن زمین سخن میں نیا لگا کے گئے طریقہ مرثیے کی نظم کا بتا کے گئے
جہاں میں اپنے مضامیں کے دُرلُٹا کے گئے مزا ریاضتِ تصنیف کا، اُٹھا کے گئے
گلِ شگفتہ و خوش رنگ اس بہار کے تھے
یہ جن کا ذکر ہے دادا وہ خاکسار کے تھے

۷

اٹھے زمانہ سے، رنگ اپنا پر جما کے اٹھے سنایا جب سخنِ نو تو داد پا کے اُٹھے
جہاں بھی مرثیہ پڑھ کر اُٹھے رُلا کے اُٹھے وہ خالی ہاتھ، نہ منبر سے مصطفیٰ کے اُٹھے
کہ پہلے ذاکرِ شاہِ ہُدا خطاب لیا
ہمیشہ جھولیاں بھر بھر کے پھر ثواب لیا

۸

اُس آفتابِ سخن کا ہوں میں بھی اک ذرّہ یہ مال کیوں نہ پہنچتا کہ اِرث تھا میرا
غنی ہوں نقدِ سخن کی طرف سے میں بخدا کہ پانچ ہیں مرے دیوان، مرثیے صدہا
نفیس طبع بھی مضمون آفریں بھی ہوں
میں خاندان کا اپنے ہی خوشہ چیں بھی ہوں

۹

کہ فن لیا ہے جناب مُنیرؔ سے میں نے یہ دوسرے مرے صاحب کمال دادا تھے
کہ جن کی طبعِ رسا کے ہیں ہر طرف شُہرے جہانِ نظم میں یہ بھی بجا گئے ڈنکے
بلند مرتبہ شاعر تھے بے نظیرؔ تھے یہ
کہ آسمانِ سخن کے مہِ مُنیر تھے یہ

۱۰

نیا نہیں میں سخن گو بفضلِ رب صَمَد مرا کلام ہے خود میرے ادعا کی سَنَد
عبث ہے بعض کو اہلِ سخن میں مجھ سے حَسَد مٹائیں رنگ مرا رہتی ہے ہمیشہ یہ گَد
خیال اُن کے مگر میں مٹا کے اٹھتا ہوں
وہ رنگ اکھاڑتے ہیں، میں جما کے اُٹھتا ہوں

۱۱

کرے گا سامنا فاضل کا کیسے کوئی فضول ہر اک طرح ہے کلامِ جھول نا مقبول
مذمتوں کے صلہ میں مذمتیں ہیں حصول وہ انکسار پہ عاشق ہیں جو ہیں اہلِ عقول
جہاں میں صاحب عزو وقار جھکتے ہیں
کہ جس طرح شجرِ باردار جھکتے ہیں

۱۲

جو غور کیجے تو بلبل کہاں، غُراب کہاں گُہر کے سامنے، قطرہ کی آب و تاب کہاں
مہک نہ جس میں ہو وہ گل کہاں، گلاب کہاں فروغِ ذرّہ کہاں اور آفتاب کہاں
غبارِ دشت نہ حُسنِ قمر مٹائے گا
کہ چاند خاک کے ڈالے سے چھپ نہ جائے گا

۱۳

خموش بزم کہ یہ بزم ہے پئے ماتم یہاں پہ چاہئے ذکرِ غم و بیانِ الم
اُدھر ہے مستعد جنگ لشکر اظلم اِدھر ہے عازم جنت سپاہ شاہ اُمم
اگرچہ سر پہ بلائیں ہیں اک زمانے کی
بڑی خوشی ہے مگر ایک حُر کے آنے کی

۱۴

وہ خوش نصیب جو سلطان کربلا سے ملا نبیؐ سے، فاطمہ زہراؑ سے، مرتضیٰ سے ملا
عجیب حُسنِ حَسَن اس کو مجتبیٰؐ سے ملا جو پنجتن پاک سے خدا سے
گئہہ کے درد سے صحت ملی بحال ہوا
گلِ مراد سے دامن بھرا نہال ہوا

۱۵

خوشا نصیب کہ حوروں نے حُر کی کی تعظیم ادب سے ہوگئے غلماں بھی خم، پئے تسلیم
یہ شور تھا کہ زہے رحمت خدائے کریم ہوائے شوق میں قدموں پہ لوٹتی تھی نسیم
صدا یہ دیتے تھے غنچے چٹک کے جنت کے
ثمر یہ ہیں گلِ باغِ نبیؐ کی الفت کے

۱۶

نہال کیوں نہ ہو وہ فدیۂ امامِ زمن کہ جس کے جسم پہ زخموں سے کھِل رہا ہو چمن
طبق میں لائی ہے گل کوئی حور غنچہ دہن شراب دیتی ہے ساغر میں کوئی سیم بدن
کوئی پکارتی ہے میوہ ہائے تر دیکھو
کسی کے ہیں یہ اشارے، ذرا ادھر دیکھو

۱۷

اشارے کرتا تھا یہ دستِ موج سے کوثر ہمارے حال پہ بھی چاہئے کرم کی نظر
ثمر یہ کہتے ہیں آ اس طرف کو اے گلِ تر شجر پکارتے ہیں اپنا ذوق ہے بہتر
ہوائے گلشن فردوس کھا کہ راحت ہو
ہمارے سایہ میں آ کر، مقیمِ جنت ہو

۱۸

ہزار شکر کہ بر آئی آرزو تیری وہ گل ہے تو کہ پسندِ خدا ہے بو تیری
گہر نے پائی نہ قطرہ بھی آبرو تیری ہر ایک چشمہ کو ہے آج جستجو تیری
جو حق ہے مہر و وفا کا وہ کام کرتا ہے
کہ دستِ موج سے تجھ کو سلام کرتا ہے

۱۹

کہاں سے آیا، کہاں آج تو خوشا قسمت عطا کی خالقِ عادل نے تجھ کو کیا قسمت
کہ نیزین سے پُر نور ہے سوا قسمت یہی تمام شہیدوں کو دے خدا قسمت
سر اپنے راہِ خدا میں جو دے کے آئیں گے
وہ پھول گلشنِ فردوس کو بسائیں گے

۲۰

وہ بخت حرؑ تھا کہ غبطہ مَلَک کو جس پر تھا بڑی شکوہ سے حوروں کے غٹ میں صفدر تھا
کسی کے ہاتھ میں جامِ شرابِ کوثر تھا کسی کے ہاتھ میں گلدستۂ گلِ تر تھا
یہ شور تھا کہ محب شاہِ مشرقین کا ہے
گلے لگاؤ کہ مہمان یہ حسینؑ کا ہے

۲۱

جری کی قدر یہ تھی جب گرا تھا ریتی پر گئے تھے لینے کو عباسؑ اور علی اکبرؑ
سر اس کا زانو پہ رکھّے تھے سبطِ پیغمبر غرض کہ دونوں جگہ کا عجیب تھا منظر
جری کی دید کے مشتاق سب تھے اس جا بھی
رسولِ حق بھی، علیؑ بھی، حسنؑ بھی، زہراؑ بھی

۲۲

شہید ہو گئے آخر یو ہیں رفیقِ امام رہِ وفا میں چلے تب عزیزِ شاہِ انام
بڑھے جہاد کو فرزندِ مسلمِ ناکام جلال دیکھ کے تھرائے اہلِ شام تمام
پہنچ کے رن میں، بڑے نام کر گئے دونوں
صغیر لڑکے جوانوں سے، مر گئے دونوں

۲۳

ریاض خلد میں داخل وہ گلعذار ہوئے جھکا کے سر شہِ کونین اشکبار ہوئے
قلق سے حضرت عباسؑ بیقرار ہوئے خدنگ صدمۂ فرقت، جگر کے پار ہوئے
یہ غیظ تھا اسد اللہ کے نواسوں کو
نظر نہ آتا تھا کچھ تین دن کے پیاسوں کو

۲۴

نگاہِ غیظ سے تکتے تھے سوئے لشکرِ شام چبا کے ہونٹ یہ آپس میں کر رہے تھے کلام
بڑے عقیل تھے فرزندِ مسلمِ ناکام کہ دیکھتے رہے ہم وہ ہوئے فدائے امام
نہ اب لڑے تو بھلا کب لڑیں گے اعدا سے
رضا جہاد کی لو بڑھ کے شاہِ ولا سے

۲۵

پھر ایسا وقت نہ ہاتھ آئے گا کسی صورت خدا کی راہ کے مرنے میں چاہئے عجلت
بعید کچھ نہیں بخشے اگر خدا ہمت خریدیں بیچ کے سر جس کو، ہے یہ وہ دولت
ہے کس کا خوف جہاں سے گزرنے والوں کو
کسی نے روک بھی رکھا ہے مرنے والوں کو

۲۶

ابھی تھے جنگ میں مشغول شاہ کے انصار کہاں ہیں ابن مظاہر کہاں حُرِ[illegible] بزار
نہ ابن قین ہیں زندہ نہ وہب نیک شعار نثار ہو گئے حضرت پہ جتنے تھے غمخوار
شہید ہو گئے وہ بھی جو ہم سے کمسن تھے
جہاں سے اٹھ گئے وہ جن کے کھیل کے دن تھے

۲۷

ہمیں بھی سیر جناں کا ہے آج شوق کمال بدن پہ زخموں کا گلشن کھلے تو ہوئیں نہال
نہا کے خون سے گرمی میں، خوب ہوں گے بحال عطش میں آبِ دم تیغ پائیں ہے یہ خیال
جو خوش نصیب ہیں ان کو یہ دن میسر ہے
جب آنکھ بند ہوئی پھر قریب کوثر ہے

۲۸

جئیں ہزار برس بھی تو فائدہ کیا ہے جو اس جہان میں آیا ہے اس کو جانا ہے
بقا نہ ہو جسے الفت کب اس سے زیبا ہے تف ایسی چیز پہ، کیا کائنات دنیا ہے
تمام مالِ جہاں ہے زمین کی دولت
خدا پرستوں کا حصہ ہے دین کی دولت

۲۹

قبول کرتے جو دنیا کو حیدرؑ کرار تو بخشتا اسے خالق عجیب عزو و قار
ستا بھی سکتا تھا اس شیر کو کوئی غدار جری کچھ ایسا نہ تھا ابنِ مُلجمِ مکار
نہ آپ اپنی شہادت قبول اگر کرتے
اسی کی تیغ سے دو ٹکڑے اس کا سر کرتے

۳۰

دبے وہ کس سے کہ شیر خدا ہو جس کا نام جہاں پناہ، الوالعزم، شاہِ عرش مقام
خطاب جن کا ہے یٰسین سے مُبیں وہ امام خدا نے چرخ سے بھیجی ہے جن کے گھر میں حسام
بھلا کسی نے یہ رتبہ جہاں میں پایا ہے
خود اُس جناب کا قرآں میں وصف آیا ہے

۳۱

علیؑ کی تیغ سے مرحب سا پہلواں نہ بچا ولید ایک طرف عمر سا جواں نہ بچا
کوئی دلیر شقی زیرِ آسماں نہ بچا چڑھا جو آپ کے مُنہ پر وہ بدزباں نہ بچا
کیا ہے کام یہ طفلی کے عہد میں کس نے
دوپارا کر دیا اژدر کو مہد میں کس نے

۳۲

ہمیں بھی حق سے ملی ہے شجاعتِ حیدرؑ علیؑ کی تیغ کے ہم بھی دکھائیں گے جوہر
نہ ہاتھ آئے اگر ہم کو جبرائیل کے پر تو نعرہ کر کے ہلائیں گے قدسیوں کے جگر
شرارے نیچوں کے تا سپہر جائیں گے
ملک سمیٹ کے پر اپنے تھرتھرائیں گے

۳۳

اگر ملیں گے بن سعد و شمر ناہنجار سرأن کے لائیں گے پیشِ امامِ عرش وقار
رضائے حرب نہ ملنے سے سخت ہیں ناچار نہیں تو کیا ہے سپاہِ یزیدِ بدکردار
قدم بڑھیں تو ہزاروں کا خوں بہا کے ہٹیں
سپاہ شام کو ہم کوفہ تک بھگا کے ہٹیں

۳۴

یہ ذکر کر کے قریبِ شہِ اُمم آئے جناب عون نے آنکھوں سے اشک ٹپکائے
تڑپ کے شاہِ امم نے سخن یہ فرمائے یہ دن جہاں میں نہ خالق کسی کو دکھلائے
سحر سے ظلم وستم آج ہم پہ ہوتے ہیں
کسی کو دیتے ہیں رخصت کسی کو روتے ہیں

۳۵

کہو تو ماموں سے پیارو تمہارے قصد ہیں کیا قدم پہ گر کے وہ بولے کہ چاہتے ہیں رضا
ہمارے ساتھ جو کھیلے تھے اے شہ والا وہ ہم سے پہلے ہوئے فدیۂ امام ہدا
شہیدِ راہِ خدا دونوں خستہ حال ہوئے
نہ سرخرو شہ دیں کی بہن کے لال ہوئے

۳۶

دفورِ شرم سے ہم گھر میں، جا نہیں سکتے کسی کو صورتیں اپنی، دکھا نہیں سکتے
دلوں کا حال جو کچھ ہے، سنا نہیں سکتے پہاڑ رنج و الم کے، اٹھا نہیں سکتے
وغا کی دھوم مچائی نہ روسیاہوں میں
ہزار حیف سبک ہو گئے نگاہوں میں

۳۷

سپاہِ شام کے طعنوں کا ہے کمال ملال علاوہ اس کے، اک اِس بات کا ہے ہم کو خیال
یہ کہتی ہوئیں گی ہمشیرِ شاہِ نیک خصال نہ میرے لال ابھی تک گئے برائے جدال
سپاہِ شام کی کثرت سے ڈر گئے دونوں
وہ تیغیں کہا کے نہ فاقوں میں مر گئے دونوں

۳۸

جو ہم سے عمر میں کم تھے، بڑھائے ان کے وقار غضب لڑے وہ بہادر کہ رن ہوا گلنار
پناہ مانگتے تھے باغیانِ طلم شعار ہوئے نہال نہ لڑکوں سے لڑ کے وہ زنہار
جہاں کو یاد رہیں گی یہ جراتیں اُن کی
شہید ہو گئے اللہ رے قسمتیں اُن کی

۳۹

رضا جہاد کی یاں ہم کو شاہِ والا دیں چلیں جو گھر میں تو اماں سے اذن دلوا دیں
ہمارا حال جو ہے آپ ان سے فرما دیں یقین ہے کہ وہ ملنے کو ہاتھ پھیلا دیں
ارادۂ سفرِ خلد جاں نثار کریں
گلے لگا کے وہ ہم بھائیوں کو پیار کریں

۴۰

فلک کو دیکھ کے، رو کر یہ شہ نے فرمایا وطن چھڑا کے مقدر تمہیں کہاں لایا
تمہارا بیاہ نہ ہم کو فلک نے دکھلایا ہمارے ساتھ میں پانی نہ بوند بھر پایا
مسافروں کی یہ دعوت یزید نے کی ہے
سبیل آبِ دمِ تیغ رن میں رکھی ہے

۴۱

غذائے خونِ جگر سب نے بھوک میں کھائی نہ بخت نے کوئی راحت کی شکل دکھلائی
گیا جو شہرِ خموشاں میں چھاونی چھائی یہ بات کہتے ہی اشکوں سے چشم بھر آئی
نہ تاب ضبط کی پاتے تھے قلبِ مضطر میں
بہن کے بچوں کو ہمراہ لے گئے گھر میں

۴۲

خود اپنے سر کی قسم دے کے یہ بہن سے کہا یہ دل شکستہ ہیں اِن سے خفا نہ تم ہونا
کبھی نہ اکبر و اصغر سے کم انہیں سمجھا قلق جو ہے مجھے اسدم، وہ کہہ نہیں سکتا
مرے صغیروں کے مقصد اگر نہ بر آتے
تڑپ تڑپ کے یہ بسمل کی طرح مر جاتے

۴۳

حرم سے کہنے لگی خواہرِ امامِ ہدا سنا بھی بی بیو کیا میرے بھائی جاں نے کہا
نثار ان کے میں اب مجھ پہ سارا حال کھلا نمازِ شکر ادا کر کے، دوں گی ان کو دعا
خدا کے فضل سے دانا ہیں اہلِ صبر ہیں یہ
کہ بیشۂ اسد اللہ کے ہزبر ہیں یہ

۴۴

دم جہاد نہ قبضوں میں ہوں جو تلواریں تو ناخنوں سے یہ ضرغام، دیو کو ماریں
نہ ٹھہریں پاوں، جو لاکھوں کو بھی یہ للکاریں سرانِ فوج نشانِ قدم پہ سر واریں
تمام فوج کو یہ دیکھ بھال لیں فوراً
ملائے آنکھ تو پتلی نکال لیں فوراً

۴۵

خدا کے شیر کے بیشہ کے شیر ہیں دونوں دبیں نہ لاکھ سے ایسے دلیر ہیں دونوں
وغا کے شوق میں جینے سے سیر ہیں دونوں ملک ہو یا کہ ہو جن، اِن سے زیر ہیں دونوں
چھنیں گے دل وہ زرہ پوش زک اٹھائیں گے
یہ حل کریں گے وہ عُقدے جو پیش آئیں گے

۴۶

خدا کے فضل سے دونوں ہیں عاقل و دانا جو کام دیر کا ہے جلد ہو نہیں [illegible]
جو لوگ دوڑ کے چلتے ہیں گرتے ہیں وہ سدا نوا سے کس کے ہیں یہ واہ، ان کا کیا کہنا
یہ طفل تن سے سرِ اہلِ شر اُتاریں گے
تمام چیدہ جوانوں کو چُن کے ماریں گے

۴۷

کریں گے حشر کے آثار نیچے ان کے بنیں گے برقِ شرر بار نیچے ان کے
کریں گے لاشوں کے انبار نیچے ان کے رکیں گے چل کے نہ زنہار نیچے ان کے
بھریں جو خون میں جو ہر تو لالہ زار بنیں
جو سر اٹھا کے ہوں باہم تو ذوالفقار بنیں

۴۸

دیئے ہیں راکب دوش نبیؐ نے وہ رہوار جو رخشِ جعفر طیار سے بھی ہیں تیار
ہیں شاہ باز و ہُما جن کے غاشیہ بردار اشارے پائے سواروں کے گر دم رفتار
غضب سے نرمی رفتار بھی بدل ڈالیں
جو پیل تن ہوں نگاور انہیں کچل ڈالیں

۴۹

سنی جو اپنی ثنا دونوں ہنس کے شرمائے قدم پہ ماں کے سر اپنے بعجز نہوڑائے
شفیق ماں ہو تو کس طرح دل کو تاب آئے گلے لگا کے کیا پیار اشک برسائے
یقین تھا کہ جو یہ رن کو گھر سے جائیں گے
تو رزمگاہ سے زندہ نہ پھر کے آئیں گے

۵۰

بلائیں لے لے کے بچوں کی، پھر کیا یہ بیاں بہت قریب ہے دشتِ وغا سے نہرِ رواں
یہ جانتی ہوں کہ ہو ساتویں سے تشنہ دہاں بھگا کے فوج جو ظلم و ستم سے پاو اماں
لبوں پہ دم بھی جو آئیں عطش کی شدت سے
نہ دیکھنا سوئے دریا نگاہِ رغبت سے

۵۱

یہ ہاتھ جوڑ کے کہنے لگے وہ نیک سیر غلامِ خاص ہیں ہم دونوں بھائی اے مادر
ہمیں ہے تیغوں کا پانی فرات سے بہتر پھر آبرو نہیں دریا کی سمت کی جو نظر
وفا شعار ہیں ہم گو کہ بھوکے پیاسے ہیں
کریں گے نام کہ حیدرؑ کے ہم نواسے

۵۲

کلیجے سینوں میں بے آب جل رہے ہیں مگر ذرا بھی ہم کو اذیت نہیں ہے اے مادر
ہمیں تو اس کی خوشی ہے کہ گھوڑے دوڑا کر بھگائیں شام کی حد تک یزید کا لشکر
مثالِ نہرِ رواں خاک پر لہو بہہ جائے
دعا یہ کیجیے کہ پیاسوں کی آبرو رہ جائے

۵۳

پئے سلام جھکے جب وہ غازی و صفدر کلیجہ تھام کے ہاتھوں سے رہ گئی مادر
ہوا حرم میں جو رقت کا غل تو گھبرا کر بیاں یہ کرتے ہوئے آئے عابدِ مضطر
بتاو جلد غریبوں سے کون چھٹتا ہے
کہا سبھوں نے کہ زینبؑ کا باغ لٹتا ہے

۵۴

قریب آ گئے خود بنتِ فاطمہؑ کے پسر لپٹ کے روئے جو سجاد سے وہ تشنہ جگر
صدائے نالہ و فریاد و آہ سن سن کر حرم سرا سے چلے بادشاہِ جن و بشر
دعائیں صبر کی عابد کو دے گئے حضرت
بہن کے بیٹوں کو ہمرا لیے گئے حضرت

۵۵

چلے جو گھوڑوں پہ چڑھ کر وہ آفتاب و قمر تڑپ کے رونے لگے قاسمؑ و علی اکبرؑ
امامِ دیں سے یہ عباسؑ نے کہا رو کر تڑپ رہا ہے نہایت مرا دلِ مضطر
جو اذن بادشہ انس و جاں سے پاوں میں
تو ان کے ساتھ سوئے حرب گاہ جاوں میں

۵۶

ہزار حیف اجل ان کو لے چلی بھائی جیئے گی اب نہ جنابِ بتولؑ کی جائی
یہ در سے خیمہ کے آواز یک بیک آئی اسی لئے انہیں یثرب سے میں یہاں لائی
کہ مر کے صاحب عزو وقار ہو جائیں
خدا کی راہ میں لڑکے نثار ہو

۵۷

نہ آنکھ چار کی دونوں سے ایک نے بڑھ کر یہی تھا اُن کو شش و پنج تھے جو بانیٔ شر
کہ ہفت گاہ مین ان کا نہیں کوئی ہمسر جو ہشت خلد کا مالک ہے خویشِ پیغمبر
شکست پا گئے تھے جس سے خیبری لڑکے
اسی کے شیر یہ نو دس برس کے ہیں لڑکے

۵۸

علیؑ کی طرح ہے ایک ان میں صفدر و جرار تو دوسرے میں ہے توقیر جعفر طیار
ہیں روم و شام کے لشکر کے جو علمبردار نشان بھی ان کے نہ چھوڑیں گے یہ جری زنہار
قدم بڑھائے تو مہلت یہ ان کو کم دیں گے
نشان کاٹ کے ایک ایک کو الم دیں گے

۵۹

کرو جو غور سے گیسوو رُخ پہ ان کے نگاہ تو سر بسر نظر آتی ہے قدرت اللہ
کہاں یہ نور کا تڑکا کہاں یہ روزِ سیاہ جدا جدا ہیں شبیں چار دن کی دھوپ مین واہ
شرف زمیں کو رخوں سے یہ انتخاب ملے
فلک کو ایک تو دو اس کو آفتاب ملے

۶۰

اُدھر کی فوج میں غل تھا ہٹو بچو بھاگو نہیں ہے طور اماں کا ہٹو بچو بھاگو
یہی تھا شور ہر اک جا ہٹو بچو بھاگو بہت محال ہے بچنا ہٹو بچو بھاگو
نظیر جن کا نہیں وہ دلیر آتے ہیں
خدا کے شیر کے بیٹے کے شیر آتے ہیں

۶۱

وہ کیا بڑھیں گے شکستیں جو ہیں اٹھائے ہوئے کہ آبِ شرم و خجالت میں ہیں نہائے ہوئے
کنارہ کرتے ہیں سب کے حواس آئے ہوئے ردائے گرد سے گیتی ہے منہ چھپائے ہوئے
جو کوہ و دشت کے ساکن ہیں تھرتھراتے ہیں
ہوا کے جھونکے بھی میداں سے بھاگے جاتے ہیں

۶۲

عجب شکوہ سے زینبؑ کے لال آتے ہیں دلیر گھوڑوں کی باگیں اگر اٹھاتے ہیں
طبق زمین کے ٹاپوں سے تھرتھراتے ہیں کچھار چھوڑ کے ضرغام بھاگے جاتے ہیں
زمیں کے ہلنے سے بحرِ رواں چھلکتا ہے
پہاڑ جتنے ہیں ہیبت سے ان کو سکتا ہے

۶۳

زمیں لرزتی تھی یوں آئے جس طرح بھونچال جو ہوتے پاؤں میسر تو بھاگ جاتے جبال
زمیں پہ جھک کے سرا پنا پٹک رہے تھے نہال مثالِ کاغذ بادی تھا برگ برگ کا حال
ہزاروں کوس کے پلّے پہ جا کے گرتے تھے
ہوا کے ساتھ ہر اک سو تباہ پھرتے تھے

۶۴

ہیں ایک چاند کے دو ٹکڑے یا جبینیں ہیں صفا میں آئینۂ حق نما جبینیں ہیں
خجل ہے نیرِ اعظم بھی کیا جبینیں ہیں بس اور کیا کہوں شانِ خدا جبینیں ہیں
نئے پسینے کے قطروں کے بھی قرینے ہیں
چنے بلور پہ الماس کے نگینے ہیں

۶۵

ان ابروؤں کے شرف جانتے ہیں اہلِ کمال خدا کی شان ہے نکلے ہیں دن کو چار ہلال
پھرے اگرچہ زمانے میں لاکھ پیک خیال یہ آنکھیں وہ ہیں کہ پائے کہیں نہ جن کی مثال
کہیں گے مردم جرار خوبیاں ان کی
شکار کرتی ہیں شیروں کا پُتلیاں ان کی

۶۶

مژہ کے تیر وہ غرباں جو کریں فولاد وہ نوک اُن کی کہ نادم ہو نشترِ فصاد
در آئیں کوہ کے سینہ میں یوں بوقت جہاد کہ نرم دل میں اثر جس طرح کرے فریاد
تمام دیکھنے والوں کے دم نکلتے ہیں
یہی وہ تیر ہیں جو بے کمان چلتے ہیں

۶۷

وہ بینیاں وہ رخ لاجواب، بے تمثال ثنا میں جن کی ہیں عاجز جہاں کے اہلِ کمال
دہَن کے وصف میں اہلِ سخن کا ہے یہ مقال وہ لب ملے ہیں کہ جن کی صفت ہے امر محال
جو نازکی میں کہیں برگِ گل سے بہتر ہیں
ہزار جاں سے عنادل نثار ان پر ہیں

۶۸

ہے جزوِ لاینفکّ ہر ایک گل کا دہاں محال اس کی ہے تقسیم، پیشِ اہلِ زباں
یہ راز وہ ہے کہ ہوتا نہیں کسی پہ عیاں کرے سکوت نہ کیونکر یہاں یہ ہیچمداں
مثال اس کی بھی مثلِ کمر نہیں ملتی
وہ مبتدا ہے کہ جس کی خبر نہیں ملتی

۶۹

ہر اک زباں کو طلاقت وہ کی تھی حق نے عطا درود بھیجتے تھے جن پہ خلق کے فصحا
کلامِ حق کے مفسر تھے دونوں صلِ علا کبھی تھی نعتِ محمدؐ، کبھی تھی حمدِ خدا
فلک پناہ تھے عرشِ خدا کے تارے تھے
رسولِ حق کی نواسی کے ماہ پارے تھے

۷۰

جلے جو پیاس کی گرمی سے ان کے قلب وجگر پڑھا کمالِ فصاحت سے سورۂ کوثر
عرق رخوں سے گرا تھا جو اوس بن بن کر زمین بن گئی صحرا کی، معدنِ گوہر
ادھر کی فوج جو دشمن ہر اک حُسین کی تھی
صدا لبوں پہ وَاِیّاکَ نَستَعِینُ کی تھی

۷۱ روایت

امیرِ مملکتِ صفدری تھے وہ جرار وہ شان وحشمت و اقبال وہ جلال و وقار
ملے تھے رخش بھی بچوں کو کیا سبک رفتار ہمیشہ جس کی جلو میں رہی نسیم بہار
رواں میانِ چمن گر وہ خوشخصال ہوئے
سموں سے پھول نہ جوہی کے پائمال ہوئے

۷۲

وہ تیزیاں تھیں کہ جھونکے ہوا کے شرمائے سمند جتنے تھے فوجِ جفا کے شرمائے
حواس و ہوش کے طائر بلا کے شرمائے پرند ماریہ و نینوا کے شرمائے
نثار ہونے کو بجلی بھی تلملاتی تھی
سموں کی گرد نہ آندھی کو ہاتھ آتی تھی

۷۳

زمیں سے عرش پہ یوں دونوں باد پا پہنچے کہ جس طرح شب معراج مصطفیٰ پہنچے
وہاں گئے نہ جہاں رعد کی صدا پہنچے مجال کیا تھی جو ان تک کبھی ہوا پہنچے
مثالِ نکہتِ گل دونوں آتے جاتے تھے
فرشتے تیز پری پر نہ ان کو پاتے تھے

۷۴

بلند وادیٔ سرعت میں تھا جو نام ان کا ہمیشہ اوجِ فلک پر رہا مقام ان کا
ہلال نعل تھے ہر سُم مہِ تمام ان کا حیات خضر کا تھا طول، ایک گام ان کا
فلک سے سوئے زمیں یوں وہ برق سیرت آئے
گناہگار پہ جیسے خدا کی رحمت آئے

۷۵

تڑپ تھی جست میں ہر برق وش کے پارے کی فلک پہ جانے میں سب شان تھی غبارے کی
زمیں پہ آنے میں تھی کیفیت ستارے کی وہ تیز رو کہ ضرورت نہ تھی اشارے کی
جو بے اشارۂ راکب فرس روانہ تھے
اُنہیں کے بل انہیں ہر بار تازیانہ تھے

۷۶

تنوں سے بوئے گلِ انتخاب آتی تھی عرق سے نکہتِ عطر و گلاب آتی تھی
ہوا ادھر سے اِدھر جب شتاب آتی تھی شمیمِ باغِ رسالتمآب آتی تھی
نئی بہار تھی ہر جا خدا کی قدرت سے
بہشت بن گیا صحرا خدا کی قدرت سے

۷۷

پری شکوہ تھا عونِ دلیر کا رہوار وہ چال ڈھال کہ طاؤس و کبک جس پہ نثار
جو دیکھیں حوریں پھریں آ کے گرد سو سو بار ہوا سے آتی تھی آواز اے خوشا رفتار
چمک کے برق بھی پہنچی ہے مجھ سے کم آگے
تجھی کو پاتی ہوں پر آج سو قدم آگے

۷۸

قدم زمیں پہ جو رکھتا تھا وہ فلک شوکت تو گرد پھرتے تھے یہ آہوؤں کی تھی صورت
کریں جو صَرف مبصر جہان کی دولت پھریں تلاش میں پھر جا بجا ہر اک ساعت
دلوں کی اپنے نکلتے نہ کچھ ہوس دیکھیں
کبھی نہ خواب میں اُس طرح کا فرس دیکھیں

۷۹

براق تک تھا محمدؐ کا اشہب چالاک ہما کا اوج مٹاتا تھا جو تہہ افلاک
کیا تھا آہوئے خورشیدِ آسماں سے تپاک کرے جو غیظ سے صیحہ تو شیر بھی ہو ہلاک
گرے جو ڈر کے نہ پھر وہ پئے نبرد اُٹھے
پڑے جو ٹاپ تو ماہی کے سر میں درد اُٹھے

۸۰

نمو نہ قدرتِ حق کا تھا راہوار نہ تھا مثال برقِ جہندہ کہیں قرار نہ تھا
رواں اِدھر سے اُدھر رن میں بار بار نہ تھا اسد جلال میں تھا، سامنے شکار نہ تھا
فرس ادھر کے جو بھاگے خبر یہ عام ہوئی
کہ شہ سواروں کی ترکی بس اب تمام ہوئی

۸۱ مطلع

قریب فوج جو زینبؑ کے دلربا پہنچے بپا تھا شور کہ بھاگو وہ شیر آ پہنچے
عجب شکوہ سے دونوں وہ مہ لقا پہنچے یہ ابن سعد کو دیتے ہوئے صدا پہنچے
نہ گن سکیں گے محاسب، سر اتنے کاٹیں گے
انہیں سے رن کی زمیں کا نشیب، پائیں گے

۸۲

تو اپنے سر سے بھی رہ ہوشیار او غدار کہاں ہے شمرِ ضلالت شعارو ناہنجار
نہ اپنی جان سے غافل رہے وہ بدکردار کہ شیر آئے ہیں دول کے یاں برائے شکار
جو سب میں ہوگا زبردست اس کو ماریں گے
کلیجے کانپیں گے اس زور سے ڈکاریں گے

۸۳

سپہرِ جرات و ہمت کے ہم ستارے ہیں پسندِ ربِّ دو عالم، عمل ہمارے ہیں
علیؑ کا رعب تو جعفر کے طور، سارے ہیں قمر کو رشک ہو جن سے وہ ماہ پارے ہیں
سیاہی بخت کی گھیرے گی شام والوں کو
کریں گے بدر کی صورت سے چاک ڈھالوں کو

۸۴

ولید و حارث و مرحب سے کچھ جواں بھی ہیں نظیر جن کا نہ ہو ویسے پہلواں بھی ہیں
شکست یافتہ خیبر کے کچھ یہاں بھی ہیں بڑے غرور تھے جن کو وہ بدگماں بھی ہیں
جو شیرِ حق کے نواسے ہیں کس کو مانتے ہیں
شکار کرنا ہزاروں کا، کھیل جانتے ہیں

۸۵

کہاں کہاں نہیں ہم لڑ کے فتح یاب ہوئے پرے سپاہ کے سب موردِ عذاب ہوئے
سیاہ ڈھالوں کے اونچے جہاں سحاب ہوئے ہمارے نیچے بھی شعلہ وَر شتاب ہوئے
کبھی نہ روک لیا بڑھ کے بیدریغوں نے
دھوئیں اڑا دیے اُن کے ہماری تیغوں نے

۸۶

اسی طرح سے ہمارے بزرگوار لڑے کہاں کہاں نہیں نانا سے معرکے ہیں پڑے
وہ جنگ فتح ہوئی جس جگہ یہ جا کے اڑے جنابِ جد معظم بھی نامور تھے بڑے
سپاہ کفر میں کیا کیا لڑے ہیں گھر گھر کے
ہوئے جو ہاتھ قلم، پر ملے جواہر کے

۸۷

ہمارے خال حسینؑ ابن حیدرؑ کرار نبی کی جان جو انانِ خلد کے سردار
کہ جن کے قبضہ میں ہے ذوالفقار سی تلوار مجال ہے کہ ستائے انہیں کوئی غدار
طلب جو آب شہِ تشنہ کام کرتے ہیں
امامِ خلق ہیں محبت تمام کرتے ہیں

۸۸

یہی تو کشتیٔ کون و مکاں کے ہیں لنگر انہی سے خلق میں جاری ہے دینِ پیغمبر
کوئی حسب میں، نہ ان سے نسب میں ہے بہتر پدر علیؑ سا جناب بتولؑ سی مادر
ملے سب ان کو شرف جتنے ہیں زمانے میں
دخیل ہیں یہ خدائی کے کارخانے میں

۸۹

یہ بچپنے ہی سے حق کو عزیز تھی خاطر کہ مچلے جس کے لئے شے وہی ہوئی حاضر
فرشتے ان کے ہر اک حال کے رہے ناظر غرض کہ مدح میں ان کی زبان ہے قاصر
جہاں میں قابلِ اعزاز و احترام ہیں یہ
گواہ ہیں دو جہاں تیسرے امام ہیں یہ

۹۰

جہاں میں باعثِ امن و اماں ہے ان کی ذات یہی ہیں دافعِ آلام و قابلِ صلوات
انہیں کی مدح کے مصحف میں آئے ہیں آیات نواسے ختم رسل کے ہیں خاتمہ کی ہے بات
بلند رتبہ ہیں ذیشان ہیں گرامی ہیں
گواہ مہر نبوت ہے ایسے نامی ہیں

۹۱

کوئی ضعیف جو چاہے تو یا علیؑ کہہ کر ورق کی طرح الٹ دے زمین سر تا سر
مجال کیا کوئی دیکھے جو آنکھ اٹھا کے ادھر پہاڑ اکھاڑ کے پھینکے وہ سقفِ گردوں پر
قدم کو جسم کو ہاتھوں کو ناگوار نہ ہو
زیادہ برگِ گل تر سے اس کا بار نہ ہو

۹۲

یہ اعتقاد سے جس کے ہو غیر شخص کا حال جو آئے ان کے نواسوں کو فوج شر پہ جلال
ہرن ہوں ہمہمہ شیروں کے سن کے مثلِ شغال ہزار آئیں کہ لاکھ آئیں بہرِ جنگ وجدال
بجز خدا نہ مدد کے کسی سے طالب ہوں
بنیرۂ اسد اللہ سب پہ غالب ہوں

۹۳

فرس اڑائے دلیروں نے کہہ کے بسم اللہ ادھر تھے دو یہ دلاور، اُدھر تمام سپاہ
کھنچی وہ تیغیں ملے برق کو نہ جن سے پناہ سروں سے فوج میں ڈھالیں اٹھیں کہ ابر سیاہ
اُدھر تو کاٹھیوں سے نیچے وہ لینے لگے
ادھر ظفر کی دعائیں امام دیکھنے لگے

۹۴

لہو سے، پہلے ہی حملہ میں بھر دیئے جل تھل شبیہہِ مسلخِ قصاب بن گیا جنگل
یہ غل تھا زلزلہ آیا بلا کی ہے ہلچل کہا یہ روح سے ہر جسم نے کہ جلد نکل
لہو نہ بند جو ساتھ اس کے ایک آن ہوا
زمیں پہ طایرِ مذبوح کا گمان ہوا

۹۵

صدائیں شیرِ خدا کی صدا سے ملتی تھیں وہ چتونیں تھیں کہ شیرِ وغا سے ملتی تھیں
وہ تیغیں چھوٹی سی تیغِ قضا سے ملتی تھیں حسامِ پاکِ شہہِ لا فتیٰ سے ملتی تھیں
لگائے نیچے شیروں نے جن کو تن تن کے
عیاں ہوئے الفِ جسم لام الف بن کے

۹۶

نیا تھا کاٹ کہ جیتے بُرے، بچے نہ بھلے قضا کی طرح سے بے جاں لئے کبھی نہ ٹلے
اتار لیتے تھے سر بل کے ہر کسی کے گلے ہوا کی طرح یہ آئے کہ دم تنوں سے چلے
ہر اک پہ صورتِ پروانہ آ کے گرتے تھے
بجھانے کے لئے شمعِ حیات پھرتے تھے

۹۷

وہ نیچے کہ رکے ہی نہیں کبھی چل کے غضب کے منہ کے کڑے تھے، اگرچہ تھے ہلکے
وہ صاف و پاک کہ پھٹکے نہ پاس صقیل کے بہت ہی گھاٹ کے ستھرے نفیس کس بل کے
سپر کی شب ہی نہیں صرف کاٹ دیتے تھے
گڑھے زمیں کے بھی لاشوں سے پاٹ دیتے تھے

۹۸

جوان کے سامنے دو آئے ہو کے چار رہے بساطِ جنگ میں گردن ہی پر سوار رہے
ہمیشہ حرب کے میداں میں باوقار رہے سروں کے کاٹنے میں چست و استوار رہے
سزائے خود سری و جہل ان کو دیتے تھے
وہ جان لینے میں اعدا کی، دم نہ لیتے تھے

۹۹

حلال گردنیں کرنا انہیں حرام نہ تھا اسیرِ طایرِ جاں ہوتے تھے پہ دام نہ تھا
یہ خوف تھا، کوئی آپس میں ہمکلام نہ تھا زبانیں کاٹتے تھے اور کوئی کام نہ تھا
یہ لاگ تھی نہ سران کے وبالِ دوش رہیں
لہو کے گھونٹ پئیں اور شقی خموش رہیں

۱۰۰

کھنچے نہ رہتے وہ کیوں، دشمنانِ داور سے کہ ان کو پیار تھا گردن سے لاگ تھی سر سے
وہ جانچ لیتے تھے دشمن کو چشمِ جوہر سے تنوں کے کھل گئے شیرازے جس جگہ برسے
بڑے شناورِ پیکار تھے جو اعدا میں
انہیں کے پیرتے تھے سر، لہو کے دریا میں

۱۰۱

سمجھ میں نیچوں کی تیزی کچھ نہیں آتی ذرا سی دیر کی مہلت، اجل نہیں پاتی
دل اُن کے بیٹھ گئے، جن کی تھی بڑی چھاتی اگر زمیں کو دباتے تو وہ بھی دب جاتی
جبھی تو جنگ میں نانا کے طور سارے تھے
کہ بوتراب کی بیٹی کے ماہ پارے تھے

۱۰۲ ساقی نامہ

بہار آگئی پیر مغاں شراب نہیں دماغ جس سے ہو رشن وہ آفتاب نہیں
سنا ہے ساقیوں میں تیرا بھی جواب نہیں یہ بات کیا ہے کہ بادہ نہیں کباب نہیں
تو زاہدوں کا سامرشد جو رنگ لایا ہے
ڈبو کے تو نہیں، کشتیٔ مے کو آیا ہے

۱۰۳

ہیں جمع سب ترے میکش سجا دے میخانہ دکھا دے شیشہ کے پردہ سے روئے جانانہ
رہوں نہ کیوں مئے گلرنگ کا میں دیوانہ کہ دل مسلتی ہے رفتارِ ناز پیمانہ
بس اب نہیں ہے کسی شے کی جستجو باقی
ہے بوسۂ لبِ ساغر کی آرزو باقی

۱۰۴

بہت دنوں سے ہیں مے کی مفارقت میں تباہ کسی نے ایک بھی قطرہ نہیں دیا واللہ
ملی ہے مدتوں کے بعد میکدہ کی راہ ذرا فقیر کی جانب بھی ہو کرم کی نگاہ
ہمارے قابو میں یوں دُختِ زر نہ آئے گی
تو بات پوچھے گا، تو وہ بھی منہ لگائے گی

۱۰۵

پلانے میں جو یہی تیرے ٹالے بالے ہیں ابھی تو ایک ہی ساغر کے ہم کو لالے ہیں
مگر جو شیشوں کے بدلے سبو نکالے ہیں تو یادرکھ کہ بڑے ہم بھی پینے والے ہیں
سبیل مے کی لگا، کررہا ہے کیا خالی
بھرے ہی بیٹھے ہیں کردیں گے میکدہ خالی

۱۰۶

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ رنگ یہ کیا ہے نہ منہ سے بولتا ہے تو نہ سر سے کھیلتا ہے
جو اپنی کچھ تجھے ساقی گری پہ غرّا ہے تو تیری مے کی نہیں کچھ مجھے بھی پروا ہے
جو اضطراب کی حالت میں پائے گا مجھ کو
امیر ہے مرا ساقی پلائے گا مجھ کو

۱۰۷

بتادوں نام بھی تجھ کو ابوالحسنؑ حیدرؑ امام، صاحبِ اعجاز، نفسِ پیغمبر
وصی، ولیٔ خدا، دیں پناہ، دیں پرور امیرِ کشورِ اسلام، فاتحِ خیبر
خدا کے ہاتھ ہیں قبضہ میں ہے خدائی بھی
رسول حق کے جو داماد بھی ہیں، بھائی بھی

۱۰۸

مزا اٹھاتا ہے دل جب وہ یاد آتے ہیں انہیں کی ساقی گری پر تو ہوش جاتے ہیں
شرابِ معرفتِ حق یہی پلاتے ہیں کب ایسے ویسے مری آنکھ میں سماتے ہیں
انہیں کے ہجر میں تو بیقرار رہتا ہوں
انہیں پہ صدقے انہیں پر نثار رہتا ہوں

۱۰۹

یہ غل تھا بھاگنے پر باندھ لو اب اپنی کمر وہ رن پڑا ہے کہ میدان سب ہے خون سے تر
ہٹو کہ شیر کے بچوں کے ہیں بُرے تیور طبق زمیں کا نہ لے لیں کہیں بجائے سپر
خیال اس کا نہ کرنا ابھی ذرا سے ہیں
کنندۂ درِ خیبر کے یہ نواسے ہیں

۱۱۰

کنندۂ در خیبر بھی کون، شیرِ خدا علیؑ وعالی و معصوم و بت شکن، مولاؑ
وصیٔ احمدِ مرسل، معینِ شاہ و گدا قسیمِ نار و جناں، زوجِ حضرت زہراؑ
امام خلق بھی پیشِ خدا جلیل بھی ہیں
نبی کے خویش بھی استادِ جبرئیلؑ بھی ہیں

۱۱۱

وہ اہلِ بزم کو مضمون اب سناوں نیا سخن شناس پھڑک جائیں، دل اٹھائیں مرزا
اگرچہ ٹھک کا ملانا کسے نہیں آتا مگر ہے لطف سخن جب، کہ بات ہو پیدا
پسیں بہ رنگ حنا جب تو رنگ دکھلائیں
کلیمِ طورِ سخن ہوں، تو یہ کلام آئیں

۱۱۲

وغا میں نیچے جو ہر نیا دکھاتے ہیں نہ ہاتھ اور کسی عضو کو لگاتے ہیں
لپک کے گردن اعدا کی سمت جاتے ہیں بلند مرتبہ تھے شا ہرگ اڑتے ہیں
ذرا سے قد پہ قیامت اُٹھا کے اُٹھتے تھے
ہر ایک ضرب پہ سکّہ بٹھا کے اٹھتے تھے

۱۱۳

درازدست اجل تھی، کہ نیچے دونوں جہاں یہ پہنچے، ظفر یافتہ رہے دونوں
جب آئیں تیغیں، تو پھرتی سے بچ گئے دونوں سروں کے ڈھیر تھے، میداں میں یوں لڑے دونوں
یہ شور تھا کہ دلیروں سے لڑ نہیں سکتے
خدا کے شیر کے شیروں سے لڑ نہیں سکتے

۱۱۴

ہٹی سپاہ یہ جب نیچے اٹھا کے بڑھے عدم کی سمت قدم فوجِ پُر جفا کے بڑھے
فرس جو شیروں کے غیظ و غضب میں آگے بڑھے نہ ان کی گرد سے جھونکے کبھی ہوا کے بڑھے
ہلاک کرتے تھے ٹاپوں سے بدشعاروں کو
قریب آنے نہ دیتے تھے شہسواروں کو

۱۱۵

ہزبرِ بیشۂ شیرِ خدا تھے وہ جرار چڑھا جو رن پہ کوئی آزمودہ کار سوار
اکیلا جان کے مارا نہ جان سے زنہار بڑے نے ڈھال تو چھوٹے نے چھین لی تلوار
فرس کو جان بچانے کا یہ بہانہ ہوا
پٹک کے زین سے اسوار کو روانہ ہوا

۱۱۶

ستم شعار نہ پھر عازمِ نبردِ ہوا کچل کے شیروں کے گھوڑوں سے گردِ برہوا
رخِ ابنِ سعد کا خوفِ اجل سے زرد ہوا سفیہ شکلِ غم و یاس و رنج و درد ہوا
ذرا نہ زور ذلیل و شقی کا چلتا تھا
ہلا ہلا کے سرِ نحس ہاتھ ملتا تھا

۱۱۷

سمجھ رہا تھا ہے ماں ان کی دخترِ حیدرؑ نواسے ساقی کوثر کے ہیں یہ تشنہ جگر
خدانخواستہ آجائے ان کو غیظ اگر تو پھر نہ میں ہوں نہ جاہ و حشم نہ یہ لشکر
حصولِ دولت و زر کے لئے پڑے غم میں
پتا بھی تو نہ لگے گا کسی کا، اک دم میں

۱۱۸

در آئے پھر وہ بہادر میانِ فوجِ گراں بھرے تھے غیظ میں دونوں مثالِ شیرِ ژیاں
یہ نعرے کرتے تھے لشکر کے پہلواں ہیں کہاں وہاں سے آئیں پئے جنگ چھپ گئے ہوں جہاں
ہیں درعہ پوش تو کڑیاں بہت اٹھائیں گے
سر اُن کے یاں سے پئے نذرِ شاہ جائیں گے

۱۱۹

ابھی ہوئے ہوں مسلح وہ بے حیا نہ اگر پہن کے جوشن و چار آینہ زرہ بکتر
اٹھا کے تیغ و سپر اور لے کے گرز و تبرَ ذرا دکھائیں ہمیں بھی سپہ گری کے ہنر
جوان فوج تو پیاس اپنی ہے بُجھائے ہوئے
لڑیں گے شیر تو دریا سے مُنہ پھرائے

۱۲۰

یہ سن کے شام کے لشکر سے نکلے چار جواں کہ جن کے خوف سے تھراتے تھے ہزار جواں
ابھی یہ طفل تھے دونوں، وہ بد شعار جواں جو ہوتے ان کی طرح یہ بھی ذی وقار جواں
کچھ ان سے زور نہ چلتا تمام عالم کا
کلیجہ کانپتا دہشت سے ان کی ضیغم کا

۱۲۱

مہیب جن سے زیادہ تھیں صورتیں ان کی بڑھی ہوئی تھیں شیاطیں سے عادتیں ان کی
سوا تھیں جسمِ تہمتن سے طاقتیں ان کی اجل کی زد پہ لگا لائیں شامتیں ان کی
شقی غرور و تکبر پہ اپنے مرتے تھے
سوا بتوں کے خدا کا نہ ذکر کرتے تھے

۱۲۲

وہ اہلِ نار تھے چاروں یہ دونوں نورِ خدا وہ ہرزہ گو تھے یہ معروفِ حمد رَبِّ علا
وہ آبِ شور کے قطرے، یہ دُرِ بحرِ سخا وہ خار تھے یہ گلِ باغِ دخترِ زہراؑ
بہشت بن گیا صحرا تمام خوشبو سے
صدائے صلِ علا آ رہی تھی ہر سو سے

۱۲۳

سروں پہ خود جو تھے ناریوں کے مثلِ تنور نمود ہوتی تھی شکلوں سے صورت مزدور
گرا رہا تھا نگاہوں سے ان کو ان کا غرور قریبِ کفر سے تھے، دینِ حق پسند سے دور
وہ اپنی داڑھیاں دانتوں سے خود دباتے تھے
بڑے غرور سے بہرِ نبرد آتے تھے

۱۲۴

سیاہ فام تھے نا اہلِ صورت زنگی پہاڑ جانتے تھے جن کو فوج کے جنگی
نفس گلوں میں جو کرتے تھے خوف سے تنگی وہ یوں کھڑے تھے کہ تصویریں جس طرح سنگی
دہل رہے تھے صغیروں کی تیغ رانی سے
نہ دم نکلتے تھے زنہار سخت جانی سے

۱۲۵

جنابِ عون کا نعرہ تھا، یا اسد کی ڈکار کہ ہاتھ کانوں پہ رکھتے تھے بزدلے ہر بار
مثالِ طایرِ بسمل نہ تھا دلوں کو قرار سیاہکاروں کے ہیبت سے زرد تھے رخسار
شغال خو تھے وہ، ان کے شمار کن میں تھے
خدا کے شیر کی جرأت کے طور ان میں تھے

۱۲۶

مجھے جو ذکر ہے مدِّ نظر محمدؐ کا عیاں ہے ہر بُنِ مُو سے صدائے صلِّ علا
بڑے بڑے ہیں ارادے مگر ہے سنِ چھوٹا یہ ولولہ ہے کہ پہلے کروں مین ان سے وغا
چبا کے ہونٹ جو غصہ سے تھرتھراتے ہیں
حواس و ہوش لعینوں کے بھاگے جاتے ہیں

۱۲۷

جنابِ عون سے یہ کہہ رہے ہیں اے بھیّا یہ دل میں ہے کہ کروں جلد فیصلہ ان کا
بغور دیکھیئے اس وقت آپ میری وغا بس انتظار ہے اتنا کہ زد پہ آئیں ذرا
میں اپنے نانا کی قوت دکھاونگا بھائی
یہ چار آتے ہیں چورنگ اڑاونگا بھائی

۱۲۸

کہا یہ عون نے ایسے ہی تم دلیر ہو ہاں مگر تم ایک کہاں اور کہاں یہ چار جواں
جب آئیں ٹوک لیں بڑھ بڑھ کے یوں سرمیداں کہ دو کی جان لوں میں دو کو تم کرو بے جاں
علی کا طرز وغا ہے یہ غل بپا ہو جائے
بس ایک حملہ میں چاروں کا فیصلہ ہوجائے

۱۲۹

مذمتوں کی ہوئی ہر طرف سے جب بوچھار اجل گرفتہ ہوئے خوابِ فکر سے ہشیار
کمانیں دوش سے لیں سہم سہم کر اکبار خدنگ اتنے لگائے نہیں ہے جن کا شمار
ہنر سے بچوں کے حیران وہ شریر ہوئے
قلم کی طرح قلم، سرکشوں کے تیر ہوئے

۱۳۰

حواس سب کے ہوئے صورت خدنگ فرار چڑھے ہوئے تھے جو چلے اُتر گئے اکبار
یہ رنگ دیکھ کے پلہ پہ جا کے ٹھہرے سوار کمانیں شرم سے خم ہو گئیں ہنسے سوفار
یہ غل تھا شیر کے بچوں سے پھر وغا کیوں کی
یہ جان بوجھ کے اس طرح کی خطا کیوں کی

۱۳۱

دلوں میں اپنے بھی کج فہم خوب شرمائے کہاں وہ جائیں اجل جن کو کھینچ کر لائے
اٹھا کے گرز گراں سر جو خیرہ سرآئے علیؑ کی طرح نواسے علیؑ کے جھنجلائے
صدائے رعد سے للکار ان کی ملتی تھی
مثالِ زورقِ طوفاں، زمین ہلتی تھی

۱۳۲

نہ تحت وفوق میں تھا امن و عافیت کا نشاں لرز لرز کے ہوا مہر سوئے غرب رواں
طلب کی خالق اکبر سے آسماں نے اماں یہ منتہا ہے کہ سدرہ کہاں زمین کہاں
بدن پہ بال تھے جتنے وہ سر بسر کانپے
جنابِ حضرت روح الامیں کے پر کانپے

۱۳۳

نہ بھاگنے کے جو رستے کسی طرف پائے تو جسم شوم و نجس بزدلوں کے تھرائے
نہ پائی ہاتھوں میں قوت تو ہیز شرمائے چھٹے وہ گرز گراں یوں کہ پھر نہ ہاتھ آئے
جب ایسے ایسے سر دست انفعال ہوئے
حیا کی تیغوں سے اُن کے گلے حلال ہوئے

۱۳۴

اٹھا اٹھا کے جو نیزے وہ بے حیا دوڑے ادھر سے غیظ مین شیروں کے باد پا دوڑے
زمیں سے گرد اڑی صورت صبا دوڑے نزول قرِ الٰہی ہوا وہ کیا دوڑے
دلوں میں خوف وہ چاروں دو چند کرنے لگے
اڑی جو خاک تو آنکھوں کو بند کرنے لگے

۱۳۵

قریب شیر کب آ پہنچے کچھ نہ حال کھلا بڑھے جو نیچے دونوں مثالِ برقِ بلا
دلوں میں جل گئے وہ اس طرف جو تھے اعدا ادھر تھے عون، محمد اُدھر تھے صل علا
وفورِ غیظ سے شیروں کو کچھ ہر اس نہ تھا
سوائے حفظِ خدا کوئی ان کے پاس نہ تھا

۱۳۶

ہوئے جو حملہ کناں بنتِ شیرِ حق کے پسر دکھائے نیچوں نے ذوالفقار کے جوہر
نہ چار نیزوں میں تھا ایک کا پتا بھی اُدھر حواسِ خمسہ میں آئے نہ فرق اب کیونکر
اجل کے خوف سے چاروں کے حال ابتر تھے
جو شش جہات کے تھے منچلے وہ ششدر تھے

۱۳۷

علیؑ کا واسطہ اے ساقی بلند نظر ملا دے لب سے مرے آفتاب کا ساغر
وہی ہو پھول سی بوباس جس کی ہو بہتر مہک گلاب کی پھیلے بس اب اِدھر سے ادھر
کہ آج بزم میں مجمع ہے دوستداروں کا
ہے ذکر مدِّ نظر اس کے گلعذاروں کا

۱۳۸

ریاض خلد کا مالک ہے جو شہ صفدر لقب ہے جس کا یداللہ و ساقی کوثر
نثار کر کے اسی شہ پہ نور کا ساغر ملا دے لب سے مرے ساقیٔ ہنر پرور
وہ مے نفیس ہو جس کا کبھی حساب نہ ہو
وہ نشہ ہو کہ طبیعت ذرا خراب نہ ہو

۱۳۹

یہ آرزو ہے کہ مستی میں ہوشیار رہوں خدا کے شکر میں مصروف بار بار رہوں
ہمیشہ نغمہ سرا، صورت ہزار رہوں گلوں سے بنت علیؑ کے نہ شرمسار رہوں
لگاوں باغ میں ایسا جو یادگار ہے
کہ جس میں فتح و ظفر کی سدا بہار ہے

۱۴۰

وہ بزدل و سگِ بد خو کجا، یہ شیر کجا ذرا بھی جنگ میں جھجکے نہ ان کو خوف ہوا
نہ سمجھے خاک میں ملنے کو آئے ہیں اس جا ابوتراب کے بچوں سے لڑتے خاک بلا
وہ کاٹھیوں سے جو تلواریں کھینچ کر جھپٹے
ہزبر شیرِ خدا مثلِ شیرِ نر جھپٹے

۱۴۱

نہ ان کو جان کے جانے کا تھا ذرا وسواس بحال دل تھے دلیروں کے وہ شقی تھے اوائل
یہ عرض کرتے تھے واں شہ سے اکبر و عباسؑ ستمگروں پہ غضب چھا گیا ہے امرِ ہراس
مقامِ راحت و صبر و قرار ڈھونڈتے ہیں
جھکائے گردنیں جائے مزار ڈھونڈتے ہیں

۱۴۲

پریدہ رنگ ہوئے دل جو اُن کے گھبرائے یہ جی میں کہتے تھے بہرِ نبرد کیوں آئے
نہ گرمیاں نہ ہنر کچھ وغا کے دکھلائے وہ بیوقوف دلوں میں ذرا نہ شرمائے
شریکِ حال جو رہتے تھے وہ بھی پاس نہ تھے
اِدھر تو اِن میں اُدھر فوج میں حواس نہ تھے

۱۴۳

پکارے بھائیوں کو واں سے یہ علی اکبرؑ اسی کے شیر ہو تم، تھا جو ضیغمِ داور
یہ ورعہ پوش جو آئے ہیں، اس طرف سے اِدھر کڑی پڑے تو ٹھہرے نہیں کہیں دم بھر
نہ آبرو کا نہ عزت کا پاس کرتے ہیں
ہمیشہ وقتِ وغا بھاگنے پہ مرتے ہیں

۱۴۴

اٹھا اٹھا کے جو تیغیں وہ بے وقار بڑھے شگفتہ ہو کے اِدھر سے یہ گُلعذار بڑھے
وہ چاروں مل کے اُدھر سے جو ایک بار بڑھے یہ دونوں نیچے مانندِ ذوالفقار بڑھے
اٹھے جو ہاتھ قیامت کے، شعلہ بار ہوئے
شرارے برق جہندہ کے شرمسار ہوئے

۱۴۵

سوار تھی جو اجل اک شقی کی گردن پر فرس شریر کا بھڑکا مثال نارِ سقرؔ
بڑھا یا عونِ دلاور نے رخشِ برق سیر لگایا ہاتھ وہ سن سے کہ کاٹا مغفرِ سر
رکا وہ نیچہ اس سے نہ اس کے توسن سے
لہو شریر کا پونچھا زمیں کے دامن سے

۱۴۶

صدا دی ہنس کے محمدؐ نے یہ کہ صَلِ علا کچھ ایسا وجد تھا گردوں کو بھی کہ گرد پھرا
برابر اس کے جو اک بے حیا و خود سر تھا اسے بھی صورت تصویر ہو گیا سکتا
عجیب کام یہ ہنگام گیر و دار کیا
لپک کے چھوٹے نے اُس پر جو ایک وار کیا

۱۴۷

گرا بروئے زمیں کٹ کے دھڑ سے جسم سے سر بدن شریر کا قائم تھا زین تو سن پر
یہ معرکہ بھی رہا یاد سب کو تا محشر جمایا رنگ نیا خوں کی دھار نے بڑھ کر
کہ اس کا عکس نگاور کو تازیانہ ہوا
ہوا کی طرح سوئے فوج وہ روانہ ہوا

۱۴۸

گلے لگا لیا عونِ دلیر نے بڑھ کر جبیں کے بوسے لئے اور کہا یہ رو رو کر
بتا و حال ہے کیا دل کا اے خجستہ سیر کہا یہ دست ادب باندھ کر کہ ہوں مضطر
جو دکھ ہے سوز عطش کا سنا نہیں سکتا
ہوا بھی کھانے کو دریا پہ جا نہیں سکتا

۱۴۹

بڑے نے چھوٹے پہ دم کر کے سورۂ کوثر کہا کہ چار میں دورہ گئے ہیں بانی شر
کرو انہیں بھی رواں جلد سوئے نارِ سقر بہا کے خون کی پھر ایک نہر دریا پر
خبر ظفر کی امام امم کو دے آنا
بہن سکینہ سے چھوٹی سی مشک لے آنا

۱۵۰

جناب والدہ صاحب سے عرض یہ کرنا ہمارے حق میں کریں یہ حضور حق سے دعا
الٰہی بہر نبیؐ و علیؑ، پئے زہراؑ وہ آبرو مرے بچوں کو آج کر تو عطا
نثارِ پائے امامِ انام ہو جائیں
ملے نہ آب تو پیاسے تمام ہو جائے

۱۵۱

بڑھے ہزبر جو پھر جانب شغال و غزال کئے وہ نعرے کہ دنیا مین آ گیا بھونچال
زمیں سے چوٹیاں مل مل گئیں جھکے یہ جبال وبالِ دوش سمجھتے تھے برگ و بارِ نہال
ہوا کے جھونکے نہ تھمنے کی بار پاتے تھے
درخت چھوڑ کے پتے بھی بھاگے جاتے تھے

۱۵۲

بڑھے جو چھوڑ کے گھوڑے وہ سرکش و غدار ہوئی وہ جنگ کہ پیدا تھے حشر کے آثار
کلوں کی طرح جو پھرتے تھے دمبدم رہوار کمالِ چرخ میں تھی عقلِ گنبدِ دوّار
لعیں جو نیچوں کے وار کھاتے جاتے تھے
اجل کے ڈر سے نہ سینوں میں دم سماتے تھے

۱۵۳

رخوں کے رنگ اوڑے دل جوان کے گھبرائے شمار کر نہ سکے زخم اس قدر کھائے
مثالِ برق چمک کر جو نیچے آئے ہر ایک زخم میں شعلے بلا کے بھڑکائے
بخار ان سے دھوئیں کی طرح نکلنے لگے
عجب کی جا ہے کہ دن کو چراغ جلنے لگے

۱۵۴

دبا کے نیچے رانوں میں چھیڑ کر رہوار قریب آئے شکاروں کے ضیغمِ جرار
بڑھا جو دستِ زبردستِ عونِ خوش کردار مع سمند تھا پنجہ میں ایک ظلم شعار
عیاں کمال یہ ہنگام گیرو دار کئے
کہ ایک حملہ میں دو شیر نے شکار کئے

۱۵۵

بڑے نے چھوٹے برادر پہ کی جو مڑ کے نظر وہ شکل دیکھی کہ خوش ہو گیا دل مضطر
کہ نیزہ ہاتھ میں نیزے پہ ہے وہ بانیٔ شر اکیلا چاروں میں باقی رہا تھا جو خود سر
ثنا سے عون نے ان کو جو شاد کام کیا
وہ نیزہ تھام کے اِس ہاتھ میں، سلام کیا

۱۵۶

قریب فوج وہ صفدر اسی طرح پہنچے یلان لشکرِ کیں سامنے سے ڈر کے ہٹے
غضب میں آ کے نواسے علیؑ کے للکارے فلک تھے چرخ میں، طبقے زمین کے کانپے
پہاڑ دشت کے سب دور تک لرزتے تھے
بشر زمیں پہ فلک پر ملک لرزتے تھے

۱۵۷

معہ سوار جو گھوڑے کو عون نے پٹکا فرس بھی اور وہ سرکش بھی گرد برد ہوا
رہے نہ خوف سے گا و زمیں کے ہوش بجا دہمک وہ پہنچی کہ ماہی کا جسم کانپ گیا
ہر اک یہ کہتا تھا دل زندگی سے ہٹتا ہے
الٰہی خیر ہو سارا جہاں الٹتا ہے

۱۵۸

فرس بڑھا کے محمدؑ گئے ادھر سے اُدھر اچھالا نیزے سے اس کو جو یا علیؑ کہہ کر
تو بانسوں ہو گیا اونچا زمین سے خود سر ہوا بلند ادھر نیچہ، جو مثلِ شرر
دل آدھے ہو گئے لشکر کے بدشعاروں کے
ہوئی شکست قدم اٹھ گئے ہزاروں کے

۱۵۹

چلا جو تخت کی جانب وہ فوق سے اکبار نئی طرح سے کیا اِس اسد نے اُس کا شکار
اٹھا کے ہاتھ کیا یوں جو اس ذلیل پہ وار بلا کی چیز تھی چھوٹی سی قہر کی تلوار
سر اُس شقی کا سموں پر فرس کے آ کے گرا
قریب فوج تنِ نحس دھڑ سے جا کے گرا

۱۶۰

جھپٹ کے مورچے بچوں نے پھر کیے خالی اٹھی تھیں ڈھالیں سراسر کہ اک گھٹا کالی
یہ نیمچوں کا دمِ حرب، حال تھا حالی دکھا رہی تھی نیا رنگ خون کی لالی
شریر شام کے لشکر کے سب، پریشاں تھے
شفق سے دومہِ نو دھوپ میں نمایاں تھے

۱۶۱

جہاں ہزار تھے واں سو نظر نہ آتے تھے پرے تھے جتنے پرے رن سے بھاگے جاتے تھے
فراریوں کو کچھ افسر جو گھیر لاتے تھے عدم کی سمت انہیں یہ جَری بھگاتے تھے
تھے کہیں بھی تو لاشوں سے پاٹ کر بن کو
لہو سے لال مثالِ منا کیا رن کو

۱۶۲

یہ دو صغیرا دہر تھے اُدھر تمام سپاہ ملول دھوپ کی گرمی سے تھے وہ غیرت ماہ
نہ ایک دم کی بھی تیغوں سے ہاتھ آئی پناہ دکھایا بخت نے کیا مہ وشوں کو روزِ سیاہ
جدھر یہ جاتے تھے سینوں پہ تیر چلتے تھے
وفورِ زخم جگر سے لہو اُگلتے تھے

۱۶۳

گلوں پہ تیر لگے اور سروں پہ گرز و تبر وہ لال بنتِ وصیٔ نبیؐ کے اور پسر
جبینیں دونوں حسینوں کی شق تھیں مثلِ قمر لبوں پہ دم تھے، لہو سے وہ گلعذار تھے تر
بتاوں کیا کہ ہوئے وہ کہاں کہاں زخمی
نہ اٹھنے دیتی تھیں تیغیں کلائیاں زخمی

۱۶۴

سمجھ کے یہ وہ نہ دیتے تھے شاہِ دیں کو صدا کہ بھوک پیاس کی ایذا ہے ان کو حد سے سوا
ہر اک ہے آلِ محمدؐ کے خون کا پیاسا امامِ دیں پہ جو تیروں کا مینہ برسنے لگا
یہ حال سن کے بہت زار زار روئیں گی
جنابِ والدہ ناراض ہم سے ہوئیں گی

۱۶۵

زبانیں پھیرتے تھے تشنگی سے ہونٹوں پر مثالِ ماہی بے آب مضطرب تھے جگر
جھکائے ضعف سے ہرنوں پہ جب سرِ انور قوی دلوں کو کیا، کہہ کے یا شہِ خیبر
پئے وفا جو وہ اب نیچے اٹھاتے ہیں
تو زخمی ہاتھ صغیروں کے تھرتھراتے ہیں

۱۶۶

گلے تو زخمی ہیں اب شیر کس کو للکاریں رواں ہیں زخموں سے تیغوں کے خون کی دھاریں
کسے بھگائیں وہ بڑھ بڑھ کے اور کسے ماریں بدن ضعیف ہیں ہمت نہ کس طرح ہاریں
پیامِ موت بہت جلد آنے والے ہیں
لہو بھرے ہوئے دنیا سے جانے والے ہیں

۱۶۷

بشر تو کیا ہیں اجل کو بھی رحم آتا ہے پکڑ کے زیں جو کوئی شیر ڈگمگاتا ہے
ہر ایک تیر سفر کا پیام لاتا ہے فراق ماں کا صغیروں کا دل دکھاتا ہے
حرم سرا کی طرف مُنہ اگر پھراتے ہیں
ہزار حیف عدو برچھیاں لگاتے ہیں

۱۶۸

جو کٹ کے آنکھوں پہ لٹکے ہیں ابروئے خمدار ہے دن کہ رات نہیں سوجھتا انہیں زنہار
سنبھالتے ہیں جو ہاتھوں سے اُن کو وہ جرار تو مُڑ کے دیکھتے ہیں ان کی صورتیں رہوار
گھرے ہیں فوج میں تا خیمہ جا نہیں سکتے
اجل کے ہاتھ سے جانیں بچا نہیں سکتے

۱۶۹

بہن کے بیٹوں کا یہ حال شہ نے جب دیکھا نہ تابِ ضبط رہی اس طرح کا درد اٹھا
تڑپ تڑپ کے جو کی بھانجوں نے غم میں بکا کنیزِ فاطمہ سے بنتِ مرتضیٰ نے کہا
خبر تو لا کہ یہ کیوں بھائی جان روتے ہیں
وہ بولی آپ کے بچے شہید ہوتے ہیں

۱۷۰

کہا کہ میں بھی فدا شہ پہ اور مرے دلبر عبث ہیں صرفِ بکا بادشاہِ جن و بشر
وہ میرے دونوں پسر ہیں، یہ مصطفیٰؐ کے پسر جنیں جہاں میں ہزاروں برس شہِ صفدر
جہاں میں ذکرِ وفا ان کے چار سو ہونگے
لہو میں بھر کے جو زہراؑ سے سرخرو ہونگے

۱۷۱

گریں جو گھوڑوں سے غش کھا کے میرے نورِ نظر پھوپھی نثار نہ جائیں وہاں علی اکبرؑ
نہ چین آئے گا دمواس سے مجھے دم بر کہ جان سے بھی ہے پیارا سوا وہ نیک سر
زیادہ اس سے نہ زنہار ان کو پیار کروں
جو سو پسر ہوں تو اس لال پر نثار کروں

۱۷۲

یہ ذکر تھا کہ ہوا فوج شر میں شور بپا گرے وہ گھوڑوں سے بنت علیؑ کے ماہ لقا
کہاں سوار ہیں پیدل کدھر ہیں دیر ہے کیا ہلائیں مرقدِ پُر نورِ حضرتِ زہراؑ
زمین خون سے ان گلرخوں کے لال کریں
علیؑ کے پیارے نواسوں کو پائمال کریں

۱۷۳

لرز گئے یہ صدا سن کے سیدِ ابرار بڑھے جوان کی طرف لے کے میان سے تلوار
رہا نہ اکبر و عباسؑ کے بھی دل کو قرار بڑھے جو یہ تو گھٹا زورِ لشکر کفار
عجیب شکل سے دونوں وہ نونہال ملے
دلیر سر سے قدم تک لہو میں لال

۱۷۴

کہوں وہ کیا جو ہوا حال سید الشہداؑ قریب بیٹھ کے دی بھانجوں کو اپنے صدا
حسینؑ آیا ہے اے لاڈلو اٹھو تو ذرا کلام کر نہ سکے ضعف سے وہ ماہ لقا
زباں سے نزع کی تکلیف کہہ نہ سکتے تھے
بس آنکھیں کھول کے منہ شاہِ دیں کا تکتے تھے

۱۷۵

علیؑ کا واسطہ یا رب قبول کر یہ دعا برآئے جلد بس اب مطلبِ دلی میرا
یہ بزمؔ حال کہے اپنا کس سے تیرے سوا ہر ایک مشکلِ لاحل میں تو ہی کام آیا
غریب و عاجز و بیکس پہ رحم کر یارب
دُرِ مُراد سے دامن کو میرے بھر یارب

مرثیہ: ۴

درحال حضرت عباس علمدار علیہ السلام

مطلع

آمد مَلَکُ المَوت کی ہے دَشتِ وَغا میں

تعداد بند: ۹۴

غازی آباد-- ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

۱

آمد مَلَکُ المَوت کی ہے دَشتِ وَغا میں بے دَم ہے ہر اک، جان نہیں اہل جفا میں
سب نہر کی فوج آ گئی گردابِ فنا میں ہیبت کا عمل بیٹھ گیا اَرض و سما میں
انداز یداللہ کا دکھلاتے ہیں عباسؑ
مُٹھی میں لعینوں کی قضا لاتے ہیں عباسؑ

۲

ہے خوف جو اپنے کمر و صدر و گلو کا دم خشک ہیں جسموں میں نہیں نام لہو کا
پھولوں میں پتا رنگ کا ملتا ہے نہ بو کا عالم نظر آتا ہے ہر اک سمت کو ہو کا
ہر منکر حق کو جو اجل بھانپ رہی ہے
لرزہ میں ہیں افلاک زمین کانپ رہی ہے

۳

آمد کا سماں جن و بشر دیکھ رہے ہیں گرد اُٹھتی ہے جس سمت ادھر دیکھ رہے ہیں
کہسار اٹھائے ہوئے سر دیکھ رہے ہیں جلوہ ہے کدھر اہل نظر دیکھ رہے ہیں
شانے پہ نشاں ہے جو رسولؐ دوسرا کا
غازی کی جلو میں ہے رواں فضل خدا کا

۴

میدانِ وغا میں کوئی بے پیر نہ ٹھہرا دہشت سے کمانوں میں کوئی تیر نہ ٹھہرا
چکر میں ہے، اب تک فلک پیر نہ ٹھہرا فتنہ کی بھی حالت ہوئی تغیّر، نہ ٹھہرا
معدوم زمانہ ہو وہ نوبت نہیں آئی
اب تک اسی ڈر سے تو قیامت نہیں آئی

۵

رنگ رخ اشرار اوڑا ہوش کی صورت سمجھے ہوئے بیٹھے تھے لٹی زیست کی دولت
یہ جان گئے تھے کہ بس اب ہوتے ہیں غارت دینے لگے ان کے ہی خیال ان کو اذیّت
بے چین تھے دل آہ بھرے جاتے تھے ناری
مرنے سے بھی کچھ پہلے مرے جاتے تھے ناری

۶

دہشت کے سبب بھاگ کے پلہ یہ گیا تیر لمبا ہوا نیزہ تو کشیدہ ہوئی شمشیر
چپ ہیں لب سوفار نہ جنبش ہے نہ تقریر چار آئینہ جو پہنے تھے، سب بن گئے تصویر
عزم ان کے تھے ڈھیلے جو کمر باندھے ہوئے تھے
چکراتے تھے وہ بھی جو سپر باندھے ہوئے تھے

۷

سودا نہ رہا جنگ کا اشرار کے سر میں جو قلب میں تھا درد، ہوا ان کے جگر
گھبرا گئے بھگدڑ وہ پڑی لشکرِ شر یاں تک کہ قضا پھرنے لگی سب کی نظر
ہر شخص کو وہ مائل پیکار ہی سمجھے
ابرو کوئی دیکھا اسے تلوار ہی سمجھے

۸

ایک ایک کا منہ دیکھ کے ڈرتا تھا یہ ڈر تھا آپس میں کوئی بات نہ کرتا تھا یہ ڈر تھا
کوئی قدم آگے نہیں دھرتا تھا یہ ڈر تھا دیکھو جسے مر جانے پہ مرتا تھا، یہ ڈر تھا
آئے ہوئے خالق کے جو تھے قہر میں ناری
گھبرا کے گرے پڑتے تھے خود نہر میں ناری

۹

مٹتا تھا فقط نام نہیں بلکہ نشاں بھی پیروں کی طرح خم ہوئے جاتے تھے جواں بھی
تھی پشت پھرائے ہوئے ہر ایک کماں بھی اک شور تھا مل جائے گی کیا ہم کو اماں بھی
حیدر کا پسر شہ کا علمدار یہی ہے
سنتے ہیں کہ اس فوج میں تلوار یہی ہے

۱۰

پانی کے لئے شیر بصد جوش رواں ہے اک ہاتھ میں تیغ، ایک میں لشکر کا نشاں ہے
کہتی ہے یہ آمد کہ زبردست جواں ہے دم ہے نہ پیادوں میں نہ اسواروں میں جاں ہے
دریا کی طرح خوف سے دل سب کے بھرے ہیں
جنات تو کچھ قاف سے بھی اور پرے ہیں

۱۱

سب شامیوں کو صبحِ قیامت کا ہے دھڑکا تاریک ہوئی بصریوں کی آنکھ میں دنیا
دہشت سے بخار اہل بخارا کو چڑھ آیا نافہ کی طرح خوں ہوا دل، اہلِ ختن کا
جب بھاگنے کی راہ نہیں پاتے ہیں مصری
یہ حال ہے دہشت سے گھلے جاتے ہیں مصری

۱۲

سناٹے ہیں، جنگل ہے، ہوا ہانپ رہی ہے مُنہ سبزہ کی چادر سے زمین ڈھانپ رہی ہے
یہ خوف ہے غازی کا قضا کانپ رہی ہے نظروں میں، خطا کاروں کو پر بھانپ رہی ہے
کہتی ہے کہ بھر پیٹ شکار آج ملے گا
اتنے ہیں، ٹھہرنے کا نہ وار آج ملے گا

۱۳

یہ کرب ہے اٹھتی ہے کبھی بیٹھتی ہے گرد ڈر سے یرقاں ہو گیا، سورج کا ہے مُنہ زرد
بیتاب ہوا، ہول کے دل میں یہ اٹھا درد نہ دفترِ افلاک بھی، مل کر ہوئے اک فرد
غُل شام کے لشکر میں ہے اللہ بچائے
ڈر ہے کہیں ہستی کا ورق، ٹوٹ نہ جائے

۱۴

دیکھو جو رسالہ نظر آتا ہے وہ اَبتر چہروں کو چھپاتے ہیں جو ہیں مردِ دلاور
نیزوں کو جو رعشہ ہے تو خم تیغوں کے ہیں سر الجھن میں کمندیں ہیں تو ڈھالوں کو ہے چکر
یہ دیکھ کے تیروں کے بھی جی چھوٹے ہوئے ہیں
قوت نہیں بازوئے کماں ٹوٹے ہوئے ہیں

۱۵

پنجہ میں قضا کے قدر اندر ہیں سارے ہے نہر کی فوجوں میں ہر اک گور کنارے
ہوش ایک بھی شامی میں نہیں خوف کے مارے یہ حال ہے دن کو نظر آنے لگے تارے
اک شور ہے، ہنگامِ زوال آیا ہے بھاگو
ماہِ بنی ہاشم کو جلال آیا ہے بھاگو

۱۶

آ آ کے خبر دیتے ہیں لشکر میں خبردار عباسِ علمدار قریب آ گئے ہشیار
چہرے پہ جلالِ شہِ مرداں کے ہیں آثار یہ رعب ہے تعظیم کو گرد اُٹھتی ہے ہر بار
دریا کی طرف عزم ہے مقائے حرم کا
تارا سا چمک جاتا ہے پنجہ وہ علم کا

۱۷

یہ ذکر تھا جو چاک ہوا گرد کا دامن فرزندِ علیؑ کا نظر آیا رُخِ روشن
پھیلی یہ ضیا، دشت بنا وادیٔ ایمن آئینہ صفت رہ گئی حیراں صفِ دشمن
کس جا ہیں لعینوں کو نہ اتنی بھی خبر تھی
استادہ تھے سکتے میں دلاور پہ نظر تھی

۱۸

غازی کے تہہ راں ہے عجب رخشِ صبا دَم شرمندہ ہوئے کبک، ہرن بھول گئے رَم
ہوش اُڑنے لگے ہو گیا پریوں کا یہ عالم رفرف بھی ہے قائل کہ یہ دلدل سے نہیں کم
گردوں پہ ملائک میں ہے غل تیز پری کا
کہتے ہیں پری جس کو وہ سایہ ہے اسی کا

۱۹

یہ چال نسیم سحری پا نہیں سکتی یہ حسن یہ انداز پری پا نہیں سکتی
اس قہر کی جادو نظری پا نہیں سکتی ہاں برق بھی یہ جلوہ گری پا نہیں سکتی
ادنیٰ سا یہ کاوے کا اثر آج تلک ہے
گردش میں زمانہ ہے تو چکر میں فلک ہے

۲۰

گو فکر رسا لوگوں کی تا عرش گئی آئی تازی نہ مگر اسپ کی تشبیہ کوئی لائی
گو طورِ مضامیں پہ بھی مداحوں نے جا پائی پر چہرۂ مضموں نے جھلک تک بھی نہ دکھلائی
وہ ہوش میں آئیں، جنھیں ارمانِ سخن ہے
ہر شخص نہیں موسیٰ عمرانِ سخن ہے

۲۱

معشوقِ سخن کی ہمیں کرتے رہے تزئیں طفلی سے رہے نظم کے گلزار کے گلچیں
گھوڑے کے بھی تلوار کے بھی لائے مضامیں اس کوشش و محنت کی کریں قدر، ہُنر ہیں
آفاق میں اب ایسا سخنور نہ ملے گا
ڈھونڈیں گے جو مشعل بھی جلا کر نہ ملے گا

۲۲

بیتاب مثالِ دلِ عاشق ہے یہ گھوڑا جب تو کسی پہلو نہیں اک آن ٹھہرتا
چلنے میں جو سَن سَن کی صدا ہوتی ہے پیدا تیر اس کی کنوتی ہے کماں اس کا ہے کنڈا
اعجاز ہے کوسوں نہیں ملتا ہے پتا بھی
رفتار وہ ہے پوجتی ہے پاؤں صبا بھی

۲۳

گو چرخِ چہارم پہ ہے خورشید ضیا بار چھولے اسے پر ایک طرارے میں یہ رہوار
اللہ نے دی ہے اسے وہ تیزیٔ رفتار پا سکتا ہے اس کو وہی جو اس پہ ہو اسوار
بوئے گلِ تر جاتی ہے جاتا نہیں گھوڑا
تیزی کی یہ حد ہے، نظر آتا نہیں گھوڑا

۲۴

تعریف ہو کس طرح سے شبدیزِ جواں کی کیا جانئے تیزی ہے بھری اس میں کہاں کی
ہمراہ چلے اس کے یہ طاقت ہے زباں کی کم اس سے روانی ہے بہت آبِ رواں کی
پائے اسے مقدور نہیں ذہنِ رسا کا
گھوڑا نہیں جوہر یہ اُڑایا ہے ہوا کا

۲۵

کس طرح بھلا ایسا سبک گام کوئی پائے جو موج ہوا پر کبھی چلنے سے نہ گھبرائے
گر باغ میں اس اسپ کو راکب کبھی دوڑائے دل کو ہے یقیں پیرہنِ گل میں نہ جھول آئے
گر لب پہ بتوں کے کبھی سرعت کا بیاں ہو
جس جا شفق چرخ ہے واں سرخیٔ پاں ہو

۲۶

مرکب کے پسینہ سے جو ڈھالے کوئی گوہر لے چرخ کو موج آب گہر کی ابھی بڑھ کر
گر نعل کے لوہے سے گھڑی کا بنے چکر سو دورِ فلک ختم کرے دم میں وہ چل کر
رفتار کی تیزی کی جو قیمت کوئی ٹھہرائے
یہ مول کا عالم ہو کہ بڑھتا ہی چلا جائے

۲۷

یوں چلتا ہے شبدیز سبک راہِ خدا میں جس طرح اُڑے برگِ سمن تیز ہوا میں
یا مسئلہ حکمت کا دماغِ حکما میں یا نکتۂ باریک کوئی ذہن رسا میں
کیونکر نہ سبک سیر پے رخش خطاب آئے
دریا پہ جو سم رکھ دے تو جنبش میں نہ آب آئے

۲۸

اس کی سبکی کو کوئی تحریر میں کیا لائے چاہے تو خطِ نورِ سحر پر یہ ہوا کھائے
بالفرض اگر تار نظر پر کوئی دوڑائے یا موئے کمر پر اسے سرپٹ کوئی لے جائے
باریک نظر جتنے ہیں ان کو نہ اثر ہو
نازک بدنوں کو بھی نہ زنہار خبر ہو

۲۹

ہے اس سے زیادہ سبک اس اسپ کی رفتار پلکوں کا ہے کیا ذکر جھپک ہو نہ خبردار
کیسی کمر آگاہ لچک بھی ہو نہ زنہار پھر آنے کو یہ موج ہوا پر بھی ہے تیار
بے کھٹکے چلے جادۂ تسلیم و رضا پر
سرپٹ اُڑے غنچہ کے چٹکنے کی صدا پر

۳۰

دانتوں میں مزا دیتا ہے کیا اس کے دہانہ جس طرح کہ گیسوئے پریزا میں شانہ
یوں یہ طرف معرکہ ہوتا ہے روانہ جس طرح حذنگ آئے کوئی سوئے نشانہ
کھچتا ہے تو حیرت کا نشان بنتی ہے گردن
جب تیر یہ بنتا ہے کمان بنتی ہے گردن

۳۱

کیونکر کوئی تحریر کرے تیزیٔ رفتار جب ہاتھ میں خامہ کا ٹھہرنا بھی ہو دشوار
پڑ جائے شب و روز پہ گر سایۂ رہوار غالب رہے اک دوسرے پر چلتے میں ہر بار
خورشید جسے کہتے ہیں نقشِ کفِ پا ہے
برق اس کی مصاحب ہے تو شاگرد صبا ہے

۳۲

پڑھتا ہے رجز یوں بفصاحت وہ نکو نام ہم ہیں اَسد ضَیغَمِ حق اے سپہ شام
اللہ نے بھیجی ہے ہمیں چرخ سے صمصام نعرہ جو کریں چونک پڑے گور میں بہرام
وقفہ نہ لڑائی میں گوارا کیا ہم نے
مرجب سے بہادر کو دو پارا کیا ہم نے

۳۳

صفین میں کیا کیا نہ پدر نے جَدوگَد کی خیبر میں شہنشاہ دو عالم کی مدد کی
ضربت نہ ملائک سے رُکی شیرِ صَمَد کی جبریل ہیں موجود، جو حاجت ہو سَند کی
چھوڑا کسی کافر کو نہ مشرک کو اماں دی
بت توڑ کے کس دھوم سے کعبہ میں اذاں دی

۳۴

سلطانِ اُمم شیرِ خدا قبلۂ ایماں عیسیٰؑ جہاں نوح زماں فخر سلیماں
سیاف و اسد گیر و شجاع و شہِ مرداں خیبر شکن و تیغ زن و ضیغمِ یزداں
صفدر ہیں دلاور ہیں شجاعِ اَزَلی ہیں
ہادیٔ سُبُل دست خدا نفسِ نبیؐ ہیں

۳۵

پانی کے لئے تل گئے جن جبکہ وَغا پر بے دغدغہ یہ کود گئے چاہ کے اندر
جنات کو حیرت ہوئی سب رہ گئے ششدر جب کھینچ کے تلوار بڑھے حیدرؑ صفدر
یہ خوف کا عالم تھا کہ منہ زَرد ہوئے تھے
شعلے تھے مگر پیشِ علیؑ سَرد ہوئے تھے

۳۶

پھر یوسفِ کنعانِ سخن کی ہے مجھے چاہ ڈھونڈی ہے زلیخائے طبیعت نے نئی راہ
جھانکوں گا کنوئیں، جب کہیں ہاتھ آئے گا وہ ماہ پا جاؤں اسے گر خضرِ شوق ہو ہمراہ
جا، مصرِ معانی میں ہے مضموں کے صنم کی
منظور یہ ہے جنگ لکھوں، بیر الم کی

۳۷

پرکالۂ آتش تھے جو وہ، برق تھی تلوار جس جس پہ کڑک کر یہ گری کر دیا مسمار
گرم اس کی حرارت نے کیا موت کا بازار پانی کا کنواں بن گیا رشکِ کرۂ ناز
ناری جو پتنگے تھے تو اخگر تھی وہ شمشیر
اس آگ کے دریا میں سمندر تھی وہ شمشیر

۳۸

آتش کا ستوں بن کے جو جن سامنے آیا آبی اسے تلوار کی دہشت نے بنایا
اُس شمع شجاعت نے دھواں اس کا اڑایا کیا آگ تھی شمشیر کی، آتش کو جلایا
سب زیست کے قصوں سے غرض پاک ہوا وہ
اُڑ جانے کو تا ملکِ عدم خاک ہوا وہ

۳۹

مُنہ سے کسی ناری نے نکالا اگر اخگر اور چاہا کہ پھینکے طرفِ نفسِ پیمبر
مُنہ کھول کے لپکا وہیں شمشیر کا اژدر آیا مع اخگر وہ لعین پیٹ کے اندر
حیرت ہوئی یہ دیکھ کے جنات کی صف کو
وہ شعلہ لگا لے گیا دوزخ کی طرف کو

۴۰

تھیں آگ کی محرابیں کہ شانوں پہ کمانیں آتی تھیں نظر تیرِ شہاب اُن کی سنانیں
کس طرح سے وہ گرمیٔ پیکار کو مانیں قد شمعوں کی صورت تھے، تو لَو سب کی زبانیں
جب دیکھتی تھی آگ وہ کفار کے مُنہ میں
پانی سا بھرا آتا تھا تلوار کے مُنہ میں

۴۱

دل جس کے ہیں روشن انہیں سوجھیں یہ مثالیں سب اہلِ نظر اس نئی تشبیہ کو دیکھیں
تھیں ان کے سیہ چہروں پہ اس طرح سے آنکھیں جس طرح سپر پر گلِ نرگس کبھی رکھ دیں

ہر زخم کا گل آگ کا، آتا تھا نظر پھول
گویا کہ گئے باغِ خلیلی کے بکھر پھول

۴۲

سر شعلۂ شمشیر نے جس وقت اُٹھایا چاروں طرف اک آگ کا طوفاں نظر آیا
آخر کو اماں کے لئے چادر کو ہلایا حضرت نے مسلماں کیا اور کلمہ پڑھایا

تب قدرِ ولی فرقۂ جنات نے جانی
جب چاہ سے آتش کے علیؑ لے گئے پانی

۴۳

یہ عُن کے ہوئے مستعد جنگ ستمگار ناوک فگنی پر ہوئے آمادہ خطا کار
حیدر کی طرح شیر نے لی میان سے تلوار تھرائی زمیں، چرخ جھکا ہل گئے کہسار

طاری ہوا اک خوف دلِ جن و ملک پر
تھرّانے لگے شہپرِ جبریل فلک پر

۴۴ ساقی نامہ

پھر جامِ مُل اے ساقیٔ گلپوش، پلا دے پیاسا ہے بہت رندِ قدح نوش، پلا دے
لِلّٰہ نہ کر دل سے فراموش، پلا دے ہو جاوں جواں وہ مئے سر جوش پلا دے

حوریں جسے پیتی ہیں بصدِ شوق جناں میں
جس کے لئے زاہد بھی ترستے ہیں جہاں میں

۴۵

ساقی تری بکری ہو سوا تو رہے خورسند وہ جام عطا کر جسے پیتے ہیں خردمند
میں خاص کسی قسم کی مے کا نہیں پابند اُس میں سے اُڑے لال پری جس میں کہ ہے بند

پیتے ہی جو مدہوشی و مستی کا پتا دے
ساغر جو نہ ہو پاس تو شیشہ ہی اُٹھا دے

۴۶

جو ہو ترے میخانے میں بہتر، وہی دنیا آ جائے جسے پیتے ہی چکر، وہی دینا
ہے جس کا سدا دَور فلک پر، وہی دینا کہتے ہیں جسے بادہ کوثر، وہی دینا
اُس مے سے میں تا حشر نہ انکار کروں گا
توبہ تو کہاں، نام بھی توبہ کا نہ لوں گا

۴۷

جنگاہ میں چلنے لگی تلوار اُڑے سر جس سمت گئی ساعقہ کردار اُڑے سر
تر خون سے ہوئی فوج جفا کار اُڑے سر بے دم ہوئے لشکر کے نمودار اُڑے سر
روپوش ہوئے اہلِ ستم، رَن میں نہ ٹھہرے
ثابت قدموں کے بھی قدم رن میں نہ ٹھہرے

۴۸

انبار سر و تن کا لگایا جدھر آئی سب برق کا انداز دکھایا جدھر آئی
لاکھوں کا لہو دم میں بہایا جدھر آئی میدان میں اک حشر سا آیا جدھر آئی
ڈھالوں کی شبیں کٹتی ہیں آفت کا یہ دن ہے
چلاتے تھے شامی کہ قیامت کا یہ دن ہے

۴۹

ہے قدرتِ حق سے عجب اس تیغ کا عالم چلنے میں تو ہے صاب دم رکنے میں بے دم
کر دیتی ہے دم بھر میں صفیں درہم و برہم اُٹھے تو معلق ہے قضا، بیٹھتے تو مُبرم
جینا اُسے مشکل ہو جسے شکل دکھا جائے
پھر ہے وہی تلوار، اگر میان میں آ جائے

۵۰

صیاد ہے یہ تیغ، نظر ڈالیں جو اس پر کپنا ہے اگر پیپلا تو دام ہے جوہر
ہیں دشمنوں کے طائرِ جاں صید سراسر مقتل کی زمیں جائے شکار اس کی مقرر
سر مِل کے جدا کرتی ہے ہشیار ہے ایسی
خود مار کے خوں روتی ہے مکار ہے ایسی

۵۱

مطلق نہیں گو رکھتی ہے، یہ طاقت گفتار پرنوک زباں رہتے ہیں، سب جنگ کے اسرار
صاف اس کے چم وخم سے یہ ہوتا ہے نمودار بانکا بخدا ہے، کوئی معشوقِ طرحدار
دونوں طرف اس تیغ میں جوہر یہ نہیں ہیں
شمشیر جواں کی ہے، مسیں بھیگ رہی ہیں

۵۲

جب میان کے بادل سے نکلتی ہے چمک کر ہر آنکھ جھپک جاتی ہے بُجھ جاتے ہیں تیور
محراب ہے مسجد کی، یہ شمشیر مقرر گرتا ہے ہر اک سر کے جو بل، سامنے آ کر
یعنی ترے ممنوں دمِ پیکار ہوئے ہم
یہ اس کا ہے سجدہ کہ سبک بار ہوئے ہم

۵۳

خم اس میں ہے، گیسو اسے پر کہہ نہیں سکتے پھل رکھتی ہے، پر اس کو شجر کہہ نہیں سکتے
گو اس میں لچک ہے پہ کمر کہہ نہیں سکتے دھار اس میں ہے، دریا بھی مگر کہہ نہیں سکتے
ہیں بال تو جوہر کے مگر فرق نہیں ہے
بجلی سی چمکتی تو ہے پر برق نہیں ہے

۵۴

سینوں میں اُترتی ہے، یہ پیکان نہیں ہے تکتی تو ہے ہاتھوں میں پہ میزان نہیں ہے
لئے لیتی ہے جاں اور کی، گو جان نہیں ہے دم رکھتی ہے شمشیر، پر انسان نہیں ہے
تنہا تو ہے، پر دم میں بھگا دیتی ہے سب کو
صورت تو ہے پیاری، پہ ڈرا دیتی ہے سب کو

۵۵

ہے خیر جبھی تک، کہ یہ ہے میان کے اندر کاٹھی سے یہ نکلی، کہ بپا ہو گیا محشر
پھڑکا کیا تا دیر دکھایا جسے جوہر لوٹا کئے دونوں، سر بے تن، تنِ بے سر
اک بار گلے جس کو لگا لیتی ہے تلوار
خلعت اُسے گلنار، پنہا دیتی ہے تلوار

۵۶

تلوار نے کی جبکہ بہت دست درازی گویا یہ کنوتی کو بدل کر ہوا تازی
تو جنگ میں لے جا نہیں سکتی کبھی بازی میں بھی تو عراقی ہوں اگر تو ہے حجازی
سکہ جو تری ضرب کا عالم میں رواں ہے
خورشید جہاں تاب مرے سُم کا نشاں ہے

۵۷

تو برق ہے، بادل کی گرج ہے مرا صیحہ تو کاٹتی ہے سر میں کچل دیتا ہوں اعضا
تو تیغ ہلالی ہے، تو کاوا مرا ہالا تو خون سے ہے سُرخ، مرا رنگ ہے سبزا
خادم ہوں میں غازی کا ہوا خواہ ہوں دل
تو ہاتھ کی محتاج ہے میں شاہ ہوں دل کا

۵۸

بے چین ہوئی تیغ سنی جبکہ یہ گفتار بولی کہ یہ دعوے یہ اکڑنا تو ہے بیکار
دیکھی نہیں کیا تو نے مری گرمیٔ رفتار جو سامنے آیا وہی ناری ہوا فی النار
لیکن ترا ارمان نکلتا نہیں کوئی
آتش قدمی کیسی ہے، جلتا نہیں کوئی

۵۹

ہے دھار غضب میری، میں ہوں قہر کا دریا کھا سکتا ہے کوئی، مرے پانی کا تھپیڑا
اوسان خطا ہوتے ہیں خط دیکھ کے میرا پیشانی میں کاٹ آتی ہوں، تقدیر کا لکھا
تو میرے سے جوہر نہیں رکھتا ہے جہاں میں
رفتار میں یہ کاٹ، نہ تیزی ہے زباں میں

۶۰

گھوڑے نے کہا کیوں نہیں میں تیرے برابر مجھ میں بھی تو ہیں وصف اگر تجھ میں ہیں جوہر
کچھ کم یہ صفت ہے، کہ میں اُڑ جاتا ہوں بے پر کاوا مرا، تقدیر کا دشمن ہے چکر
پروا نہیں گر تیری طرح، کس کی کمی ہے
آفاق میں مشہور مری دور رکی ہے

۶۱

ہوتی تھی اُدھر تیغ و فرس میں تو یہ گفتار اُڑنے کے لئے تیر اِدھر ہو گیا تیار
گویا ہوا فوراً لبِ سوفار سے اکبار ماروں اُسے پلّہ پہ جو ہو، کوئی خطا کار
جب تک کہ میں ترکش میں ہوں، تنکے سے سوا ہوں
پر چلہ سے نکلا کہ میں فرمانِ قضا ہوں

۶۲

جب کیجے رواں مثلِ نظر جاتا ہوں فوراً ہو فاصلہ کتنا ہی مگر جاتا ہوں فوراً
تیزی ہے یہ مجھ میں کہ جدھر جاتا ہوں فورا دشمن کے کلیجے میں، اُتر جاتا ہوں فوراً
ہٹتا ہوں نہ میں مثلِ فرس جان کے ڈر سے
رکتا ہوں نہ میں تیغ کی مانند سپر سے

۶۳

غصہ میں بھری تیغ، بیاں تیر کا سن کر بولی کہ تو ہو سکتا ہے کیونکر مرا ہمسر
نادان، میں بے پاؤں کے چلتی ہوں گلے پر تو چلہ کا محتاج ہے گو رکھتا ہے شہپر
کوئی بھی مقابل ہو، اگر کاٹ کے چھوڑوں
آ جائے مری زد پہ تو پَر کاٹ کے چھوڑوں

۶۴

نیزے نے کہا سب سے مری بات ہے بالا آگے مرے جب آ گیا دشمن اسے ٹالا
دکھلائی اگر آنکھ تو پتلی کو نکالا کیا لہر میں کھیلے گا، مرے سامنے کالا
کفار کی میں جان جدا کرتا ہوں مل کے
اِس پار سے اُس پار نکل جاتا ہوں دل کے

۶۵

آگے مرے ہوتی ہے زبانِ جہلا بند جب بندھ گیا دشمن سے نہ پھر میرا گھلا بند
اک ہاتھ میں کرتا ہوں دلیروں کو میں پابند میری ہی زباں نے تو ہے منہ سب کا کیا بند
آیئے جو مرے سامنے طاقت ہے یہ کس کی
ہر میرے گرہ بہر عدو گانٹھ ہے بس کی

۶۶

سر گُرز نے کاندھے سے اُٹھا کر یہ پکارا البُرز سا ہو کوہ تو کر دوں میں دو پارا
چار آنکھ کرے مجھ سے سپر کا نہیں یارا جیتا ہوا جو سامنے آیا، گیا مارا
روکے مجھے یہ خود کا مقدور کہاں ہے
ہلکا سا بھی جو وار ہے میرا، وہ گراں ہے

۶۷

چار آئینہ کہنے لگا یوں اپنی حقیقت آگے مرے آئے نہیں دشمن کی یہ طاقت
چہرہ کے دکھاتی ہی، بگڑ جاتی ہے صورت سکتہ کا مرض ہوتا ہے بڑھ جاتی ہے حیرت
ہوتا ہی نہیں لفظ ادا، کوئی زباں سے
کچھ پڑھ کے کہے بات یہ منہ لائے کہاں سے

۶۸

چلائی زرہ تن کے یہ عباسؑ کے تن پر میری ہی حفاظت میں ہے یہ جسمِ مُطہر
اک دو نہیں یاں سینکڑوں آنکھوں کا ہے منظر میں دشمنوں کو دیکھتی رہتی ہوں برابر
حربہ مری توقیر کو پاتا نہیں کوئی
اس طرح کڑی ضرب اٹھاتا نہیں کوئی

۶۹

بولی یہ سپر رہتی ہوں گو پشت کے پیچھے پر وقتِ وغا سینہ سپر ہوتی ہوں آ کے
چار آنکھ کرے مجھ سے زرہ سے کوئی کہہ دے اندھی ہے، کہ پتلی سے ہیں خالی ترے حلقے
گو مجھ میں ہلال ایک ہے اور چار ستارے
وہ رات ہوں سب بھاگتے ہیں خوف کے مارے

۷۰

نیزوں کی زبانوں پہ فسانہ تھا اجل کا نامی جو جواں تھا وہ نشانہ تھا اجل کا
شمشیر کے پہلو میں ٹھکانہ تھا اجل کا سر کٹنے کا تھا عہد، زمانہ تھا اجل کا
سب بہرِ دعا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے تھے
ڈر سے ملک الموت بھی گھبرائے ہوئے تھے

۷۱

آخر کو کنارے ہوئے سب ظالم خودسر اور نہر مین داخل ہوئے عباسِ دلاور
موجوں نے بلائیں لیں علمدار کی بڑھ کر صدقے کے لئے لائے صدف ہاتھ میں گوہر
ساحل پہ قدم ٹِک نہ سکا اہل ستم کا
قبضہ ہوا بے دغدغہ سقائے حرم کا

۷۲

پر پیاس کی شدت سے نہایت تھے پریشاں ہونٹوں پہ زباں خشک پھراتے تھے ہر اک آں
اس نہر کے پانی کو جو دیکھا کہ ہے جنباں آنکھوں میں پھری تشنگیٔ اصغرِ ناداں
مضطر ہوا دل، اَبر اَلَم چھا گیا فوراً
پیاسی ہے سکینہؑ، یہ خیال آ گیا فوراً

۷۳

ٹھنڈی جو ہوا آئی تو غازی نے بھری آہ دل سے یہ کہا دھوپ میں ہیں شاہِ حق آگاہ
اک دم بھی ترائی میں نہ اب ٹھہروں گا واللہ یہ کہہ کے جھکے مشک بھری، خیمے کی لی راہ
تاخیر جو ہوتی تھی تو گھبراتے تھے عباسؑ
دوڑائے ہوئے رخشِ چلے جاتے تھے عباسؑ

۷۴

میدان تھا صاف ایک نہ تھا نہر پہ مکار لے آنے سے پانی کے، بہت خوش تھے علمدار
پھر بھاگی ہوئی فوج پلٹ آئی سب اکبار عباسؑ بھی لڑنے لگے پھر کھینچ کے تلوار
کہتے تھے کہ پروا نہیں گو زیست پہ حرف آئے
خیمہ میں مگر خیر سے یہ مشک پہنچ جائے

۷۵

ہیہات مگر حسرتِ دل کیسے نکالیں ریلا ہے بہت، فوج کو کس طرح سے ٹالیں
موقع نہیں اتنا بھی کہ گھوڑے کو بڑھا لیں اب جنگ کریں، یا علَم و مشک سنبھالیں
تپتی ہے زرہ جسم پہ دھوپ اتنی کڑی ہے
اک جان کئی طرح کی آفت میں پڑی ہے

۷۶

اس پر بھی یہ ہے جراتِ عباسؑ کی حالت پوری علَم و مشک کی کرتے ہیں حفاظت
ہو آ کے مقابل یہ کسی کی نہیں طاقت آیا بھی تو پھر کر نہ گیا، کوئی سلامت

پہلو سے جو نیزہ کسی بے رحم نے مارا
تلوار کے گھاٹ اس کو بہشتی نے اتارا

۷۷

جب دیکھا کہ کھاتا ہی نہیں چوٹ وہ جرار استادہ ہوا آڑ میں اک پیڑ کی مکار
لکھا ہے کہ پہنچے جو قریب اس کے علمدار مردود نے تلوار کا شانے پہ کیا وار

تیورا گئے اک چوٹ لگی قلب حزیں پر
ہیہات گرا دست یمیں کٹ کے زمیں پر

۷۸

اللہ رے جرأت خلفِ شیر خدا کی گرنے نہ دیا مشک کو اُس شانے پہ رکھ لی
اس ظلم پہ بھی باز نہیں آئے وہ ناری اُس شانے پہ بھی ہائے غضب تیغ لگائی

اک آہِ جگر سوز کی، دل ہو گیا سَن سے
وہ ہاتھ بھی غازی کا گرا کٹ کے بدن سے

۷۹

سقہ کا عجب دل تھا عجب حوصلہ تھا واہ کچھ ہاتھوں کے کٹنے کا کیا رنج نہ واللہ
دانتوں میں لیا مشک کے تسمہ کو بہ صد جاہ فرمایا یہ گھوڑے سے کہ طے جلد یہ کر راہ

لڑ بھڑ کے اسے لائے ہیں، کام آئے یہ پانی
خیمہ میں کسی طرح پہنچ جائے یہ پانی

۸۰

بڑھتا ہی چلا آتا ہے ان فوجوں کا سیلاب پیاسی ہے سکینہ تو بہت قلب ہے بیتاب
کوشش سے لیا ہے اسے ضائع نہ ہو یہ آب اس گرمی میں ایک ایک ہے قطرہ دُرِ نایاب

سیدانیوں کے رونے سے اک حشر بپا ہے
خیمے میں کسی کو نہیں دو دن سے ملا ہے

۸۱

گھوڑے سے یہ کہتے تھے علمدارِ دلاور صد حیف کہ اک تیر پڑا مشک پہ آ کر
پانی جو بہا چوٹ لگی قلبِ حزیں پر تھرّانے لگے زین کے ہرنے پہ رکھا سر
اس وقت میں بھی راہ وفا سے نہ پھرے آپ
شبدیز سے، مشکیزہ کے ہمراہ گرے آپ

۸۲

پھر مڑ کے سوئے خیمہ پہ حضرت کو پکارا خادم کی خبر یا شہ دیں لیجے خدارا
سر پر کسی بے رحم نے اک گُرز ہے مارا میں بھی گرا، پانی بھی بہا مشک کا سارا
اس وقت میں صورت مجھے دکھلایئے مولا
دیدار کا مشتاق ہوں جلد آیئے مولا

۸۳

بھائی کی جو آواز سنی رو دیئے مولا فرمایا یہ اکبر سے غضب ہو گیا بیٹا
افسوس کٹے ہاتھ، گرا گھوڑے سے سقا اس شیر نے، دریا سے ابھی مجھ کو پکارا
جلدی چلو، حالت ہے بہت غیراخی کی
عباس کا دیدار، زیارت ہے علیؑ کی

۸۴

یہ کہہ کے چلے نہر کی جانب شہِ بے پر گھبرائے ہوئے، چاک گریبان، کُھلا سر
تھامے ہوئے تھے ہاتھ، جناب علی اکبرؑ نعرہ یہ زباں پر تھا وفادار برادر
دامن کو ترے غم میں نہ اشکوں سے بھگوتا
اے کاش! زمانے میں حسینؑ آج نہ ہوتا

۸۵

پہنچے جو تڑپتے ہوئے حضرت لبِ دریا دم توڑتے ریتی پہ علمدار کو دیکھا
اس وقت بھی چھوڑا نہ طریق اہلِ وفا کا پہلو میں نشان سینے پہ ہے مشکِ سکینہؑ
پہلے تو الم ہاتھوں کا تڑپا گیا شہ کو
یہ شان نظر آئی تو پیار آ گیا شہ کو

۸۶

رو کر کہا کچھ دردِ دلِ زار سناؤ اے عاشقِ شبیر، ذرا ہوش میں آؤ
مر جاوں گا عباسؑ، نہ آنکھوں کو پھراؤ پوچھے جو سکینہؑ تمہیں، کیا کہہ دوں بتاؤ
پانی کے لئے نہر سے آنکھ اُس کی لڑی ہے
کوزہ لئے خالی درِ خیمہ پہ کھڑی ہے

۸۷

آواز دلاور نے سنی شہ کی تو چونکا اور عرض یہ کی پاوں بڑھا دیجئے آقا
جی چاہتا ہے لوں قدم پاک کا بوسا لے جایئے گا خیمہ میں خادم کا نہ لاشا
شہ بولے کہ آخر سبب اس امر کا کیا ہے
کی عرض کہ شرمندہ بھتیجی سے چچا ہے

۸۸

پھر سر قدم پاک پہ شبیرؑ کے رکھ کر دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ دلاور
سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے برادر ہمشکل پیمبر نے کہا شہ سے یہ رو کر
خادم نے عجب حال میں چھوڑا تھا حرم کو
اب گھر مین عوض لاش کے لے چلئے علَم کو

۸۹

حالت جو سکینہؑ کی ہے خالق نہ وہ دکھلائے لب خشک ہیں منہ زرد ہے اور ہونٹ ہیں پپڑائے
یہ ڈر ہے، نہ گھبرا کے کہیں نہر پہ آ جائے فرمایا برادر سے چھڑاتے ہو مجھے ہائے
اپنا بھی بھروسہ نہیں اب ایک نفس کا
ساتھ آج چھٹا جاتا ہے بتیس برس کا

۹۰

یہ کہہ کے اٹھا حیدر کرار کا جایا لاشے کو کئی بار کلیجے سے لگایا
ہمشکل پیمبر کو بھی رونا بہت آیا بڑھ کر علَم و مشک کو کاندھے پہ اٹھایا
دل چاک ہے سر پیٹتے ہیں محو فغاں ہیں
خیمے کو عجب حال سے شبیر رواں ہیں

۹۱

فضہ در خیمہ پہ کھڑی دیکھتی تھی راہ دیکھا کہ حسینؑ آتے ہیں با نالۂ جانکاہ
سر پیٹتے روتے علی اکبرؑ بھی ہیں ہمراہ ہے دوشِ مبارک پہ نشانِ اسد اللہ
چلائی کہ دسواس مجھے آتے ہیں لوگو
ہم شکلِ نبی مشک وعلم لاتے ہیں لوگو

۹۲

یہ سن کے ہوا شور بکا اہلِ حرم میں سیدانیوں کے بال کھلے سقہ کے غم میں
واں مرگ کی ہوتی تھی خوشی اہلِ ستم میں یاں حال یہ تھا، ایک کے بھی، دم تھا نہ دم میں
صدمہ سے اُدھر غش میں سکینہؑ تو پڑی تھی
سر کھولے ادھر زوجۂ عباسؑ کھڑی تھی

۹۳

اتنے میں یہ فضہ نے ندا دی بدلِ زار اے بیبیو آیا علمِ احمدؐ مختار
تعظیمِ نشاں کے لئے اُٹھے جگر افگار خیمے میں ہوا ماتمِ عباسِؑ علمدار
بچے تو زمیں پر کئی بیہوش پڑے تھے
سب اہلِ حرم زیرِ نشاں پیٹ رہے تھے

۹۴

اے بزمؔ نہ اب زوجۂ عباسؑ کے لکھ بین خالق سے دعا کر، کہ برائے شہِ کونین
گریاں ہے قلم، قلب ہوا جاتا ہے بے چین ہو جائے ادا وہ، مرے ذمہ ہے جو کچھ دین
فرقت کی بھی اب تاب نہیں قلبِ حزیں میں
بھجوا دے مجھے روضۂ شاہنشہِ دیں میں

مرثیہ:۵

روایت؛ شاہِ روم کا سفرِ کربلا

مطلع

رشکِ بہارِ خُلد ہے صحرائے کربلا

تعداد بند:۱۲۶

۱

رشکِ بہارِ خُلد ہے صحرائے کربلا عرشِ بریں ہے قصرِ مُعلّائے کربلا
عالم میں ہے یہ رُتبۂ والائے کربلا کعبہ کو ہر گھڑی ہے تمنائے کربلا
کیونکر نہ اُس زمیں کو شرف یہ حصول ہوں
دامن میں جس کے باغِ پیمبرؐ کے پھول ہوں

۲

عصیاں کے عارضہ کی دوا ہے یہی زمیں رتبہ میں عرش سے بھی سوا ہے یہ یہی زمیں
محبوبِ خاصگانِ خدا ہے یہی زمیں اب کیا کہوں کہ خاکِ شفا ہے یہی زمیں
برسوں کا ہو علیل تو دم میں شفا ملے
بوذر ہے وہ یہاں جسے سونے کو جا ملے

۳

یہ خاک اہلِ ارض و سما کو پسند ہے یہ جا وہ ہے کہ عرشِ عُلا کو پسند ہے
شیرِ خُدا کو خیرِ ورا کو پسند ہے بس خاتمہ ہوا کہ خُدا کو پسند ہے
کعبہ ہے پست رُتبہ میں اس ارضِ پاک سے
سجدے کو بھی ملا ہے شرف یاں کی خاک سے

۴

کیونکر نہ دل پذیر ہو دلچسپ جا ہے وہ حضرت نے انتخاب کیا کربلا ہے وہ
فرشِ زمیں پہ دُوسرا عرشِ عُلا ہے وہ حق تو یہ ہے کہ کہہ نہیں سکتا ہوں کیا ہے وہ
بستے ہیں اُس زمین پہ جو گل وہ وحید ہیں
غنچہ ہے برکتوں کا بہتّر شہید ہیں

۵

اِس ساری کائنات کا جلوا وہی تو ہے دبتا ہے جس سے عرش وہ روضہ وہی تو ہے
سیدھا خدا سے ملنے کا رستہ وہی تو ہے یہ چرخ طوف کرتا ہے جس کا وہی تو ہے
دنیا میں جا مبارک و مسعود ہے وہی
سب مومنوں کا کعبۂ مقصود ہے وہی

۶

دل کھینچتی ہے ایسی جگہ جانفزا بھی ہے کوثر کا آبِ خُلد بریں کی ہوا بھی ہے
خاک اُس زمینِ پاک کی خاکِ شفا بھی ہے سب اِک طرف گنہ کے مرض کی دوا بھی ہے
رحمت سے اُس کی عفو بھی بیباک ہوگیا
واں جو گناہ گار گیا پاک ہوگیا

۷

کعبے پہ اس زمین کو حق نے شرف دیا دنیا میں یہ مقام ہے گلشن بہشت کا
یاں کی ہوا سے ہوتی ہے بیمار کو شفا ساکن ہیں اس زمیں کے نظر کردۂ خُدا
کچھ ڈر عذاب کا نہ فشارِ زمیں کا ہے
ہے جس میں لُطفِ زیست وہ مرنا یہیں کا ہے

۸

کیا خوف مومنوں کو کہ سرور مدد کو ہیں عباس ابنِ ساقیِ کوثر مدد کو ہیں
قاسمؑ مدد کو ہیں علی اکبرؑ مدد کو ہیں اٹھارہ نونہالِ پیمبرؐ مدد کو ہیں
اب اس جگہ ہراس و تردد کا کام کیا
حامی ہوں جن کے اتنے ڈریں وہ غلام کیا

۹

خاکِ شفا کا فرش جگہ کیسی پاک صاف یہ چرخ داں کے اہلِ زمیں کے نہیں خلاف
پہنچا محب کہ سارے گنہ ہوگئے معاف دیکھے جو اُس کی شان تو کعبہ کرے طواف
یہ منزلت نصیب کسی کو کہاں ہوئی
ایسی زمیں کہ رشکِ دہِ آسماں ہوئی

۱۰

اُس ارضِ پاک کو جو کبھی دیکھ پاؤں میں آنکھوں کا فرش روضہ کے در پر بچھاؤں میں
بستر مزارِ شاہِ زمن پر لگاؤں میں رضواں جو خُلد میں بھی بلائے نہ جاؤں میں
کہدوں کہ مجھ کو مالکِ فردوس مل گیا
کیسی بہشت غنچۂ امید کھل گیا

۱۱

اُس ارضِ پاک کا ہو بیاں کیا وقار و جاہ کہتے ہیں عاشقانِ شہنشاہِ دیں پناہ
یعنی کہ ملکِ روم میں تھا ایک بادشاہ رکھتا نہ تھا امامِ دو عالم سے رسم و راہ
کرتا تھا کوئی فکر نہ انجام کے لئے
دیں دار تھا جہاں میں فقط نام کے لئے

۱۲

اُس شاہ کے وزیر تھے چالیس خوش خصال تھا اُن میں ایک شیفتۂ شیرِ ذوالجلال
مشتاق کربلا کی زیارت کا تھا کمال تھا بادشاہ کو بھی اُسی کا بہت خیال
از بس عزیز شاہ کو وہ با وقار تھا
مثلِ مژہ وزیروں کی آنکھوں میں خار تھا

۱۳

اس طرح اُن وزیروں میں تھا وہ فلک وقار جس طرح فوجِ شام میں حُر اِک وفا شعار
یا حضرت خلیلؑ ہوں جیسے میانِ نار فرعونیوں کی فوج میں موسیٰؑ نامدار
تھا اس طرح سے وہ گُلِ تر خارزار میں
جس طرح ایک دانۂ جنت انار میں

۱۴

واقع عراق میں ہوئی اِک جنگِ ناگہاں سوچا یہ شاہ کس کو اُدھر کیجئے رواں
لینے کو مشورہ وزرا سے کیا بیاں سُن کر یہ بات سب نے کہا ہو کے یک زباں
سر ہو یہ جنگ جس سے دلاور نہیں کوئی
حضرت کے اُس وزیر سے بہتر نہیں کوئی

۱۵

گو شہ کو تھا فراق بہت اُس کا ناگوار لیکن بہ جبر دل پہ کیا جبر اختیار
دستور تھا جو عاشقِ سلطانِ نامدار سُن کر یہ بات اُس نے کہا شکرِ کردگار
شامل جو ابرِ رحمتِ حق کی تری ہوئی
سوکھی ہوئی تھی شاخِ تمنا ہری ہوئی

۱۶

قسمت سے گُل کِھلا ثمرِ مدُعا مِلا گھر بیٹھے توشۂ سفرِ کربلا ملا
بالیدگی سے سر سرِ گردوں سے جا ملا کہتا تھا آج بندے کو گویا خدا ملا
دیکھوں گا سیر وادیِ عنبر سرشت کی
سر میں سما گئی ہیں ہوائیں بہشت کی

۱۷

سامان جبکہ چلنے کا تیار ہوگیا راہی سوئے عراق بڑے شوق سے ہوا
یاں بادشہ پہ شاق جو اُس کا فراق تھا تسکینِ قلب کے لئے درماں کیا نیا
مقصود کاہنوں سے یہ پوچھا ضمیر کا
بتلاؤ ہے مقام کہاں اُس وزیر کا

۱۸

کاہن جو کہنہ مشق تھے دیتے تھے یہ نشاں کل تھا وہاں قیام مقام آج ہے وہاں
مثلِ قلم یہ منشیوں پر حکم تھا رواں روزانہ کاہنوں کا قلمبند ہو بیاں
ہوگا جو سچ تو موتیوں سے منہ بھروں گا میں
آئے گا جب وزیر مطابق کروں گا میں

۱۹

اِک روز کاہنوں نے یہ شہ سے کیا بیاں آج آپ کا وزیر ہوا داخلِ جناں
ہوش اُڑ گئے سُنی جو یہ پُر درد داستاں سمجھا جہاں سے ملکِ عدم کو ہوا رواں
دل پر جو داغ تھا تو کیا اُس قمر کا غم
جس طرح باپ کرتا ہے لختِ جگر کا غم

۲۰

سر کر کے اُس مہم کو پھرا جب وہ ذی وقار حاضر ہوا حضور میں با عجز و انکسار
کی عرض جنگ فتح ہوئی شکرِ کردگار حیرت سے دیکھا آئینۂ رُخ کو بار بار
فرمایا اے وزیر یہ کیا واردات ہے
سوتا ہوں جاگتا ہوں یہ دن ہے کہ رات ہے

۲۱

مجھ کو تو کاہنوں نے سنائی تھی یہ خبر بغداد سے بہشت میں تیرا ہوا گزر
سمجھا تھا میں سفر میں عدم کا کیا سفر میں تیرے واسطے رہا دن رات نوحہ گر
مرنے کے بعد شکل دکھاتا نہیں کوئی
یہ ہے وہ جا جہاں سے پھر آتا نہیں کوئی

۲۲

کی عرض یہ وزیر نے اے شاہِ ذی وقار کیا ذکر موت کا نہ ہوا ایک دن بخار
یہ سُن کے روزنامچے منگوائے ایک بار کی جب مطابقت تو نہ تھا فرق زینہار
پوچھا یہ شہ نے کعبۂ ربِّ وریٰ میں تھا
رو کر کہا غلامِ علیؑ کربلا میں تھا

۲۳

یہ سن کر بادشہ نے کہا، کون کربلا بولا جہاں ہے دین محمد کا لاڈلا
نورِ خدا، چراغِ ہدیٰ، شاہِ دوسرا روح بتولؑ و جانِ علیؑ، حجتِ خدا
عالم کا پیشوا ہے، شہِ مشرقین ہے
نام اس شہیدِ راہِ خدا کا، حسینؑ ہے

۲۴

دینِ خدا کو مر کے جلایا اسی نے ہے نارِ سقر سے ہم کو بچایا اسی نے ہے
سکّہ دلاوری کا بٹھا یا اسی نے ہے پایہ بلند عرش سے پایا اسی نے ہے
کیا ذکر اُس کے خوبیِ ذات و صفات کا
مختار ہے نبی کی طرح کائنات کا

۲۵

یہ وہ ہیں جن کا وصف ہے قرآں میں لاکلام فرزند بھی امام کے ہیں خود بھی ہیں امام
راہِ خدا میں آپ شہادت کا پی کے جام بگڑا ہوا بنا گئے امت کا سارا کام
مخلوق کے کوئی عملِ بد نہ دھو سکا
وہ کر گئے جو اور کسی سے نہ ہو سکا

۲۶

اتنے الم سہے کوئی یہ دل لگی نہ تھی دعوت میں اس غریب کی شے کون سی نہ تھی
خنجر نہ تھا کہ تیغ نہ تھی یا چھری نہ تھی کٹوانا سر کا کھیل، شہادت ہنسی نہ تھی
مولا کو میرے جبر پہ کیا اختیار تھا
بہرِ خدا کہو یہ اُٹھانے کا بار تھا

۲۷

ایسا کوئی سُنا بھی نہیں عاشقِ خُدا وعدہ تھا اپنے سر کا بشر کا سر دیا
جب کوئی زخم تن پہ لگا شکرِ حق کیا مالک کا اپنے تیغ کے نیچے بھی دم بھرا
گو دل پہ لاکھ طرح کے صدمے اُٹھا گئے
اُس کی رضا پہ چلتے ہیں یوں یہ دکھا گئے

۲۸

جب ہوگئے شہید بڑھا اور بھی وقار خاکِ شفا انہیں کی لحد کا تو ہے غُبار
ان کی ولا نہیں تو بشر ہے ذلیل و خوار پورا خدا کے گھر میں انہیں کا ہے اختیار
مغموم حشر میں کریں یا شاداں کریں
درزخ میں بھیجیں یا سوئے جنت رواں کریں

۲۹

فردوس ان کا باغ ہے کعبہ ہے اِن کا گھر اقبال ہے غلام کنیز ان کی ہے ظفر
کاٹے ہیں ان کی تیغ نے روح الامیں کے پر حیدر کے جان و دل میں نہ کیونکر ہوں پُرجگر
لشکر جنوں کے بیرِ الم میں بھگا دئے
بدر و احد میں فتح کے ڈنکے بجا دئے

۳۰

پر اس شرف پہ کوفیوں نے کیا غضب کیا لکھ لکھ کے نامے پہلے تو گھر سے طلب کیا
آئے یہ جب تو کچھ بھی نہ پاس و ادب کیا خنجر سے ذبح ماریہ میں تشنہ لب
اِک دوپہر میں کر دیا سب گھر کا گھر تباہ
مدت تک اہلِ بیتؑ رہے در بدر تباہ

۳۱

شہ نے کہا وزیر مفضل یہ حال کہہ گزرے ہیں جو حسینؑ پہ رنج و ملال کہہ
کیسا لڑا ہے فاطمہ زہراؑ کا لال کہہ مشتاق ہوں میں سننے کا، اے باکمال کہہ
کی اُس نے التماس حکایت غریب ہے
اے شاہ اس غریب کا قصہ عجیب ہے

۳۲

آیا جو کربلا میں وہ شاہِ فلک وقار تھے حاضرِ رکاب بہتر رفیق و یار
گل پیرہن، دلیر، بہادر، وفا شعار شیرانِ رزم فخرِ شجاعان روزگار
حمزہ تھا ایک ایک جری آن بان میں
مشہور حرب وضرب ہے جن کی جہان میں

۳۳

پہلے رفیقِ شاہ ہوئے عازمِ جدال ایسے لڑے کہ مان گئے باۓ ضلال
آخر کیا سبھوں نے زمانے سے انتقال پھر تو نبی کے خاص ستاروں پہ تھا زوال
گزری جو دو پہر تو بہتر گزر گئے
تنہا حسینؑ رہ گئے یاور گزر گئے

۳۴

میدان میں کھڑے ہیں عجب شان سے حسینؑ نورِ رُخِ شبیہہ سے روشن ہیں مشرقین
عمامہ سر پر ختم رسل کا بہ زیب و زین زیبِ کمر ہے تیغ شہِ فاتحِ حنین
غصہ میں ہیں وغا پہ جو حضرت تلے ہوئے
بل کھا رہے ہیں دوش پہ گیسو کھلے ہوئے

۳۵

زلفوں میں شہ کے مصحفِ رُخ پر کرونگاہ گویا سفید متن ہے اور حاشیہ سیاہ
چھایا ہوا ہے ابرِ سیہ یا کہ گردِ ماہ یا دوشبوں میں دن کا ہے جلوہ خدا گواہ
ہاتف نے اِک نیا مجھے مضموں سنایا ہے
یہ آفتاب بُرج میں جوزا کے آیا ہے

۳۶

ہے زلف عنبریں شبِ معراج شک نہیں اور عرشِ کردگار ہے شبّیر کی جبیں
قوسین ابروؤں کی کمانیں ہیں بالیقیں بینی نہیں کھڑے ہیں یہ سردارِ مرسلیں
بینی سے اور جبیں سے تفاوت ہے اس قدر
قربت خدا سے ختم رسل کو تھی جس قدر

۳۷

پیشانی پر نماز کا گٹھا نہیں سیاہ رکھی ہوئی ہے مصحفِ رُخ پر یہ سجدہ گاہ
پورا گہن میں آیا ہے یا چودھویں کا ماہ مضمون اِک دہن میں گزار کروں گاہ
مثلِ نبیؐ جو حق کی عطا شاہِ دیں پہ ہے
مُہر اُن کی پشت پر تھی اور ان کی جبیں پہ ہے

۳۸

ابرو نہیں ہیں زیرِ جبینِ شہِ انام قرآن رُخ میں سجدۂ حق کے ہیں یہ مقام
الحمد کا الف ہے یہ بینی نہیں کلام لب وہ ہیں جن کی بات رہے خلق میں مدام
دل اہلِ دیں کے سن کے یہ توصیف شاد ہیں
آنکھیں نہیں ہیں صحتِ قرآں کے صاد ہیں

۳۹

پوچھے اگر کوئی دہنِ پاک کا نشاں کہہ دیں یہ ہم کہ ظن ویقیں کے ہے درمیاں
موتی ہیں آبدار یہ دنداں سے ہے عیاں دریائے معرفت کی ہے مچھلی مگر زباں
ہے بات یہ کچھ اور نہ کھاتی نہ پیتی ہے
ان موتیوں کی آب پہ دن رات جیتی ہے

۴۰

تھا بس کہ قلب رنج و الم سے بھرا ہوا آمادۂ جدالِ شہِ کربلا ہوا
نازل عدو کی فوج پہ قہرِ خدا ہوا گویا قیامت آگئی محشر بپا ہوا
غصہ میں شاہ نے جو علم ذولفقار کی
ہلنے لگی زمین صفِ کارزار کی

۴۱

ٹھنڈی ہوا ہے ابر بھی چھایا ہے ساقیا ساغر پلا لبوں پہ دم آیا ہے ساقیا
کیوں رنگ مے کے دینے میں لایا ہے ساقیا ساقی تجھے خدا نے بنایا ہے ساقیا
تیرے کرم کا شور ہے برنا و پیر میں
یاں تک کہ مُہر ہوگئی خمِ غدیر میں

۴۲

سب مے کشانِ دیں کو جتایا رسولؐ نے حکمِ خُدائے پاک سنایا رسولؐ نے
بازو پکڑ کے اُن کا اُٹھایا رسولؐ نے ساقی ابوالحسنؑ ہیں بتایا رسولؐ نے
زاہد سے کہہ دو خام یہ تیرا خیال ہے
جو مے کہ دستِ حق سے ملے وہ حلال ہے

۴۳

چمکی بلند ہو کے جو وہ تیغ ہر قدم مثلِ ہوا عدم کو چلے شامیوں کے دم
دم کی طرح سے دم نہ لیا اُس نے کوئی دم تھی فتح کی صدا کہ سلامت یہ دم قدم
رفتار اپنی پیرِ فلک بھولنے لگا
مثلِ نفس قضا کا بھی دم پھولنے لگا

۴۴

کس کس طرح وہ عشوہ نما جان لیتی تھی کھوتی تھی اُس کو جس کو بُرا جان لیتی تھی
تھمتی تھی وہ تو اُس کی ۔۔۔ جان لیتی تھی بچتے تھے سب ادا سے قضا جان لیتی تھی
بھیجیں تھیں اتنی روحیں کہ کچھ انتہا نہ تھی
دوزخ میں ایک تِل کے بھی رکھنے کی جا نہ تھی

۴۵

غُل ناریوں میں تھا نہ ہوا سے جلا ہمیں آنکھیں اشارہ کرتی تھیں جلوہ دکھا ہمیں
فریاد تھی جگر کی نہ بر میں ہلا ہمیں چلّاتے تھے گلے کہ گلے سے لگا ہمیں
کہتے تھے پاؤں سر سے کہ ہم بھاگے جاتے ہیں
سر کہتا تھا کہ تجھ سے بھی ہم آگے جاتے ہیں

۴۶

گھوڑا بھی مثلِ تیغ اصیل و نجیب ہے گردش کے وقت پیرِ فلک کا نصیب ہے
غربت کی رو سے شان عجیب وغریب ہے نزدیک اس کے ملکِ عدم بھی قریب ہے
رہ جائے جسم ساتھ سے تیزی اگر کرے
کہئے تو ایک دم میں جہاں سے سفر کرے

۴۷

اتنا سبک ہے چال میں یہ اسپ خوش عناں دوڑائیں چشم پر جو اسے بہرِ امتحاں
پُتلی اگر جما کے رکھے چاروں پتلیاں تارِ نظر کی طرح یہ تِل پر نہ ہو گراں
دن رات آنکھ میں یہ طرارے بھرا کرے
حلقے میں تل کے پہروں یہ کاوے کیا کرے

۴۸

باریک بیں جو بال پہ دوڑائیں بر ملا جنبش بھی ہو نہ اِک سرِ مو ٹوٹنا تو کیا
چیچی کا نام سُن لیا تھا ایک دن ذرا ایسا اُڑا خبر نہیں اب تک کہاں گیا
زیرِ زمیں نہیں ہے تہہِ آسماں نہیں
عنقا کی طرح نام ہے باقی نشاں نہیں

۴۹

تھا اس طرح سپاہ کے سر پر یہ بادِ پا غالب بتوں پہ جیسے رہا دستِ مرتضیٰؑ
پہنچے نہ چال کی سُبکی کو کبھی ہوا رفتار ہے کہ آنکھ کی گردش ہے بے صدا
یوں عرش سے پلٹ کے زمیں پر رواں ہوا
جس طرح کُن کے کہتے ہی عالم عیاں ہوا

۵۰

بالفرض راہ ہوئے جو باریک بال سے اُس پر بھی یہ روانہ ہو تیزی کی چال سے
کوسوں بڑھا ہوا ہے یہ پیکِ خیال سے ہاری ہے فکر اس فرسِ بے مثال سے
کرتا ہے طے یہ سارا جہاں اتنی دیر میں
معراج کو رسولؐ گئے جتنی دیر میں

۵۱

آتا ہے اِس طرح سے قضا جس طرح سے آئے جاتا ہے یوں کہ روحِ رواں تن سے جیسے جائے
گو جستجو میں لاکھ برس وقت کو گنوائے فکرِ بلندِ شاعرِ کامل اسے نہ پائے
کوسوں ہوا کی طرح زمیں پر روانہ ہے
نبضِ ضعیف کی حرکت تازیانہ ہے

۵۲

اتنا سُبک ہے چال میں حضرت کا بادِ پا مداح کی زبان پر آیا ہے بارہا
شائستگی کی چال ہے یا صبح کی ہوا اقبال مند بھی ہے اصالت کے ماسوا
سہ گام چل کے خلق میں اعزاز پائے ہیں
قلبِ زمیں پہ چال کے سکّے بٹھائے ہیں

۵۳

چلتا ہے دین وشرع کی راہوں پہ خوش خرام ہر نعل ہے ہلال تو ہر سُم مہ تمام
حقّا کمندِ بامِ ہدایت ہے ہر لگام روحِ امیں ہے غاشیہ بردار صبح شام
نزدیک اس کے کچھ فلکِ ہفتمیں نہیں
عرشِ خدائے پاک کا زینہ ہے زیں نہیں

۵۴

جس دشمنِ امام کو پاتا ہے بادِپا گھڑیوں دہانہ اپنا چباتا ہے بادِپا
پریوں کو کب خیال میں لاتا ہے بادِپا ---------- اُڑاتا ہے بادِپا
پہنچا نہ اُس کی تیزروی کو خیال تک
پیچھے رکھا شباب کو بھی چار سال تک

۵۵

گرمی تھی روزِ جنگ وجدل رن میں اس قدر اوجِ ہوا سے گرتے تھے بُھن بُھن کے جانور
جنگل میں آگ کا نظر آتا تھا ہر شجر جلتے تھے مُرغِ وہم کے بھی آشیاں میں پر
ملتی نہ تھی پناہ عذابِ شدید سے
قُمری کا طوق گرم کہیں تھا حدید سے

۵۶

اس درجہ گرم چلتی تھی اُس دشت میں ہوا جس کے بدن کو چھو بھی گئی جل کے رہ گیا
گویا کہ مینہ فلک سے برستا تھا آگ کا پانی میں بھی نہ مردُم آبی کو چین تھا
نہریں ہوئیں یہ خشک روانی سے تھم گئیں
یاں تک پپڑیاں لبِ ساحل پہ جم گئیں

۵۷

ذی روح سب تھے سرد ہوا کے امیدوار سیماب کی طرح سے ہر اِک دل تھا بے قرار
جو بات کی دہن سے نکلنے لگے شرار جلتے تھے سب کے نخلِ بدن صورتِ چنار
اس درجہ ابخرات زمیں سے نکلتے تھے
رویا میں بھی تو راہ مسافر نہ چلتے تھے

۵۸

جنگل میں وہ تپش تھی کہ جس کا نہیں حساب اہلِ جہاں پہ نارِ جہنم کا تھا عذاب
انگارہ بن گیا تھا حرارت سے آفتاب جو جانور تھا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تھا کباب
گرمی کے زور و شور میں ذرّہ کمی نہ تھی
پانی کی چادروں میں بھی مطلق نمی نہ تھی

۵۹

دریا تھے ریگِ گرم کے چاروں طرف رواں بادِ صبا تھی یا نفسِ سوزِ عاشقاں
سوکھی بہت جو دشت کے خاروں کی تھی زباں پیتے تھے آبِ آبلہ پائے رہِ رواں
ذرہ سے آفتاب نہ آنکھیں ملا سکے
پائے خیال سے بھی مسافر نہ جا سکے

۶۰

گرمی کا تھا یہ زور ہوا کو تھا اختلاج وہ تپ زمیں کو تھی کہ نہ تھا جس کا کچھ علاج
ماہی کو زیرِ آب تھی سردی کی احتیاج اُس روز سب کے ہو گئے تھے آتشی مزاج
جب بات کی دہن سے شرارہ نکل گیا
پانی کا خِلط تک بدنوں میں سے جل گیا

۶۱

اُس روز صاف دھوپ پہ ہوتا تھا یہ یقیں بر میں لباسِ شعلہ ہے پہنے ہوئے زمیں
سردی کا زمہریر میں تھا نام تک نہیں اِک آگ تھی زمین سے تا چرخِ ہفتمیں
گرمی سے ہوش تھا نہ کسی چار پائے میں
حدّت تھی دھوپ کی سی درختوں کے سائے میں

۶۲

اُس دن کی دھوپ میں تھی یہ حدّت کہ الاماں جلتی ہے جس کے ذکر سے مدّاح کی زباں
گرمی کا تھا شباب قیامت کا تھا سماں سونے کی سب زمین تھی تانبے کا آسماں
میداں تھا واں درخت جہاں تھے گھنے ہوئے
چنگاریاں تھے خاک کے ذرّے بنے ہوئے

۶۳

دوزخ بنا ہوا تھا وہ میدان ہے غضب ذی روحوں پر قیامتِ کبریٰ کا تھا تعب
آواز آتی تھی یہ ہوا سے پناہِ رب سورۂ دخاں کا پڑھتے تھے جنات سب کے سب
اُلٹا ہوا تھا قلب ہر اِک ذی حیات کا
گرمی سے جوش کھاتا تھا پانی فرات کا

۶۴

دن بن گیا تھا دودِ زمیں سے سوادِ شام ٹھنڈا کنارِ نہر بھی ملتا نہ تھا مقام
سب پک گئے تھے جتنے درختوں میں پھل تھے خام اُس بن میں جانور کا بھی دشوار تھا قیام
گرمی سے بے قرار تھا پانی فرات کا
یا نارُ کونی ورد تھا ہر ذی حیات کا

۶۵

روشن تھے مثلِ شمع کے جنگل کے تھے جو خار حدّت سے تپ کی زرد تھا ہر ایک سبزہ زار
ہر باغ پر تھی آتشِ نمرود کی بہار سوکھے ہوئے شجر تھے، زمیں کو یہ تھا بخار
شاخوں میں سُرخ گُل تھے کہ روشن چراغ تھے
نالے تھے دل جلوں کے دیا سروِ باغ تھے

۶۶

آتش بیاں سپاہِ عدو میں تھے حیلہ جو کالا ہوا تھا اونٹ کے ہر جسم کا لہو
آواز نے کی بند تھی، یہ خشک تھا گلو باقی نہ ایک پودے میں تھی قوتِ نمو
جو پھول تھا جلا ہوا ہم رنگِ مُشک تھا
یاں تک کہ دل میں نخلِ تمنّا بھی خشک تھا

۶۷

اس درجہ خشک گلشنِ شاداب ہوگئے جل جل کے برگ و بار سیہ تاب ہوگئے
دریا ہوئے یہ خشک کے تالاب ہوگئے موتی صدف کے بطن میں بے آب ہوگئے
نایاب دہر میں عرقِ انفعال تھا
آنکھوں سے آبِ اشک کا ملنا محال تھا

۶۸

مطلق تری کنوؤں میں نہ تھی خشک تھے بحار شاید جبھی سے نسل میں ہے شیر کی بخار
جلتے تھے زین بیٹھ نہ سکتے تھے شہسوار پیکانِ تیر تک نہیں ملتے تھے آبدار
----- پڑتی تھی وقتِ زوال تھا
--کے گھاٹ خشک ہیں اب تک یہ حال تھا

۶۹

حدّت تھی زور شور پہ ایسی کہ الاماں سورج دکھا رہا تھا قیامت کی گرمیاں
کیا ذکر اور چیزوں کا پانی تھا نیم جاں گو نہر و چاہ بن کے ہوا بعض جا عیاں
اُس دن کی تاب وتب سے مگر ہے ڈرا ہوا
نیچے زمیں کے ہے بہت اب تک چھپا ہوا

۷۰

گرمی یہ تھی ہوا کو بھی اِک انتشار تھا نیزہ پہ آفتابِ قیامت سوار تھا
اُس روز آبِ بحر کو یہ اضطرار تھا گو تھا کنوؤں کی تہہ میں مگر بے قرار تھا
دُنیا کی ابرِ رحمتِ حق پر نگاہ تھی
وہ وقت تھا کہ پانی کو پانی کی چاہ تھی

۷۱

بجلی خدا کے قہر کی تھی تیغِ آبدار شعلے بلا کے تھے تو قیامت کی اُس کی دھار
گرما کے بادگرم سے اُٹھتا تھا جب غُبار تُرکِ فلک کے جسم میں چڑھتا تھا اِک بخار
غُل تھا تہِ فلک یہی برنا و پیر میں
کیا آگ لگ گئی کُرہِ زمہریر میں

۷۲

تھی ضربِ تیغِ صاعقہ دم کس اصول کی جانیں لیں بے حساب سپاہِ جھول کی
چھوڑی نہ کسر اور نہ رعایت قبول کی اِک ایک تن سے جان کی باقی وصول کی
دینے کو دل پہ جاہلوں کے داغ دے گئی
قسمت سے اُس کو ہاتھ لگا جو وہ لے گئی

۷۳

رن میں کب اُس کی چال سے محشر بپا نہ تھا ظالم کو یاد کون سا طرزِ جفا نہ تھا
لیتی تھی جان اور کوئی مدعا نہ تھا رُک جانے کا سبق کبھی اُس نے پڑھا نہ تھا
مضموں نیا ہے مدح میں تیغِ خوش آب کی
گویا زبان تھی کسی حاضر جواب کی

۷۴

ہر وقت تھیں ادائیں نئی بانکپن نیا سب سے زبانِ تیغ کا تھا کچھ چلن نیا
پیدا تھا اِس کی ضرب سے گویا دہن نیا زخموں کی خامشی سے تھا ظاہر سخن نیا
بہتا تھا خون، بات کا کوسوں پتہ نہ تھا
روتے ہوئے کبھی دہنوں کو سُنا نہ تھا

۷۵

کٹ کٹ گئے شریر جو ٹکڑے کیا بدن سر اُڑ گیا فلک پہ زمیں پر رہا بدن
تن سے جو سر جُدا تھا تو سر سے جُدا بدن چلتے ہیں ہاتھ پاؤں نہ ہے کام کا بدن
کیا کاٹ تھی کہ ظالموں کی عقل کھو گئی
کہتے تھے دیکھ کر یہ کیا قطع ہو گئی

۷۶

منہ میں زباں دو نیم زباں خبر دو نیم چلنے میں پاؤں چار تھا ملنے میں سر دو نیم
ہوتی تھی اس ہلال سے یوں ہر سپر دو نیم جس طرح ناخنِ نبوی سے قمر دو نیم

لاشوں سے ایک دم میں وہ رن پاٹ دیتے تھے
سایہ سے مُرغِ روح کے پر کاٹ دیتے تھے

۷۷

پٹکا ہزار سر کو نہ قسمت بدل سکی یوں جلد نکلے دم کہ نہ حسرت نکل سکی
آئی ہوئی قضا نہ کسی طرح ٹل سکی گو ہاتھ پاؤں مارے مگر کچھ نہ چل سکی

رونے کو حسرتِ دلِ غمناک بھی نہ تھی
کیا آ کے یاں اُڑاتی ہوا، خاک بھی نہ تھی

۷۸

طاقت فرار کی جو نہ تھی جان کھوتے تھے ہنستی تھی ظالموں پہ قضا زخم روتے تھے
رُکتا تھا دم جو چلنے پہ آمادہ ہوتے تھے مانندِ بختِ خُفتہ مگر پاؤں سوتے تھے

تھا شور فوج میں کہ یہ دلدار ہاتھ آئے
کس طرح ہم کو قوتِ رفتار ہاتھ آئے

۷۹

لیتی تھی جان موت یہ کرتی تھی سر قلم جنگل میں ہو رہے تھے ستم کے شجر قلم
شاخِ کماں تھی باغیوں کے دوش پر قلم انساں کا ذکر کیا ہوئے پریوں کے پر قلم

کہتی تھی موت سے کہ ترے ساتھ ساتھ ہوں
بازو قوی ہے جس سے ترا میں وہ ہاتھ ہوں

۸۰

کیا شاخ تھی کہ بیخ ستم کی اُکھاڑ دی منہ پر چڑھا جو کوئی تو صورت بگاڑ دی
چل پھر کے دم میں ظلم کی بستی اُجاڑ دی گردِ سیاہ دشت کے دامن سے جھاڑ دی

کی تالیاں بجا کے خوشی برگ برگ نے
خس کم جہان پاک صدا دی یہ مرگ نے

۸۱

شمشیر کے عروج سے لشکر پہ تھا زوال ہر تیغ سرنگوں تھی ہر اِک ڈھال تھی نڈھال
گردن تھی تن پہ بار تو گردن پہ سر وبال گُل ہوگئے چراغِ سپاہِ زبوں خصال
بھاگی جو فوجِ ظلم نہ سوجھا مقام تک
آنکھوں کے سامنے رہا اندھیر شام تک

۸۲

اُس دن کا معرکہ رہا شاہِ ہُدا کے ہاتھ گویا تھے ہاتھ آپ کے دستِ خُدا کے ہاتھ
جانوں کو لیتے لیتے تھکے تھے قضا کے ہاتھ کہتے تھے پاؤں مار کے ظالم بڑھا کے ہاتھ
جلدی خدا جو جان نکالے تو خوب ہے
اللہ چلتے پھرتے اُٹھا لے تو خوب ہے

۸۳

دشمن ہے جو کہ فوج کے دم کی، یہ ہے وہ تیغ مشعل ہے جو کہ راہِ عدم کی، یہ ہے وہ تیغ
کندن کی طرح دھوپ میں دمکی، یہ ہے وہ تیغ سیفی علیؑ نے جس پہ رقم کی، یہ ہے وہ تیغ
بے تیغ ہوں حلال گلے بانکپن وہ ہے
سکّے پڑے ہوئے ہیں جہاں میں چلن وہ ہے

۸۴

سر ہے جھکا ہوا یہ اصالت کی ہے دلیل فقرے وہ تیز ہیں کہ سخن سنج ہیں قتیل
لوہا وہ ہے کہ مان گئے جس کو جبرئیل قسمت کی ایسی، ہاتھ بھی پایا تو بے عدیل
برسوں سے ساتھ بازوئے خیرالوریٰ کا ہے
تحفہ ہے ہر طرح، کہ یہ ہدیہ خدا کا ہے

۸۵

ناگاہ غُل اُٹھا صفِ لشکر سے ایک بار اے مرتضیٰ کی جان محمدؐ کے یادگار
کیجئے بس اب نیام میں حیدرؑ کی ذوالفقار ہم سے قصور اب کوئی ہوگا نہ زینہار
ہر طرح کی سزا کے سزاوار ہیں غلام
حضرت سے اب اماں کے طلبگار ہیں غلام

۸۶

رحم آگیا رحیم نے جب یہ سُنی صدا تیغِ علیؑ کو میان میں صابر نے رکھ لیا
پھر تو ہر اِک طرف سے بڑھا لشکرِ وغا سید پہ بے دیار پہ ہونے لگی جفا
آئی نہ شرم روحِ جنابِ امیر سے
زخمی کیا غریب کو شمشیر و تیر سے

۸۷

کیونکر کروں بیان، کہ اعدا نے کیا کیا سجدے میں تیغ سے، سرِ انور جُدا کیا
کی مصطفیؐ سے شرم، نہ خوفِ خدا کیا خیمے جلائے، بیبیوں کو بے ردا کیا
قیدی بنا کے سب کو بد انجام لے چلے
اونٹوں پہ سر برہنہ سوئے شام لے چلے

۸۸

بیمار کو بنایا تھا ناقوں کا ساربان طوقِ گراں گلے میں تھا پاؤں میں بیڑیاں
اس درجہ تھ غریب نقیہہ اور ناتواں رستے میں اِک قدم کا اُٹھانا بھی تھا گراں
سجادؑ فرطِ ضعف سے جب بیٹھ جاتے تھے
دُرّہ پہ دُرّہ پشت پہ ظالم لگاتے تھے

۸۹

بولا یہ شاہ کون تھے سجاد ناتواں کیوں اے وزیر کس کو بنایا تھا ساربان
بیمار پر یہ سختی و ایذا تھی الاماں اُس نے کہا کہ سرورِ دیں کا سُرورِ جاں
مثلِ حسینؑ یہ بھی فلک احتشام ہیں
اے بادشا ہمارے یہ چوتھے امام ہیں

۹۰

آیا جو قتل گاہ پہ رانڈوں کا قافلا اُونٹوں سے اپنے آپ کو سب نے گرادیا
زینبؑ نے آکے لاش پہ بھائی کی یہ کہا بے وارثوں کے وارث و والی ترے فدا
کیا کیا نہ آج اہلِ حرم پر تعب ہوئے
خیمے جلے ردائیں لٹیں قید سب ہوئے

۹۱

اے بھائی قید میں لئے جاتے ہیں بدگماں اے بھائی روؤں بیٹھ کے میں آپ کو کہاں
بلوایئے بہن کو بھی واں آپ ہیں جہاں اے بھائی اب میں آؤں یہاں یہ نہیں گماں
شاید جو قیدِ شام سے چھٹ کر میں آؤں گی
بھیّا تمہاری قبرِ مطہّر بناؤں گی

۹۲

قاسمؑ کی لاش پر کئے کُبریٰ نے یہ بیاں آقا مرے بتاؤ کرے کیا یہ نیم جاں
جی بھر کے کرنے پاتی نہیں نالہ و فغاں سر کیسے پیٹوں بندھ گئی ہاتوں میں ریسماں
سر ننگے لے چلے ہیں لعیں اژدھام میں
والی اسیر ہو کے میں جاتی ہوں شام میں

۹۳

وارث مرے کُھلا ہے مرا سر ردا اُڑھاؤ والی مرے ہجوم میں ہوں میں کہیں چھپاؤ
صاحب مرے اسیر ہوں، اُٹھ کر مجھے چھڑاؤ آقا مرے میں رانڈ ہوں تسکین دینے آؤ
اِک رات کی بنی کوئی ایسے لٹی نہیں
ہے ہے ابھی تو ماتھے سے افشاں چھٹی نہیں

۹۴

شہ نے کہا وزیر سے یہ تو بتا مجھے سُن کر میں آپ میں نہ رہا کیا ہوا مجھے
اس کا حسب نسب تو مفصّل سُنا مجھے اس درد کے بیان نے بسمل کیا مجھے
مجھ کو عجب ہے کیوں نہ قیامت بپا ہوئی
آخر دلہن یہ کون تھی جو بے ردا ہوئی

۹۵

کی عرض پوچھئے نہ یہ پُر درد ماجرا نشتر خیال جس کا ہے اُس کا بیاں ہو کیا
قاسمؑ جو اِک امام حسنؑ کا تھا لاڈلا اُس فدیۂ خُدا سے ہوئی تھی یہ کتخدا
صورت بگڑ گئی دلِ زہرا کے چین کی
تھی یہ بہو حسنؑ کی تو بیٹی حسینؑ کی

۹۶

جی بھر کے رانڈیں رونے بھی پائیں نہ تھیں کہ آہ جو تازیانہ لے کے بڑھا شمرِ رو سیاہ
بچّوں نے سہم سہم کے کی ماؤں پر نگاہ لاشوں کو چھوڑ چھوڑ کے ہٹ آئے بے گناہ
خولی پکارا فوج کو وقفہ ذرا نہ ہو
اونٹوں پہ بیبیوں کو بٹھا کر روانہ ہو

۹۷

آئے سوئے حرم جو وہ مکّار و بے حیا زینبؑ نے رو کے شمر سے اُس وقت یہ کہا
بے پردہ اہلِ بیتِ نبیؐ کو تُو کر چکا اب بھی مگر ستم سے ترا دل نہیں بھرا
ہم آلِ مصطفیؐ ہیں ستانا نہ چاہئے
نا محرموں کو ہاتھ لگانا نہ چاہئے

۹۸

کہہ دے کہ ان کے پاس سے ہٹ جائیں نابکار اونٹوں پہ بیبیوں کو کروں گی میں خود سوار
یہ بات سُن کے ہٹ گیا واں سے ستم شعار چلّایا کوئی ہاتھ لگائے نہ زینہار
کھاتے ہیں یہ قسم کہ نہ دیر اب لگائیں گے
ہٹ آؤ سب کہ اونٹوں پہ خود بیٹھ جائیں گے

۹۹

اُس وقت اہلِ بیتِ نبی کا یہ حال تھا آہیں کبھی تھیں اور کبھی نالہ و بُکا
بے کس جہاں میں نہ کسی کو کرے خدا تھیں بیبیاں عجیب مصیبت میں مُبتلا
اشکوں سے غم میں بھائی کے جو منہ دھوتی جاتی تھیں
زینبؑ سوار کرتی تھیں اور روتی جاتی تھیں

۱۰۰

اللہ رے خُلقِ بنتِ شہنشاہِ اوصیا فضہ کو بھی جناب نے اسوار خود کیا
پر ہائے کیسے حسرت و افسوس کی ہے جا اِن کو بٹھائے اونٹ پہ اتنا کوئی نہ تھا
رو رو کے کہتی تھیں کہ شہِ مشرقین آؤ
خواہر سوار ہوتی ہے بھائی حسینؑ آؤ

۱۰۱

بھیّا میں کس سے حال کہوں اپنا ہائے ہائے ہمشیر کس کو اپنی مدد کے لئے بُلائے
اتنا کوئی نہیں کہ مجھے اونٹ پر بٹھائے عابدؑ نے جب سُنی یہ صدا اشکِ خوں بہائے
رو کر کہا پھوپھی نہ بہت بے قرار ہو
لو پاؤں میری پشت پر رکھ کر سوار ہو

۱۰۲

زینبؑ نے روکے عابدِؑ بیمار سے کہا حالت تمہاری دیکھ کے دکھتا ہے دل مرا
تکلیف تم کو دوں گی نہ اے غم کے مبتلا زخمی تمام پشت ہے کوڑوں سے جا بجا
آرام تم کو راہ میں دوں گی میں شام تک
پیدل ہی ساتھ ساتھ چلوں گی میں شام تک

۱۰۳

بولے جُھکا کے پشت کو عابدؑ بچشمِ نم اب کچھ نہ کہئے آپ کو اکبرؑ کی ہے قسم
آخر کو رکھ کے پشت پہ بیمار کے قدم زینبؑ ہوئیں سوار بصد حسرت و الم
اونٹوں پہ بیبیوں کو بد انجام لے چلے
عابدؑ کو پا پیادہ سوئے شام لے چلے

۱۰۴

سُن کر یہ حالِ درد و الم شاہ نے کہا مشتاق جان و دل سے ہوا میں حسینؑ کا
بہرِ نبیؐ و فاطمہؑ و ضیغمِ خدا لے چل وزیر مجھ کو سوئے دشتِ کربلا
تا زیست دم انہیں کی ولا کا بھروں گا میں
قبرِ امامِ دیں کی زیارت کروں گا میں

۱۰۵

کی عرض یہ وزیر نے اے آسماں پناہ آنکھیں ملک بچھاتے ہیں جس میں یہ ہے وہ راہ
پہنچائے خیریت سے وہاں آپ کو اِلٰہ ہمراہ جان و دل سے چلے گا یہ خیر خواہ
عاشق ہوں جان و دل سے شہِ مشرقین کا
پروانہ ہوں میں شمعِ مزارِ حسینؑ کا

۱۰۶

لے کر مصاحبوں کو بصد عجلتِ تمام آنکھوں سے کربلا کو چلا وہ فلک مقام
کہتے ہیں اس کو شوق محبت ہے اس کا نام کرتا تھا راہ میں نہ کہیں ایک دم قیام
مشتاق تھا یہ دل سے شہِ مشرقین کا
کہتا تھا کتنی دور ہے روضہ حسینؑ کا

۱۰۷

طے کر کے مثلِ مہر فلک کچھ دنوں میں راہ پہنچا زمینِ کرب و بلا پر با اشک و آہ
دیکھا جو مرقد ------- عرش جاہ سلطان نے ضریح پہ حسرت سے کی نگاہ
آیا تو پہلے گرد پھرا شور و شین سے
رویا لپٹ کے پھر وہ مزارِ حسینؑ سے

۱۰۸

پہنچا جو قتل گاہ کی جانب وہ شہر یار دیکھا بنا ہے چھوٹا سا اِک سمت کو مزار
پوچھا وزیر سے کہ یہ ہے کون دل فگار ہے صاف بے کسی کا نشاں جس سے آشکار
کی عرض اس غلام کا دل چاک چاک ہے
حضرت کا شیر خوار نہاں زیرِ خاک ہے

۱۰۹

جس کے گلے پہ تیر لگایا تھا وہ یہ ہے جو گھٹنیوں بھی چلنے نہ پایا تھا وہ یہ ہے
تشنہ لبی سے جس کو غش آیا تھا وہ یہ ہے بچپن میں جو لہو سے نہایا تھا وہ یہ ہے
اللہ انتقام کرے اُس شریر سے
بچے کی جس نے جان لی پیکانِ تیر سے

۱۱۰

آیا سوئے نجف جو وہ زائر حسینؑ کا ظاہر کیا ارادہ کہ جاؤں پیادہ پا
ہمراہیوں نے متفق اللفظ یہ کہا وہ ہیں اگر امام تو حضرت ہیں بادشا
یاں آکے اپنی قدر گھٹانا نہ چاہئے
پیدل وہاں حضور کو جانا نہ چاہئے

۱۱۱

سُن کر یہ بات شاہ نے اُن لوگوں سے کہا کرتے ہو آسماں سے زمیں کا مقابلا
وہ بادشاہ دیں ہیں میں دُنیا کا ہوں گدا ہم نام وہ خُدا کے، میں اِک بندۂ خُدا
کیا جانتے نہیں کہ فلک احتشام ہیں
اِک جزو کا میں شاہ وہ کُل کے امام ہیں

۱۱۲

یہ کہہ کے فال کے لئے قرآں طلب کیا گویا وہ فالِ نیک تھی خالق کا مشورا
پڑھتے ہی فاتحہ کو یہ رازِ خفی کُھلا وہ حکم ہے کلیم کو جو طور پر ہوا
دیکھا سرِ کتاب وہ پُر نور آیہ ہے
فخلع کے بعد جس میں کہ نعلیك آیا ہے

۱۱۳

نکلا یہ حکم جب تو ہوا دل میں شادماں پیدل وہ شاہ روضہ کی جانب ہوا رواں
پہنچا وہاں تو پڑھ کے زیارت بصدفغاں کی عرض اے ولیِ خُدا شاہِ انس و جاں
آیا ہوں اتنی دور سے مطلب حصول ہو
یا مرتضیٰ گدا کی زیارت قبول ہو

۱۱۴

کچھ دن قیام کر کے بصد عزّو احترام روضہ سے مرتضیٰ نے چلا سوئے ملکِ شام
القصہ واں پہنچ کے دیا اُس نے حکمِ عام دربار میں رئیسِ بلد جمع ہوں تمام
مانے گا جو نہ حکم سزا اُس کو دوں گا میں
کچھ سا کنانِ شام سے شوریٰ کروں گا میں

۱۱۵

حاضر ہوئے رئیس تو اُن سے کیا کلام منظور ہے مجھے کہ ہوں شادی سے شادکام
خوش ہو کے بیاہ۔۔۔۔ہوئے تمام ہوتے ہی عقد اُس کو ہوئی فکرِ انتقام
جاری ہوا یہ حکم کہ در در پھرے دلہن
اِک ناقے پر سوار کھلے سر پھرے دلہن

۱۱۶

سن کر یہ حکم دنگ ہوئے اہلِ شام سب آپس میں ایک نے یہ کہا دوسرے سے تب
افسوس ہائے ہائے یہ ہوتا ہے کیا غضب اِک رات کی دلہن پہ یہ تکلیف یہ تعب
یہ حکم ہی نیا ہے کہ اب تک سُنا نہیں
ایسا کبھی ازل سے کسی جا ہوا نہیں

۱۱۷

سن کر یہ شور شاہ نے اُن لوگوں سے کہا یہ حکم میں نے بہرِ اہانت نہیں دیا
اس شہر میں یہ کوئی طریقہ نہیں نیا اونٹوں پہ بیبیوں کو پھراتے ہیں جا بجا
بولے وہ سب نہیں کہیں ایسا نہیں ہوا
بولا وہ بادشا کہ ہوا اور یہیں ہوا

۱۱۸

بولے وہ یہ تو رسم نئی ہے خُدا گواہ شادی کے دن عروس پھرے اس طرح تباہ
دستور شام کا یہ نہیں اے جہاں پناہ کیا ننگے سر پھرانے کو کرتا ہے کوئی بیاہ
پوچھے گا کوئی وجہ تو پھر کیا کہیں گے ہم
ہرگز نہ منہ دکھانے کے قابل رہیں گے ہم

۱۱۹

غصے سے تب کہا کہ ہو تُم سخت بے حیا کہتے ہو اس جگہ کبھی ایسا نہیں ہوا
سوچو تو اِک عروس پہ کیا کیا ہوئی جفا بھولے ابھی سے فاطمہؑ کبریٰ کا ماجرا
سمجھے نہ شاہزادیوں کے احترام کو
بلوے میں لائے عترتِ خیرالانام کو

۱۲۰

کیا قابل اِک ردا کے نہ تھی بنتِ مرتضیٰؑ کیا رتبہ یزدِ جرد کی پوتی کا کچھ نہ تھا
بالفرض بیبیاں تھیں اگر قابلِ سزا تم نے اسیر بالی سکینہؑ کو کیوں کیا
کیا تھی یتیمِ شاہِ زمن مار کھانے کو
گال اُس کے پھول سے تھے طمانچے لگانے کو

۱۲۱

ادنیٰ سی اِک کنیز کی خاطر یہ تم کو وائے کہتے ہو سر برہنہ نہ در در پھرائی جائے
شمر و عمر سے جا کے نہ اُس دن کہا یہ ہائے کیوں عترتِ رسولؐ کو تم قید کر کے لائے
منہ آنسوؤں سے ابر صفت دھو رہے ہو آج
ہنسنا کبھی کا یاد ہے، کیوں رو رہے ہو آج

۱۲۲

عابد کو تازیانے لگے جب نہ آئی شرم اہلِ حرم اسیر ہوئے جب نہ آئی شرم
دربار میں شقی کے گئے جب نہ آئی شرم کُبریٰ بنی کے ہاتھ بندھے جب نہ آئی شرم
بیجا ہے استغاثہ تمہارا بجا نہیں
کُبریٰ سے اس کنیز کی عزت سوا نہیں

۱۲۳

چاہا تھا تم نے یہ کہ مٹے پنجتن کا نام اے اہلِ شام تھا یہ تمہارا خیالِ خام
دُنیا اگر مٹے ---- یہ بھی لا کلام نام ان بزرگواروں کا قائم ہے تا قیام
سمجھے امام اگر نہ شہِ مشرقین کو
سید بھی ہائے تم تو نہ سمجھے حسینؑ کو

۱۲۴

سید بھی گر سمجھتے تو کرتے نہ یہ جفا کافر پہ بھی یہ ظلم تو ہرگز نہیں روا
بچّے کو تیر مارتا ہے کوئی بھی بھلا بچہ بھی ہائے کیسا کہ معصوم بے خطا
پانی جو اُس کو پیاس میں دیتے ثواب تھا
کیا اُس سوال کا یہی لازم جواب تھا

۱۲۵

سائل بھی کون ساقیِ کوثر کا لاڈلا آرامِ جانِ بنتِ نبیؐ حجتِ خدا
سید غریب بیکس و بی یار و آشنا اُس پر یہ ظلم شرم نہ آئی تمہیں ذرا
کیا حال ہوگا ہائے شہِ نامدار کا
نکلا جو ہوگا گود میں دم شیر خوار کا

۱۲۶

اے بزمؔ اب خموش، نہیں طاقتِ کلام مجلس میں رو رہے ہیں بہ دل مومنیں تمام
آقا سے کر یہ عرض کہ اے شاہِ خاص و عام اب تنگ ہے زمانے کے ہاتھوں سے یہ غلام
قیدِ غم و الم سے رہا کیجئے مجھے
معقول روزگار عطا کیجئے مجھے

مرثیہ: ۶

درحال حضرت عباس علمدار علیہ السلام

مطلع

کس کے نشاں سے نامِ تجلّی بلند ہے

تعدادِ بند: ۹۰

۱۶ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ۔ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۲۸ء

۱

کس کے نشاں سے، نامِ تجلّی بلند ہے وہ کون سا عَلَم ہے، کہ عالم پسند ہے
کس چاند کا فروغ، قمر سے دو چند ہے کس مہر کی شعاع سے خور بہرہ مند ہے

قائم نشانِ دولتِ اسلام رہ گیا
۲ نیکوں کا اِس نشاں کے سبب نام رہ گیا

سرمایۂ عروجِ شرف یہ نشان ہے حق اُس طرف ہے جس کی طرف یہ نشان ہے
سرتاجِ تیزانِ سلف یہ نشان ہے معراجِ آفتابِ نجف یہ نشان ہے

یہ حُرمتیں ملیں ہیں کہ جلوہ حرم میں ہے
۳ جو عین ہے علیؑ میں وہی اِس عَلَم میں ہے

یہ شقّہ ترقّیِ لُطفِ رحیم ہے واقف عَلَم کے اوج سے ذاتِ علیم ہے
ظاہر علیؑ سے قُربِ رسولِؐ کریم ہے ہمراہِ عین و لام محمدؐ کا میم ہے

کُھلتا نہیں جو راز ہے اِس میں اِلٰہ کا
۴ دو حرف ہیں وزیر کے اِک حرف شاہ کا

تعریف کہہ رہی ہے کہ ہے معرفہ عَلَم نحوی بھی دیکھ لیں کہ ہے وصف و علم بہم
تجنیسِ علم کا بھی دقیقہ سُنائیں ہم دیتا ہے یوں وقارِ علم کا نشاں قلم

بھیجا خُدا نے صورتِ قُرآں نبیؐ کے پاس
۵ حضرت سے مثلِ علم یہ آیا علیؑ کے پاس

پنجہ اُٹھا ہوا ہے مباہات کے لئے جیسے علیؑ کا ہاتھ مناجات کے لئے
یہ خاص ہے آئمۂ خوش ذات کے لئے جس طرح حقِ خُمس ہے سادات کے لئے

پنجے کا اور نشان کا یہ قولِ نیک ہے
جس کے ہیں پانچ وقتِ اطاعت وہ ایک ہے

۶

امرِ جہاد پر ہوئے معمور جب نبیؐ لشکر کی زیب کے لئے فکرِ نشاں ہوئی
مشتاقِ منزلت ہوئے خاصانِ ایزدی آئے الف لئے ہوئے ایمان و راستی

اقراء نے دی ندا مرا ہمزہ پسند ہو
۷ الحمد لام لائی کہ یہ سر بلند ہو

چلّایا نخلِ طور کہ بندہ نہال ہو مرجاں کا شور تھا مری جانب خیال ہو
کہتا تھا ماہِ نو مجھے حاصل کمال ہو سورج کو دھیان تھا مرا چہرہ بحال ہو

عازم ہوئے نجوم کہ پیشِ رسولؐ جائیں
۸ بجلی تڑپ رہی تھی کہ مجھ کو نہ بھول جائیں

انصاف نے کہا یہ تہیہ فضول ہے نخلِ ولایتِ شہِؑ مرداں قبول ہے
بہرِ لباس دامنِ لطفِ رسولؐ ہے پرچم کو تاجِ عفّت و شانِ بتولؑ ہے

ترتیبِ اختراع کو ادراک چاہئے
۹ پنجے کو خوئے پنجتنِ پاک چاہئے

چشمِ قبول کی تھی یہ چشمک کہ صاد ہے ہاں قُدسیو رسولؐ کو عزمِ جہاد ہے
پر دل کو شوقِ زینتِ لشکر زیاد ہے ترتیب ہو علم یہ ہماری مراد ہے

فوجِ خُدا کی زیب کا جلد انتظام ہو
۱۰ ایسا نشاں بنے کہ دو عالم میں نام ہو

قُدسی پئے تلاش ہوئے ہر طرف رواں کوئی گیا صبا کی طرح جانبِ جناں
کوئی مثالِ مہر پھرا گردِ آسماں قُرآں کی طرح کوئی ہوا نازلِ جہاں

آکر کہا یہ سامنے ربِّ جہان کے
عالم میں کوئی شے نہیں قابل نشان کے

۱۱

آئی ندا کہ نور کا شُقہ بناؤ تم دامانِ عاطفت کا پھریرا لگاؤ تم
نخلِ مراد شرعِ پیمبرؐ سجاؤ تم حُسنِ ثوابِ خُمس کا پنجہ چڑھاؤ تم
وقفہ ہے بار باغِ رسالت کے پھول کو
لے جاؤ یہ کریم کا ہدیہ رسولؐ کو ۱۲

یہ مَن کے قدسیوں نے تہیہ بہم کیا حیدرؑ کی ہمتوں کو مجسم علَم کیا
مخلوط اِس حدوث میں نورِ قدم کیا عرشِ خُدا پہ رایتِ نُصرت عَلَم کیا
جب قُدرتِ خُدا سے بِنائے نشاں ہوئی
چاروں طرف سے شکل عَلَم کی عیاں ہوئی ۱۳

حمزہؓ کے پاس تھا یہ عَلَم تا دمِ فنا جعفرؑ کا ساتھ دینے کو تیار یہ رہا
پنجہ میں شیرِ حق کے رہا صورتِ سخا چمکا مثالِ مہرِ قیامت دمِ وغا
ہیبت سے اہلِ کفر کو فرّار کردیا
شیرِ خُدا کو حیدرِؑ کرّار کردیا ۱۴

اب مِلک ہے یہ راحتِ جانِ بتولؑ کی دیکھیں کدھر نگاہ ہے چشمِ قبول کی
کس شیر کو ملے یہ امانت رسولؐ کی اُلفت ہے پر عَلَم کو کسی دل ملول کی
مُضطر ہے یہ نشان علمدار کے لئے
پنجہ چڑھا ہے چوب پہ دیدار کے لئے ۱۵

مُجرے کو آسمان جُھکا، صورتِ ہلال تعظیم کو جناں میں اُٹھے سروقد نہال
سائے کی عاطفت سے ہوئے سروقد نہال ہے اوج کو عروج تنزل کو ہے زوال
جنّت کو ہے ہوا کہ یہ مُزدِ مزید لوں
طوبا کا نخل بیچ کے اِس کو خرید لوں

۱۶

امیدوار پھرتے ہیں حقدار چند شخص ہیں ایک اِس انار کے بیمار چند شخص
عُہدہ شناسِ حیدرِ کرّار چند شخص جعفرؑ کی ارث خواہی کو تیار چند شخص

حامل کے دل میں طرح محبت کی پڑ گئی
۱۷ یاں سے لڑی نظر وہاں تقدیر لڑ گئی

یاں سر ہوائے شوق میں سوئے فلک گیا واں دستِ التجا و دعا عرش تک گیا
یاں سے طلب کے واسطے پنجہ لچک گیا واں دل مثال ماہیِ بازو پھڑک گیا

دستِ ادب دراز ہے بیعت کے واسطے
۱۸ پنجہ بلا رہا ہے زیارت کے واسطے

خواہاں ہیں ہاشمی کہ ملے ہم کو یہ حشم اہلِ حشم کی طرح ہیں طالب اِدھر خدم
بچّوں میں نوجوانوں میں ہیں مشورے بہم پیر اِس پہ خود جھکے ہیں کہ لیں شاہؑ سے علم

پیری حبیب شاہ کے بشرے سے کھو گئی
۱۹ چرخِ کہن میں شان مہِ نو کی ہو گئی

حُر کو عدو کی فوج میں فرقت کا ہے اَلم کہتا ہے اشتیاقِ زیارت یہ دم بہ دم
یاں جُز لوائے آہ نہ ہوئے گا کچھ بہم چل کر نشانِ شاہِ ولایت سے لے علم

چل مثلِ شوق بہر مددگاریٔ حسینؑ
۲۰ کیا نام ہو جو پائے علمداریٔ حسینؑ

فرماتے ہیں ظُہیر میں بندہ سخی کا ہوں کہتے ہیں بو ثمامہ کے خادم ولی کا ہوں
چلّاتے ہیں حبیب مصاحب نبیؐ کا ہوں اکبرؑ کا قول ہے کہ میں پوتا علیؑ کا ہوں

اِک سُو بیاں یہ قاسمِ گُل پیرہن کا ہے
پہلے علیؑ کے مال پہ دعویٰ حسنؑ کا ہے

۲۱

اکبرؑ سے تب یہ بازوئے شبّیرؑ نے کہا چھوٹوں پہ لطف چاہئے اے میرے مہ لقا
ابنِ حسنؑ کی دل شکنی تم کو ہے روا کُل دو پہر ہے زیست یہ ترکہ ملا تو کیا
اُلفت سے اتفاق سے باہم گزار لو
۲۲ اِن کو نشان بخش دو تم ذوالفقار لو

تیوری چڑھائے زینبؑ بے کس کے لالہ فام سرگوشیوں سے کرتے ہیں آپس میں کچھ کلام
خیمے کے در پہ جمع ہیں سیدانیاں تمام دیکھیں کسے ملے یہ عطائے شہؑ انام
مولاؑ کو سب کی دل شکنی کا خیال تھا
۲۳ کس کس کو دوں نشاں کا اَلم یہ ملال تھا

ناگاہ پیکِ تیر نے آکر یہ دی خبر اب خیر مانگئے کہ ہوئی ابتدائے شر
پیکِ نظر پکارا کہ اے شاہِ بحر و بر واں حاملِ نشان ہوا بندۂ عُمر
پھر کیا جو ختم یاور و انصار ہوچکے
۲۴ لازم ہے یاں بھی کوئی علمدار ہو چکے

یہ بات سُن کے حضرتِ عباسؑ نیک نام روئے بہت کہ اب مِری حُرمت مٹی تمام
وہ بندۂ عُمر ہے میں حضرت کا ہوں غلام لیکن وفا شعار نہیں بندۂ اِمامؑ
کافر کو اعتماد ہے اپنے غُلام کا
۲۵ ہیہات مُعتبر نہیں بندہ امامؑ کا

حضرت کو سب کے رنج و تعب کا جو تھا خیال نیت نے مُصحفِ رُخِ اکبرؑ سے لی یہ فال
تارِ نظر کا پنجۂ مژگاں میں ہے جلال تقدیر کی مُراد کو سمجھا علیؑ کا لال
یہ وحیِ حق ہوئی شہِ خوش خُو کے واسطے
پنجہ ضرور چاہئے بازو کے واسطے

۲۶

ڈھونڈا ہر ایک شخص نے اپنا سفارشی اکبرؑ کے حق میں دخترِ زہراؑ سفارشی
قاسمؑ کے حق میں بانوئے کبریٰ سفارشی کوئی نہیں ہے بازوئے شہؑ کا سفارشی
کہتے ہیں بے کسوں کا سہارا نہیں کوئی
۲۷ رونا فقط یہ ہے کہ ہمارا نہیں کوئی

یہ ذکرِ دلخراشِ علمدارِ ذی وقار ڈیوڑھی سے سُن رہی ہے سکینہؑ جگر فگار
چلّائی کیا یہ آپ نے فرمایا میں نثار ایسے ہو تم کہ جس کا نہ ہو کوئی دوستدار
گزری ہر اِک کی سعی و سفارش حضور میں
۲۸ ہوتی ہے اب ہماری گزارش حضور میں

یہ کہہ کے پھر امامِ دو عالم کو دی ندا بابا ہمارے پاس تو ہو جایئے ذرا
آئے شہِ انام تو رو رو کے یہ کہا میں بھی تمھارے کام کچھ آؤں تو ہے بجا
نادار ہوں پہ آپ پہ صدقے اُتاروں میں
۲۹ جس شے پہ دسترس ہے وہ حضرت پہ واروں میں

شہؑ بولے کیا تو رو کے پکاری وہ مہ لقا اپنے چچا کو آپؑ پہ کرتی ہوں میں فدا
اِن کے سوا جہاں میں بھلا کون ہے مِرا ہدیہ مِرا قبول ہو اے شاہِؑ کربلا
اس نذر کے عوض میں یہ مجھ پر کرم کرو
۳۰ بابا مِرے چچا کو عنایت علم کرو

چلّائی عاطفت کہ یہ ہدیہ ہوا قبول صورت تری ہے ہم شرفِ مُصحفِ بتولؑ
بیزار شاہِؑ دیں سے نہ ہو کوئی دل ملول دے اپنے ہاتھ سے علمِ حضرتِ رسولؐ
تقدیر کا اثر ہو عیاں تیرے ہاتھ سے
پہنچے برائے نام نشاں تیرے ہاتھ سے

۳۱

عباسؑ نامور کو بلایا سوئے حرم کی عرض کیوں ملول ہو اے آسماں حشم
ہر دم ہے اپنے حال پہ لُطفِ شہِؑ اُمم لو شوق سے اُٹھاؤ کہ دیتی ہوں میں علم
حضرت غلامِ شہؑ ہیں سکینہؑ کنیز ہے
۳۲ دعویٰ کسی کا کیا مرے دادا کی چیز ہے

تھا سب کو پاس خاطرِ فرزندِ بو ترابؑ ہنس کر کہا ہر اِک نے کہ بسم اللہ اے جناب
تھی دیدۂ قبول کی چشمک کہ ہاں شتاب ایماں سمجھ کے شوق بڑھا جانبِ ثواب
جُھک کر لیا علم کو علیؑ کے نشان نے
۳۳ خورشید کو بلند کیا آسمان نے

اربابِ معرفت میں ہوا شورِ تہنیت شانوں کو چومنے لگے آثارِ تعزیت
شانِ نشاں سے کُھل گئی حیدرؑ کی تربیت ایمان کو اماں ہوئی تقویٰ کو تقویت
غُل تھا کہ تا بہ حشر یہ جاہ و حشم رہے
۳۴ بولی مبارکی کہ سلامت یہ دم رہے

پر سرنگوں تھے خواہرِ شبیرؑ کے نشاں گو عزمِ تہنیت تھا پہ کُھلتی نہ تھی زباں
پاسِ ادب کا دل کو اشارہ یہ تھا کہ ہاں آنکھوں سے بار بار اُدھر ڈانٹتی تھی ماں
گھبرا گئے کہ ابروئے مادر پہ بل پڑے
۳۵ دی تہنیت پہ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

عباسؑ سے بچا کے نظر بنتِ مرتضیٰؑ فضہ سے بولی اِن کو ذرا اِس طرف تو لا
آئے تو جوشِ غیظ سے تھرّا کے یہ کہا کیوں اشک بہہ رہے ہیں برابر الم ہے کیا
وقفہ مبارکی میں کیا، کیا یہ طور ہیں
اب تو سلامتی سے ارادے ہی اور ہیں

۳۶

سمجھی یہ میں نشاں کے نہ ملنے کا ہے اَلم کیسا سَبک کیا مجھے اُس وقت ہے ستم
پچھتائی تم کو ساتھ میں لاکر اسیرِ غم قسمت کی خوبیوں سے کئے تم نے یہ کرم
کیا ہو جو شاہؑ شکلِ غم و یاس دیکھ لیں
۳۷ پھر موت تھی جو حضرتِ عباسؑ دیکھ لیں

پر غیب داں ہیں واقفِ اسرارِ کبریا وہ اِس خیالِ خام کو سمجھے نہ ہوں گے کیا
کیا جانے کس لحاظ سے ظاہر نہیں کیا کیا عزّتیں بڑھائیں مِری خوب واہ واہ
عباسؑ فضلِ حق سے لیاقت اساس ہیں
۳۸ گر غیب داں نہیں تو قیافہ شناس ہیں

عباسؑ سا جہاں میں کوئی اہلِ شان ہے جس کا ہے یہ علَم وہ اُسی کا نشان ہے
ایڑی کو دیکھ لوں تو کہوں نوجوان ہے اوروں میں بھی یہ زور یہ تاب وتوان ہے
پر سچ ہے مجھ کو بھائی سے اولاد پیاری ہے
۳۹ عباسؑ سے سِوا مجھے الفت تمھاری ہے

دیکھا جو بنتِ شیرِ الٰہی کو پُر عتاب غنچے کی طرح بند رہے دُرِّ لاجواب
نکلے جگر کی طرح قلق سے وہ دل کباب پُتلی کی طرح چشمِ پیمبرؐ سے تھا حجاب
سب سے الگ وفورِ مصیبت پہ روتے تھے
۴۰ اپنے کئے پہ آپ پشیمان ہوتے تھے

دوڑا خیالِ فاسدِ لشکر سوئے عمر انشا کیا بیاں کے لئے حملۂ خبر
مصدر سے اپنے صیغۂ مُشتق ہوئے بدر ٹوٹے امامؑ پاک کے سُبحہ سے جو گُہر
بشرے سے رنج، رُخ سے نمایاں جلال ہے
دونوں میں یک دلی سے مُضارع کا حال ہے

۴۱

لے اور یہ امامؑ پہ افتاد پڑ گئی کہتے ہیں سب حسینؑ کی قسمت بگڑ گئی
گھر لُٹ گیا بتولؑ کی بستی اُجڑ گئی آپس میں جنگ ہے تری تقدیر لڑ گئی

کم ہوگئی بہار کہ ایسے جری چُھٹے
۴۲ باغِ محمدی سے گُلِ جعفری چُھٹے

تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ عازم وغا پہ ہیں بیزار پیش دستیٔ سیفِ خدا پہ ہیں
شکوے علم نہ دینے کے شاہِؑ ہُدا پہ ہیں محروم حق سے رہ گئے اِس کے جلا پہ ہیں

چُھریاں چلیں ہیں دل پہ اَلم بے سبب نہیں
۴۳ سیفِ خدا سے تیغ چلے کچھ عجب نہیں

بچّے سہی پہ سرو تو اِک بوستاں کے ہیں ثابت ہے یہ نجوم اُسی آسماں کے ہیں
وہ سیف ہیں، یہ شیرِ خدائے جہاں کے ہیں ماں کون ہے چراغ یہ کس دودماں کے ہیں

سکّہ ہے اِن دلیروں کی ضربِ دُرشت کا
۴۴ مُہرِ نبیؐ سے فرق ہے دو ایک پُشت کا

کرسی پہ ہاتھ ٹیک کے اُبھرا اُدھر عمر آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے حریصوں نے کی نظر
چلّایا شمرِ نحس کہ ہاں سچ تو ہے خبر ظاہر کشیدگی ہے کہ غم سے جُھکے ہیں سر

گر اہلِ شام اِن کو اشارہ کریں ابھی
۴۵ پانی کی طرح شہؑ سے کنارہ کریں ابھی

بولا عمر کہ ہاں یہ دُرِ شاہوار لا تیرا ہی کام ہے اسے تُو ہی سنوار لا
مثلِ نسیم مژدۂ فصلِ بہار لا سبزے کی طرح غنچہ لبوں کو ابھار لا

تقدیر کی طرح انہیں سرورؑ سے پھیر دے
خواہر کی پُتلیوں کو برادر سے پھیر دے

۴۶

سازش کا ساز ہے تری باتوں کا تال میل جھٹلائے شرع کو ترے فقروں کی ریل پیل
نازک مزاجیوں کو اُٹھا سختیوں کو جھیل جگ شہ گا ٹوٹ جائے وہ لڑکوں سے داؤں کھیل

دکھلا وہ سبز باغ کہ کھل جائیں شوق سے
۴۷ وہ چال کر کہ آپ چلے آئیں شوق سے

لکھوں میں عرض داشت دوات وقلم منگا دُر بہرِ نذر بہرِ تصدق درم منگا
دو تیغیں اور دو فرسِ بر قدم منگا دو تاج، دو لباس منگا، دو علم منگا

کیجو لجاجتیں کہ علیؑ کے نواسے ہیں
۴۸ پانی بھی چاہئے کہ یہ دو دن سے پیاسے ہیں

کہنا مرا سلام بھی اور اشتیاق بھی امیدِ فرق سائی بھی دردِ فراق بھی
کہنا کہ تم سے صلح بھی ہے اتفاق بھی واں چل کے روم وشام بھی لیجے عراق بھی

سب کو پسند آپ کی سرداریاں ہوئیں
۴۹ سکوں پہ نام پڑنے کی تیاریاں ہوئیں

لے کر یہ سازو برگ چلا شمرِ بد گہر لپکا ہوائے شوق میں وہ شعلۂ سقر
پیچھے تھی رائے رنج، تو آگے تھا شینِ شر سعدین کے قریب، زُحل کا ہوا گزر

تیرِ نظر لگے تو کلیجہ دہل گیا
۵۰ روزن کی راہ قلب سے رخنہ نکل گیا

سرمل گیا زمیں سے جھکا یوں وہ کج روش مثلِ زبانِ خار کُھلا دیوِ بد کنش
بندہ کی بندگی ہو اور آقا کی کورنش صد آفریں یہ حلم یہ صبر اور یہ منش

کیا دبدبے تھے بازوئے شاہِ انام کے
پر آپ تھے جو رہ گئے یوں دل کو تھام کے

۵۱

گو میرے بھانجے ہیں علمدارِ نامدار پر سچ کہوں مجھے بھی ہوا سخت ناگوار
کیا تُم نہیں تھے حضرتِ جعفر کے ورثہ دار کہیئے علیؑ کی چیز تو یوں بھی ہے اختیار
دیکھو ذرا فرائضِ میّت کے حال میں
۵۲ دختر کا کوئی حق نہیں بابا کے مال میں

کہیئے تبرّکاتِ پیمبرؐ میں کیا دیا زینبؑ کو شہؑ نے ترکۂ مادر میں کیا دیا
مادر کے بعد ورثۂ حیدرؑ میں کیا دیا حیدرؑ کے بعد دولتِ شبّرؑ میں کیا دیا
دی چادرِ بتولؑ تو احسان کیا کیا
۵۳ کیا پردۂ ردا میں ہر اِک حق ادا کیا

آخر یہی نا بیٹی کا حق ہے پسر سے کم سب مال کے عوض میں عطا کرتے اِک علم
پر خیر ہم مدد کو ہیں تیغیں کرو علم جس ہاتھ میں علم ہے وہی کیجئے قلم
ہیں لاکھ سر لگے ہوئے پائے جناب سے
۵۴ ہاں چھین لو علم پسرِ بُوترابؑ سے

پر اِس نشاں میں زیب نہیں کچھ سوائے نام سادہ پھریرا لوہے کا پنجہ ہے والسلام
بندے کے ساتھ ہیں جو نشاں اے فلک مقام زریں لباس و غرقِ جواہر ہیں یہ تمام
چلئے جو اس طرف تو چلو میں جواں چلیں
۵۵ ڈنکے کے ساتھ ساتھ یہ نامی نشاں چلیں

حضرت تو آج آب کو محتاج ہیں حضور حاضر تمھارے واسطے یہ تاج ہیں حضور
حاکم کے لُطف تم پہ بہت آج ہیں حضور اپنی نظر میں صاحبِ معراج ہیں حضور
یہ رخش باد پا ہیں ذرا چڑھ کے دیکھئے
حاکم کی عرضداشت یہ ہے پڑھ کے دیکھئے

۵۶

اقرارِ مُلک و مال ہے تحریر یا نہیں ہے اختیارِ بخششِ جاگیر یا نہیں
منظور ہے حضور کو توقیر یا نہیں شبّرؑ کو لگاؤ گے شمشیر یا نہیں

حضرت تو شاہِ دیں کا ہمیں سر اُتار دیں
۵۷ مادر تمھاری بیوؤں کا زیور اتار دیں

خود کاٹ لو امامؑ کا سر تم ہمیں نہ دو لوٹو تمام بیوؤں کا زیور ہمیں نہ دو
بانو کے سر سے چھین لو چادر ہمیں نہ دو کبریٰؑ کی نتھ سکینہؑ کے گوہر ہمیں نہ دو

ہم مانگتے نہیں ہیں حزینہ کی بالیاں
۵۸ زینبؑ کے کان میں ہوں سکینہؑ کی بالیاں

مادر کو اپنی چین سے پردے میں تم بٹھاؤ بانو کو مُلک مُلک میں پھر ننگے سر پھراؤ
کبریٰؑ کی طرح دخترِ عباسؑ کو رُلاؤ گوہر نہ دے سکینہؑ تو سیلی اُسے لگاؤ

مال و متاع و زیور و زر اُن سے چھین لو
۵۹ تم اپنے پاس رکھو مگر اُن سے چھین لو

بھولا معاف کیجئے اے قبلۂ انام بہرِ حضور لایا ہوں آبِ خنک کے جام
پہلے یہ نوش کیجے کہ ہیں آپ تشنہ کام اول طعام چاہئے اور بعدہٗ کلام

اُلفت میں سہو محو ہوئی فکر آب کی
۶۰ کی میں نے مفت سعی خراشی جناب کی

یہ سُن کے مثلِ مہر بدن کانپنے لگا ہر اِک ہزبرِ قلعہ شکن کانپنے لگا
بھونچال کے خیال میں رن کانپنے لگا رن کے قلق پہ چرخِ کہن کانپنے لگا

سوکھی زباں کی طرح سے تیغیں نکل پڑیں
خود چتونوں کی شکل حُسامیں اُبل پڑیں

۶۱

گونجے یہ شیرِ بیشۂ سلطانِ نیک ذات خاموش بد زباں نہ سُنا یہ مزخرفات
نیکوں کا قول زور ہے تجھ سے شقی کی بات تھرّا رہے ہیں داب و ادب اوزبوں صفات
تجھ سا بھی فیلسوف کوئی بد شعار ہے
۶۲ او سگ یہ تیری بے ادبی یادگار ہے

اہلِ یقین پر تجھے یہ بد گمانیاں کس کو علم کا رنج ہے او کُلفتِ جہاں
سیفِ خدا سے تم کو ہو بُل کبریا کی شاں پر تو ہے اپنے بھانجے پر حد سے مہرباں
ماموں ہے اور موت کا پیغام لایا ہے
۶۳ خود بھانجے کے ہاتھ کٹانے کو آیا ہے

کرتا ہے خوب رحم یگانے کے حال پر لعنت خدا کی ایسے سیہ کار خال پر
رغبت دلا رہا ہے جدال و قتال پر بچّے سہی پہ ہم ہیں بزرگوں کی چال پر
ہم اپنے ماموں جان پہ ظلم و ستم کریں
۶۴ ہے ہے علم کے واسطے شانے قلم کریں

سیفِ خدا عزیز نہیں ہم کو او ذلیل تجھ سا بھی اِس جہان میں ہوگا کوئی مُحیل
ہم کو حریصِ مال سمجھتا ہے او بخیل ظاہر ہے تیرے نام کے حرفوں سے یہ دلیل
دل کی مدد سے مِلک میں اقلیم مکر ہے
۶۵ گویا کہ شر کے بیچ میں یہ میم مکر ہے

کہتا ہے تو کہ ترکۂ احمدؐ میں کیا ملا ایماں ملا، فروغ ملا، مرتبہ ملا
بنتِ نبیؐ سے حصۂ صبر و رضا ملا شیرِ خُدا سے ورثۂ زورِ خُدا ملا
خُلقِ حسنؑ سے یہ حشم و جاہ مل گیا
بندوں کو اِس جناب سے اللہ مل گیا

٦٦

آخر چھپا نہ کلمۂ حق بانیٔ جفا آیا تری زبان پہ حق دیکھ بے حیا
شہؑ نے ردا کے پردے میں ہر حق ادا کیا تطہیر جب عطا کی تو پھر اور کیا رہا
مُلکِ جہاں کا نظم و نسق مل گیا ہمیں
٦٧ حق تو یہ ہے حسینؑ سے حق مل گیا ہمیں

تیری نظر میں بیکس و محتاج ہیں حسینؑ سرکردگانِ خَلق کے سرتاج ہیں حسینؑ
فردا کے شاہؑ نامِ خدا آج ہیں حسینؑ عینِ عروج صاحبِ معراج ہیں حسینؑ
اللہ کا حسینؑ یہ ذی جاہ ایک ہے
٦٨ جس طرح سے حسینؑ کا اللہ ایک ہے

کیا شے ہے تیری فوج تری آن بان کیا بچّوں سے جن کی فہم ہے کم وہ جوان کیا
تو کیا ہے اور یہ ترے نامی نشان کیا ہونا ہے بے نشان تو پھر عزّ و شان کیا
اِک چوب پر ہے پنجۂ زرّیں چڑھا ہوا
٦٩ نیزہ پہ چڑھ کے نام بھی نکلا تو کیا ہوا

سادہ اگرچہ یاں علمِ بوترابؑ ہے جلوہ پکارتا ہے کہ یہ آفتاب ہے
پر آفتابِ حشر کا منہ پر سحاب ہے دُر ریز اِس کے پنجۂ آہن کی آب ہے
لوہا ہر اِک نے مانا ہے اِس کے وقار کا
٧٠ جوہر سے جُزوِ خاص ہے یہ ذوالفقار کا

کیا مال ہے یہ ملک، یہ لشکر، یہ عزّ و شاں سکّہ ہمارا کشورِ ایماں میں ہے رواں
ڈنکا ہے بے فروغ یہ رایت ہیں بے نشاں بجتی ہے پانچ وقت یہاں نوبتِ اذاں
یہ سر ہیں نذر شاہِ حجازی کے واسطے
وہ گنجفہ کے تاج ہیں بازی کے واسطے

۷۱

شطرنج کی ہے چال کہ لایا ہے راہوار پھنستے ہیں اس میں عرصۂ اُلفت کے شہسوار
کیا دیکھیں ہم یہ نامۂ اعمال نابکار نقشِ فساد حظِ تقاطع ہے آشکار
کرتا ہے اس پہ فخر کہ فرمان لایا ہے
آیا خدا کے پاس سے قرآن لایا ہے ۷۲

او شعلۂ ہوائے فروغِ چراغِ شام آبِ بقا میں آگ لگانا ہے تیرا کام
قرآں کی حُرمتیں تری ملّت میں ہیں حرام جادو بیانیوں سے کرے تو بتوں کو رام
شیطان کی نظر پہ ترا مکر چڑھ گیا
اُستادِ باکمال سے شاگرد بڑھ گیا ۷۳

کیا لُطفِ سلطنت چمنِ روزگار میں نیرنگیوں سے رنگِ خزاں ہے بہار میں
ہمّت کی طرح دولتِ قاروں ہے غار میں فرعون غرقِ آب ہے نمرود نار میں
ہستی کے پائے تخت میں گنجِ مزار ہے
شدّاد کو بہشت کی فرقت کا خار ہے ۷۴

مُہرے ہیں شعبدہ کے یہ لعل و دُر جہاں بے اصل بے قرار کبھی یاں کبھی وہاں
ہر مُہر میں ہے مُہرۂ شطرنج کا سماں اِس گھر کے درمیاں کبھی اُس گھر کے درمیاں
دینار میں ہیں شعلۂ بیتاب کے خواص
تاثیر سے ہیں سیم میں سیماب کے خواص ۷۵

یہ غفلتیں یہ زعم دو روزہ حیات پر یہ طبل کوبیاں حشمِ بے ثبات پر
وقفے کا اعتبار نہ دن پر نہ رات پر دُنیا کی اُلفتیں فقط اس کائنات پر
یاں رنگِ ابتدا میں قرینہ ہے موت کا
غنچے کے حق میں اوس، پسینہ ہے موت کا

۷۶

اوقات اپنی کھوئیں زمانے کے واسطے مسند پہ بیٹھیں شر کے اُٹھانے کے واسطے
کیوں یہ چلن علیؑ کے گھرانے کے واسطے سیّد کا خوں بہائیں خزانے کے واسطے

آئے ہوس تو ساتھ میں دل کو نکال دیں
اکسیر ہو نصیب تو ہم خاک ڈال دیں ۷۷

مولاؑ تو دل کی طرح سے آغوش میں بٹھائیں راتوں کو آپ جاگیں ہمیں سینے پر سلائیں
اُس کا عوض یہ ہے کہ انہیں تیغ ہم لگائیں اماں ہماری آپ کی اولاد کو ستائیں

اُلفت کی رہ عزیز سے یوں چھوٹتی بھی ہے
بھائی کے گھر کو کوئی بہن لوٹتی بھی ہے ۷۸

کیا قہر ہے دُلہن جسے خود رات کو بنائیں نتھ اُس کی آپ چھینیں سہاگ اُس کا خود بڑھائیں
ہاتھوں سے اپنے بیاہ کا جوڑا جسے پہنائیں اُس کی ردا اتار لیں سر برہنہ پھرائیں

ایسا بھی سخت دل کوئی ہوگا جہان میں
بچّی کی بالیاں ہوں ضعیفہ کے کان میں ۷۹

زینبؑ تو پردہ پوش ہو کلثوم ننگے سر زینبؑ محل سرا میں ہو بانو ہو در بدر
ہم تو خوشی ہوں دُخترِ عباسؑ نوحہ گر او بے شعور لوٹ لیں ہم آپ اپنا گھر

کُنبے کو اپنے آپ ہی در در پھرائیں ہم
ننھی بہن کو اپنے طمانچے لگائیں ہم ۸۰

کیسا سُخن طراز ہے مکار بے حجاب کہتا ہے پہلے بھول گیا تھا میں ذکرِ آب
جھوٹے کو حافظہ کہاں اے خانما خراب پر آبرو طلب ہیں غلامانِ بوترابؑ

کوثر ہمیں ملا ہے جنابِ امیرؑ سے
فیاض طبع لیتے ہیں کاسہ فقیر سے

۸۱

بڑھنے کو تھے یہ غیظ میں توقیر کی طرح پھرنے کو تھا وہ خوف سے تقدیر کی طرح
ہر ایک بات دل پہ لگی تیر کی طرح سر سے غرور بہہ گیا نکسیر کی طرح
بھڑکی غضب کی آگ کہ منہ زرد ہوگیا
وہ بجلیاں گریں کہ شفق سرد ہو گیا ۸۲

ناگہہ ندا یہ آئی کہ ماں ہوگئی نثار آؤ بلائیں لے لوں کہ آیا ہے مجھ کو پیار
پردے میں سُن رہی ہے صدا یہ جگر فگار کیا پھول جھڑ رہے ہیں کہ باغی ہیں شرمسار
آئی تھی جو کہ دل میں کدورت وہ کھو گئی
ایسے دئے جواب کہ میں شاد ہو گئی ۸۳

کافور کی طرح سے اُڑا شمرِ شعلہ خو جلوے کی طرح آئے حرم میں وہ شمع رُو
نکلی ہر اِک کے دل سے دعا مثلِ آرزو شاباش و مرحبا کا ہوا شور چار سو
ماں کی ملی مراد تو سب شادماں ہوئے
یوں خوش ہوئے کہ آنکھ سے آنسو رواں ہوئے ۸۴

ماں بولی کیا الم ہے جو آئے ہو سرنگوں غصہ نہیں ہے اب مجھے میں تم سے شاد ہوں
دل خود بخود ہی کہتا ہے پیہم دعائیں دوں منہ چوم لوں گلے سے لگاؤں بلائیں لوں
وہ چیز ہے فریب کہ پتھر کو ٹال دے
آدم کو باغِ خُلد سے شیطاں نکال دے ۸۵

اب سمجھی میں کہ نامِ خدا ذی شعور ہو ویسے فدائے نامِ امامِ غیور ہو
ہاں واری ہاں حسینؑ کے عاشق ضرور ہو تم سے پسر ملیں تو نہ کیونکر سُرور ہو
تعریف سُن کے رنج و الم بھولی جاتی ہوں
شاباش تم کو ملتی ہے میں پھولی جاتی ہوں

۸۶

واری شرارتوں میں نہیں شمر کا جواب ہے مکر میں یہ تفرقہ پرداز لاجواب
لیکن زباں دراز نے پائے ہیں کیا جواب کچھ پھوٹے منہ سے پھر نہ لعیں نے دیا جواب

نخوت سے تھا ہوا میں بہت لا ہوا شقی
۸۷ خِفّت ہوئی کہ پانی سے پتلا ہوا شقی

میں خوش ہوئی تمھاری محبت کو دیکھ کر لیکن کلیجہ ہلتا ہے صورت کو دیکھ کر
سولہ پہر کی پیاس کو غُربت کو دیکھ کر کیوں دل بھر آیا ہوگا نہ شربت کو دیکھ کر

جلتے ہوؤں کو اور سِتمگر جلا گیا
۸۸ بچّوں کو میرے پیاس میں پانی دکھا گیا

پیڑا رہے ہیں ہونٹ کلیجے دھڑکتے ہیں ہے ہے میں کیا کروں مرے بچّے بلکتے ہیں
کانٹے زبانوں کے مرے دل میں کھٹکتے ہیں کیا آتما کی آگ سے شعلے بھڑکتے ہیں

بابا نے اِن کو گھر سے نکالا تھا اِس لئے
۸۹ مجھ بے نصیب نے انہیں پالا تھا اس لئے

ناگہہ ندا یہ آئی کہ فرشِ عزا بچھاؤ مسلم کے لال ذبح ہوئے اشکِ خوں بہاؤ
لاشوں کی پیشوائی کو خیمے کے در پہ آؤ سر پیٹتے ہوئے انہیں ہمراہ لے کے جاؤ

جوڑے میں سُرخ با حشم و جاہ آتے ہیں
۹۰ دو مسندیں بچھاؤ کہ نو شاہ آتے ہیں

یہ سُن کے پیٹتے ہوئے اُٹھے وہ تشنہ کام لاشوں کو گھر میں لائے شہنشاہ خاص و عام
ماتم کی صف پہ بیٹھ کے روئے حرم تمام ناگہہ اِک اور حشر اُٹھا ہل گئے خیام

خنجر مسافروں کے کلیجوں پہ چل گئے
بہرِ وغا علیؑ کے نواسے مچل گئے

مرثیہ: ۷

درحال حضرت حُر علیہ السلام

مطلع

دُرَّۃُ التاجِ فَصاحَت ہے ثناخوانیٔ حُر

تعداد بند: ۱۳۴

۱

دُرّۃُ التاجِ فصاحت ہے ثنا خوانیٔ حُر غیرتِ ماہِ شبِ قدر ہے پیشانیٔ حُر
بخدا کوئی دو عالم میں نہیں ثانیٔ حُر خلد میں کی شہِ لولاک نے مہمانیٔ حُر

نارِ دوزخ سے جُدا ہو کے جناں میں پہنچا
سُرخرو خدمتِ شاہِ دو جہاں میں پہنچا

۲

گُلِ شاداب گلستانِ شہادت ہے حُر آفتابِ فلکِ عز و شرافت ہے حُر
بخدا جوہرِ شمشیرِ شجاعت ہے حُر مردِ میدان وغا صاحبِ ہمت ہے حُر

جس کی حرمت ہے ہوا خلق میں وہ حُر ہے یہی
جس پہ جرأت بھی ہے نازاں وہ بہادر ہے یہی

۳

جلوۂ نورِ خدا ہے رُخِ تاباں حُر کا چاک حیدرؑ نے کیا، دفترِ عصیاں حُر کا
لائقِ مدحِ ملائک ہے ثنا خواں حُر کا حوریں حُر کی ہیں، ارم حر کا ہے، رضواں حُر کا

حال پر حُر کے جو منہ آنسوؤں سے دھوتے ہیں
شادماں ان سے حسینؑ ابن علیؑ ہوتے ہیں

۴

پیاس میں ساتھ دیا شہ کا، خوشا ہمتِ حُر کم نہیں بوذر و مقداد سے کچھ عزتِ حُر
نہ ملی قیصر و فغفور کو بھی شوکتِ حر مہرباں ماہ پیمبر ہے زہے حرمتِ حُر

حوریں خدمت کو ملیں سایۂ طوبا پایا
ایک شبیر کے مل جانے سے کیا کیا پایا

۵

آنکھ جھپکی نہ سنانوں سے نہ تلواروں سے جنگ کی شیر نے بڑھ بڑھ کے ستمگاروں سے
مرد عاقل تھا جدا ہو گیا مکاروں سے اپنے دامن کو الجھنے نہ دیا خاروں سے

دار دینا سے دلاور یہ سبکدوش اٹھا
کہ جنازہ بھی نہ غازی کا کفن پوش اٹھا

٦

غیرِ حُر کس نے یہ اعزاز جہاں میں پایا جس کو بھائی کہے شفقت سے نبیؐ کا جایا
بے کسی میں بھی عجب لطف و کرم فرمایا نار سے سوئے جناں عشقِ شہِ دیں لایا
گلشن خلد بریں اپنے عمل میں دیکھا
ناز کرتے ہوئے حوروں کو بغل میں دیکھا ۷

وہ فزا خلد کی، وہ چشمۂ کوثر کی بہار جنہیں دیکھا نہیں آنکھوں نے وہ نایاب اشجار
خوش جمالانِ جناں کے وہ اشارے ہر بار وہ قیامت کے کرشمے جو کریں دل کو فگار
باغ جنت میں جو رہ رہ کے ہوا آتی تھی
روح ہر مرتبہ اک تازہ مزا پاتی تھی ۸

ہاں ہوا خواہِ امام مَدَنی ایسا ہو بلبلِ گلشنِ شیریں سخنی ایسا ہو
کیا سے کیا ہوگیا قسمت کا دھنی ایسا ہو شور ہے چار طرف، پنجتنی ایسا ہو
شہ کے قدموں پہ فدا سر کیا مسکن چھوڑا
مرتے مرتے بھی نہ شبیر کا دامن چھوڑا ۹

بلبلیں بھرتی ہیں دم اس کا گلستانوں میں ایسی جانبازیاں دیکھی نہیں افسانوں میں
نام روشن صفتِ شمع ہے پروانوں میں واہ رے بخت ہوا شاہ کے مہمانوں میں
ناصرِ لختِ دلِ صاحبِ دُلدُل ہے یہی
فوجِ اللہ و پیمبر کا ہراول ہے یہی ۱۰

جان دی شوق سے دلبند پیمبر کے لئے چھوڑی آسائشِ دنیا شہِ صفدر کے لئے
یہ شرف کم نہیں کچھ حُرِ دلاور کے لئے تکیۂ زانوئے فرزندِ نبیؐ سر کے لئے
اللہ اللہ عجب عزّ و شرف ہاتھ آیا
خلد میں قربِ شہنشاہِ نجفؑ ہاتھ آیا

۱۱

باغِ فردوس سے لینے کو پیمبر آئے مئے تسنیم لئے ساقی کوثر آئے
بھائی کہتے ہوئے کس شوق سے شبرؑ آئے میوۂ خلد لئے حمزہ و جعفر آئے
طرفِ باغِ جناں بادِ بہاری پہنچی
خلد میں دھوم سے غازی کی سواری پہنچی ۱۲

ناصر شاہ شہیدان ہوا اللہ اللہ عازم روضۂ رضواں ہوا اللہ اللہ
راہ معبود میں بیجاں ہوا اللہ اللہ موردِ رحمت یزداں ہوا اللہ اللہ
سر فدا کر کے جری زندۂ جاوید ہوا
نار سے نور ہوا، ذرہ سے خورشید ہوا ۱۳

شب عاشور جو آئی بصد اندوہ و الم محوِ راحت ہوئے خیموں میں تمام اہل حرم
گھر میں روتے ہوئے پہنچے، جو شہِ عرش حشم دیکھا ناموسِ پیمبر میں بپا ہے ماتم
رخِ ہمشیر تمام آنسوؤں سے تر پایا
اک طرف بانوئے بیکس کو کھلے سر پایا ۱۴

کچھ عجب شان سے سید کی ہوئی مہمانی نہ مہیا تھی غذا کچھ نہ میسر پانی
دشمن جاں تھا ہر اک ظلم و ستم کا بانی کم سنوں پر تو غضب پیاس کی تھی طغیانی
ماں عجب یاس سے مصروف تھی نظارے میں
ہچکیاں لیتا تھا بےشیر بھی گہوارے میں ۱۵

کچھ عجب فکر و تردد میں ہیں سلطان انام کبھی روتے ہیں کبھی بھرتے ہیں سرد آہ امام
کبھی ہمشیر سے ہیں صبر و تحمل کے کلام دل ہے سینہ میں تپاں، زرد ہے چہرہ بھی تمام
کبھی منہ دیکھ کے شبیرؑ کا رو دیتے ہیں
گود میں بالی سکینہؑ کو کبھی لیتے ہیں

۱۶

کبھی مصروف نوافل کبھی مشغولِ دعا کبھی غم بیووں کے لٹنے کا، کبھی شکرِ خدا
کبھی بھائی کا الم، گاہ پسر کا دھڑکا کبھی حضرت کی زباں پر تھا رضینا بقضا

حالِ سرور پہ حرم اشکوں سے منہ دھوتے تھے
جتنے بچے تھے وہ سب گرد کھڑے روتے تھے

۱۷

غم و اندوہ سے سادات کی حالت تھی تباہ جاں بلب پیاس سے تھی آلِ رسول ذیجاہ
غم میں پہنے ہوئے تھی لیلیٔ شب رخت سیاہ رنگ میں چہرۂ زنگی سے نہ کم تھا رُخِ ماہ

صاف چہروں سے نبیؐ زادوں کے غم پیدا تھے
اخترِ چرخ تھے یا خال رخِ لیلا تھے

۱۸

بر میں تھا آہوں کا غل، بحر میں شورِ ماتم تھا ہر اک شے کو، جگر بند پیمبر کا الم
فاطمہؑ روتی تھیں سر پیٹتے تھے شاہِ امم روشنی شمعِ قمر کی بھی ہوئی جاتی تھی کم

چھائی تھی غم کی گھٹا فاطمہؑ کے پیاروں پر
چرخ بھی لوٹتا تھا تاروں کے انگاروں پر

۱۹

ناگہاں فوج حسینی میں ہوا شورِ اذاں آئے خیمہ سے مُصلے پہ امام دو جہاں
دل سے مشغولِ عبادت ہوئے یثرب کے جواں موردِ رحمتِ باری ہوئے وہ غنچہ دہاں

یاں تو مغرب کے فریضہ میں ہر اک عاقل تھا
اس طرف قتل کی تدبیر میں ہر جاہل تھا

۲۰

ظلمتِ شب وہ بلا کی وہ ڈراونا صحرا وہ درندوں کی صدائیں وہ تڑپنا دل کا
عالمِ ہُو وہ ہر اک سو، وہ پریشان ہوا جاں بلب خوف سے تھے آلِ رسول دوسرا

کسی معصوم کو بھی بوند نہ دی پانی کی
واہ کیا کوفیوں نے شاہ کی مہمانی کی

۲۱

جائزہ تھا کہیں تیروں کا کہیں مشقِ تبر تیز کرتا تھا کوئی تیغ، تو کوئی خنجر
دشمن جاں نظر آتا تھا ہر اک بانیٔ شر مشورے کرتے تھے خیمہ میں بہم شمر و عمر
خوب ساماں تھا یہ دو روز کے پیاسے کے لئے
برچھیاں اور محمدؐ کے نواسے کے لئے

۲۲

حُر عجب شان سے ہے خیمہ میں مسند پہ مکیں رنگِ رخ زرد ہے، اشک آنکھوں میں ہیں دل غمگیں
سر جھکائے ہوئے بھائی بھی ہے موجود وہیں لبِ غازی پہ کوئی بات بجز آہ نہیں
دردِ دل اپنا کسی سے جو نہ کہہ سکتا تھا
یاس سے بھائی کے چہرہ کو جری تکتا تھا

۲۳

مُتحیّر مُتألم مُتاسّف بیتاب دھیان آسائشِ تن کا نہ خیالِ خور و خواب
سوزِ غم سے دلِ بیتاب تھا پہلو میں کباب شوق کہتا تھا کہ چل خدمتِ مولا میں شتاب
ان کی ہو مہر تو سب دور یہ زشتی ہو جائے
وہ اگر چاہیں تو ناری بھی بہشتی ہو جائے

۲۴

کبھی کانپا، کبھی تڑپا، کبھی رویا صفدر کبھی جھوما، کبھی بپھرا کبھی سنبھلا تن کر
جوشِ رقت کا کبھی تھا، کبھی نالہ لب پر نورِ عینِ اَسَد اللہ پہ تھی اس کی نظر
وطن آواروں کا نوحہ جو وہ سن پاتا تھا
دونوں ہاتھوں سے جگر تھام کے رہ جاتا تھا

۲۵

پیٹ کہ سر کو یہ کہتا تھا کبھی وہ دیندار کب سے سادات کے خیمہ میں ہے پانی کی پکار
بت پرستوں سے سوا ہے عمر ناہنجار امتی ہو کے نبی زادہ پہ کھینچی تلوار
نہر روکی گئی دو روز کے پیاسے کے لئے
قحط آب اور پیمبر کے نواسے کے لئے

۲۶

باندھ کر دستِ ادب بھائی نے حُر سے یہ کہا شب بہت آئی ہے، کر لیجے تناول خاصہ
استراحت بھی کوئی دم ہے مناسب بھیّا صبح کو دلبر حیدرؑ سے ہے درپیش وغا

حکم ہے کل سرِ شبیرؑ قلم ہو جائے
۲۷ گل چراغِ لحدِ خیرِ اُمم ہو جائے

کانپ کر حُر یہ پکارا کہ عیاذاً باللہ میرے ہوتے ہوئے ہو قتل امامِ ذیجاہ
مجھ کو خواہش ہے نہ کھانے کی نہ پانی کی ہے چاہ ہجر فرزند نبیؐ میں مری حالت ہے تباہ

چین دل کو نہیں کس طرح سے راحت پاؤں
گھر میں زہراؑ کے تو فاقہ ہو، میں کھانا کھاؤں ۲۸

نہ غریبوں کے لئے آب ہے ممکن نہ غذا بیکسوں پر یہ غم و رنج یہ آفت یہ بلا
جس کا منہ دیکھتے ہیں وہ ہے لہو کا پیاسا کون ایسا ہے جو اس وقت میں کام آئے ذرا

دیکھنے کو تو ان آنکھوں سے نہ کیا کیا دیکھا
ہاں مگر یوں بھی بدلتے نہ زمانہ دیکھا ۲۹

شہؑ نے مجھ کو مرے لشکر کو جو پیاسا پایا دل ہی واقف ہے جو کچھ لطف و کرم فرمایا
واہ کس شوق سے خود آبِ خنک پلوایا شور تھا منعِ احساں ہے نبیؐ کا جایا

جلد آئے جسے پانی کی طلبگاری ہے
قلزمِ بخششِ فرزندِ نبیؐ جاری ہے ۳۰

کان میں آتی تھی ہر بار یہ سقوں کی صدا آو پیاسو، نہ کرو تشنہ دہانی کا گلا
ہاتھ منہ دھوؤ، پیو آب، کرو شکر خدا ہاں مگر دل میں رہے ساقیٔ کوثر کی ولا

غل تھا صدقے ترے اے پیاس بجھانے والے
مرحبا ساغرِ تسنیم پلانے والے

۳۱

کیا بیاں کیجئے اس وقت تھی کس طرح کی پیاس مجھکو تھا ہوش نہ باقی تھے سواروں کے حواس
پانی پلواتے تھے خود بادشہِ نیک اساس دوڑ کر سقوں کو لاتے تھے جناب عباسؑ
مشکیں کاندھوں پہ نہ تھیں جوش میں اک دریا تھا
آبِ رحمت قد آدم سے بھی کچھ نیچا تھا

۳۲

اِسی باعث سے میں آب آب ہوا جاتا ہوں سچ یہ ہے سامنے جاتا ہوا شرماتا ہوں
دمبدم قہر سے معبود کے تھراتا ہوں کیا کروں کیا نہ کروں ہائے میں پچھتاتا ہوں
کب مرے دھیان میں اس طرح کی مہمانی تھی
شہؑ کو لایا میں یہاں یہ مری نادانی تھی

۳۳

سن کے تقریر کو بھائی کی یہ بھائی نے کہا یہ تو سب سچ ہے مگر آپ کا اب قصد ہے کیا
حُر پکارا کہ غلامؑ شہشاہِ ہدا سیرِ گلزارِ ارم قربِ رسولِ دو سرا
ابھی جی جاؤں جو اس راہ میں مارا جاؤں
تا ابد ناصرِ شبیرؑ پکارا جاؤں

۳۴

کس بشاشت سے کہا بھائی نے ماشاء اللہ خود مجھے بھی پسرِ ساقیٔ کوثر کی ہے چاہ
جھوم کر باپ سے بیٹے نے کہا اے ذیجاہ متفق میں بھی ہوں اس رائے سے خالق ہے گواہ
خادمِ حُر نے کہا میں بھی چلوں گا آقا
قدمِ شہؑ پہ ان آنکھوں کو ملوں گا آقا

۳۵

آشنا خواب سے اصلاً نہ ہوا کوئی جواں انہیں باتوں میں کٹی رات، ہوئی صبح عیاں
لشکرِ شر نے کیا جنگ و جدل کا سامان فوج اللہ و نبی میں ہوئی یکبار اذاں
سن کے آوازِ اذاں روح مزا پانے لگی
عرش تک اَکبرِ مہرو کی صدا جانے لگی

۳۶

وہ ضیا تاروں کی وہ نور کا تڑکا وہ فزا روح بالیدہ ہو جس سے، وہ فرح ناک ہوا
گل خودرو کا وہ عالم وہ بہارِ صحرا عندلیبوں کے وہ نغمے کہ ملے دل کو مزا
بوسے جھک جھک کے زمیں کے جو ثمر لیتے تھے
گل کھلے جاتے تھے غنچے بھی ہنسے دیتے تھے

۳۷

سرو کا ناز سے ہر دم وہ اکڑنا لب جو قمریوں کی وہ ہر اکبار صدائیں کو کو
قہر ڈھاتے تھے وہ سنبل کے زمیں تک گیو گلِ خوشبو کی وہ پھیلی ہوئی ہر سو خوشبو
تھے مسرت سے شگفتہ جو چمن پھولوں کے
بلبلیں چومتی پھرتی تھیں دہن پھولوں کے

۳۸

صبح کا وقت ہے گلزار میں خوشبو ہیں گل کہتے ہیں اہل نظر نرگس جادو ہیں گل
طرفہ عالم ہے جو پھیلے ہوئے ہر سو ہیں گل عندلیبوں کا دبائے ہوئے پہلو ہیں گل
پتیاں گرتی ہیں جب تیز ذرا چلتی ہے
اس لئے پھولوں سے دب دب کے ہوا چلتی ہے

۳۹

ہر چمن ملک ہے گلچینوں کو ملتا ہے خراج زرِ گل بادِ بہادری نے دیا باغ کو باج
باغباں شاد ہے شادی کا زمانہ ہے آج نظر آتا ہے ہر اک پھول سرِ شاخ پہ تاج
باتیں وہ سب ہیں جو لازم ہیں ریاست کے لئے
تازیانہ لئے سنبل ہے سیاست کے لئے

۴۰

طیر سب آپ سے باہر ہیں خوشی کے مارے حال یہ ہے کبھی پر کھولے کبھی چہکارے
گل سفید اونچے درختوں پہ نہیں ہیں سارے ہے تعجب نظر آنے لگے دن کو تارے
زرد پھول اتنے کھلے خلق تماشائی ہے
صاف ہوتا ہے عیاں دھوپ نکل آئی ہے

۴۱

غنچہ کے دل کی گرہ بادِ صبا نے کھولی کوئی پتی جو ہلی ساتھ ہی بلبل بولی
باغ میں پھولوں سے گلچیں نے بھری ہے جھولی صورتیں شاہدِ گلشن کی وہ بھولی بھولی

چال ہے وہ جو ہر اک قلب کو تڑپاتی ہے
جب نسیم آتی ہے دل لیکے چلی جاتی ہے

۴۲

عشق بازوں کے لئے باغ میں ہے لطف حیات ناز و انداز کے جاری ہیں طریقے دن رات
یوں ہی کہتی ہے حسینانِ چمن کی اوقات بات کیا ہے گل و بلبل میں جو ہوتی نہیں بات

فاختہ سے جو کشیدہ انہیں کچھ پاتی ہیں
بیلیں لپٹی ہوئی ہر سرو کو سمجھاتی ہیں

۴۳

اس طرف جمع ہیں، گلہائے امام خوش خو چہرے خورشید، گلے چاند، مہ نو ابرو
کاکلِ جعد فدا جس پہ وہ پیارے گیسو آنکھیں سرچشمۂ احساں، گہرِ خُلد آنسو

مرتبے خلق پہ ظاہر لبِ ذی قدر کے ہیں
اس مہ نو پہ تصدق شہداء بدر کے ہیں

۴۴

گو قیامت کی گلستانِ جہاں میں ہے بہار پر محمدؐ کے چمن سے نہیں نسبت زنہار
دیکھ لے ایک نظر اس کی فضا کو جو ہزار صورت گل سے ہو پھر بلبل شیدا بیزار

پھر نہ یہ جوش نہ یہ زمزمہ خوانی رہ جائے
گل و بلبل کی زمانے میں کہانی رہ جائے

۴۵

یاں بھلا سنبل و ریحاں کی حقیقت کیا ہے سامنے ان کے گل تر میں، لطافت کیا ہے
بلبلیں ذبح ہوئی جاتی ہیں آفت کیا ہے لڑکھڑاتی ہے صبا بھی یہ قیامت کیا ہے

بزمؔ ہاں اپنی زباں پر نہ یہ ذکر آنے دو
پھول غرقِ عرقِ شرم ہیں، بس جانے دو

۴۶

صبح کا وقت بھی ہوتا ہے سہانا کیسا دل سے کیوں محوِ عبادت نہ ہوں خاصانِ خدا
رونق افروز مصلّے پہ ہوئے شاہِ مدا با وفا فوج نے باندھا عقبِ شاہ پَرا
اے زہے بخت عجب اوج یہ گل پائیں گے
۴۷ شہ سے پہلے چمن خلد میں یہ جائیں گے

پسر احمدؐ مرسل کی عبادت کے نثار ذکر و طاعت کے فدا، شان امامت کے نثار
پیروان شہ عادل کی جماعت کے نثار زہد و تقوے کے فدا حسن قرأت کے نثار
بڑھ گئی گلشن اسلام کی زینت ان سے
۴۸ آج تک خلق میں قائم ہے عبادت ان سے

حسن میں شان میں صورت میں سوا ایک سے ایک رعب میں داب میں شوکت میں سوا ایک سے ایک
زور میں جوش میں قوت میں سوا ایک سے ایک دل میں ہمت میں شجاعت میں سوا ایک سے ایک
مورچے توڑیں صفیں اُلٹیں دلاور ایسے
۴۹ بڑھ کے لاکھوں سے کریں جنگ غضنفر ایسے

راست گو، وضع کے پابند، خوش اطوار ہیں سب صاف دریائے شرف کے دُرِ شہوار ہیں سب
غازی و شیر دل و اشجع و دیندار ہیں سب اسد اللہ و ید اللہ کے دلدار ہیں سب
فلک عزت و اقبال کے سب تارے ہیں
۵۰ مُصحفِ احمدؐ مختار کے یہ پارے ہیں

نور وہ چہروں کا اُن کے، وہ عمامے عربی خوف کچھ مرگ کا اصلاً، نہ غمِ تشنہ لبی
رخِ روشن سے عیاں جلوۂ عالی نسبی ناصرِ شاہ ہدیٰ، عاشقِ اللہ و نبیؐ
اہلِ دیں جو ہیں انہیں کام، انہیں پھولوں سے ہے
زینتِ گلشنِ اسلام انہیں پھولوں سے ہے

۵۱

سورۂ نور ہے شاہد، فلکِ دیں کے ہیں ماہ مرتبے ان کے ہیں یٰسین سے ظاہر و اللہ
نسبِ پاک پہ ہے آیۂ تطہیر گواہ وہ نمازی کہ نمازوں کو بھی خود جن کی ہے چاہ
تھی قیامت کی غریبوں پہ تباہی رن میں
۵۲ دی تشہد نے شہادت کی گواہی رن میں

حسن صوت ایسا کہ داؤد بھی ہوں جس پہ فدا دم عیسیٰ کا اثر، صاف لبوں سے پیدا
ان کے لہجوں پہ تھا خود بلبل، سدرہ شیدا وجد میں چرخ پہ قدسی تھے زہے شانِ خدا
غل تھا یوں اہل ولا عشق کا دم بھرتے ہیں
۵۳ اس طرح خاصۂ رب حمدِ خدا کرتے ہیں

جب ملی طاعت معبود سے سب کو فرصت دل شگفتہ ہوئے روحوں نے وہ پائی راحت
بڑھ گئی پیش خداوند دو عالم عزت نظر آنے لگے آنکھوں کو قصورِ جنت
ہوئے خوبانِ جناں کے جو نظارے پیہم
۵۴ قہر ڈھانے لگے حوروں کے اشارے پیہم

شہؑ نے فرمایا کہ کیا دیکھا، بتاؤ تو ذرا یک زباں ہو کے کہا سب نے کہ جنت کی فزا
دیکھ لی روضۂ رضواں کی بہار اے مولا یہ شرف آپ کے صدقے میں غلاموں کو ملا
اب یہ حسرت ہے کہ ہم دار فنا سے جائیں
۵۵ جلد ہو اِذن کہ کوثر پہ یہ پیاسے جائیں

سن کے یہ خیمۂ اقدس میں گئے شاہِ زماں دیکھا ناموسِ محمدؐ میں ہے اک حشر عیاں
پیاس کے صدمہ سے بیتاب ہیں سب خورد و کلاں ہے غضب بند ہے اطفال پہ بھی آبِ رواں
محو اندوہ تمام آل نبیؐ کو پایا
مضطرب سب سے سوا بنت علیؑ کو پایا

۵۶

صحن میں زیرِ فلک شہ نے کھلے سر دیکھا رنگ رخ زرد تو منہ آنسوؤں سے تر دیکھا
روئے حضرت بھی جو با حالت مضطر دیکھا دوڑی زینبؑ جو یہ حال شہ بے پر دیکھا
بولیں سر پیٹ کے قربان یہ ہمشیر ہوئی
۵۷ یہ تو کہہ دیجئے کچھ صلح کی تدبیر ہوئی

رو کے فرمایا کہ یہ امر ہے دشوار بہن ہر بشر موت سے دنیا میں ہے ناچار بہن
خاک ہو زیست کا پھر کوئی طلب گار بہن نہ رہے خلق میں جب احمد مختارؐ بہن
صورت خضر بھی عالم میں جو رہنا ہوگا
۵۸ صدمۂ مرگ پر اک دن ہمیں سہنا ہوگا

حشر برپا ہوا سنتے ہی یہ پر درد کلام صورتِ ماہیٔ بے آب حرم تڑپے تمام
ہوگئیں غش غم جانکاہ سے ہمشیر امام نکلے روتے ہوئے خیمہ سے شہنشاہِ انام
جان اپنی غم سرور میں جو سب کھونے لگے
۵۹ گریۂ آلِ محمدؐ پہ ملک رونے لگے

راکبِ دوشِ نبیؐ کی تھی سواری در پر جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہِ نہ جن و بشر
کہنے کو پیشِ نگہ آگے بڑھے فتح و ظفر دیدنی تھا وہ حشم اور وہ شکوہِ لشکر
تیغیں کھینچے ہوئے غصہ میں وہ صفدر پہنچے
۶۰ سیدھے جنگاہ میں خیمہ سے نکل کر پہنچے

علم سبز دکھانے لگا طوبیٰ کی بہار ہو گئے تازہ نہالِ چمنِ خلد اشجار
اُڑ کے لہرایا ہوا سے جو پھریرا اکبار فیضِ خوشبو سے مہکنے لگے سارے گلزار
نکہت گل کی لطافت کسے خوش آئی تھی
بوئے فردوس بریں باد صبا لائی تھی

۶۱

جاں نثاری کا غضب جوش تھا جراروں کو بھول کر ڈاب میں رکھتے تھے نہ تلواروں کو
ولولے جنگ کے آتے تھے وفا داروں کو قہر کا غیظ تھا مولا کے نمک خواروں کو

رن یہ پڑتا کہ تہہ چرخ اک آفت ہوتی
روکتے گر نہ شہ دیں تو قیامت ہوتی ۶۲

ابھی نکلا تھا نہ خیمہ سے حُرِ عالیجاہ کہ نقیبوں نے یہ غازی کو خبر دی نگاہ
شاہ سے مستعد جنگ ہے کوفہ کی سپاہ دیکھتا ہے عمر سعد تری دیر سے راہ

شب سے اس فکر میں مطلق اُسے آرام نہیں
چل بس اب جلد، توقف کا یہ ہنگام نہیں ۶۳

اُٹھ کے خیمہ سے چلا فوج کی جانب صفدر ساتھ سائے کی طرح بھائی تھا اور عبدو پسر
کی جری نے عمرِ سعد پہ غصہ سے نظر بہرِ تسلیم ستمگر نہ جھکایا گیا سر

ہاتھ میں شمر ستمگر کے جو خنجر دیکھا
حُر غازی نے سوئے تیغ بگڑ کر دیکھا ۶۴

حُر کے بگڑے ہوئے تیور جوشقی نے دیکھے مثل روباہ دبکنے لگا ظالم ڈر سے
گفتگو کی یہ غضنفر سے مخاطب ہو کے ہم نے دریا کا کیا آج سے مختار تجھے

سب رسالے کے جواں نہر پہ تیار رہیں
گھاٹ روکے ہوئے آمادۂ پیکار رہیں ۶۵

کیوں نہیں صبح سے تو مستعدِ جنگ یہ کیا چہرہ کیوں اُترا ہے کیوں فق ہے ترا رنگ یہ کیا
دیکھتا ہوں تجھے کچھ کل سے میں دل تنگ یہ کیا رات سے ہے ترا بدلا ہوا آہنگ یہ کیا

دمبدم کی خبریں مجھ کو چلی آتی ہیں
خود نگاہیں ترے انداز کو بتلاتی ہیں

۶۶

حال سے میں ترے آگاہ ہوں اے نیک انجام رات سے تو نے پیا آب نہ کھایا ہے طعام
سن کے تڑپا کیا تو گریۂ اطفال امام اب مرے سامنے آیا تو دعا ہے نہ سلام
آنکھیں بھی اُبلی ہیں اور منہ میں بھی کف آیا ہے
۶۷ بے طرح آج کسی نے تجھے بھڑکایا ہے

مجھ کو بدلا نظر آتا ہے ترا رنگِ مزاج دیکھتا ہوں میں تجھے آپ سے باہر ہے تو آج
ہاتھ آیا ہے کسی ملک کا کیا تجھ کو خراج یا دیا سبط پیمبر نے عروجِ معراج
کون سی بات نے آنکھوں کو تری بند کیا
۶۸ سیرِ فردوس نے شاید تجھے خورسند کیا

کچھ بیاں ہم سے بھی کر اُس چمنستاں کی بہار پھول کس رنگ کے ہیں کیسے ہیں واں کے اشجار
حور کے تیرِ مژہ نے کیا دل تیرا فگار یاد تو ہوگی تجھے کیفیت بوس و کنار
اب بھی ہوشیار ہو ان باتوں میں کیا رکھا ہے
۶۹ عشقِ شہ نے تجھے دیوانہ بنا رکھا ہے

صاف ظاہر ہے کہ بیدل ہے پریشان ہے تو کون سی بات ہوئی ہے جو پشیمان ہے تو
کس تردد میں ہے کس واسطے حیران ہے تو بولا جرار کہ بے عقل ہے نادان ہے تو
وہ ترا ساتھ دے جو منکرِ قرآں ہو جائے
۷۰ وہ ترا دوست ہو جو دشمن ایماں ہو جائے

ہائے آفت میں گرفتار ہیں سلطان انام تجھ کو سودا ہے جو کرتا ہے یہ بیہودہ کلام
اب کوئی چیز ہے تو اور نہ ترا حاکمِ شام پیروِ دیں ہوں میں بیدیں کی اطاعت ہے حرام
سچ تو یہ ہے سوئے ایماں جسے رغبت ہوگی
کافروں سے نہ کبھی اُس کو محبت ہوگی

۷۱

ہو گیا آگ یہ سن کر عمر بد افعال بولا خاموش برا ہے انہیں باتوں کا مال
کیا کہے گا تجھے حاکم جو سنے گا یہ حال اپنے انجام کا مطلق نہیں کچھ تجھ کو خیال
عہدہ یہ ہاتھ سے جائیگا تو شرم آئیگی
۷۲ قید یوں ہو گا تری جان پہ بن جائیگی

ہو کے برہم یہ کہا حر نے کہ خاموش اوشوم اب جو بولے گا تو کر دوں گا حقیقت معلوم
کب سماتا ہے نظر میں، ترے لشکر کا ہجوم ہوں مٹانے پہ جو آمادہ تو سب ہوں معدوم
طائر جاں کو بھلا صید کرے گا کوئی
۷۳ حُر ہے آزاد اُسے قید کرے گا کوئی

تو ہے کیا اور ترا حاکم خود سر کیا ہے ہے تجھے جس پہ بڑا ناز وہ لشکر کیا ہے
بزدلوں سے بھی جو دبکے وہ غضنفر کیا ہے تجھ سے نامرد سے دب جاؤں مجھے ڈر کیا ہے
اب تو بارِ کرمِ شاہ مرے دوش پہ ہے
۷۴ او ستمگر یہ تری نوکری پاپوش پہ ہے

آ گیا حُر کے برادر کو بھی جرأت کا جوش آنکھ دکھلا کے کہا او ستم آرا خاموش
قیدیٔ دامِ بلا خود ہیں ترے جوشن پوش گوشمالی کے سزا وار ہیں یہ حلقہ بگوش
بڑھ کے نعرہ جو کروں فوج کو حیرت ہو جائے
۷۵ کھینچ لوں تیغ ابھی میں تو قیامت ہو جائے

حُر کا فرزند بھی للکار کے بولا یہ شتاب بڑھ گیا ایسا دماغ اب ترا او خانہ خراب
ہم سے یہ نوک کی لینا یہ بگڑنا یہ عتاب کیا نہیں جانتا ہم تیغ سے دیتے ہیں جواب
کثرت فوج ستمگر ہے تو پروا کیا ہے
ہم سپاہی ہیں، شقی تو ہمیں سمجھا کیا ہے

۷۶

نعرہ زن شیر کی مانند ہوا حُر کا غلام اوستمگار نہ بک، اپنی زباں کو دے لگام
سر پہ پڑ جائے اگر ایک بھی ضربِ صمصام سب ابھی یہ تری سالاری ونخوت ہو تمام
اب جو کچھ منہ سے نکالا تو سزا پائے گا
۷۷ ایک ہی وار میں چورنگ نظر آئے گا

چار شیروں کو جو روباہ نے بپھرا پایا بند بند اُس ستم ایجاد کا ڈر سے کانپا
سدِّ رہ ہو گیا آ کر جو سواروں کا پرا رہ گیا چاب کے ہونٹوں کو فدائی شہ کا
کہا خادم نے کہ مرضی ہو تو پیکار کریں
۷۸ بولا فرزند کہ نامردوں پہ کیا وار کریں

عرض کی بھائی نے خیر، اب ہمیں شر سے کیا کام دل تڑپتا ہے چلیں جلد سوئے شاہِ انام
گر ہوئی دیر پہنچنے میں تو مٹ جائے گا نام حُر نے گھبرا کے کہا سچ ہے، نہیں اس میں کلام
ہو گئی شہ سے لڑائی تو قیامت ہو گی
۷۹ چار آنکھیں بھی نہ ہوں گی یہ ندامت ہو گی

پھر تو رہواروں کو چاروں نے لگائے کوڑے باگیں لیتے ہی ہوا ہو گئے تازی گھوڑے
مورچے راہ میں لشکر کے ہر اک جا توڑے منہ کئی لاکھ کے، ان چاریلوں نے موڑے
اس طرح شام کے بادل سے وہ کوکب نکلے
۸۰ عمر سعد پہ ثابت نہ ہوا کب نکلے

مینہ کی مانند برسنے لگے شیروں پر تیر آئی گھر کر صفتِ ابرِ سیاہِ بے پیر
برق کی طرح چمک جاتی تھی حُر کی شمشیر ہوش اعدا کے اُڑاتی تھی صدائے تکبیر
سدِّ رہ پایا ذرہ پوش ستمگاروں کو
توڑ کر آئے جری لوہے کی دیواروں کو

۸۱

بادشاہ دو جہاں نے جو یہ عالم دیکھا اپنے لشکر کے علمدار سے یہ فرمایا
جلد جاؤ کہ ادھر آتا ہے میرا شیدا فوج اعدا بھی تعاقب میں ہے دیکھو بھیا
ہو کے خود سینہ سپر حُر کو بچانا بھائی
۸۲ بال بیکا نہو اس طرح سے لانا بھائی

سن کے حکم شہِ ابرار چلا وہ جرار حُر نے جو سوئے علمدار نظر کی اکبار
اترا گھوڑے سے جری ڈاب میں رکھ لی تلوار خاک چہرہ پہ ملی، سر سے گرائی دستار
کچھ عجب حال سے نزدیکِ غضنفر آیا
۸۳ ہاتھ باندھے ہوئے اور کھولے ہوئے سر آیا

دوڑے یہ دیکھ کے کھولے ہوئے آغوش جناب ہنس کے فرمایا کہ کیوں اتنا ہے بھائی بیتاب
کیوں لرزتا ہے بدن، کیوں تری حالت ہے خراب اشک خوں آنکھوں میں بھر آئے دیا کچھ نہ جواب
غم سے بے چین جو عباس نے پایا اسکو
۸۴ دی یہ تسکین کہ سینے سے لگایا اس کو

سایۂ رایت اسلام میں غازی آیا
دن پھرے خدمتِ شاہِ دو جہاں میں پہنچا
۸۵ جاتے جاتے طرفِ نار، جناں میں پہنچا

حُر ہوا نار سے حُر، فوج خدا میں آکر دھو دیا اشک ندامت نے گنہ کا دفتر
عرض کی اے شہ دیں اے دل و جاں حیدرؑ عفو کیجے مری تقصیر برائے داور
اپنے عصیاں کا مُقِر اے شہِ صابر ہوں میں
ہاتھ بھی سر بھی قلم کیجیے حاضر ہوں میں

۸۶

شہ نے فرمایا کیا حق نے ترا عفو قصور تجھ سے اب احمدِ مختار نہیں میں رنجور
خوش ہوئے حیدرؑ و شبرؑ، ہوئیں زہراؑ مسرور ہم ہوں آزردہ کسی سے نہیں اپنا دستور

اب بہت پاس ہے ہنگام سفر اے بھائی
۸۷ ہو مبارک تجھے فردوس میں گھر اے بھائی

خوش ہوا جبکہ سنے شہ سے یہ شفقت کے کلام جان و دل سے ہوا قربان وہ شیدائے امام
لیکے رخصت جو چلا رن کو حُرِ نیک انجام رہ گئے تھام کے دل بادشہِ عرش مقام

بولے شہ دلکی نہ نکلی کوئی حسرت افسوس
۸۸ مجھ کو مہماں سے ہوئی سخت ندامت افسوس

جنگ کی تھی جو امنگ اور بڑھا شوق جدال زینتِ زیں ہوا فوراً وہ مہِ برجِ کمال
کی جو مہمیز تو رہوار چلا کبک کی چال یوں اُڑا وہ کہ ہوئے رشک سے طائر بھی حلال

تیزیاں سامنے سرعت کے، ہوا بھول گئی
۸۹ ایسی گھبرائی کہ چال اپنی صبا بھول گئی

حر کا وہ رعب دلیرانہ دکھاتے جانا وہ نظر غیظ کی وہ ہونٹ چباتے جانا
ساتھیوں کو ہنرِ جنگ سکھاتے جانا آستینوں کا وہ غصہ سے چڑھاتے جانا

تازیانے کی وہ کب تاب بھا لاتا تھا
۹۰ سایۂ زلف سے رہوار بھڑک جاتا تھا

سر پہ وہ مِغفرِ فولاد وہ بَرمین جوشن وہ تہور وہ جلالت وہ غضب کی چتون
رخ کو گر ماہ کہوں میں تو ہے تشبیہ کہن صاف ہے یہ فلکِ حُسن کا مہرِ روشن

رخ پہ بل کھائے وہ گیسو جو نظر آتے ہیں
دل پری زادوں کے بیساختہ لہراتے ہیں

۹۱

رخشِ شاہوں کے خجل جس سے ہوں رہوار ایسا چوکڑی بھولیں ہرن دیکھ کے طرار ایسا
آنکھ پڑتی ہے حسینوں کی طرحدار ایسا سمجھے مالک کے اشارے کو بھی ہشیار ایسا

ابر ہی شرم سے آب آب ہو سرعت ایسی
کس فرس میں ہے بھلا فہم و فراست ایسی

۹۲

لاکھ دوڑاؤ مگر دم کبھی بھرتا ہی نہ تھا صورتِ اہلقِ ایام ٹھہرتا ہی نہ تھا
پاؤں جز دوشِ صبا، یہ کہیں دھرتا ہی نہ تھا جب کبھی چرخ پہ چڑھتا تھا اُترتا ہی نہ تھا

دم بہ دم رفرف و دلدل کا وہ دم بھرتا تھا
خود براقِ نبوی اُس کی ثنا کرتا تھا

۹۳

تیغیں تولے ہوئے ہمراہ بردار فرزند عبدِ جانباز لئے ہاتھ میں گرز اور کمند
پشت پر مثلِ سپر تھا کہ نہ ہو کوئی گزند گہہ ہوا سینہ سپر آگے بڑھا کر وہ سمند

گاہ بڑھ بڑھ کہ نمودار وں کو وہ ٹوکتا تھا
چاب کر ہونٹ پلٹتا تھا جو کُر روکتا تھا

۹۴

ہنس کے خادم سے یہ کی حر جری نے گفتار ہاں مناسب ہے اُدھر جا کے علم کر تلوار
بولا بھائی سے کہ اعدا سے کرو تم پیکار کہا بیٹے سے بڑھو سامنے اب اے دلدار

واہ کیا اوج ملا ہے مرے دلبر تم کو
میں نے صدقے کیا آقا کے پسر پر تم کو

۹۵

جا پڑے لشکر بزدل پہ جھپٹ کر وہ شیر تھے جو سرہنگ بڑے دب گئے سرکش ہوئے زیر
جنگ کرنے لگے نو لاکھ سے یہ تین دلیر فتح کے ہو گئے ساماں نہ ذرا بھی ہوئی دیر

پٹ گیا لاشوں سے رن پست بدافعال ہوئے
ہو گئیں صاف صفیں مورچے پامال ہوئے

۹۶

بھائی لڑتا تھا اِدھر حر کا تو فرزند اُدھر عبدِ جانباز تھا غازی کا بڑے زوروں پر
وار کرتا تھا ہر اک معرے میں بڑھ بڑھ کر چار ہاتھوں میں کیا شیروں نے تر بہر لشکر

ضرب سے ان کی نہ اعدا کو اماں ملتی تھی
چرخ تھراتا تھا مقتل کی زمیں ہلتی تھی

۹۷

الغرض راہی جنت ہوئے وہ لڑ بھڑ کر خاک پر لاش جواں بیٹے کی آئی جو نظر
دل پہ غازی کے چلے رنج و الم کے خنجر تھام کر دل کو لگا کہنے وہ فرخندہ سیر

اس جواں مرگ کا غربت میں میں کیا دھیان کروں
لاکھ بیٹے ہوں تو شبیرؑ پہ قربان کروں

۹۸

دی صدا شاہِ شہیداں نے یہ حُر کو اکبار اے وفا کیش حُسیں اس تری الفت کے نثار
اے مرے عاشقِ صادق مرے مونس غمخوار خنجرِ غم نے کیا میرے کلیجے کو فگار

رو لے دل کھول کے اے جان کے کھونے والے
ہم بھی ہیں اکبر و عباس کو رونے والے

۹۹

داغ بھائی کا ترے دل کو ملا ہائے ستم ٹوٹنے والا ہے ہم پر بھی یہی کوہِ الم
جوڑ کر ہاتھ کہا حر نے بچشمِ پر نم وہ برا وقت نہ دکھلائے خدائے اکرم

یہ تمنا ہے کہ آقا پہ فدا ہو جاؤں
حق غلامی کے جو ہیں اُن سے ادا ہو جاؤں

۱۰۰

پھر سوئے لشکر روباہ غضنفر آیا اک تلاطم ہوا ہر صف میں کہ صفدر آیا
دیکھنے کو عمرِ سعدِ بد اختر آیا فوج اعدا کے قریں حر بھی جھپٹ کر آیا

قہر کا سامنا تھا غیظ میں وہ صفدر تھا
یا علیؑ لب پہ کبھی تھا کبھی یا حیدرؑ تھا

۱۰۱

آنکھ جھپکی نہ ہزاروں سے بھی ہمت ایسی لاکھ دو لاکھ میں جو ایک، طبیعت ایسی
جس سے حسان بھی شرمندہ طلاقت ایسی نطق ہو بند فصیحوں کا فصاحت ایسی

ذوالفقارِ شہِ مرداں کا جو دم بھرتی تھی
کام تلوار کا غازی کی زباں کرتی تھی ۱۰۲

آگیا سامنے جس دم عمرِ ناہنجار چاب کر ہونٹ یہ جرار پکارا اکبار
او بنِ سعد سنبھل رخش پہ بہرِ پیکار گر ہے دعوائے شجاعت تو علم کر تلوار

جستجو نام کی لازم ہے دلاور کے لئے
بزدلی ایسی نہیں چاہئے افسر کے لئے ۱۰۳

آمرے سامنے نامرد بہادر ہوں میں صاحبِ منزلت و اوج و تہور ہوں میں
مشتری جس کا ید اللہ ہے وہ دُر ہوں میں دیکھ او سعد کے منحوس، وہی خُر ہوں میں

یوں شرف خلق میں قسمت سے بشر پاتا ہے
کام بگڑا ہوا اس طرح سے بن جاتا ہے ۱۰۴

شیر بھی ڈرتے ہیں جس سے وہ غضنفر ہوں میں بخدا بحر شجاعت کا شناور ہوں میں
آبرو دی جسے کوثر نے وہ گوہر ہوں میں جس سے جنت کی ہے رونق وہ گل تر ہوں میں

تیغ ہے بہر عدو تیز زبانی میری
ہے لب بلبل سدرہ پہ کہانی میری ۱۰۵

بس ہے الطاف امام دوسرا میرے لئے بہتر اکسیر سے ہے خاک شفا میرے لئے
حوریں میرے لئے جنت کی فزا میرے لئے کم ہے یہ سبط پیمبر کی عطا میرے لئے

کس طرح تجھ پہ نہ او بانیٔ شر غالب ہوں
میں ہوا خواہِ علی ابن ابی طالبؑ ہوں

۱۰۶

یہ سخن کہتا ہوا آگے بڑھا وہ ذیجاہ بھاگا گھبرا کے ستمگار بسان روباہ
ناوک ظلم لگانے لگی کوفہ کی سپاہ تن کے غازی نے بھی کی قہر سے لشکر پہ نگاہ
فوج پر اُڑ کے گیا باگ جو لی تازی کی
۱۰۷ برق چمکی کہ چلی تیغ حُرِ غازی کی

ساقیا بادہ جرأت کا کوئی جام پلا جوش دونا جو کرے وہ می گلفام پلا
رن کو جانا ہے نہیں دیر کا ہنگام پلا جلد اب ساغر صہبائے خوش انجام پلا
ہے تمنا کہ کروں قتل ستمگاروں کو
۱۰۸ دیکھوں میداں میں چمکتی ہوئی تلواروں کو

لو چلی تیغ ہوئی جنگ حُرِ صفدر سے خود گلے کاٹ لئے سینکڑوں نے خنجر سے
ابر کی طرح پھٹے فوج کے بادل ڈر سے ڈھیر ہو ہوگئے میدان میں یہ سر برسے
کچھ نئی تھیں دمِ رفتار ادائیں اس کی
۱۰۹ برق بھی لیتی تھی ہر بار بلائیں اس کی

اُس سے رودراوں کی آنکھیں نہ چمکتیں کیونکر دن کو دکھلاتے تھے میدان میں تارے جوہر
سر اٹھایا تو گرا خاک پہ دھڑ سے خود سر حر کی تلوار سے میداں میں بپا تھا محشر
سر جدا جسم سے کر دیتی تھی تڑپاتی تھی
۱۱۰ رقصِ بسمل سے وہ اک تازہ مزا پاتی تھی

جانیں لیتی تھی وہ تیغ صفہانی ہر دم آب میں سیل فنا کی تھی روانی ہر دم
خون برساتا تھا تلوار کا پانی ہر دم رن میں کرتی تھی عجب سحر بیانی ہر دم
فوج اعدا کے لئے دشمن جاں تھی تلوار
شعلہ خو برقِ غضب سیفِ زباں تھی تلوار

۱۱۱

آب شمشیر نے یہ خاک اوڑائی رن میں دم میں کر دی صف اعدا کی صفائی رن میں
کیفیت حشر کی ہر سمت دکھائی رن میں چار سو تھی حُرِ غازی کی دوہائی رن میں
چھوڑ کر رن نہ فقط ظالمِ خود سر بھاگے
۱۱۲ پہلوانوں کے قدم اٹھ گئے افسر بھاگے

شاد ہوتی تھی جو زخموں کا چمن دیکھتی تھی اور دل بڑھتا تھا خالی جو وہ رن دیکھتی تھی
نیچی نظروں سے لعینوں کا چلن دیکھتی تھی اپنے انداز کو گھونگھٹ میں دلہن دیکھتی تھی
کیوں نہ ممتاز ہو حق جسکو سرا فراز کرے
۱۱۳ اس پری وش کو سزا وار ہے جو ناز کرے

پی کے خوں سرخ ہوئی لالِ یمن کی صورت حال دل زخم سناتے تھے دہن کی صورت
جس کے پہلو میں وہ آبیٹھی دلہن کی صورت پی لیا خونِ جگر فکرِ سخن کی صورت
وقتِ پیکار اُڑایا نہ فقط سر اس نے
۱۱۴ تیر جو آنے لگا کاٹ دیئے پر اس نے

گہہ جبینوں کی طرف جھک گئی ابرو ہوکر گاہ اعدا کے دماغوں میں گئی بو ہو کر
لخت دل آنکھوں سے گرنے لگے آنسو لی جگہ حلق عدو میں کبھی اُچھو ہو کر
تیغ کی آب نے بیدم کیا خود بینوں کو
۱۱۵ ہچکیاں موت کی آنے لگیں بے دینوں کو

مر گئے پس کے وہ دس پانچ وہ پھڑکے دو چار کوئی بسمل ہے زمیں پر، کوئی زیں پر بیکار
کوئی دم توڑ رہا ہے کوئی ناری فی النار دست و پا کے جو ذخیرے، تو سروں کے انبار
نہ سنانیں کہیں ثابت ہیں نہ بھالا کوئی
نہ سواروں کا ہے دستہ نہ رسالا کوئی

۱۱۶

ناگنی بن کے جفا کاروں کو ڈستی ہی رہی واہ کیا دم تھا کہ ہر وار میں گستی ہی رہی
تھی عجب رنگ کی بدلی کہ برستی ہی رہی سرکشوں کے لئے ہر طرح سے پستی ہی رہی

خلق سے جان چھپا کر اسی ہل چل میں رہے
نار میں جا کے بھی وہ طبقۂ اسفل میں رہے ۱۱۷

برق شمشیر سے اُڑتے تھے شرر چار طرف لوٹتے پھرتے تھے میدان میں سر چار طرف
تھے پریشان و حزیں بانیٔ شر چار طرف چھپتے کس جا کہ یہ تھی مثلِ نظر چار طرف

شوم ہر چند کہ تھے جنگ سے منہ پھیرے ہوئے
بھاگتے خاک کہ تھی اُن کو اجل گھیرے ہوئے ۱۱۸

جب چمک کر صفِ اعدا پہ وہ تلوار گری غل ہوا فوج پہ وہ برقِ شرر بار گری
حشر برپا کیا جس غول پہ خونخوار گری تن کے سو بار اٹھی کوند کے سو بار گری

سر میدان جو چمک اپنی یہ دکھلاتی تھی
جلوۂ حُسن پہ بجلی بھی تڑپ جاتی تھی ۱۱۹

مثل سیماب کسی جادہ ٹھہرتی ہی نہ تھی کبھی بے سر لئے گردن سے اترتی ہی نہ تھی
نیت اس کی کبھی خوں پینے سے بھرتی ہی نہ تھی تھی وہ بیباک کہ لاکھوں سے بھی ڈرتی ہی نہ تھی

دل میں کچھ کثرت اعدا کو نہ سمجھا اس نے
قتل فوجوں کو کیا یکہ و تنہا اس نے ۱۲۰

اے قلم پھر حر ذیجاہ کی پیکار دکھا پھر دم جنگ عیاں حشر کے آثار دکھا
نیزے کٹتے ہوئے چلتی ہوئی تلوار دکھا زور بازوئے جواں مرد پھر اکبار دکھا

صورت شیر غضنفر کو جھپٹتے دیکھوں
فوجِ بزدل کے نشاں سامنے کٹتے دیکھوں

۱۲۱

کیا برابر سپہ شام کے سر گرتے تھے خاک پر گلشن ہستی کے ثمر گرتے تھے
تیغ کہا کہا کے بہم بانیٔ شر گرتے تھے سر اِدھر گرتے تھے اور جسم اُدھر گرتے تھے

رنگ سب فصل بہاری کے دکھائے رن میں
تیغ کے پہل نے عجب پھول کھلائے رن میں ۱۲۲

غیظ میں بڑھ کے دلاور نے جدھر وار کیا مورچے توڑ دیے فوج کو فی النار کیا
گرم جنگاہ میں کیا موت کا بازار کیا راہیٔ ملکِ عدم لشکرِ غدار کیا

ہر طرف تیغ کی بجلی جو وہاں گرتی تھی
ڈر سے گھبرائی ہوئی رن میں قضا پھرتی تھی ۱۲۳

قلب لشکر میں جو شبیرؑ کا یاور پہنچا گھوڑے بھڑکے جو اسد فوج کے اندر پہنچا
پہلواں فوج کے جس جا تھے وہیں پر پہنچا بہرِ قتلِ پسرِ سعدِ بد اختر پہنچا

دی صدا حر نے کہ لے تیغ ادھر آ ظالم
ہے سپاہی تو ہنر جنگ کے دکھلا ظالم ۱۲۴

جبکہ خیمہ سے نہ نکلا عمر ناہنجار پھر پڑا فوج پہ پھر ناصرِ شاہِ ابرار
پھر چمکنے لگی بجلی کی طرح سے تلوار پھر تزلزل ہوا میدانِ وغا کو اکبار

روحیں دوزخ میں عجب سختیاں سہہ کر پہنچیں
ندیاں خون کی پھر نہر میں بہہ کر پہنچیں ۱۲۵

حر کی تلوار سے لاکھوں ہوئے اکدم میں فنا چار سو جنگ کے میدان میں تھا حشر بپا
بار بار آتی تھی یہ ہاتفِ غیبی کی صدا واہ اے شیرِ جواں واہ، ترا کیا کہنا

چرخ ہلتا ہے تزلزل میں زمیں ہے اے حُر
دھوم اس حرب کی تا عرش بریں ہے اے حُر

۱۲۶

داد پاکر وہ ہنر اور بھی دکھلاتا تھا لشکر ظلم پہ ہر بار ستم ڈھاتا تھا
بل کسی بل کی جبیں پر جو ذرا پاتا تھا بڑھ کے نیزے سے کلیجہ وہیں برماتا تھا
کی جولاکھوں سے وغاشل ہوئے شانے ہے ہے
۱۲۷ لے لیا دوڑ کے پنجہ میں قضا نے ہے ہے

ناگہاں چل گیا برچھی کا جگر پر اک وار ابھی سنبھلا نہ تھا جو چل گئی سر پر تلوار
سر بھی مجروح ہوا، ہو گیا سینہ بھی فگار گر کے گھوڑے سے یہ حضرت کو ندا دی اکبار
آئیں گر آپ تو حاصل مجھے عزت ہو جائے
۱۲۸ دمِ آخر شہ والا کی زیارت ہو جائے

دوڑے یہ سن کے سوئے دشت شہِ جن و بشر باپ کے ساتھ چلے اشک بہاتے اکبر
تھے علمدار بھی ہمراہ نہایت مضطر لاشہ حُر پہ پہنچ کر یہ پکارے سرور
بات کر بھائی کہ غم دل پہ مرے چھایا ہے
۱۲۹ یاد کرتا تھا جسے وہ ترے پاس آیا ہے

میرے یاسر مرے عمار مرے شیرِ جواں میرے شیدا مرے مہمان مرے تشنہ دہاں
میرے مونس مرے دلسوز مرے راحت جاں اس مصیبت میں مجھے چھوڑ کے جاتا ہے کہاں
بیکسی میں تھا بڑا تیرا سہارا بھائی
۱۳۰ دشتِ غربت میں لٹا دلبر زہراؑ بھائی

حر نے آوازِ شہنشاہِ حجازؐ سن کر کھول دیں خون بھری آنکھیں بحال مضطر
دل شگفتہ ہوا آیا گلِ زہراؑ جو نظر چوم کر پائے مبارک کو یہ بولا صفدر
ہوئی حاصل جو دم نزع زیارت مولا
دین و دنیا کی مجھ مل گئی دولت مولا

۱۳۱

اس گھڑی پیش نظر باغ جناں کی ہے بہار طیر ہیں نغمہ سرا، جھوم رہے ہیں اشجار
جلوے دکھلاتی ہیں حورانِ بہشتی ہر بار وہ ملک لائے جواہر کے طبق بہرِ نثار

آپ کے صدقے میں کیا غروشرف پائے ہیں
میرے لینے کو رسولؐ عربی آئے ہیں

۱۳۲

باتیں کرتا تھا یہ سرور سے حُرِ عالیجاہ رنگِ رخ زرد ہوا ہچکیاں آئیں ناگاہ
مردنی چھا گئی چہرہ پہ، ہوا حال تباہ طائر روح نے لی، گلشن فردوس کی راہ

چل بسا شیر جو یا حیدرؑ صفدر کہہ کر
شہ نے سر پیٹ لیا ہائے برادر کہہ کر

۱۳۳

روکے چلائے مرے شیر دلاور ہے ہے میرے مونس مرے ناصر مرے یاور ہے ہے
کیوں نہ تڑپے ترے غم میں دل مضطر ہے ہے ہوگا لاشے کو کفن بھی نہ میسر ہے ہے

خالق کون و مکان اس کی جزا دے بھائی
حُلۂ خلدِ بریں تجھ کو خدا دے بھائی

۱۳۴

بس قلم روک لے بزمؔ اور یہی مانگ دعا اے شہِ کون و مکاں لختِ دلِ عقدِ کشا
آرزو مجھ کو نہ زر کی نہ گہر کی پروا طالبِ دولتِ دیں ہے دلِ مضطر میرا

ہند میں رہ کے نہ اب رنج کے ساماں دیکھوں
جلد آنکھوں سے ضریحِ شہِؑ ذیشاں دیکھوں

مرثیہ:۸

درحال حضرت حُر علیہ السلام

مطلع

پھر مجھے بادۂ جَودَت سے چھکا دے ساقی

تعدادِ بند: ۱۱۵

۱

پھر مجھے بادۂ جودت سے چھکا دے ساقی شمعِ میخانۂ جرات کو ضیا دے ساقی
جامِ لبریز مرے لب سے ملا دے ساقی تا بگے میں یہ کہے جاؤں کہ لا دے ساقی
وقت ہے ایک ہی ساغر کا بس اب دیر نہ کر
۲ واسطہ ساقیٔ کوثر کا بس اب دیر نہ کر

اہلِ جوہر نے سنی سیف زبانی میری عینِ اعجاز ہے یہ سحر بیانی میری
اوج دکھلاتی ہے کیا کیا ہمہ دانی میری فلکِ پیر کی پیری ہے جوانی ہے میری
زینتیں بزم کو دیتا ہوں میں جنت کی طرح
۳ چمنِ نظم میں بڑھتا ہوں میں نکہت کی طرح

چڑھ کے گھوڑوں پہ چلے چار جواں بہرِ وغا چار گل باغ سے بُو ہو کے اُڑے مثلِ صبا
چار پریاں تھیں کہ پرواز میں تھیں مثلِ ہُما بجلیاں چار تھیں یا دشت میں وہ جلوہ نُما
آئے چاروں یہ جواں رن میں بڑی شوکت سے
۴ فوج کی چار حدیں ٹوٹ گئیں دہشت سے

دی صدا حُر نے کہ اے سعد کے منحوس پسر چھپ کے بیٹھا ہے کہاں سامنے آ دیکھ اِدھر
عشقِ سرور نے کیا خار سے مجھ کو گُلِ تر غور سے دیکھ مرے چہرے کو او بانیٔ شر
شکل کچھ اور تھی یہ حُسنِ خداداد نہ تھا
۵ حُر تھا پہلے بھی مگر نار سے آزاد نہ تھا

لِلّٰہِ الحمد کہ دیکھ آیا میں دربارِ حسینؑ فیض و اکرام کا مبدا ہے تو سرکارِ حسینؑ
کس ترقی پہ ہے پھولا ہوا گلزارِ حسینؑ ہیں شگفتہ گلِ فردوس کہ انصارِ حسینؑ
آج شہرت ہے خُدائی میں ہر اِک سُوان کی
سارے جنگل کو چمن کرتی ہے خوشبو ان کی

٦

بارک اللہ کی اب، کانوں میں آتی ہے صدا مرحبا کہتے ہیں جنت میں، رسولِ دوسرا
بابِ فردوسِ بریں، سامنے آنکھوں کے ہے وا جامِ کوثر مجھے، دیتے ہیں علیؑ شیرِ خدا

شہ کے صدقے سے یہ رتبہ ہوا برتر میرا
تذکرہ ہوتا ہے اب خلد میں گھر گھر میرا ۷

دیکھ حوریں، وہ اشاروں سے بلاتی ہیں مجھے جلوۂ حُسنِ دل افروز، دکھاتی ہیں مجھے
متردد پئے انجام، جو پاتی ہیں مجھے جُرم بخشے گئے، مژدہ یہ سُناتی ہیں مجھے

کہتی ہیں ہم تو ہیں مامور یہاں خدمت پر
منتظر دیر سے رضواں ہے درِ جنت پر ۸

تُو جو کہتا تھا، اُدھر جانے میں کیا مِلتا ہے اب تو جانا، جو غلامی کا صلا ملتا ہے
کہیں بے خضرؑ بھی، منزل کا پتہ ملتا ہے ہاں اسی بندے کے ملنے سے، خدا ملتا ہے

مثل تیرے کوئی کافر نہیں، انسانوں میں
گر مسلماں ہے، تو مل آ کے مسلمانوں میں ۹

دیکھ لڑتے ہیں غلامِ شہِ والا کیونکر لوٹتا پھرتا ہے یاں لاشے پہ لاشا کیونکر
ہر طرف ہوتا ہے انبار سروں کا کیونکر تا عدم بڑھتا ہے اب خون کا دریا کیونکر

موجۂ بحرِ فنا جس کا تھپیڑا ہوگا
اُس میں طوفانی تری فوج کا بیڑا ہوگا ۱۰

مجھ کو معلوم نہیں، تیرا ارادا کیا ہے تو جو ہے شہ سے مخالف، ترا کیا منشا ہے
آبرو جانے کا، کچھ خوف نہیں اصلا ہے غرق دریائے جہالت میں، عبث ہوتا ہے

اب بھی بہتر ہے کہ چل، بحرِ کرم کے آگے
سر جُھکا عجز سے، سُلطانِ اُمم کے آگے

۱۱

ورنہ معلوم ہے تجھ کو مری شمشیر کا حال کشتِ ہستی کو یہ کر دیتی ہے دم میں پامال
اس کے کھنچتے ہی تو آجائے گا رن میں بھونچال باقی پھر سر ہی رہیں گے نہ کسی سر میں خیال

اب یہ ہے دل میں کہ لشکر تہہ و بالا کردوں
۱۲ حُر نہ کہنا مجھے گر حشر نہ برپا کردوں

پسرِ سعد نے حُر کی جو سُنی یہ تقریر عَرَقِ شرم و ندامت میں نہایا وہ شریر
جاکے گوشے میں دیا حکم لگاؤ اِسے تیر یہ خطا وار ہے حاکم کا بڑھے فوجِ کثیر

شہ سے ملنے کا مزا جلد چکھا دو اِس کو
۱۳ منحرف ہوگیا حاکم سے سزا دو اِس کو

ساقیا کھول درِ میکدۂ فتح و ظفر جلد مینا کو تُھکا بہرِ خُدا دیر نہ کر
آتشِ شوق نے پھونکا مرا پہلو میں جگر بھر کے دے بادۂ گل رنگ کے دو اِک ساغر

فرحتیں رند کو ہوں تیری مداراتوں سے
۱۴ آبِ انگور کا پیاسا ہوں کئی راتوں سے

بے خطا تیر جو برسائے خطا کاروں نے یاں بھی کیں بہرِ وغا تیغیں علم چاروں نے
رخ چھپائے سپریں لے کے ستمگاروں نے دن میں دیکھی شبِ اندوہ سیہ کاروں نے

شیر جب بگڑے تو کچھ بھی نہ بن آیا اُن کو
۱۵ عملِ بد کی سیاہی نے دبایا اُن کو

جلوہ گر چار جو تلواریں بصد شان ہوئیں دم نکلنے کی جو تھیں مشکلیں آسان ہوئیں
زلف کی طرح صفیں ساری پریشان ہوئیں مثلِ آئینہ چمک دیکھ کے حیران ہوئیں

ضو سے تلواروں کی اندھیر نظر آتا تھا
مہر گو چوتھے فلک پر تھا پہ تھرّاتا تھا

۱۶

تیغیں بے کار ہوئیں، خنجروں کا دم ہوا بند سخت الجھن میں ہوں، کہتی تھی یہ ہر ایک کمند
ہوگیا خوف کے باعث سے، جو ڈھیلا ہر بند نیزے کرتے تھے دُعا یاس میں، سر کر کے بلند

کیا یہاں ذکر زباں، سانس تلک رُک گئی ہے
تیر سہمے ہیں، تو دہشت سے کماں جھک گئی ہے ۱۷

نیزہ بازوں پہ گیا وہ، یہ کمانداروں پر پیدلوں پر کبھی جھپٹے، کبھی اسواروں پر
تھا گماں برقِ درخشندہ کا، تلواروں پر رُعب چھایا ہوا تھا، فوج کے غدّاروں پر

چار ہی حملوں میں، جراروں کے جی چھوٹ گئے
بڑھ کے اُلٹیں وہ صفیں، جب یہ پرے ٹوٹ گئے ۱۸

لے کے تلواریں دھنسے، فوج میں چاروں صفدر ہو گیا حشر بپا، خوف سے بھاگے خود سر
اِس نے مجروح کئے دل، کئے شق اُس نے جگر اِس نے سر کاٹے، جُدا اُس نے کئے بندِ کمر

شکل پہچانی نہیں جاتی ہے، خونخواروں کی
ہوگئیں صاف صفیں، دم میں نمودواروں کی ۱۹

حُر کے فرزند نے کی، پہلے تو تا دیر وغا یونہی بعد اُس کے، غلام اور برادر بھی لڑا
ہوگئی لال زمیں خون سے، یہ کھیت پڑا لشکرِ شام نے، جراروں کو پھر گھیر لیا

زخم کاری جو لگے جسم پہ، تھرّانے لگے
جم کے بیٹھا نہ گیا گھوڑوں پہ، غش آنے لگے ۲۰

خاک پر گر کے، تڑپنے لگے آخر وہ جواں اور کیا روح نے اُن کی، سفرِ باغِ جناں
حُر ہوا لاشیں اُٹھانے کو، جو اُس سمت رواں شہ نے فرمایا یہ عباسؑ سے، اے بھائی جاں

تم بھی جاؤ، علی اکبرؑ بھی مدد کو جائیں
ساتھ میں قاسمؑ مضطر بھی، مدد کو جائیں

۲۱

ہے یہ مہمان، مدد اس کی کرو جلد بڑھو تم کو لازم ہے، وہاں تک نہ اسے جانے دو
لاشیں مقتولوں کی، تم آپ اُٹھا کر لاؤ کوئی آزار نہ پہنچے، مرے حُر کو دیکھو

موت انساں کی ہے، بیٹے کی جدائی بخدا
۲۲ داغ بھائی کا بُرا ہوتا ہے بھائی، بخدا

کیا شرف شاہ کے صدقے میں انہیں ہاتھ آئے لاشے خود اکبرؑو عباسؑ اُٹھا کر لائے
رو کے دلبندِ نبیؐ نے، یہ سخن فرمائے داغ فرزند و برادر کا، نہ حق دکھلائے

جا کے اب، گنجِ شہیداں میں لِٹا دے اے حُر
۲۳ ان کے ماتم میں تجھے صبر، خدا دے اے حُر

حُر نے کی عرض، کہ مجھ کو نہیں کچھ غم اِن کا شکر کرتا ہوں، کہ خورسند ہوا اِن سے خدا
کہہ کے یہ، پھر سوئے جنگاہ دلاور آیا پھر کھنچی تیغ، ہوا پھر وہی محشر برپا

کسی ذی روح میں تھی جان، نہ دم خنجر میں
۲۴ پھر تباہی اُسی صورت سے پڑی، لشکر میں

واہ اے طبعِ ہنر مند، ترا کیا کہنا مرثیہ ہے، کہ مرقع چمنِ قدرت کا
کیوں نہ انصاف سے دیں دادِ سخن، اہلِ عزا بند سے بند، تو ہر بیت سے ہے بیت جُدا

طرز مدّاحیِ حُر کا، نہ بگڑنے پائے
۲۵ کوئی مضموں، کسی مضموں سے نہ لڑنے پائے

صفتِ بید، جواں فوج کے تھرّاتے تھے جو تھے رُودار بڑے، پشت وہ دکھلاتے تھے
جو کماں دار تھے، وہ خوف سے چلّاتے تھے طائرِ تیر بھی دہشت سے، اُڑے جاتے تھے

قہر آیا تھا، مُصیبت میں لعیں پڑ گئے تھے
جو علمدار تھے، غیرت سے وہ سب گڑ گئے تھے

۲۶

ضرب کے ساتھ جو کہتا تھا جری، یا حیدرؑ ساتھ گردوں کے لرز جاتے تھے جبریل کے پر
واہ کیا ہاتھ تھا، کیا ضربِ حُسامِ حیدرؑ دو کیا گُرز کسی جا، تو کہیں تیغ و تبر
کوئی حربہ تھا، نہ قابو میں ستمگاروں کے
جب لگی بھوک، تو پھل کھا گئے تلواروں کے

۲۷

آب وہ آب، خجل ہوگیا دریا جس سے گھاٹ وہ گھاٹ، نہ زندہ کوئی اُترا جس سے
ضرب وہ ضرب، کہ رائج ہوا سکہ جس سے ناب وہ ناب کھلا فتح کا رستا جس سے
اوج وہ اوج، کہ گردوں نہ جسے پاتا تھا
ابر وہ ابر، کہ مینہ خون کا برساتا تھا

۲۸

تیغ چلنے لگی، ہونے لگی اشرار سے جنگ ضیق میں پیلے تو اسلام ہیں سب زیست سے تنگ
خوں میں اعدا ہیں شرابور، مسرت کا ہے ڈھنگ کیا سبب ہے کہ ہوئی جاتی ہے مجلس بے رنگ
مے کی امید میں، اگلی سی ترنگ آجائے
میرا ساقی اگر آجائے، تو رنگ آجائے

۲۹

لو دُعا ہو گئی مقبول، وہ ساقی آیا قلب تازہ ہوئے، بڑھنے لگی مجلس کی فزا
منہ کھلے شیشوں کے، آنے لگی قلقل کی صدا جام پر جام بھرے جانے لگے، شکرِ خدا
دیر سے ہم بھی اِسی تاک میں آئے ہوئے ہیں
دم نہیں دم میں، مگر آس لگائے ہوئے ہیں

۳۰

مے پلانے کا جو ہے قصد، تو پھر دیر نہ کر اب تو پی کر ہی ہم اُٹھیں گے، یہ ہے مدِ نظر
اتنی بھی ساقیِ گلفام، نہیں تجھ کو خبر اِسی بھئی پہ ہوئی، عمر تمام، اپنی بسر
گر نہ دے گا، تو یہ رنگت تجھے دکھلائیں گے
صورتِ اشک، ابھی آنکھوں سے پی جائیں گے

۳۱

جب جوانی تھی تو، پینے کی بھی تھی مشاقی دَور پیری کا ہے اب، طبع میں ہے ناچاقی
صدقہ آنکھوں کا تری، اتنی پلادے ساقی نہ رہے آج کسی ظرف میں، قطرہ باقی
پھر جوانی کی سی، چہرہ پہ بحالی کردے
۳۲ بھر دے دل رند کا، اور میکدہ خالی کردے

یہ وہی مے ہے، کہ شارع نے ہے خود اس کو پیا بے پیے اس کے، کبھی ہوش نہیں ہوتے بجا
قلب ہر مومنِ خالص کا ہے، اس کا شیشا اِس کے ہی کیف میں تو آتا ہے، جینے کا مزا
فرحتِ قلبِ خداداد کا نُسخا، ہے یہی
۳۳ سچ یہ ہے، مُردہ دلوں کا تو مسیحا ہے یہی

میرے ساقی کا ہے، کس درجہ ادب مدِ نظر کاگ اُڑتے ہیں، نکلتی ہے نہ خوشبو باہر
ہر صراحی نے، بہ تعظیم جھکایا ہے سر ہیں ملبب، پہ چھلکتا نہیں کوئی ساغر
چاہئے رندوں کو بھی، چپ رہیں اب غُل نہ کریں
۳۴ اور شیشوں سے بھی یہ کہدو، کہ قلقل نہ کریں

جائے آداب ہے، کف بھی مئے سرجوش نہ لائے ہاؤ ہو کا ہو نہ غُل، اور نہ کوئی شور مچائے
ملے قسمت سے، تو پی کر کوئی مستی میں نہ آئے دیکھتے رہنا، کہ شیشے سے نہ شیشہ لڑ جائے
اہلِ صحبت نہ خیال اس کا کریں، مشکل ہے
۳۵ کہ مرے ساقیِ گلفام، کا نازک دل ہے

مانگتے مانگتے مے ہائے، یہ کیا مجھ کو ہوا مطلبِ دل ہی چلا، ایسا خوشی میں آیا
ساقیِ ماہ لقا، پیاس ہے اب حد سے سوا جان کی خیر ہو مرشد، کوئی پیالہ پلوا
جو ہیں ذی ہوش بتاؤں اِسے کیا جانتے ہیں
مَرَضِ کثرتِ عصیاں کی دَوا جانتے ہیں

۳۶

جُرعہ کیا' اس کا تو قطرہ بھی مزا دیتا ہے یہ وہی پھول ہے جو قلب کِھلا دیتا ہے
اس کا کیف' آئینۂ دیں کو جلا دیتا ہے وہی پاتا ہے اسے' جس کو خُدا دیتا ہے
اس کے ہر گھونٹ پہ' مومن کی تصدق جاں ہے
۳۷ بات ایمان کی تو یہ ہے' یہی ایماں ہے

اس کا رتبہ وہ سمجھتے ہیں' جو ہیں حق آگاہ ہے یہی کوثر و تسنیم کے' ملنے کے بھی راہ
تا کجا عرض کروں' کرتا ہوں قصہ کوتاہ تو مجھے ساغرِ مے دے' میں کہوں بسم اللہ
وقت قسمت سے یہ پایا ہے' نہ ٹلنے دوں گا
۳۸ تھا یہی عہد مرا' دستِ خدا سے لوں گا

پھر کہیں تاک لگاؤں' یہ نہ ہوگا مجھ سے اِک قدم یاں سے اُٹھاؤں' یہ نہ ہوگا مجھ سے
غیر میخانے میں جاؤں' یہ نہ ہوگا مجھ سے فرق میں وضع میں لاؤں' یہ نہ ہوگا مجھ سے
نظرِ مہرو کرم پر' تری بس جیتا ہوں
۳۹ تھوڑی پاؤں کہ بہت' میں تو یہیں پیتا ہوں

جو ہے ہُشیار' اِسی بزم کا ہے دیوانہ صُلحا میں' اِسی میخانے کا ہے افسانہ
صاف ہوتی ہے یہیں' دیدِ رُخِ جانانہ بخدا' شرع پہ چلتا ہے یہیں پیمانہ
یہیں رحمت کی' دھواں دھار گھٹا آتی ہے
۴۰ اسی میخانے میں' وحدت کی ہوا آتی ہے

قلب کا چین ہے' پینے کا مآل اے ساقی ڈھیل کاہے کی ہے' اب جام میں ڈھال اے ساقی
جس طرح مجھ کو دکھایا ہے' جمال اے ساقی میری ڈوبی ہوئی کشتی بھی نکال' اے ساقی
نظرِ لُطف و عنایت کا' طلبگار ہوں میں
پار بیڑا مرا کردے' ترا میخوار ہوں میں

۴۱

ہو وہ مے منہ پہ گلابی مرے رنگت آجائے نور کی آئینۂ قلب میں صورت آجائے
دیکھ کر رند پھڑک جائیں طبیعت آجائے معرفت ایسی بڑھے رنگِ حقیقت آجائے
عمر سب اپنی بسر کردوں میں حق کوشی میں
۴۲ ہوش اتنا تو رہے حد کی بھی بے ہوشی میں

صحبتِ عام نہیں خاص یہ میخانہ ہے یہیں حاصل مجھے دیدِ رُخِ جانانہ ہے
بزمِ تہذیب ہے صحبت نہیں رندانہ ہے سچ تو یہ ہے تری مے ہے ترا پیمانہ ہے
مئے دنیا تو سمجھ میں کبھی آنے کی نہیں
۴۳ یہی پینے کی ہے وہ منہ بھی لگانے کی نہیں

صبحِ جنت ہے تری چاندنی وہ ماہ ہے تو بادشا بھی تو گدا ہیں ترے وہ شاہ ہے تو
ہادیِ شرع ہے حق بین وحق آگاہ ہے تو بازوئے شاہِ رسالت ہے یداللہ ہے تو
میں سمجھتا ہوں جو ساغر تو اُٹھا دیتا ہے
۴۴ یہ کوئی اور نہیں مجھ کو خدا دیتا ہے

یہ ہے وہ پھول شگفتہ ہوئے جب نام لیا جس نے اس کا نہ مزا چکھا وہ کیا خاک جیا
اسے ولیوں نے پیا ہے اسے نبیوں نے پیا ساتھ ایماں کا محبّوں کے اسی نے ہے دیا
رنگ محشر میں جمائیں گے جو پیتے تھے اسے
۴۵ رستگاری وہی پائیں گے جو پیتے تھے اسے

چار جانب کو ہیں تحسیں کی صدائیں جو بلند مومنیں سب ہوئے اس رنگِ بیاں سے خورسند
ساقی نامے نے دیا لطف زیادہ ہر چند فکر اس کی ہے رہے جاتے ہیں تلوار کے بند
رنگ غازی کی لڑائی کا میں دکھلاتا ہوں
اپنے پھر مطلب اصلی کی طرف آتا ہوں

۴۶

قہرِ معبود تھا' یا خُرِ جری کی صمصام بید کی طرح لرزتے تھے' سلح شُور تمام
نظر آتا تھا چراغِ سحری' لشکرِ شام پاؤں پکڑے تھی زمیں' بھاگتے کیا بدانجام
خاک بھی اُڑتی نہ تھی' خوف یہ تھا صحرا کو
۴۷ بیڑیاں بن گئیں' پاؤں کی رگیں اعدا کو

شاد ہوتی تھی' جو زخموں کا چمن دیکھتی تھی اور دل بڑھتا تھا' خالی جو وہ رن دیکھتی تھی
نیچی نظروں سے' لعینوں کا چلن دیکھتی تھی اپنے انداز' کو گھونگٹ میں دلہن دیکھتی تھی
کیوں نہ ممتاز ہو' حق جس کو سرافراز کرے
۴۸ اس پری وش کو سزاوار ہے' جو ناز کرے

پی کے خوں سُرخ ہوئی لالِ یمن کی صورت حالِ دل زخم سُناتے ہیں' دہن کی صورت
جس کے پہلو میں وہ آ بیٹھی' دلہن کی صورت پی لیا خونِ جگر' فکرِ سخن کی صورت
وقتِ پیکار' اُڑایا نہ فقط سر اُس نے
۴۹ تیر جو آنے لگے کاٹ دیئے پر اُس نے

گہہ جبینوں کی طرف جھک گئی' ابرو ہوکر گاہ اعدا کے دماغوں میں گئی' بُو ہوکر
لختِ دل آنکھوں سے گرنے لگے' آنسو ہوکر لی جگہ حلقِ عدو میں کبھی' اُچھو ہو کر
تیغ کی آب نے' بے دم کیا خود بینوں کو
۵۰ ہچکیاں موت کی آنے لگیں' بے دینوں کو

ناگنی بن کے' جفا کاروں کو ڈستی ہی رہی واہ کیا دَم تھا' کہ ہر وار میں کستی ہی رہی
تھی عجب رنگ کی بدلی' کہ برستی ہی رہی سرکشوں کے لئے ہر طرح سے' پستی ہی رہی
خلق سے جان چھپا کر' اسی ہلچل میں رہے
نار میں جا کے بھی' وہ طبقۂ اسفل میں رہے

۵۱

برقِ شمشیر سے اُڑتے تھے شرر چار طرف لوٹتے پھرتے تھے میدان میں سر چار طرف
تھے پریشان و حزیں بانیٔ شر چار طرف چھپتے کس جا کہ یہ تھی مثلِ نظر چار طرف

شوم ہر چند کہ تھے جنگ سے منہ پھیرے ہوئے
بھاگتے خاک کہ تھی اُن کو اجل گھیرے ہوئے ۵۲

اے قلم پھر حُرِ ذیجاہ کی پیکار دکھا پھر دمِ جنگ عیاں حشر کے آثار دکھا
نیزے کٹتے ہوئے چلتی ہوئی تلوار دکھا زورِ بازوئے جواں مرد پھر اِک بار دکھا

صورتِ شیر غضنفر کو جھپٹتے دیکھوں
فوجِ بزدل کے نشاں سامنے کٹتے دیکھوں ۵۳

کیا برابر سپہ شام کے سر گرتے تھے خاک پر گلشنِ ہستی کے ثمر گرتے تھے
تیغ کھا کھا کے بہم بانیٔ شر گرتے تھے سر اِدھر گرتے تھے اور جسم اُدھر گرتے تھے

رنگ سب فصلِ بہاری کے دکھائے رن میں
تیغ کے پھل نے عجب پھول کھلائے رن میں ۵۴

دامِ آہن میں گرفتار زرہ پوش ہوئے سوکھ کر خار کی مانند تن و توش ہوئے
فرد جو چرب زبانی میں تھے خاموش ہوئے بارِ سر جسم سے اُترا تو سبکدوش ہوئے

دشت سے قعرِ جہنم میں ستمگار گئے
جن کو دینار کی حسرت تھی سوئے نار گئے ۵۵

کیا کروں تیغ کے جوہر کے چمن کا میں بیاں اسی گلزار کا بلبل ہے ہر اِک طائرِ جاں
پیٹ خالی ہی رہے کھائے اگر سارا جہاں تشنۂ خونِ عدو رہتی ہے قاتل کی زباں

جان اس تیغ کے قبضے میں ہے روحانیوں کی
اِس کے ناخن سے گرہ کھلتی ہے پیشانیوں کی

۵۶

جسمِ خاکی کی اُڑا دیتی ہے دم بھر میں یہ دھول شان میں اس کے ہوا آیۂ نصرت کا نزول
جوہرِ تیغ نہیں، باغِ ظفر کے ہیں یہ پھول اسی محراب میں سجدہ ہے، شہیدوں کا قبول

حکم ٹلتا نہیں، فرمانِ قضا کی صورت
یہی آئینہ ہے، جس میں ہے فنا کی صورت

۵۷

فَرَسِ حضرتِ حرؑ تھا، کہ خدا کی قدرت چلتی ہمراہ، کہاں تھی یہ ہوا کی قدرت
واہ خالق نے بھی، کیا اُس کو عطا کی قدرت گو ہیں شاعر پہ نہیں، ہم کو ثنا کی قدرت

دل میں آتا ہے کہ، مضموں کوئی تازہ باندھیں
آ سکے جو کہ نہ بندش میں، اُسے کیا باندھیں

۵۸

اِک اشارے میں، یہ تا اوجِ فلک جاتا ہے اس طرح، جیسے یقیں آنے سے شک جاتا ہے
گر پڑے سایۂ مژگاں، تو جھجک جاتا ہے باگ چھونے کے، تصور سے چمک جاتا ہے

مثل دنیا میں نہیں اُس کا، عجب گھوڑا ہے
اِس کو پیشانیِ راکب کی شکن، کوڑا ہے

۵۹

خامۂ قدرتِ رب ہے، جو چلے یہ رہوار گر پھرے یہ تو بنے، دورِ سپہرِ دوّار
گر اُڑے یال، ملائک میں کریں اس کا شمار گر بڑھے دستِ کریم، اس کو سمجھ لیں ہشیار

بوئے یوسف ہے، اگر مصر سے کنعاں جائے
ہے زلیخا کی جوانی، جو اُدھر سے آئے

۶۰

کیلیں اس کی جو ستارے ہیں، تو ہر نعل ہلال اس قدر تیز روی میں، اسے حاصل ہے کمال
کوئی خورشید کو دے، اِس کے سُموں سے جو مثال ساعتِ وصل کی صورت سے ہو طے، ہر اِک سال

وصف اس اسپ کا، شاعر جو کریں تھوڑا ہے
سایۂ بالِ طیور، اس کے لئے کوڑا ہے

۶۱

نرم رفتاری جو دریا میں دکھائے یہ عقاب نقش پانی کا نہ بگڑے نہ شکستہ ہو حباب
عملِ نیک ہے جائے جو فلک پر یہ شتاب آئے اُس سمت سے تو ہے یہ عبادت کا ثواب

دمِ تحریر، ثنا کیوں نہ ہو دشوار اس کی
اثر اعمالِ جلالی کا ہے، رفتار اس کی ۶۲

ہوں خجل باغ کے طاؤس، اگر بن کے چلے پیارا معشوق ہو معلوم، اگر تن کے چلے
دیکھ کر چال، چُھری قلب پہ دشمن کے چلے رنگ واقف نہ ہو، یوں سبزہ پہ گلشن کے چلے

نقرئی ساز ہے، یا کاہکشاں ہے دیکھو
تختِ طاؤس، صبا لے کے رواں ہے دیکھو ۶۳

رخش شاہوں کے خجل جس سے ہوں، رہوار ایسا چوکڑی بھولیں ہرن دیکھ کے، طرّار ایسا
آنکھ پڑتی ہے حسینوں کی، طرحدار ایسا سمجھے مالک کے اشارہ کو بھی، ہُشیار ایسا

ابر بھی شرم سے آب آب ہو، سُرعت ایسی
کس فرس میں ہے بھلا، فہم و فراست ایسی ۶۴

جوڑ بند اُس کے ہیں، سب نور کے سانچے میں ڈھلے دست و پا، دیدۂ بد بیں کو بھی لگتے ہیں بھلے
سُبکی کا ہے یہ عالم، کہ جو گلشن میں چلے زرِ گل زیرِ قدم آئے تو وہ بھی نہ مَلے

گر دکھائے یہ دو رنگی، تو حنا دنگ رہے
کم نہ ہو تازگی پھولوں کی، وہی رنگ رہے ۶۵

صورتِ مار جویل آئے تھے، بل کھائے ہوئے بھاگتے پھرتے تھے، سہمے ہوئے گھبرائے ہوئے
پھٹ گئے بادلوں کے ابرِ سیہ، چھائے ہوئے قدر اندازوں کے جاتے تھے حواس، آئے ہوئے

جو کماں دار تھے، وہ خوف سے تھرّاتے تھے
منہ کو کھولے ہوئے سوفار بھی چلاتے تھے

٦٦

جس طرف تُرکِ جری، گھوڑے کو گرما کے پھرا آبِ شمشیر سے، اِک آگ بھی بھڑکا کے پھرا
ابر سے ڈھالوں کے، مینہ خون کا برسا کے پھرا جو تھے بہرام، اُنہیں گور میں پہنچا کے پھرا

تان کر نیزے، نہ اسوار نہ پیدل نکلے
٦٧ سیدھے دوزخ کو روانہ ہوئے، یوں بل نکلے

قیدِ آہن میں، سوئے نار زرہ پوش گئے بات تک کر نہ سکے، دہر سے خاموش گئے
سوکھ کر نے کی طرح، اہلِ تن و توش گئے قطع شانے جو ہوئے، اور سبکدوش گئے

ڈھونڈھتا قہرِ خدا، بہرِ مکافات آیا
٦٨ نخلِ پندار سے، آخر یہ ثمر ہاتھ آیا

اِک ذرا فرق نہیں اس میں، کہ سر کاٹتی ہے سنگدل دیکھتی ہے جس کو، جگر کاٹتی ہے
تیر و شمشیر و سناں، گرز و تبر کاٹتی ہے دل میں ہے زیست کی امید، مگر کاٹتی ہے

کیا صفائی ہے، کہ کچھ مَیل نہیں چتون پر
٦٩ خوں کا دھبّہ، کبھی رہتا ہی نہیں دامن پر

ذبح کا رنج، نہ کچھ قتل کا اس کو ہے ملال خون پیتی ہے، مگر لُطف یہ ہے منہ نہیں لال
دل کا کیا ذکر ہے، کٹ جائے جو ہو دل میں خیال خامشی سب کا جواب ایک، کرو لاکھ سوال

کیسی سرکش ہے یہ ظالم کہ، جھکی رہتی ہے
٧٠ جان لے لیتی ہے، کچھ منہ سے نہیں کہتی ہے

کون کہتا ہے کہ دلکش ہے، دل آزار نہیں بانکپن اُس میں نہیں، یا کہ طرحدار نہیں
خوبصورت نہیں، یا قتل پہ تیار نہیں اچھا خاصا کوئی معشوق ہے، تلوار نہیں

جو طلبگار ہیں، وہ نذر میں سر دیتے ہیں
شوق سے آپ گلے، اُس کو لگا لیتے ہیں

۷۱

سینہ سالم رہا، دل کاٹ دیا واہ ری تیغ جان لی اور نہ معلوم ہوا، واہ ری تیغ
لہوخونخواروں کا اِک دم میں، پیا واہ ری تیغ کوئی ٹھنڈا ہوا اور کوئی جلا، واہ ری تیغ

وہیں سیدھی گئی، جس غول میں بانکے دیکھے
سردوگرم اُس نے بہت سے تھے، جہاں کے دیکھے

۷۲

آئی خوں بار کبھی، گاہ شرر بار چلی کبھی اِس پار، کبھی فوج کے اُس پار چلی
ندیاں خوں کی بہاتی، جو وہ تلوار چلی موذیوں نے یہ صدا دی، کہ ہمیں مار چلی

بے زبانی کے غم و رنج کو سہ جاتے تھے
زخم منہ کھول کے حیران سے رہ جاتے تھے

۷۳

تیغ سالم، نہ سلامت کوئی خنجر چھوڑا نہ سپر ہاتھ میں، نے فرق پہ مغفر چھوڑا
نہ تو چار آئینہ نے، جوشن و بکتر چھوڑا ران اسوار کی نے زین تگاور چھوڑا

برچھیاں کاٹ کے، نیزوں کی سنانیں کاٹیں
پر خدنگوں کے کئے قطع، کمانیں کاٹیں

۷۴

آبِ شمشیر نے، یہ خاک اُڑائی رن میں دم میں کردی، صفِ اعدا کی صفائی رن میں
کیفیت حشر کی، ہر سمت دکھائی رن میں چار سُو تھی، حُرِ غازی کی دُہائی رن میں

چھوڑ کر رن نہ فقط، ظالمِ خود سر بھاگے
پہلوانوں کے قدم اُٹھ گئے، افسر بھاگے

۷۵

تھا یہ نعرہ، کہ مری تیغ کے جوہر دیکھے رن میں انبار، تن و سر کے برابر دیکھے
ٹکڑے تلواروں کے، ٹوٹے ہوئے خنجر دیکھے پُرزے ڈھالوں کے، تراشے ہوئے بکتر دیکھے

چار آئینوں کو، ہو ہو کے نہ ششدر دیکھو
ہاتھ چورنگ پہ بھی صاف ہے، آکر دیکھو

۷۶

دیر تک رن میں رہا، جبکہ یہ محشر برپا بڑھ کے تب، حضرتِ عباسِ علیؑ نے یہ کہا
مرحبا اے حُرِ جاں باز، بہت خوب لڑا دیر سے تیری ثنا کرتے ہیں، حضرت بخدا
خم جو تسلیم کو، یہ تن کے وہ جرار ہوا
۷۷ ناگہاں سینے سے، اِک تیر جفا پار ہوا

دگمگانے لگا گھوڑے پہ، یہ کہہ کر وہ جواں شکر صد شکر، کہ اب ہوتا ہوں شہ پر قرباں
اتنے میں اور لگا، ایک جبیں پر پیکاں جس کے صدمے سے نہ غازی میں رہی تاب و تواں
دم خفا ہونے لگا، ضعف سے چکّر آیا
۷۸ پھر نہ سنبھلا گیا، غش کھا کے زمیں پر آیا

گر کے حضرت کو پکارا، یہ حُرِ خوش انجام پُشتِ مرکب سے گرا خاک پہ آقا، یہ غلام
دم لبوں پر ہے، رگیں جسم کی کھنچتی ہیں تمام ہچکیاں دیتی ہیں، جنت کے سفر کا پیغام
بھر کے ساغر، مئے تسنیم سے لائے ہیں علیؑ
۷۹ میرے لینے کے لئے، خلد سے آئے ہیں علیؑ

دوست میرا ہے، بنِ عوسجہ، نیک سیر دیجئے حکم، کہ خادم کی خبر لے آکر
یہ صدا پہنچی، جو تا گوشِ شہ جن و بشر مُڑ کے عباسؑ سے کہنے لگے، بادیدۂ تر
پسرِ فاطمہؑ کی موت کا، پیغام آیا
۸۰ بھائی کچھ تم نے سنا، حُرِ جری کام آیا

عرض کی حضرتِ عباسؑ نے، جاتا ہے غلام شہ نے فرمایا کہ خوش تم سے ہو، خلاقِ انام
میں بھی چلتا ہوں، کہ مہماں تھا حُرِ نیک انجام اُٹھ گیا ہجر سے اُس کے، مرے دل کا آرام
آج سے غنچۂ خاطر، نہ کھلے گا عباسؑ
دوست ایسا نہ مِلا ہے، نہ ملے گا عباسؑ

۸۱

کہہ کے یہ جانبِ مقتل، شہِ ابرار چلے ساتھ حضرت کے، رفیقانِ خوش اطوار چلے
رایتِ شیرِ خدا لے کے، علمدار چلے باپ کے ساتھ، علی اکبرؑ جرار چلے
شہِ دیں مدح، ہر اِک گام پہ فرماتے تھے
ہاتھ ملتے ہوئے سب، حُر کے لئے جاتے تھے ۸۲

جس جگہ، نزع کی حالت میں وہ تھا نیک شیم پہنچے روتے ہوئے، آخر کو وہاں شاہِ اُمم
جا کے دیکھا جو اُسے، عازمِ اقلیمِ عدم یک بیک قلب پہ حضرت کے گرا، کوہِ الم
غش کے عالم میں، غریبوں کا مددگار ملا
میہماں چند نفس کا، حُرِ جرار ملا ۸۳

بیٹھ کر حُر کے سرہانے، شہِ دیں نے یہ کہا کچھ تو اے دوست بیاں کر، کہ ترا حال ہے کیا
کیا کہوں، تیری جُدائی کا قلق ہے کیسا آنکھ تو کھول، کہ دل سینے میں ٹھہرے میرا
راحتِ جانِ رسول الثقلین آیا ہے
بھای کچھ بات تو کرلے، کہ حسینؑ آیا ہے ۸۴

جانِ شیریں، مری نصرت میں گنوائی تو نے ہو کے مہماں مرا تکلیف اٹھائی تو نے
راحت اِک آن، مرے گھر میں نہ پائی تو نے کی مدد میری، بُرے وقت میں بھائی تو نے
مجھ سے پہلے مری نصرت میں گزرتے اے حُر
مجتبیٰ ہوتے، تو وہ بھی یہی کرتے اے حُرؑ ۸۵

کم نہیں، بوذر و سلماں سے جلالت تیری کوئی پوچھے مرے انصار سے، عزت تیری
شاہدِ قُربِ الٰہی ہے، شہادت تیری کس کو کونین میں حاصل ہوئی، رفعت تیری
پیشوائی کو تری، شیرِ خدا آئے ہیں
تیرے لینے کو، رسولؐ دوسرا آئے ہیں

۸۶

کہہ کے یہ اور قریب آئے شہِ جن و بشر حُر کے چہرہ کا لہو پونچھ کے بادیدۂ تر
اپنے زانو پہ رکھا پیار سے جانباز کا سر دیکھ کر دیدۂ خوں بار کہا بارِ دگر

ہم ترے چہرہ پہ کرتے ہیں نظر اے بھائی
دیکھ لے تو بھی ہمیں وقتِ سفر اے بھائی

۸۷

بُو گُلِ باغِ رسالت کی جو حُر نے پائی کھول دی آنکھ نظر شاہ کی صورت آئی
شہ نے فرمایا کہ کیا حال ہے اے شیدائی دیر سے بیٹھے ہیں ہم تیرے سرہانے بھائی

شور فریاد کا ہے اہلِ حرم میں اے حُر
رفقا میرے ہیں گریاں ترے غم میں اے حُر

۸۸

آنکھ کیوں بند ہوئی جاتی ہے تیری ہر بار کیا گزرتی ہے دلِ زار پہ کچھ کر اظہار
عرض کی حُر نے کہ اے بادشہ عرش وقار نظر آتا ہے مجھے خُلدِ بریں کا گلزار

جام کوثر کے بصد ناز دکھاتی ہیں مجھے
حوریں جنت میں اشاروں سے بلاتی ہیں مجھے

۸۹

آپ کی بندہ نوازی پہ فدا ہو یہ غلام سر کہاں میرا کہاں زانوئے سُلطانِ انام
سخت شرمندہ ہوں اے بادشہِ عرشِ مقام کیوں پکارا تھا میں لے کر شہ والا کا نام

بر طرف ہوگی نہ ہرگز یہ ندامت آقا
ہائے کیوں دھوپ میں دی آپ کو زحمت آقا

۹۰

کہہ کے یہ حُر نے کیا قصد کہ بیٹھے اُٹھ کر شہ نے فرمایا سبب کیا تو یہ بولا صفدر
واں نظر آتے ہیں مولا مجھے افلاک کے در رونق افروز ہوا چاہتے ہیں پیغمبر

ساتھ میں قدسیوں کی فوج ہے بے حد مولا
آپ کے جدِّ گرامی کی ہے آمد مولا

۹۱

کہہ کے یہ ساتھ ہی اِس کے حُرِ غازی نے کہا لیجئے آگئی نزدیک سواری مولا
آنکھ اب بند ہوئی جاتی ہے میری، آقا قدمِ پاک پہ رکھ دیجئے سرفدوی کا
اب محل دیر کا باقی نہیں مولا، کہئے
۹۲ جو مرے باب میں نانا سے ہو کہنا، کہئے

کہہ رہا تھا ابھی شہ سے، یہ حُرِ نیک سیر کہ بدلنے لگے ناگاہ، جری کے تیور
چشمِ پُر آب، عَرَق سے ہوئی پیشانیٔ تر دست و پا کھنچنے لگے، حال ہوا کچھ ابتر
لے کے انگڑائی، سوئے خلد گیا تھرّا کے
۹۳ سر رہا زانوئے اقدس پہ، شہ والا کے

منہ لگے دیکھنے عباسؑ کا، سلطانِ اُمم ہائے حُر کہہ کے لگے کرنے، جری کا ماتم
رفقا بیٹھ گئے خاک پہ، با دیدۂ نم عرض کی سب نے، کہ اے پشت و پناہِ عالم
حق کی تائید میں، اس شیر نے جانبازی کی
۹۴ لاش میدان سے لے چلئے، حُرِ غازی کی

سُن کے یہ عرض رفیقوں کی، کھڑے ہوگئے شاہ لب پہ نالہ تھا کبھی، اور کبھی اِنّا لِلّٰہ
لاش ہمراہ لئے حُر کی، امامِ ذی جاہ لاشۂ عبد کی سمت آئے، بہ دردِ جانکاہ
مڑ کے بھائی سے کہا، قدر بڑھائیں اُس کی
۹۵ حکم اکبرؑ کو دیا، لاش اُٹھائیں اُس کی

جمع اس بزم میں ہیں سب شہِ والا کے غلام دل میں سوچیں تو کہ کیسا یہ غضب کا ہے مقام
لاش اسود کی تو فرزند سے، اُٹھوائیں امام اُن کے لاشے پہ یہ بیداد کرے لشکرِ شام
خاک میں خون میں آلودہ، سرِ خاک رہے
تین دن دھوپ میں عریاں تنِ صد چاک رہے

۹۶

دفن فوجِ عمر سعد کے ہوں، سب مقتول وائے تقدیر کہ پائے نہ کفن ابنِ رسولؐ
جشنِ شادی میں ہو، سرکردۂ لشکر مشغول نکلے عصمت کدہ سے خاک بسر بنتِ بتولؑ

منہ چھپائے ہوئے بالوں سے نبیؐ کی عترت
جائے کوفہ میں، رسولِؐ عربی کی عترت

۹۷

سچ تو یہ ہے کہ عجب مرتبہ حُر نے پایا لاش آغوش میں، دلبندِ پیمبرؐ لایا
جا کے ہمشیر سے خیمہ میں یہی فرمایا میرا عاشق مرا مہمان، مرے کام آیا

تم کرو اس کی عزا گھر میں بپا اے زینبؑ
اِس کو روؤ گی تو خوش ہوگا خُدا اے زینبؑ

۹۸

عرض کی زینبؑ مضطر نے کہ اے بھائی جاں یہ تصدق ہوا حضرت پہ، میں اس پر قرباں
ملتے ہیں ایسے وفادار، زمانے میں کہاں بھوکا پیاسا گیا دنیا سے، ہمارا مہماں

ہاں بغیر اس کی عزا کے نہ رہوں گی بھائی
بھائی رونے میں مگر، میں نہ کہوں گی بھائی

۹۹

آپ کے دم سے ہے سرسبز نبیؐ کا بُستاں آپ سے دہر میں ہے رونقِ دین و ایماں
آپ ہیں مہرِ عرب آپ سے روشن ہے جہاں گر نہ ہوں آپ تو ہم لوگوں کا ہے کون یہاں

پھر کہا رو کے کہ آفت سے بچانا یارب
میرے ماں جائے کا دشمن ہے زمانا یارب

۱۰۰

واہ کیا رتبۂ عالی، حُرِ ذیشاں کو ملا روئی مادر کی طرح سے اُسے، بنتِ زہراؑ
ہائے کیسی ہے مگر، حسرت و افسوس کی جا رونے والا کوئی، شبیرؑ کے لاشے پہ نہ تھا

ظلم جو ہوتا تھا رانڈوں پہ، نیا ہوتا تھا
منع کرتے تھے ستم گر، جو کوئی روتا تھا

۱۰۱

متواتر یہ کتابوں میں ہے مرقوم خبر لُٹ چکے جب حرمِ پاکِ شہِ جنّ و بشر
خیموں میں ظالموں نے آگ لگادی آکر جل گئی مسندِ پُر نورِ نبیؐ و حیدرؑ

فرشِ زرّیں پہ وہاں اہلِ ستم بیٹھے تھے
سر کھلے خاک پہ یاں اہلِ حرم بیٹھے تھے

۱۰۲

جشن کی لشکرِ کفّار میں تھی تیاری بیبیاں کرتی تھیں شبّیرؑ کے غم میں زاری
ایک سے ایک گلے ملتا تھا واں ہر ناری آہ و زاری میں حرم کو تھی اِدھر بیزاری

تہنیت کا تھا کہیں غُل کہیں شورِ غم تھا
قتلِ سیّد کی وہاں عید تھی یاں ماتم تھا

۱۰۳

اسی عالم میں چھپا مہرِ فلک ہوگئی شام فوجِ کفّار میں ہونے لگی تقسیمِ طعام
عمرِ سعد سے کہنے لگے سردار تمام تیرے کہنے سے مٹا بختنِ پاک کا نام

تیرے ایما سے حرم کا زروزیور لوٹا
تیرے ہی حکم سے سیّد کا بھرا گھر لوٹا

۱۰۴

خواہرِ حضرت شبیر کی چھینی چادر کان سے دخترِ سرور کے اُتارے گوہر
پھونک دی مسندِ پُرنورِ شہِ جنّ و بشر رسّیاں بیبیوں کے ہاتھ میں باندھیں کس کر

خاک پر رانڈوں کو جنگل میں بٹھایا ہم نے
طوق بیمار کی گردن میں پہنایا ہم نے

۱۰۵

تو نے جو حکم دیا آج وہی ہم نے کیا پر یہ حیرت ہے کہ اس پر بھی ترا دل نہ بھرا
یاں تری فوج میں ہے دیر سے تقسیمِ غذا تین دن سے ہے وہاں اہلِ حرم کو فاقا

رحم بچّوں پہ بھی تجھ کو نہیں آتا ظالم
یہ ستم ہم سے تو دیکھا نہیں جاتا ظالم

۱۰۶

ہے یہ دستور زمانے سے جو کرتا ہے سفر پُرسا سب دیتے ہیں اُس کے ورثا کو جا کر
حاضری بھیجتے ہیں اُن کے لئے پکوا کر فاقہ تڑواتے ہیں پھر آپ اُنہیں سمجھا کر

پھر گیا ہائے غریبوں سے زمانا کیسا
یاں دلاسا ہے نہ تسکین ہے، کھانا کیسا

۱۰۷

آج بھی آلِ نبیؐ کا جو نہ ٹوٹا فاقا تیرے لشکر میں کوئی شخص نہ کھائے گا غذا
پسرِ سعد نے سُن کر یہ بیاں اُن سے کیا حاضری بھیجنے میں مجھ کو وہاں عُذر ہے کیا

سب تو اعدا ہیں، کسے فوج میں تمیز کریں
کون لے جائے گا کھانا کسے تجویز کریں

۱۰۸

ایک سالار نے سردار سے کی یہ گفتار شمر تو زوجۂ عباسؑ کا ہے رشتہ دار
حاضری ثانیٔ جعفر کی کرے وہ تیار شمر بولا کہ نہ جاؤں گا وہاں میں زنہار

شرم آئے گی مجھے فاطمہؑ کی جائی سے
مار کر دُرّے چھڑایا ہے اُسے بھائی سے

۱۰۹

عمرِ سعد نے ایک ایک سے لشکر میں کہا پر وہاں جانے کا اقرار کسی نے نہ کیا
اُٹھ کے تب ایک جواں اپنی جگہ سے بولا زوجۂ حُرِ جری کو ہے یہ خدمت زیبا

حاضری لے کے ہے جانا وہاں بہتر اُس کا
فدیۂ حضرتِ شبّرؑ ہے شوہر اُس کا

۱۱۰

حاضری لے کے چلی زوجۂ حُرِ صفدر سُن کے آہٹ کو ڈرے یاں حرمِ پیغمبرؐ
یعنی پھر آئے ستانے کے لئے اہلِ شر دور سے اُس نے یہ آواز دی تب رو رو کر

بی بی زینبؑ ہیں کہاں پُرسے کو آئی ہوں میں
حاضری اکبرؑ و عباسؑ کی لائی ہوں میں

۱۱۱

رو کے زینبؑ نے ندا دی کہ بہن کون ہو تم یہ کرم تو ہے قیامت کہ مرے ہوش ہیں گم
چھپ چکے خاک میں دن کو مرے سارے انجم موتیوں کے لئے آنکھوں سے رواں ہیں قلزم

گر یتیموں سے بھی چھوٹوں تو نتیجہ کیا ہو
زہر ملوا کے نہ بچوں کے لئے بھیجا ہو ۱۱۲

بولی وہ کچھ مرے دشمن نہیں حاکم کے عزیز آپ کے حُرِ دلاور کی ہے لونڈی یہ کنیز
جو مُضر ہوئے تمھیں لاؤں گی میں ایسی چیز آپ ہیں آلِ نبیؐ اتنی ہے لونڈی کو تمیز

لونڈی زہراؑ کی ہوں اور آپ کی شیدائی ہوں
مصلحت کچھ ہے جو اس سمت نہیں آئی ہوں ۱۱۳

پاس بٹھلا کے یہ تب حضرتِ زینبؑ نے کہا یہ کہو بی بی کہ تُم ہو مرے حُر کی زوجہ
لو ردا منہ پہ رکھو دیتی ہوں حُر کا پُرسہ اُس نے شرما کے کہا آپ کی الفت کے فدا

ڈھانپئے منہ شہِ دلگیر کا پُرسا دے لوں
پہلے میں حضرتِ شبیرؑ کا پُرسا دے لوں ۱۱۴

پیٹ کر سر کو یہ تب حضرتِ زینبؑ نے کہا ہائے قسمت مجھے کس حال سے تو نے دیکھا
کیسے منہ ڈھانپوں کہ سر پر ہے نہ مقنع نہ ردا رو کے وہ بولی کہ لِلّٰہ کرو نوش غذا

بولی وہ فاقوں سے یاں کھانے کی عادت نہ رہی
کھائے وہ داغ کہ کچھ کھانے کی حاجت نہ رہی ۱۱۵

بزمؔ خاموش کہ مجلس کو بہت طول ہوا خوب مہمان کا سب نے دیا شہ کو پُرسا
اب یہ کر عرض کہ اے سبطِ رسولؐ دوسرا مجھ کو ایماں ہو عطا کیجئے یہ حق سے دُعا

اپنے روضے پہ بُلا لیجئے مولا مجھ کو
اپنے دربار میں جا دیجئے مولا مجھ کو

مرثیہ:۹

درحال حضرت ولیٔ عصر علیہ السلام

مطلع

نجمِ اقبالِ محمدؐ ہیں، جنابِ قائمؑ

تعدادِ بند:۶۸

۱

نجمِ اقبالِ محمدؐ ہیں، جناب قائمؑ شکلِ اعمالِ محمدؐ ہیں جنابِ قائمؑ
شرحِ احوالِ محمدؐ ہیں جنابِ قائمؑ قائمِ آلِ محمدؐ ہیں جنابِ قائمؑ

آپؑ کی ذات سے دنیا میں علیؑ قائم ہیں
جب علیؑ خلق میں قائم ہیں نبیؐ قائم ہیں ۲

قامتِ حورِ عبادت قدِ بے سایہ ہے سر میں سجدوں کے سرانجام کا سرمایہ ہے
جو یداللہ کا پایا تھا وہ ہاتھ آیا ہے غار میں رُتبۂ محبوبِ خدا پایا ہے

جلوۂ نور ہر اِک دیدۂ مشتاق میں ہے
چاند بدلی میں ہے اور چاندنی آفاق میں ہے ۳

آپ کے دم سے زمیں اور زماں قائم ہے قائمؑ آلِ محمدؐ سے جہاں قائم ہے
آپؑ سے نامِ خدا حق کا نشاں قائم ہے تا قیام اِن سے نماز اور اذاں قائم ہے

کیوں مٹے دین کہ یہ ماہ لقا حافظ ہے
یہ وہ قرآں ہے کہ خود جس کا خدا حافظ ہے ۴

حق سے پوچھیں تو کہے حُجتِ خالق ہیں یہی آیتیں بول اٹھیں مصحفِ ناطق ہیں یہی
صبح جعفر کی قسم کھائے کہ صادق ہیں یہی خود امامت یہ پکارے مرے لائق ہیں یہی

کلمہ پڑھنے لگے کلمہ کہ کلام ایسا ہو
خود یہ تسبیح ندا دے کہ امام ایسا ہو ۵

یہ نہ ہوتے تو حَرم کی نہ یہ حُرمت ہوتی پھر شریعت کی نہ کچھ اصل و حقیقت ہوتی
دین کا خون تو کلمے کی شہادت ہوتی آلؑ و قرآں سے نہ اخلاص کی صورت ہوتی

یہ چراغِ رہِ ایماں بھی جو گُل ہو جاتا
آلؑ کی فاتحہ قرآن کا قُل ہو جاتا

۶

جو کہ سب خَلق سے اُولیٰ ہے وہ مولا ہے یہی جس میں دادا کے فضائل ہیں وہ پوتا ہے یہی
مقتدی جس کے ہیں عیسیٰؑ وہ مسیحا ہے یہی جس کے قبضے میں خدائی ہے وہ بندہ ہے یہی

جو کہ قرآن سے ملتا ہے کلام ایسا ہے
جس کے پیرو ہیں پیمبرؐ یہ امامؑ ایسا ہے

۷

اِسی یوسفؑ کی وِلا باعثِ آزادی ہے اِسی گُل سے چمنِ شرع کی آبادی ہے
عدل و انصاف و ہدایت کا یہی عادی ہے جو رسولوںؑ کا بھی مہدی ہے یہ وہ ہادی ہے

اب کسی کے لئے توقیرِ امامت نہ رہی
بعد مہدیؑ کے ہدایت کی ضرورت نہ رہی

۸

اس طرح غار میں یہ رشکِ قمر مخفی ہے جس طرح طائرِ جاں تن میں ہے پر مخفی ہے
اِس طرح بحرِ جہاں میں یہ گُہر مخفی ہے جیسے الحمد کے جملے میں خبر مخفی ہے

آپؑ اس شان سے روپوش ہیں اِس محفل میں
جیسے اللہ کے اَسرار علیؑ کے دل میں

۹

دل پہ ثابت بھی ہے یہ رشکِ قمر مخفی بھی جیسے ظاہر بھی ہے اور عقلِ بشر مخفی بھی
دیکھو روشن بھی ہے اور نورِ نظر مخفی بھی جیسے موجود بھی بوئے گُلِ تر مخفی بھی

اہلِ ایماں نے قرائن سے انہیں مانا ہے
حق کو دیکھا نہیں پر عقل سے پہچانا ہے

۱۰

غیبتِ حُجّتِ خالق میں جو تکرار کرے خضرؑ و الیاسؑ و مسیحاؑ سے بھی انکار کرے
جو بشر پاسِ احادیث نہ زنہار کرے پھر وہ ہستیٔ خدا کا بھی نہ اقرار کرے

اِس طرف کیوں نہیں منکر کی نظر جاتی ہے
کبھی نیّت بھی نمازی کی نظر آتی ہے

۱۱

اِن کی بخشش سے گدا صاحبِ گنجینہ ہو چشمِ نرگس پہ نظر ہو تو ابھی بینا ہو
پاؤں پڑ جائے تو سبزہ پہ ابھی مینا ہو قلبِ مُردہ کو جلا دیں تو وہ آئینہ ہو

یہ اگر چاہیں کہ کلمہ کوئی بے جان پڑھے
شمعِ قبرِ شہداء سوز سے قرآن پڑھے

۱۲

گو حقیقت میں نہ مُرسل نہ پیمبرؑ ہیں حضور خضرؑ بھی جس کے تلاشی ہیں وہ رہبر ہیں حضور
اسداللہ جو حیدرؑ تھے تو صفدر ہیں حضور زور و ہمت میں مسیحاؑ سے بھی بڑھ کر ہیں حضور

دار کے خوف سے اس دار میں عیسیٰؑ نہ تھے
یہ تو قائم رہے دُنیا میں مسیحا نہ تھے

۱۳

مصدرِ حق جو ہے گویا وہ دہن اِن کا ہے جس سے قرآن کو مانا وہ سخن اِن کا ہے
جلوۂ قدرتِ رب حُسنِ حَسن اِن کا ہے جس کو کہتے ہیں شریعت وہ چلن اِن کا ہے

مخزنِ علمِ خدا سینۂ بے کینہ ہے
جوہرِ احمدِؐ مُرسل کا یہ آئینہ ہے

۱۴

گوشِ قدرت کے لئے پردۂ اسرار یہ ہیں خلوتِ حق کے لئے مونس و غمخوار یہ ہیں
مالکِ بارگہِ ایزدِ غفار یہ ہیں کوئی مجبور نہ سمجھے انہیں، مختار یہ ہیں

دوجہاں میں عمل اِن کا ہے دُہائی اِن کی
بندے اِن کے ہیں خدا اِن کا خدائی اِن کی

۱۵

دَم میں مجبور کو مختارِ ممالک کردیں زہر کو آبِ بقا شہد کو ہالک کردیں
قابلِ نار کو خود نار کا مالک کردیں اِن کے مسلک پہ جو آئے اُسے سالک کردیں

جس طریقے پہ چلیں یہ وہ طریقت ہوجائے
شارعِ عام بھی ایک خاص شریعت ہوجائے

۱۶

اسدؑاللہ کے دلبند نبیؐ کے جانی جد تو ہمنامِ خُدا باپ حسنؑ کے ثانی
ایک دادی تو خُوزادیؐ شہِ ایرانی ایک مریم کا شرف بنتِ نبیؐ سیدانی

جو کہ تشریفِ شرافت سے مشرّف ہوجائے
حرف آئے جو کوئی اُس سے مُحرّف ہوجائے

۱۷

قاسمِ خُلد کی اولاد ہیں مقسوم یہ ہے کس قدر علم ہے اللہ کو معلوم یہ ہے
کیوں قیام اِن کو نہ ہو، حُجّتِ قیوم یہ ہے خاتمہ جس پہ ہے عصمت کا وہ معصوم یہ ہے

ختمِ عصمت جو کسی دل کو نہ باور آئے
ختم اللہ نہ کیوں اپنی زباں پر آئے

۱۸

آپؑ کے دَم سے شہِ عقدہ کشا قائمؑ ہیں مرَضِ رنجِ مسیحاؑ کی دوا قائمؑ ہیں
تا قیامت صفتِ دینِ خدا قائمؑ ہیں خاص یہ بحرِ کرم بہرِ عطا قائمؑ ہیں

بادشا وہ ہو جسے اِن کی گدائی مل جائے
اِن کا بندہ ہو تو بندے کو خدائی مل جائے

۱۹

حمد میں مدح، حدیثوں میں خبر اِن کی ہے شرعِ محبوبِ خدا راہ گزر اِن کی ہے
سب پہ یکساں نظرِ فیض اثر اِن کی ہے عین رحمت ہے جو مردُم پہ نظر اِن کی ہے

اُن کے پوتے ہیں جنہیں عقدہ کشا کہتے ہیں
اِن کے دادا کو نبیؐ عینِ خدا کہتے ہیں

۲۰

روئے رنگیں میں فضا مُصحفِ گُل کی صورت معرفت آپؑ کی ہر قول میں قُل کی صورت
اِن کی صورت سے عیاں ہے جزوِ کُل کی صورت پشت پر مُہر بھی ہے ختمِ رسُل کی صورت

وہی اللہ کا اِک نور ہے منظر دو ہیں
خاتمے کی وہی اِک مُہر ہے محضر دو ہیں

۲۱

بیٹھے بیٹھے مرے دل نے نئی پرواز اٹھائی حق نے یہ مُہرِ سند پیشِ نظر کیوں نہ لگائی
پھر یہ توجیہ مرے دیدۂ باطن نے سجھائی ہاں خدا کی یہ مشیّت تھی کہ دیکھے نہ خدائی

وقتِ غیبت نظر آئیں تو کوئی جان نہ لے
۲۲ حج میں اِس قبلۂ دیں کو کوئی پہچان نہ لے

دوسرے ربِّ ہُدا رُخ پہ جو یہ مُہر لگائے محلِ مُہرِ نبوت سے تفاوت ہو جائے
اُس میں جو کلمۂ طیب تھے وہی اِس میں آئے جز نبوت اور امامت کے کوئی فرق نہ پائے

ایسی بے مثل سند غرب سے تا شرق نہیں
۲۳ نقش بھی ایک ہے یاں نام کو بھی فرق نہیں

پھول ہنستے ہیں مُصنّف کے جو اِترانے پر ہم شگفتہ نہ ہوں جنّت کی سند پانے پر
جعفری کیوں نہ کھلیں خُلد کے ہاتھ آنے پر اور ایک مُہر ہوئی مُہر کے پروانے پر

مطمئن ہوگیا بالکل دلِ مضطر اپنا
۲۴ اور بھی اب تو بحل ہوگیا محضر اپنا

اے غلامانِ علیؑ روزِ مسرّت ہے آج باغِ عالم بھی ہمیں گلشنِ جنّت ہے آج
سجدۂ شکر کرو روزِ عبادت ہے آج پڑھو صلوات محمدؐ کی وِلادت ہے آج

دونوں عیدوں پہ مسرّت کی یہ تاثیر ہوئی
۲۵ سحرِ عید و شبِ عید بغلگیر ہوئی

سحرِ آئینہ رو مثلِ نگار آئی تھی زرِ خورشید لئے بہرِ نثار آئی تھی
یوں صبا خلق میں محوِ چمن آرائی تھی کہ ہوا کھانے کو جنّت سے بہار آئی تھی

طائروں کی یہ صدا تھی ترے قربان اللہ
گُلِ تسبیح کو تھا وِرد کہ سبحان اللہ

۲۶

حکم رضواں کو ہوا خُلد کو زینت بخشے حور و غلماں کو نئے حُلّۂ رحمت بخشے
باغ کو زیورِ گُل پھولوں کو خلعت بخشے کہہ دو حیدرؑ سے کہ پروانۂ جنّت بخشے

بارہویں بار یہ انعام ملا شکر کرو
آج اثنا عشری نام ملا شکر کرو ۲۷

پھر تو رضواں نے بھی جنّت کو سجایا اِک بار باغ خود بول اٹھے ہاں اسے کہتے ہیں بہار
حور کی کاکُلِ طرّار پہ طرّہ وہ سنگھار ہر شگوفے کی قبا سبز گلابی دستار

لطفِ باری کو جو قدرت میں یدِ طولا تھا
باغ کا باغ شگوفہ تھا یہ گُل پھولا تھا ۲۸

چمنِ حُسن کی زینت وہ فضا پھولوں کی منہ جو کھولا تو بندھی خوب ہوا پھولوں کی
وہ ہزاروں کی فضا ایک ادا پھولوں کی ہر کلی جس کی شگوفہ وہ قبا پھولوں کی

شور تھا مائلِ گُل پیرہنی ہے جنّت
چودھویں بار دلہن آج بنی ہے جنّت ۲۹

تھا زری کا وہ منجّر کہ شجر سونے کے نُقرئی گھر میں دمکنے لگے در سونے کے
ہر طرف خواب کا وہ فرش وہ گھر سونے کے راتوں جاگو گے تو پاؤ گے ثمر سونے کے

سب چمن تابعِ فرمان شہِؑ قنبرؑ تھے
چاندی اُن کے لئے فضّہ تھی تو زر بوذرؑ تھے ۳۰

فرش سبزے کا وہ آئینے پہ مینا جیسے ہر کلی وہ کہ انگوٹھی پہ نگینہ جیسے
قصر پُر نور محمدؐ کا مدینہ جیسے صحن یوں صاف کہ زہّاد کا سینہ جیسے

نہر ہر قصر کی یوں رنج و الم کھوتی ہے
جس طرح حُبِّ یدّاللہ گنہ دھوتی ہے

۳۱

بُلبُلے پر بھی یہ ثابت تھا کہ تارا چمکا ضو وہ پائی کہ کنارے سے کنارا چمکا
یوں ہر ایک پھول کا روئے چمن آرا چمکا غُل ہوا خُلد کے طالع کا ستارا چمکا

سب گُل اندام بنے منزلِ امید کے چاند
عید کی طرح بغل گیر ہوئے عید کے چاند

۳۲

مولدِ قاسمِ فردوس کے ہمسر وہ قصور منزلِ ماہ کہیں اُن کو کہ بیت المعمور
یہ تو تقصیرِ نظر ہے وہ طبیعت کا قصور چہرۂ حور میں وہ نورِ محمدؐ کا ظہور

لبِ طاہر کو بشر آیۂ تطہیر کہے
اُن کی قامت کو اذاں دیکھ کے تکبیر کہے

۳۳

آمدِ عید کا مژدہ خبریں اُن کی ہیں صبحِ نوروز کا جلوہ سحریں اُن کی ہیں
زینتِ پردۂ عصمت نظریں اُن کی ہیں رشتۂ جاں سے بھی نازک کمریں اُن کی ہیں

رنگ ملبوس میں بھاری ہو جو گہرا ہو جائے
دھوپ کے ذکر سے رخسار سنہرا ہو جائے

۳۴

وہ مئے حُسن سے پُر قابلِ تحسیں شیشے زینتِ قصرِ جناں بزم کی تزئیں شیشے
غیرتِ آئینۂ مہر خوش آئیں شیشے جن میں گھر لال پری کا ہے وہ سیمیں شیشے

دُخترِ رَز نور و ضیا سے جو برومند ہوئی
دَم میں چاندی کی جلا چاند سے دَہ چند ہوئی

۳۵

یا علیؑ یاد ہے مرغانِ جناں کو یا ہُو حالتِ وجد میں کہتا ہے کوئی اللہ ہُو
شاخ پر بول رہا ہے کوئی یا ہُو یا ہُو آنکھیں کُھل جائیں جو دیکھے کوئی چشمِ آہو

واں کی ہرنوں سے بھی گویا چمن آرائی ہے
اُن کی شاخوں پہ تو بے پھول بہار آئی ہے

۳۶

جعفری غنچہ و گل، مرغِ جناں پنجتنی مدحتِ آلؑ میں، وہ لال کی رنگیں سخنی
نغمۂ شکر میں، طوطی کی وہ شکر شکنی نوک پر رنگ حسینی تو پروں پر حسنی

حُسنِ طالع سے خوش آواز و خوش آہنگ ہوئے
۳۷ سُرخ رُو حق نے کیا آلؑ کے ہم رنگ ہوئے

نغمہ سنجی میں وہ اللہ و پیمبرؐ کی صفت مرغ بسم اللہ الحمد کا نقشہ صورت
وَرَفَعنا لَکَ ذِکرَک سے، وہ ذکرِ رفعت یاد آیا کبھی اتممتُ علیکم نعمت

مدحِ مہدیؑ و حسنؑ مرغِ ہوا پڑھتے ہیں
۳۸ دم بہ دَم کلمۂ ما دامَ ہُما پڑھتے ہیں

کوئی عاشق وہاں مضطر نہیں مایوس نہیں اپنا معشوق کسی غیر سے مانوس نہیں
جو منقش نہ ہو ایسا کوئی ملبوس نہیں داغ کی وجہ سے اُس باغ میں طاؤس نہیں

خُلد کے چھٹتے ہی شیطان کی پھٹکار ہوئی
۳۹ سانپ کھانے لگا اللہ کی یہ مار ہوئی

آج میلادِ محمدؐ ہے کہ میلادِ علیؑ ضو یہ مہدیؑ کی ہے یا نورِ خدادادِ علیؑ
ہر ملک شکر میں ہے صورتِ اولادِ علیؑ کوئی پڑھتا ہے درود اور کوئی نادِ علیؑ

غُل ہے شادیِ خداداد مبارک ہوئے
۴۰ صاحب الامرؑ کا میلاد مبارک ہوئے

ظلم پر برق گری جور پہ شمشیر پھری عدل و انصاف کے دن شرع کی تقدیر پھری
جو دُعاؤں سے گئی تھی وہی تاثیر پھری ہر نظر میں اسدؑاللہ کی تصویر پھری

آج پھر شرع ہدایت پہ کمر باندھتی ہے
آج پھر فتحِ مبیں تیغ و سپر باندھتی ہے

۴۱

ظلم کا رخت بندھا خلق سے جانے کے لئے غسل کرتی ہے طہارت بھی دوگانے کے لئے
حج بھی تیار ہے زمزم میں نہانے کے لئے شرع موجود ہے آداب بجانے کے لئے
فوجِ غلماں بھی غلامی کے لئے حاضر ہے
خود عبادت بھی سلامی کے لئے حاضر ہے

۴۲

ساقیا آج پلا دے کوئی پیارا ساغر غیرتِ چشمِ مسیحا ہے ہمارا ساغر
چشمِ مے گوں سے کرے خود یہ اشارا ساغر یہ وہ مے کش ہے جسے چاہئیں بارہ ساغر
نُقطۂ فرقۂ اثنا عشری بارہ ہیں
حرف بھی گن کے جو دیکھے تو وہی بارہ ہیں

۴۳

فرش مستوں کا یہاں غیرتِ سجادہ ہے اپنا شیشہ بھی اذاں دینے کو استادہ ہے
جو صراحی ہے وہ قُل پڑھنے پہ آمادہ ہے شیخ کی رال ٹپکتی ہے یہ وہ بادہ ہے
مجلسی جتنے ہیں سب شائقِ نظارہ ہیں
لفظِ بادہ کو بھی دیکھا تو عدد بارہ ہیں

۴۴

بزم ہے انجمنِ اختر و انجُم ساقی آج تو بادۂ کوثر کے لُٹا خُم ساقی
جمع ہیں بادہ کشِ بزمِ سقاہُم ساقی لُطف آجائے جو مدہوش ہوں ہم تُم ساقی
دونوں بہکیں تو کہیں راہ بتادے ہادی
مہدیؑ مہدیؑ میں کہوں اور تو ہادیؑ ہادیؑ

۴۵

بزمِ میلاد میں اب چرخ سے آئے زہرہ ناز سے سازِ خدا ساز کو لائے زہرہ
دھوم سے شرع کا قانون بجائے زہرہ نغمے جو سنتے ہیں زاہد وہی گائے زہرہ
میں نہ شامی کوئی کوفی و ولا یونی ہوں
خود دوات اپنی یہ کہتی ہے کہ میں صوفی ہوں

۴۶

پر نہ وہ راگ ہو جو رنگ زمانے کا ہے جھوٹے مضموں کا نہ موقع نہ فسانے کا ہے
یاں تو آیات و خبر نام ترانے کا ہے یاں تو گانے کے عوض نام دوگانے کا ہے

کچھ نہیں کام بَم و زیر کی آوازوں کا
تار باندھے یہاں تکبیر کی آوازوں کا

۴۷

آنے پائے نہ کہیں حرفِ غنائے مشہور سب کو دھوکا ہو کہ داؤدؑ سناتے ہیں زبور
چھیڑ دے تذکرۂ مدح بجائے طنبور بول نکلے تو فقط فاجتنبو قول الزُّور

وجد ہو ترکِ خودی، غیر مرا حال نہ ہو
حالتِ حال میں بے شرع کوئی قال نہ ہو

۴۸

لو بشارت وہ سناتا ہے منادی سُن لو مہر نے چاند مبارک کی صدا دی سُن لو
حمدِ باری عوضِ نغمۂ شادی سُن لو کلمہ پڑھتے ہوئے پیدا ہوئے ہادی سُن لو

تم بھی اب سورۂ الحمد کی آیات پڑھو
لو محمدؐ کی ولادت ہوئی صلوات پڑھو

۴۹

شور ہے خَلق ہوا یوسفِ بازارِ جمال باغِ اسلام میں پھولا گُلِ گلدستۂ آلؑ
معدنِ علم و کرامت کو ملا نور کا لال لو وہ چمکا مہِ شعباں میں ہلالِ شوّال

ہر طرف غُل یہ ہوا باغچۂ امکاں میں
اور اِک شعبۂ دیں خَلق ہوا شعباں میں

۵۰

اے زہِ نور زہِ طالعِ ماہِ شعباں چند عیدوں کا یہ اِک چاند ہے اس کے قرباں
مولدِ مہدیؑ و سجّادؑ و حُسَینِؑ ذیشاں تین یہ ماہِ عرب ایک ہلالِ تاباں

ضو نے معمور کیا نور و ضیا سے اس کو
چار چاند آج لگے مہرِ خدا سے اس کو

۵۱

لو سر انجامِ عبادت دمِ ایجاد ہوا دینِ حق عاشقِ اعجازِ خدا داد ہوا
خاک پر بیٹھ کے خم یوسفِ آزاد ہوا مائلِ سجدۂ رب دلبرِ سجّاد ہوا
پھر شہادت میں کھلا حُسنِ فصاحت ان کا
کلمہ پڑھنے لگا خود حرفِ شہادت ان کا ۵۲

وقتِ میلاد وہ خوشبو، تنِ دل آرا تھا قبلۂ عنبرِ فردوس، مکاں سارا تھا
حُسن سے محوِ تشہد، جو یہ مہ پارا تھا قُطبِ اعجازِ نبیؐ خاک پہ سیارا تھا
غُل تھا یہ بُلبلِ گلزارِ جناں ہے گویا
یہ پسرِ خالقِ اکبر کی زباں ہے گویا ۵۳

باپ کی گود میں جب خَلق کے رہبر آئے حسنؑ پاک کے ارمانِ دلی بر آئے
حرفِ صلوات وسلام آپ کے لب پر آئے طائرِ عرشِ عُلا کھول کے شہپر آئے
غُل تھا ہمنامِ محمدؐ کے بڑے پائے ہیں
عرشِ اعظم سے بُلانے کو ملک آئے ہیں ۵۴

کس کی یہ قدر ہوئی کس نے یہ رُتبہ پایا سایہِ رب میں پلا عرش پہ یہ بے سایا
گاہوارہ تھا فلک نہرِ لبن تھی دایا بعد چلّے کے یہ قرآن زمیں پر آیا
ماں نے اِس ماہ میں تیرہ کی جو طلعت دیکھی
چشمِ اخلاص سے وہ نور کی صورت دیکھی ۵۵

الغرض بڑھتا رہا مثلِ شرف یہ دلبر سایہِ ہادیٔ دیں سر پہ رہا آٹھ پہر
نخل کی طرح جواں ہو گیا یہ نورِ نظر جب زمانے سے اُٹھے عسکریؑ خستہ جگر
آپؑ تنہا رہے فرزندِ علیؑ کی صورت
غار میں ہوگئے پوشیدہ نبیؐ کی صورت

۵۶

چرخ نے اِن کے بزرگوں پہ کیا خوب کرم دودھ پیتے ہوئے بچوں پہ ہوئے ظلم و ستم
کُند خنجر سے ہوئی گردنِ مظلوم قلم قبلہ رو گرم زمیں پر رہے سلطانِ اُمم

کوئی باقی نہ رہا اشک فشانی کے لئے
شاہؑ ریتی پہ تڑپتے رہے پانی کے لئے ۵۷

اور بیکس پہ ہوئی جور و جفا واویلا ہائے کیوں پیرِ فلک پھٹ کے نہ گیتی پہ گرا
زیارتِ ناحیہ میں ہے یہی مضمون لکھا السلام اے شہِؑ بے گور و غریب الغربا

قتل کے بعد بھی سرورؑ کا عجب حال کیا
گھر جلایا گیا تن گھوڑوں سے پامال کیا ۵۸

کسی میّت پہ بھی یہ ظلم نہ ہوئے گا کہیں لوٹ کر لے گئے پوشاکِ بدن دشمنِ دیں
قتل کے بعد بھی انگشت کٹی بہرِ نگیں تین دن گرم زمیں پر رہے عریاں شہِؑ دیں

کوئی نکلا نہ شہِ دیں کے طرفداروں میں
حرمِ شاہؑ پھرائے گئے بازاروں میں ۵۹

حاکمِ فوج نے یہ ایک رسالے سے کہا سُمِ اسپاں کے لئے نال بندھیں بہرِ جفا
تاکہ پامال ہو فرزندِ نبیؐ کا لاشہ قتل کے بعد بھی بیکس کو نہ ہو چین ذرا

آج مدّت کی عداوت کا عوض لیں گے ہم
چین شبّیرؑ کے لاشے کو نہیں دیں گے ہم ۶۰

سُن کے یہ مستعدِ ظلم ہوئے بے ایماں آگئی حُر کے رسالے کو حمیت اُس آں
تیغیں کھینچے ہوئے حاکم کے قریں آئے جواں بولے حشر آئے جو پامال ہو حُرِ ذیشاں

اپنے سردار کی حرمت نہ مٹانے دیں گے
حُر کی میت پہ نہ رہوار بھگانے دیں گے

۶۱

حُر کے لشکر کو ملا حاکمِ اظلم سے جواب رن سے لاشِ حُرِ جانباز اٹھالاؤ شتاب
قتل کے بعد دلاور کا نہ ہو حال خراب ہیں یہ سب رنج و الم بہرِ شہؑ عرش جناب

رنج مجھ کو نہ سپاہِ شہؑ دلگیر سے ہے
بغض دل میں مرے بس میتِ شبیرؑ سے ہے ۶۲

لاشِ حُر کو اُٹھا لے گئے وہ بد اختر رہ گیا لاشۂ شبیرؑ زمیں کے اوپر
اِس ستم کی ہوئی جب زینبؑ مضطر کو خبر رو کے کہنے لگی عابدؑ سے وہ تفتیدہ جگر

حشر برپا ہوا میداں میں قیامت آئی
لاشِ سبطِ پیمبرؐ پہ مصیبت آئی ۶۳

تم کو معلوم نہیں شاہِؑ زمن قتل ہوئے حشر آیا شہؑ آوارہ وطن قتل ہوئے
تیغِ اظلم سے شہؑ تشنہ دہن قتل ہوئے ہم لٹے اور شہؑ بے گور و کفن قتل ہوئے

گرم ریتی پہ پڑا بادشہؑ عالی ہے
سر قلم ہو گیا اب لاش کی پامالی ہے ۶۴

میرے بھائی کو اذیت سے چھڑاؤ واری ہتک سے لاشۂ مظلوم بچاؤ واری
خاک سے میتِ بے سر کو اُٹھاؤ واری لاش بھائی کی کسی طرح سے لاؤ واری

میرے بھائی پہ نئے ظلم و ستم ہوتے ہیں
ہائے پامال شہنشاہِ اُمم ہوتے ہیں ۶۵

اُن کے یہ چونک اُٹھے عابدؑ بیمار اُدھر خیمے سے آلِؑ پیمبرؐ نکل آئے باہر
پسرِ سعد سے کہتی تھی یہ شہؑ کی خواہر یہ محمدؐ کا نواسہ ہے ارے بد گوہر

شہؑ کے بدلے مرے بچوں کی زبوں حالی کر
لاشِ سبطِ پیمبرؐ کی نہ پامالی کر

٦٦

روک لے اپنے سواروں کو ستمگار و لعیں آلِ احمدؐ کا شقی پاس و ادب تجھ کو نہیں
چُور ہے نیزہ و شمشیر سے جسمِ شہِ دیں او جفا کار ابھی حشر بپا ہو نہ کہیں
ظلم یہ فوجِ بد افعال نہ ہونے دوں گی
اپنے بھائی کو میں پامال نہ ہونے دوں گی

٦٧

لپٹی یہ کہتے ہی لاشے سے علیؑ کی جائی مجھ سے کچھ ہو نہیں سکتا میں کروں کیا بھائی
آج کیا دلبرِ احمدؐ پہ مُصیبت آئی کس سے فریاد کروں ہائے مرے شیدائی
آج اِس ظلم و شقاوت میں گرفتار ہوں میں
ہائے مذبوحِ ستم بیکس و نا چار ہوں میں

٦٨

بزمؔ اپنا تو جگر چاک ہے مانندِ قلم کس طرح میری زباں سے وہ مصیبت ہو رقم
میرے آقا ترے صدقے ترے قربان ہوں ہم رونے والوں کی خبر لیجئے یا شاہِ اُمم
قیدِ رنج و الم و غم سے رہائی ہو جائے
روضۂ شاہؑ پہ اِن سب کی رسائی ہو جائے

مرثیہ:۱۰

درحال حضرت حبیب ابنِ مظاہر علیہ السلام

مطلع

پیرِ فلک کو بختِ زُلیخا ملا ہے آج

تعداد بند: ۸۹

۱

پیرِ فلک کو بختِ زلیخا ملا ہے آج نخلِ کہن میں غنچۂ تازہ کھلا ہے آج
اُتری ہوئی کمان پہ چلّہ چڑھا ہے آج قد کل جو تیغ تھا، وہی نیزہ بنا ہے آج

بہرِ وغا حبیبِ جری تن کے آئے ہیں
غُل ہے جنابِ خضر جواں بن کے آئے ہیں

۲

ہر گام چشمِ حور ہے فرشِ رہِ ولا چھڑکاؤ آبِ رحمتِ حق کا ہے جا بجا
تھوڑی کے نیچے ٹیکے ہوئے مہر کا عصا بہرِ سلام ترکِ فلک ہے جھکا ہوا

بہرِ وغا تنے ہیں جھپٹنے کے واسطے
سیدھے ہوئے ہیں فوج اُلٹنے کے واسطے

۳

پیری میں یہ جمال، خرد سے بعید ہے اُس پیر کے نثار یہ جس کا مرید ہے
گویا ہلالِ عید یہ مردِ سعید ہے ہر روزہ دار اس کا طلب گارِ دید ہے

کیونکر نہ ہوں یہ محوِ خضوع و خشوع میں
محرابِ کعبہ رہتے ہیں ہر دم رکوع میں

۴

لکھ اے قلم جواہرِ توصیفِ خط و خال گو ضعف کو عروج، جوانی کو ہے زوال
اس سن میں بھی وہی ہے جری کا مگر کمال جھک جھک کے دیکھتا ہے رخِ پاک کو ہلال

پیری سے جھریاں نہیں روئے جناب پر
مسطر کے نقش ہیں ورقِ آفتاب پر

۵

اے پیرِ چرخ بختِ جواں کا مرید ہو اے شامِ تیرگیٔ الم، صبحِ عید ہو
اے روشنیٔ طور طلبگارِ دید ہو پروانۂ حبیبِ رسولِ مجید ہو

مثلِ سحر جو سامنے ہے رُخ جناب کا
کیا جھلملا رہا ہے چراغ آفتاب کا

۶

زلفِ سپید مثلِ سحر دلنواز ہے کیسی سحر ابھی شبِ گیسو دراز ہے
دیکھو نہاں صباحتِ رُخ میں یہ راز ہے کہتی ہے قدر آخرِ شب کی نماز ہے

زلفوں میں دل پھنسے ہیں صغیر و کبیر کے
جلوہ کی شب ہے جلوہ نما سر پہ پیر کے ۷

ہے ابروئے سپید سے نورِ خدا عیاں رُخ ماہِ نو کا پردۂ گردوں میں ہے نہاں
غل ہے زہے کمال کہ ہے نقرئی کماں کعبہ نے دی ندا کہ ہے محراب کہکشاں

ابرو بری ہے رنگِ شبِ تیرہ فام سے
کیا کام مورچے کو علیؑ کی حسام سے ۸

ماتھا ہے چرخ تیغ ہے ابروئے خوں فشاں جب چرخ پر ہے تیغ تو پھر تیرگی کہاں
نظروں سے نورِ چشمِ پیمبر جو ہے نہاں پلکوں سے ہاتھ ملتی ہیں ہر بار پتلیاں

نزد جبینِ صاف جو ہیں جلوہ گر چراغ
کیونکر نہ جھلملائیں قریبِ سحر چراغ ۹

نزدیکِ چشم دیکھئے رخسارِ پُر ضیا بیمار کے قریب ہے قرآں دھرا ہوا
زلفِ سپید آگئی رُخ پر تو یہ کُھلا سورج کو حورِ صبح نے آغوش میں لیا

مضمونِ نو ہے آنکھوں کی جنبش کے طور میں
مردِ قریبِ صبح ہیں قرآں کے دور میں ۱۰

کیا خوشنما ہے چہرہ پہ ریشِ خضاب دار پیدا حلب میں لعل ہوا شانِ کردگار
چہرہ پہ رنگِ شوقِ شہادت ہے آشکار قرآں میں دیکھو سرخیٔ شنجرف کی بہار

غُل ریش و رُخ کا دیکھ کے یہ اہلِ حق میں ہے
دیکھو وہ آفتابِ درخشاں شفق میں ہے

۱۱

جنبش میں بار بار جو سر ہے دلیر کا آتی ہے کوہِ طور سے موسیٰ کی یہ صدا
گر حکم ہو تو نذر کو لاؤں ابھی عصا یہ کہتے ہیں مدد نہیں درکار جز خدا

واں حضرتِ کلیم جو اصرار کرتے ہیں
یاں سر ہلا ہلا کے یہ انکار کرتے ہیں ۱۲

گردوں کو اس طرح سے جھکائے ہے سر کا بار جس طرح سے کہ شاخِ شجر کو ثمر کا بار
معلوم کیا ہو ہاتھ میں تیغ و تبر کا بار چاہیں تو یہ اُٹھالیں فلک کی سپر کا بار

یہ خم نہیں ہوا کبھی عصیاں کے بار سے
سر جھک گیا حسینؑ کے احساں کے بار سے ۱۳

دیکھو تنِ خمیدہ پہ شانِ سرِ جناب موجِ محیطِ حسن پہ ہے جلوہ گر حباب
پیرِ خرد سناتا ہے مضمون لاجواب چرخِ خمیدہ قد پہ ہے گویا کہ ماہتاب

ہلتا ہے سر خمیدہ ہے قامت جناب کا
ہے کہکشاں کے نخل پہ پھل آفتاب کا ۱۴

کس طرح ہو دلیر نہ وہ خاصۂ قدیر شبیرؑ سا جوان ہو جس باوفا کا پیر
جمعہ کو ہو شہید، یہ بختِ جوانِ پیر دیکھیں سُخن شناس یہ مضمون بے نظیر

پیری میں تیغ پوچھ لو سارے زمانے سے
پہلے جوانی کٹ گئی پیری کے آنے سے ۱۵

رعشہ ہے خوفِ پیر سے ہر نوجوان کو پیروں سے خود کشیدگی ہے اب کمان کو
کہتے ہیں جن بچائے خدا آج جان کو گردش ہے بختِ بد کی طرح آسمان کو

ظاہر جہاں میں آمدِ محشر کی شان ہے
سلطانِ شرق کا بھی سلامی نشان ہے

۱۶

ناگاہ مخبروں نے یہ دی یک بیک خبر لو غازیانِ شام مبارک تمھیں ظفر
آمادہ جان دینے پہ ہیں شاہِ بحر و بر لو کھل گیا کہ بندھ گئی مرنے پہ واں کمر
منظور کب حسینؑ کو تیغ آزمائی ہے
مرنے کی فاقہ کش نے قسم آج کھائی ہے

۱۷

واں نام سے غرض ہے نہ کچھ خواہشِ ظفر مضطر ہیں بہرِ جنگ حبیبِ نکو سیر
روتے تھے شاہِ دیں، سرِ غازی تھا پاؤں پر ششدر کھڑے تھے حضرتِ عباسؑ نامور
فرطِ ادب سے ایک بھی لب کھولتا نہ تھا
روتے تھے سب پہ منہ سے کوئی بولتا نہ تھا

۱۸

سمجھا میں عقل سے کہ یہ ہیں عازمِ نبرد جوشِ الم سے بھرتے ہیں شبیرؑ آہِ سرد
اِک دوست چھوٹتا ہے نہ کیونکر ہو دل میں درد غم سے سپید ہے کبھی رنگت کبھی ہے زرد
کہتے ہیں یہ حبیب کچھ ارشاد کیجئے
اب تو غلامِ خاص کو آزاد کیجئے

۱۹

سن کر سخن حبیب کا حضرت نے یہ کہا بیکس کو ایسے وقت میں دیتے ہو تم دغا
یاور بہت قلیل ہیں دشمن ہزارہا کیا اے حبیب بھول گئے شیوۂ وفا
کم سن اگر نہ سمجھے تو اس کا عجب نہیں
کیونکر کہیں کہ تم کو ہمارا تعب نہیں

۲۰

رو کر کہا حبیب نے اے شاہِ نیک خو آنکھیں نبی کی دیکھیں علی کا رخ نکو
یہ پیر خستہ تن ہے گنہگار مو بہ مو دے کر رضا بڑھایئے خادم کی آبرو
مہمان کوئی دم کا ہوں آخر حیات ہے
پیری کی شرم اب شہِ والا کے ہاتھ ہے

۲۱

پینسٹھ برس کا جو کہ نمکخوار ہو غلام افسوس ایسے وقت نہ آقا کے آئے کام
پیری ہے مرے واسطے خود موت کا پیام منظور کیا یہ آپ کو ہے اے فلک مقام
آلِ نبی تو کشتۂ شمشیر و تیر ہو
بن کر کمان گوشہ میں پنہاں نہ پیر ہو ۲۲

ڈیوڑھی پہ جا کے پھر یہ جری نے کیا کلام اے بنتِ بوترابؑ مدد کا ہے یہ مقام
اس گھر سے بہرہ یاب ہیں دنیا میں خاص وعام محروم رہ نہ جائے شہادت سے یہ غلام
بھائی سے سعی کیجئے اپنے غلام کی
بیٹی ہیں آپ سرورِ گردوں مقام کی ۲۳

ڈیوڑھی پہ آکے حضرتِ زینبؑ نے یہ کہا تنہا ہے دشمنوں میں جگر بندِ مرتضیٰ
جاتے ہیں آپ بھی سوئے میداں پئے وغا حُر کی طرح سے کیا سبھی ہوجائیں گے جدا
دیکھو گے کیا نہ جنگِ شہِ کائنات بھی
کچھ تم رفیق ہی نہیں کھیلے ہو ساتھ بھی ۲۴

آزردگی تمھاری مگر شاق ہے کمال پہلی رفاقتوں کا نہ کیونکر کروں خیال
یہ کہہ کے پھر حسینؑ سے بولی وہ خستہ حال صدقے بہن حبیب کو دیجے نہ اب ملال
ایسے کسے جہان میں یاور نصیب ہیں
صلِ علیٰ رسولؐ خدا کے حبیب ہیں ۲۵

اِک آہِ سرد بھر کے یہ بولے شہِ زمن ماں کی جگہ سمجھتا ہے تم کو یہ بے وطن
مرضی اگر یہی ہے تمھاری تو اے بہن دیتے ہیں اذنِ جنگ انہیں ہم بصد محن
یاں سب حبیبِ شہ سے بغلگیر ہوتے تھے
واں اہلبیتؑ خیمہ کی ڈیوڑھی پہ روتے تھے

۲۶

ناگاہ رن میں کہتے ہوئے یہ نقیب آئے گرش میں آسمان و زمیں کے نصیب آئے
لو بہرِ جنگ شاہِ رُسلؐ کے حبیب آئے اِک شور دور باش ہوا جب قریب آئے
کیوں مردنی سی زندوں کے چہروں پہ چھا گئی
کیا صبحِ مرگ شامیوں کے سر پہ آ گئی ۲۷

اللہ رے جلالِ حبیبِ فلک وقار بحر جہاں میں ایک تلاطم ہے آشکار
گھوڑوں سے اُٹھ کے دیکھتے ہیں ہر طرف سوار صحرائے حشر سے نہیں کم دشتِ کارزار
آلودہ گرد خوف سے ہر نامدار ہے
سینہ ہے یا کہ میتِ دل کا مزار ہے ۲۸

ڈر کر سپید ہوگئے سب کے سیاہ بال پوشیدہ ہے زمیں بھی تہہِ دامنِ جبال
ارماں دلوں سے دور سروں سے جدا خیال روزِ فراق سے ہے زیادہ شبِ وصال
پانی میں خاک، خاک میں پانی سما گیا
عاشق کا دل گیا ہوا پہلو میں آ گیا ۲۹

تھے چار پاؤں بھاگ نہ سکتے تھے پر چرند دہشت سے مثلِ طائرِ تصویر تھے پرند
اللہ رے نہیبِ حبیبِ وفا پسند ڈر سے دبی زمین ہوئے آسماں بلند
بیتاب خورد سال بھی ہیں شیخ و شاب بھی
مغرب کا رُخ کئے ہوئے ہے آفتاب بھی ۳۰

بھاگے رسالہ دار رسالوں کو چھوڑ کر برچھیت بھی رواں ہوئے بھالوں کو چھوڑ کر
طائر اڑے چمن سے نہالوں کو چھوڑ کر ضیغم ہوئے فرار جبالوں کو چھوڑ کر
قربان اس حشم کے فدا اس جلال کے
تھرّائے سب خدنگ زبانیں نکال کے

۳۱

روئے جری میں ضو ہے کہیں چاند سے دوچند ہے شمعِ بزمِ شیرِ خدا، بیئ بلند
وہ زلف جو کہ بامِ شفاعت کی ہے کمند دودِ چراغِ حسن بھی کہتے ہیں حق پسند
ابرو و مردمک پہ یہ اپنا خیال ہے
یہ مرتضیٰ کی تیغ وہ حمزہ کی ڈھال ہے

۳۲

سدرہ کا ہے یہ نخل کہ بیئ ضو فشاں رخسار ہیں جو پھول تو ابرو ہیں ڈالیاں
نرگس کا حسن دیدۂ حق بیں سے ہے عیاں پر طائرِ نظر پہ ہے جبریل کا گماں
عرشِ جبیں سے مرغِ نگہہ بہرہ ور نہیں
سدرہ سے آگے روحِ امیں کا گزر نہیں

۳۳

چلائے شیخ و شاب عجب حسنِ شیب ہے تکمہ قبا کا مہر، سحر اس کا جیب ہے
اِک بولا خضر، ایک پکارا شعیبؑ ہے آئی ندائے غیب کہ تائیدِ غیب ہے
سرکیں صفیں نشان سلامی کو جھک گئے
کھنچ کر تنوں سے تیغوں کے دم لب پہ رُک گئے

۳۴

تن کر جری نے سوئے رجز دل کیا رجوع سجدے سے اُٹھ کے جیسے کہ رکعت کریں شروع
فرمایا مہر نے کیا مغرب سے کیا طلوع طاؤسِ آسماں نے زمیں پر کیا وقوع
حیدرؑ سے شرم ہے نہ کسی کو رسولؐ سے
کیوں دل سبھوں کے پھر گئے جانِ بتول سے

۳۵

واقف ہیں سب کہ خدمتِ احمدؐ میں ہم رہے آنکھوں سے دیکھے شہؑ پہ جواں کے کرم رہے
اکثر نبیؐ کے دوش پہ ان کے قدم رہے یہ پشت پر سوار وہ سجدے میں خم رہے
عاشق رسولِؐ پاک تھے ایمان کی قسم
منہ چومتے بھی دیکھا ہے قرآن کی قسم

۳۶

اِک روز مصطفیٰؐ سے جو ضد کی امامؑ نے آہو منگا دیا مری آنکھوں کے سامنے
بچپن میں روزہ رکھا جو اس تشنہ کام نے کی دوپہر کو رات خدائے انام نے
حُلّے جناں کے بھیجے خدائے جلیل نے
دھوئے نبیؐ نے رنگ دیا جبرئیل نے

۳۷

یہ بے وطن جو آج ہے آفت میں مبتلا قرآں میں اس کا تذکرہ آیا ہے جا بجا
مرجاں اسی کو خالقِ رحماں نے ہے کہا مادر کی ان کی سورۂ کوثر میں ہے ثنا
صد حیف جس کے مہر میں پانی تمام ہو
دریا کے پاس اُس کا پسر تشنہ کام ہو

۳۸

خالق کے خانہ زاد کے ہم خانہ زاد ہیں قدرت کے اپنے دفترِ بخشش پہ صاد ہیں
چوٹیں منجھی ہوئی شہِ مرداں کی یاد ہیں سمجھیں گے وہ یہ رمز جو خوش اعتقاد ہیں
اس ضعف میں بھی زور مرا دستگیر ہے
آقا مرا جناں کے جوانوں کا پیر ہے

۳۹

محوِ رجز ابھی تھے حبیبِ فلک وقار ناگاہ فوجِ شام سے تیر آئے بار بار
سنبھلا جری فرس پہ، ہلے ڈر سے کوہسار لی جھوم کر دلیر نے شمشیرِ آبدار
اِک غُل اُٹھا چمک جو ہر اک سو رواں ہوئی
لو رن میں آج تازہ قیامت عیاں ہوئی

۴۰

بدلا تھا شاخِ تیغ نے باغِ جہاں کا رنگ دریا میں اژدھے تھے جو خشکی میں تھے نہنگ
جلوہ دکھا رہی تھی پری کا وہ شوخ و شنگ آفت مچا رہے تھے ستمگر میانِ جنگ
گردن جھکا کے جس کی طرف سے نکل گئی
شمشیر ناز تھی کہ کلیجہ پہ چل گئی

۴۱

اس کی برش کا حال ہو کس طرح سے رقم خامہ اگر بچائیں تو ہوں انگلیاں قلم
پل اُس کا ابروئے ملک الموت کا تھا خم دکھلا رہے تھے تاب نشانِ رہِ عدم
دشمن بھی اُس کو دیکھ کے بے جان ہو گئے
شامی ہلالِ عید پہ قربان ہو گئے ۴۲

روحیں پھڑک رہی تھیں دلوں کو نہ تھا قرار وہ اضطرابِ قلب وہ خاطر کا انتشار
لیتی تھی دم ذرا نہ کسی جا وہ شعلہ بار صحرا میں تھی بہار کہ پھولا تھا لالہ زار
رن کی زمیں عدو کے لہو سے چمن بنی
گیتی لباسِ سرخ پہن کر دلھن بنی ۴۳

ہر سو پکار تھی کہ زمانہ اُلٹ نہ جائے یا بوترابؑ آج زمیں کو خدا بچائے
کانپے فلک، جبال بھی سب زلزلے میں آئے یاں صف بچھائی، خون کے دریا اُدھر بہائے
طوفاں اُٹھا کے فوج کو دنیا سے کھو دیا
اِک شور تھا کہ ناؤ نے بیڑا ڈبو دیا ۴۴

کیا اُس کے جوہروں کی کرے مدح گوشنا حیرت فزا ہے تیغِ غضنفر کا ماجرا
ضربوں سے جس کی چرخ پہ بھی حشر تھا بپا اونچی ہوئی تو اہلِ زمیں نے یہ دی ندا
اللہ رے تیغ اوجِ فلک تک رسائی ہے
سورج سے پنجہ کاہکشاں سے کلائی ہے ۴۵

گزری ہے شہؑ کے غم میں جو یہ شب کو تا سحر جوہر کی جا عیاں ہیں یہ سب اشکوں کے گہر
یا بال کھولے حورئ جنت ہیں نوحہ گر لایا ہے بار یا چمنِ نصرت و ظفر
نابیں ہیں خوں فشاں کہ رگیں بلبلوں کی ہیں
جوہر میں یا گتھی ہوئی شاخیں گلوں کی ہیں

۴۶

کیونکر کہیں نہ برق اسے صاحبِ نظر وہ خرمنِ حیات پہ گرتی تھی آن کر
تعریف اس کی کرتے تھے قدسی بھی چرخ پر ہر سر پہ تھی ہلال کی مانند جلوہ گر
معشوق تھی وہ تیغ مگر بے وفا نہ تھی
ابرو کی طرح ایک جبیں سے جدا نہ تھی

۴۷

ضرب اس کی دفتروں میں بھی مرقوم ہوگئی عالم میں اس کی کاٹ کی اِک دھوم ہوگئی
بسمل ہر اک صفِ حَبَش و روم ہوگئی ہر شے ہلالِ تیغ سے معدوم ہوگئی
غُل تھا کہ کیا بلندی و پستی میں رہ گیا
اِک دل کا چاک جامۂ ہستی میں رہ گیا

۴۸

ناگاہ نکلا جھوم کے لشکر سے اِک جواں یا تیرگیٔ بختِ مجسم ہوئی عیاں
ہمنامِ قیس شامیوں کا ننگِ دودماں پریوں کو جس کی زلف کا سایہ بلائے جاں
جلتا تھا خود سقر بھی جو اس تیرہ فام سے
شعلے بلند ہوتے تھے ناری کے نام سے

۴۹

بیٹھا جو راہوار پہ تن کر وہ پُر ہوس فارس کی طرح سبز قدم بن گیا فرس
گاڑے قدم زمین میں راکب کہے جو بس پر بھاگنے کے وقت نہ کرتا تھا پیش و پس
بارِ قدم گراں دلِ گاوِ زمیں پہ ہے
ثابت ہے وقتِ سیر ستارہ جبیں پہ ہے

۵۰

ڈر کر رُکے تو پاؤں زمیں سے جدا نہ ہو جس طرح سے کہ نقش نگیں سے جدا نہ ہو
تحریرِ حق بشر کی جبیں سے جدا نہ ہو یا کفر جیسے دشمنِ دیں سے جدا نہ ہو
سرعت تو ہے کمال مگر ہاں یہ فرق ہے
گھر کی طرف جو باگ اٹھاؤ تو برق ہے

۵۱

آیا جری کے سامنے جو دشمنِ امام اس نے بڑے تپاک سے جھک کر کیا سلام
پوچھا جو نام ہنس کے پکارا وہ تیرہ فام لیلیٰ کارزار کا عاشق ہوں قیس نام
رہتے ہیں دور جن سے ہے رشتہ قریب کا
ہوں بد مزاجیوں سے عدو ہر حبیب کا

۵۲

میداں میں جنگ کر کے نہ مجھ سے حقیر ہو چلا رہے ہیں تنکے کماں گوشہ گیر ہو
کیوں بے خطا نشانۂ شمشیر و تیر ہو کیا تم سے لطفِ حرب کہ اِک مردِ پیر ہو
زخموں کی تاب ہوگی نہ جسمِ نحیف کو
ہلکی بھی چوٹ ہوتی ہے بھاری ضعیف کو

۵۳

بولے کمر کے جھکنے سے سمجھا ہے تو ضعیف جھک کر ہمیشہ چلتے ہیں جو لوگ ہیں شریف
چاہوں اگر تو ضربِ گراں سے کروں خفیف وہ قافیہ ہو تنگ بنے موت کا ردیف
تیغے سنے بھی ہیں کہیں اس بارہ گھاٹ کے
پھینکیں بسیط خاک پہ سب رکن کاٹ کے

۵۴

مغرور ہے شباب پہ او خانماں خراب ناز ایک دم کی زیست پہ ہے صورتِ حباب
ہشیار اولعیں کہ جوانی ہے مثلِ خواب او بے بصر، شباب ہے ہم صورتِ شتاب
تادیر کب جہاں میں یہ بدکیش رہتا ہے
اُلٹیں بھی شیب کو تو سدا بیش رہتا ہے

۵۵

او قیس تیرہ بخت ہوا ہے تجھے جنوں دوزخ میں لے نہ جائے تری خصلتِ زبوں
قامت ترا الف ہے تو قد میرا مثلِ نوں ہوگا ضرور اپنی تعلّی سے سرنگوں
اس نوں کا عین ہے شرفِ مشرقین پر
ناری کے سر پہ رہتا ہے، پائے حسینؑ پر

۵۶

نیزہ لیا شقی نے پڑی چوب طبل پر کانپی زمیں لرزنے لگے آسماں کے در
کاوے پہ پھر فرس کو لگایا بکروفر گردش میں گردباد تھا خشکی میں یا بھنور

نیزے کو قطع کردیا اُس باکمال نے
یا کہکشاں کی چوب کو کاٹا ہلال نے ۵۷

گرزِ گراں کو تول کے جھپٹا وہ بد زباں سمجھا کہ ہوں خفیف نہ لشکر کے درمیاں
پہلوئے ضرب ڈھونڈتا تھا واں وہ پہلواں یاں نفی نونِ تیغ سے تھی گرز کی عیاں

غازی کی ضربِ تیغ سے مشکل بچاؤ تھا
گرتا نہ کس طرح سے کہ معدولہ داؤ تھا ۵۸

ناگاہ زینِ اسپ پہ سنبھلا وہ خیرہ سر گھبرا کے تیرہ بخت نے لی ہاتھ میں سپر
پھرتی سے روکتا تھا کبھی سر کبھی کمر زد پر جو آگیا تو چلی تیغِ سفلہ ور

غُل تھا سپر کے ساتھ کٹے ہاتھ قیس کے
لیلیٰ کا بھی وصال ہوا ساتھ قیس کے ۵۹

دنداں چبا کے غیظ میں لی تیغِ شعلہ بار سَن سے چلی حسامِ حبیبِ فلک وقار
تیغ اُس کی خود اٹھا نہ سکی اپنے پھل کا بار مثلِ خیار ہوگئی دو ٹکڑے ایک بار

اندازِ جنگ خوفِ جری نے بھلادیا
غُل پڑ گیا وہ قیس کو مجنوں بنادیا ۶۰

ڈر سے لعیں کا ہوش دمِ جنگ اُڑ گیا رخ سے سمٹ کے مثلِ مگس رنگ اُڑ گیا
اُڑنے نہ پایا رنگ کہ چورنگ اُڑ گیا مارا جو ہاتھ سر کئی فرسنگ اُڑ گیا

ٹھہرا نہ کوئی سامنے فخرِ اویس کے
مجنوں تمام ہوگئے مرتے ہی قیس کے

۶۱

پھر ناریوں پہ تیغ دلاور نے کی رواں پھر لشکرِ لعیں میں ہوا حشر کا سماں
پیری میں تن کے زورِ جوانی کیا عیاں پھرتے تھے چار سمت یہ مانندِ آسماں
رکتے تھے ایک دم نہ سپاہِ شریر سے
خم تھے کماں کی طرح پہ جاتے تھے تیر سے ۶۲

لیلیٰ کی طرح تیغ نے دکھلایا بانکپن مجنوں کی طرح چاک کئے سب کے رختِ تن
زندوں نے پھاڑے جامۂ نو، مردوں نے کفن باقی جہان میں نہ رہا نامِ پیرہن
پستی میں صرف دشت کا دامان رہ گیا
گردوں پہ ماہِ نو کا گریبان رہ گیا ۶۳

گھوڑے کی جست وخیز سے تھا حشر کا سماں چکر میں دیکھ دیکھ کے تھا رخشِ آسماں
وہ پھرتیاں وہ چال وہ شوخی وہ تیزیاں مضموں ہے سرسری جو کہیں صرصرِ جناں
لڑنے سے ہاتھ، بھاگنے سے ہر قدم رُکا
توسن کی چال ڈھال پہ، تیغوں کا دم رُکا ۶۴

سب خلق سے عناصرِ رہوار ہیں جدا بجلی کی آگ گلشنِ فردوس کی ہوا
ناگاہ بہرِ گل جو ہوا حکمِ کبریا پارے کو خاک کر کے یہ نقرہ بنا کیا
کیوں چال میں نہ ڈھنگ ہو ابرِ بہار کا
پانی فرس کے خِلط میں ہے ذوالفقار کا ۶۵

جب خلد کی ہوا میں یہ رشکِ ہما اُڑا بولے ملک براق کا بختِ رسا اُڑا
مل کر قدم سے طائرِ رنگِ حنا اُڑا تا چرخ ہمرہِ فرس بادِ پا اُڑا
پھر تھک گیا، تو رنگ کا خود رنگ، فق ہوا
یاں تک کہ گر کے چرخ بریں پر، شفق ہوا

۶۶

سرعت نے قہر ڈھایا تھا پریوں کی جان پر مثلِ خبر رواں تھا ہر اِک کی زبان پر
ثابت ہے آفتاب سے سارے جہان پر روشن ہے اس کا نقشِ قدم آسمان پر

کیلوں میں جو چمک ہے وہ تاروں میں ضو نہیں
نعلِ فرس کا نون ہے یہ ماہِ نو نہیں ۶۷

ہے پیروِ براق، ہوا خواہ ذوالجناح سرعت یہ ہے کہ چلتا ہے ہمراہِ ذوالجناح
پیشِ نظر جو ہے حشم و جاہِ ذوالجناح صیحہ یہی فرس کا ہے یا شاہِ ذوالجناح

یوں جانبِ فلک وہ اُڑا زیب و زین سے
صغرؑا کے ہوش جیسے کہ مرگِ حسینؑ سے ۶۸

گرتا تھا تیغ کھا کے اگر کوئی بے حیا یہ ہنس کے دیکھتے تھے سوئے شاہِ کربلا
فرماتے تھے حسینؑ کہ شاباش مرحبا تسلیم کر کے کہتے تھے صدقہ ہے آپ کا

مل آتے تھے حسینؑ علیہ السلام سے
پھر آ کے جنگ کرتے تھے افواجِ شام سے ۶۹

بارِ سوئم جو ملنے کو آیا وہ خیر خواہ روئے گلے لگا کے شہنشاہِ دیں پناہ
فرمایا اب نہ ہوگی ملاقات آہ آہ آتے ہی رن میں ٹوٹ پڑی فوجِ روسیاہ

ناوک لگائے سینے سے نیزے ملادئے
دریا لہو کے، خاک پہ ہر سو بہادئے ۷۰

کھائی جو سر پہ تیغ، ہوا دل کو اضطراب مڑ کر نجف کی سمت کہا یا ابوتراب
مطلب یہ تھا کہ ہم بھی ہوئے پیروِ جناب ریشِ غلام پر بھی ہوا خون سے خضاب

پھر روئے یاد کر کے نبیؐ کے وزیر کو
یعنی یہی قلق تھا جنابِ امیرؑ کو

۷۱

گھوڑے پہ گر زخما کے جو سنبھلا گیا نہ ہائے تیورا کے بُرجِ زیں سے یہ فرشِ زمیں پہ آئے
آواز دی امامؑ کو اے فاطمہؑ کے جائے جو دردِ دل ہے کس کو غلام آپ کا سنائے
تکلیف گو حضور کی بندے کو شاق ہے
پر آخری سلام کا بھی اشتیاق ہے ۷۲

یہ سُن کے مضطرب ہوئے سلطانِ کربلا پٹکا عمامہ سر سے بصد نالہ و بُکا
خیمے کے در پہ آکے یہ حضرت نے دی صدا لو اے بہن حبیبِ دلاور نے کی قضا
مہلت کہاں ہے اتنی غریب الدیار کو
غربت میں کون روئے مرے غمگسار کو ۷۳

وہ بولی تعزیت کا تو ساماں کروں گی میں لاشہ تو لاؤ بال پریشاں کروں گی میں
بولی سکینہ چاک گریباں کروں گی میں دختر کے بدلے نالہ و افغاں کروں گی میں
کلثوم بولی لاش پہ تو جان کھوؤں گی
پر بائے بھائی کہہ کے میں ہرگز نہ روؤں گی ۷۴

کیونکر نہ ہول کھاؤں یہ وسواس کی ہے جا عباسؑ کو اور آپ کو زندہ رکھے خدا
ناگاہ آئی بنتِ پیمبرؐ کی یہ صدا روؤں گی اس غریب کو مادر سے میں سوا
اس با وفا کا ہجر مجھے ناگوار ہے
یہ بھی مرے حسینؑ کے بچپن کا یار ہے ۷۵

پہنچے حسینؑ لاشہِ ہنگامِ احتضار دیکھا کہ سر بھی چور ہے سینہ بھی ہے فگار
زخموں سے خون بہتا ہے ریتی پہ بار بار سر پیٹ کر زمیں پہ گرے شاہِ بے دیار
رو کر کہا کہ فاقوں میں یہ زخم کھائے ہیں
اُٹھو حبیب ابنِ مظاہر ہم آئے ہیں

۷۶

یہ عُن کے باوفا نے رُخِ شہ پہ کی نظر آہستہ مسکرا کے یہ بولا وہ خوش سیر
مرنے کا اب الم نہیں یا شاہِ بحر و بر بالیں پہ وقتِ نزع مسیحا ہے جلوہ گر
یہ کہتے ہی دلیر کا نقشہ بدل گیا
دیکھا رُخِ حسینؑ کو اور دم نکل گیا ۷۷

دل تھام کر زمیں پہ گرے شاہِ بحر و بر تھے فرطِ غم سے قاسم و اکبر بھی نوحہ گر
زینب کے لاڈلے کہیں عباسِ نامور بسمل کی طرح لوٹ رہے تھے زمین پر
یوں روئے شہ حبیب دلاور کے واسطے
گریاں تھے جیسے حضرتِ شبّرؑ کے واسطے ۷۸

کہتے تھے ہائے اے مرے بوذر غضب کیا ہم کو لیا نہ ساتھ برادر غضب کیا
اے ہم نشینِ احمدؐ و حیدرؑ غضب کیا تنہا کہاں گئے مرے یاور غضب کیا
بچپن میں ساتھ کھیلے جواں ایک جا ہوئے
کس بات پر حسینؑ سے آخر خفا ہوئے ۷۹

روتے ہوئے حسینؑ پھرے سوئے خیمہ گاہ زینبؑ پکاریں لائے نہ یاں لاشِ خیر خواہ
فرمایا لاش لاتے مگر کیا کریں ہم آہ سمجھے کسی طرح نہ ستمگارو روسیاہ
کفار میں عزیز ہے اِک اس غریب کا
لانے دیا نہ اُس نے جنازہ حبیب کا ۸۰

داخل ہوئے محل میں شہنشاہِ دیں پناہ خیمے سے اپنے نکلا بنِ سعد رو سیاہ
چلایا جلد جمع ہوں حاکم کے خیر خواہ امرِ عظیم ہے ابھی باقی خدا گواہ
کھاؤ نہ رحم یاورِ ابنِ بتول پر
دوڑاؤ رخش نقشِ حبیبِ رسولؐ پر

۸۱

ہم قوم تھا حبیب کا اِک باغِ جفا بڑھ کر پرے سے اُس نے عمر کو یہ دی صدا
بس خیر ہے اسی میں کہ آگے نہ شر بڑھا بیکس کو تو نے قتل کیا ہم نے کچھ کہا
کہتے ہیں صاف لاش پہ گر یہ جفا ہوئی
پھر جان لیجیو کہ قیامت بپا ہوئی ۸۲

ہے ناگوار کوفیوں کو یہ تری جفا اب تک تو میں روک کے رکھا بہ التجا
ایسا نہ ہو مگر کہ یہ محشر کریں بپا جب یہ سنا تو باز رہا دشمنِ خدا
روندا جو لاشِ بادشہ مشرقین کو
اُس وقت ایک نے نہ بچایا حسینؑ کو ۸۳

سرور کی پائمالی کو جب آئے خیرہ سر جنبش تھی آسماں کو لرزتے تھے دشت و در
زینب پکاری لوگو علیؑ کو کرو خبر بولی سکینہ ہائے مسافر مرا پدر
برباد کر چکے یہ کمائی بتول کی
لاشہ پہ اب جفا ہے دہائی رسول کی ۸۴

فضہ سے تب یہ کہنے لگی خواہرِ امام یاد آیا مجھ کو حیدرؑ صفدر کا اِک کلام
مدت سے ایک شیر کا اس بن میں ہے مقام کہتے تھے شیرِ حق ابی حارث ہے اس کا نام
شبیرؑ کو جو موت کا پیغام آئے گا
اِک دن وہ شیر بھی ترے کچھ کام آئے گا ۸۵

فضہ تُو اُس کو ڈھونڈ کے لے آ مرے حضور کہنا ترے امام پہ آفت کا ہے وفور
کاٹا گلا بھی اور نہ باز آئے بے شعور گھوڑے کہیں نہ لاش پہ دوڑائیں بے قصور
اے شیر اضطراب ہے زہرا کی آل کو
چل کر بچا لے شیرِ الٰہی کے لال کو

۸۶

فضہ یہ سن کے خیمے سے نکلی برہنہ سر چلاتی تھی کہ اے ابی حارث تو ہے کدھر
شیرِ خدا کے لال کی کچھ تجھ کو ہے خبر پامال کرتے آئے ہیں لاشے کو اہلِ شر
روندے نہ کوئی لاش شہِ مشرقین کو
اے کربلا کے شیر بچالے حسینؑ کو

۸۷

یہ غم کا ماجرا جو سنا بے قرار سے نکلا تڑپ کے شیرِ درندہ کچھار سے
فضہ کے پیچھے پیچھے چلا اضطرار سے ٹھہرا گیا نہ رن میں کسی اہلِ نار سے
آ کر پھرا وہ گرد شہ مشرقین کے
آنکھیں ملیں قدم پہ جنابِ حسینؑ کے

۸۸

انصاف اب دلوں میں کریں شہ کے جاں نثار ہو جس کی لونڈیوں کا زمانے میں یہ وقار
یوں اُس کی بیٹیوں سے پھرے چرخِ بے مدار کس طرح سوئے شام رواں تھیں وہ سوگوار
تیغیں علم کئے سپہ نابکار تھی
مجمع میں سر برہنہ ہر اِک دل فگار تھی

۸۹

خاموش بزمؔ اب کہ ہوا مرثیہ تمام اب شہؑ سے عرض کر کہ میں ہوں آپ کا غلام
صدقہ حبیب کا میں رہوں شادماں مدام پیری میں بھی نہ پیر ہو میرا جواں کلام
مداح تو بنا دیا، زائر بنایئے
مولاؑ ضریحِ پاک پہ جلدی بلایئے

مرثیہ:۱۱

درحال حضرت عباس علمدار علیہ السلام

مطلع

چرخ پر جب کہ نُمایاں شبِ عاشور ہوئی

تعدادِ بند: ۹۵

غازی آباد--۱۶ رمضان ۱۳۴۴ ہجری

مطابق ۲۹ اپریل ۱۹۲۶

۱

چرخ پر جبکہ نمایاں شبِ عاشور ہوئی روشنی مہرِ جہاں تاب کی سب دور ہوئی
اُس طرف فوجِ عدو محرّم و مسرور ہوئی اِس طرف روحِ نبیؐ قبر میں رنجور ہوئی
عرش تک فرش سے آوازِ بُکا جانے لگی
خیمۂ شاہ سے ماتم کی صدا آنے لگی

۲

ہر طرف بے کسی و یاس کا تھا اِک عالم کہیں فریاد کا غُل تھا کہیں شورِ ماتم
بیبیاں جمع تھیں یوں گردِ شہنشاہِ اُمم شمع پر جیسے ہو پروانوں کا مجمع باہم
لب پہ جاری سخنِ حسرت و غم ہوتے تھے
شاہ اِک ایک کا منہ تکتے تھے اور روتے تھے

۳

دم بہ دم تھیں غم و اندوہ و محن کی باتیں دل کو تڑپاتی تھیں سلطانِ زمن کی باتیں
جانگزا بنتِ شہِ قلعہ شکن کی باتیں تھیں عجب نشترِ غم بھائی بہن کی باتیں
دل تڑپتا تھا جو منہ آنسوؤں سے دھوتی تھیں
آپ بھی روتے تھے جب بنتِ علیؑ روتی تھیں

۴

پیٹ کر سر کو یہ چلّاتی تھی وہ دکھ پائی صدقے غربت پہ تمھاری ہو یہ اماں جائی
اے مرے تشنہ دہن اے مرے بیکس بھائی گھیر کر تم کو عجب دشت میں قسمت لائی
چین نایاب، نہ دانہ، نہ جہاں پانی ہے
کیا قیامت ہے یہ کس طرح کی مہمانی ہے

۵

جب بیاں کرتی تھیں یہ زینبِ آوارہ وطن سر کو ٹکراتی تھیں سب بیبیاں با درد و محن
ہر طرف خیمۂ سرورؑ میں بپا تھا شیون رو کے سمجھاتے تھے ایک ایک کو سلطانِ زمن
دل جو بیتاب تھے سب کشتۂ غم پیٹتے تھے
کبھی سینہ، کبھی سر، اہلِ حرم پیٹتے تھے

۶

حشر کا آلِ محمدؐ میں بپا تھا ساماں کہ یکایک سحرِ غم ہوئی گردوں پہ عیاں
خاک پر محوِ تیمم ہوئے سلطانِ زماں لحنِ داؤد سے دی اکسیرِ مہر و نے اذاں
ذکرِ حق کرنے کو سلطانِ حجازی اُٹھے
لے کے انگڑائیاں بستر سے نمازی اُٹھے

۷

آئے خیمے سے جو سجادۂ طاعت پہ امامؑ ہوئے استادہ صفیں باندھ کے سب نیک انجام
جن میں ایک ایک جری عاشقِ سلطانِ انام فرد آقا تھا زمانے میں تو نایاب غلام
ساتھ مولاؑ کے فریضے کو ادا کرنے لگے
نیتیں باندھ کے سب یادِ خدا کرنے لگے

۸

اِک طرف محوِ عبادت تھے مُصلّے پہ حضور اِک طرف حمدِ خدا کرتے تھے صحرا کے طیور
وہ سماں دشت کا وہ قدرتِ خالق کا ظہور وہ شفق چرخ پہ پھولی ہوئی وہ عالمِ نور
چَھن کے گردوں سے جو نورِ سحری گرتا تھا
زمزمہ سنج ہر اِک مرغِ چمن پھرتا تھا

۹

وہ بیاباں وہ ہوا سرد وہ پھولوں کی مہک صدفِ گُل میں وہ ہر سُو دُرِ شبنم کی جھلک
صورتِ نورِ سحر نہر کے پانی کی چمک دل کو پامال کئے دیتی تھی سبزے کی لہک
صبح دم دشت سے ٹھنڈی جو نسیم آتی تھی
گُلِ خودرو کی ہر اِک سُو سے شمیم آتی تھی

۱۰

متبسم کہیں غنچے تو شگفتہ کہیں گُل پھول لالے کا ہر اِک رشک دہِ ساغرِ مُل
وہ اُلجھنا کبھی سنبل کا بشکلِ کاکُل عشقِ گُل میں کبھی مستانہ وہ شورِ بلبل
دامِ اُلفت میں عنادل کے جو دل پھنستے تھے
مسکرا دیتے تھے غنچے بھی جو گُل ہنستے تھے

۱۱

مہر کا نور سے بھرنے جو لگا پیمانہ شور مرغانِ نوا سنج کا تھا مستانہ
جھوم کر بادِ صبا کا کبھی آنا جانا بلبلیں گر رہی تھیں پھولوں پہ بیتابانہ

کچھ عجب رنگ تھا اُس زمزمہ پردازی کا
عشقِ معبود میں دم بھرتی تھیں جانبازی کا

۱۲

آبِ شبنم سے گلوں کا وہ کبھی منہ دھونا دلِ بلبل میں کبھی تخمِ محبت بونا
کبھی فریاد پہ قمری کی شگفتہ ہونا رشکِ حسرت سے کبھی حال پہ شبنؔ کے رونا

باغِ زہراؑ پہ خزاں آئی تھی جاں کھوتے تھے
گُل تھے پژمردہ تو مرغانِ چمن روتے تھے

۱۳

بال بکھرائے تھے سُنبل نے میانِ گلزار چشمِ نرگس پہ ہویدا تھا کہ ہے یہ بیمار
غم سے جھک جھک کے گرے پڑتے تھے ہر سُو اشجار نہ کہیں زمزمہ تھا اور نہ کہیں صوت ہزار

نہ گلوں میں وہ لطافت نہ خود آرائی تھی
چُپ تھے مرغانِ چمن غم کی گھٹا چھائی تھی

۱۴

خشک تھالے تھے نہ تھی نام کو پانی کی تری ڈالیاں سوکھ کے کانٹا تھیں درختوں کی ہری
خاک اُڑاتی ہوئی پھرتی تھی نسیمِ سحری عندلیبوں کی فغاں صورتِ کوسِ سفری

شور تھا داخلۂ فصلِ خزاں ہوتا ہے
کارواں دورِ گلِ تر کا رواں ہوتا ہے

۱۵

جب فریضے کو ادا کر چکے شاہِ ابرارؑ سجدے کر کر کے مصلّے سے اُٹھے سب دیں دار
کوئی غازی، تو مجاہد تھا کوئی نیک شعار اذن لے لے کے سجے تن پہ ہر اِک نے ہتھیار

یہ خوشی تھی کہ بُنِ کفر کو برباد کریں
حق پہ مرجائیں، کہیں خُلد کو آباد کریں

۱۶

جا کے خیمے سے برآمد جو ہوئے شاہِ ہدیٰ دی یہ ہر اِیک کو عباسِؑ دلاور نے صدا
اُٹھو تعظیم کو اے غازیو، آئے آقا یک بیک جلوۂ معبود نظر آنے لگا

رُخِ سرور سے جو اِک نور کا شعلہ چمکا
سب پہ روشن یہ ہوا طُور کا شعلہ چمکا

۱۷

جلوہ گر جب ہوا وہ بادشہِؑ پاک نسب باندھ کر صف کو خمیدہ ہوئے تسلیم کو سب
اس طرح جمع ہوئے آکے شجاعانِ عرب گِرد ہوں ماہ کے جس طرح ستارے باادب

غُل ہوا چار طرف شاہِ حجازی آئے
کہا عباسؑ نے ہاں شاہ کا تازی آئے

۱۸

لائے خادم درِ دولت پہ جو شہؑ کا رہوار کس تجمل سے بشاشت سے ہوئے آپؑ سوار
لی جو حضرت نے عنانِ فرسِ برق شعار دی صدا فتح و ظفر نے کہ زہے عزو وقار

ساتھ گھوڑوں پہ جوانانِ خوش انفاس چلے
تھام کر زیں کو پیادہ مگر، عباسؑ چلے

۱۹

مڑ کے حضرت نے جو عباسؑ کا دیکھا یہ حال دل تڑپنے لگا پہلو میں ہوا رنج کمال
رو کے کہنے لگے بھائی سے شہِؑ نیک خصال اب خجل ہوتا ہے تم سے اسداللہ کا لال

دل کو بھائی کے نہ لِلّٰہ دُکھاؤ بھائی
پا پیادہ نہ چلو گھوڑے پہ آؤ بھائی

۲۰

عرض کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ جرار نے تب آرزو آج یہ خادم کی ہے یا شاہِ عرب
تھام کر دامنِ زیں ساتھ چلوں میں باادب کہا شہؑ نے مرے سر کی قسم اسوار ہو اب

دی قسم شاہؑ نے جب سر کی تو ناچار ہوئے
چھوڑ کر زینِ فرس رخش پہ اسوار ہوئے

۲۱

رن میں پہنچے شہِ والا جو بصد جاہ و حشم ہوئے استادہ صفیں باندھ کے سارے ہمدم
گاڑ کر حضرتِ عباسؑ نے لشکر کا علم دی صدا فوجِ مخالف کو کہ لو آگئے ہم

مستعد جنگ پہ ہو ہو کے شریر آنے لگے
نعرہ شبیرؑ کا ہونا تھا کہ تیر آنے لگے ۲۲

اذن لے لے کے بڑھے شہ کے رفیق وانصار جم کے ایک ایک نے کی فوجِ لعیں سے پیکار
لڑ کے لاکھوں سے وہ پیاسے ہوئے جب شہ پہ نثار آئی حضرت کے عزیزوں کے وغا کرنے کی بار

دشت روشن ہوا دو عرش کے تارے نکلے
جنگ کو مسلمِ مظلوم کے پیارے نکلے ۲۳

تیغیں ہاتھوں میں لئے رن میں وہ پہنچے جس آں حملہ ور فوجِ عدو پر ہوئے جوں شیرِ ژیاں
جبکہ مقتل میں وہ گل ہوگئے پامالِ خزاں غل ہوا باغیوں میں کٹ گئے دو سروِ رواں

لاشیں اُن دونوں کی میداں سے جو سرورؑ لائے
بھانجے اذن طلب ماموں سے ہونے آئے ۲۴

صورتیں دیکھ کے اُن دونوں کی بولے شہِ دیںؑ کھیل کے دن ہیں ابھی، جنگ کی عمریں یہ نہیں
گر پڑے پاؤں پہ حضرت کے جو وہ ماہ جبیں کہا راضی ہے بہرحال یہ ناشاد و حزیں

لو اُٹھو روؤ نہ اے نیک شعارو پیارو
داغ دے کر ہمیں میداں کو سدھارو پیارو ۲۵

پا کے رخصت، ہوئے خنداں وہ دلیر وصفدر پہنچے میدان میں تولے ہوئے شمشیر و سپر
تیغیں اُن دونوں کی چمکیں جو سپاہِ شر پر دم میں فوجِ ستم آرا کو کیا زیر و زبر

پھر گھٹا کفر کی اُن دونوں پہ چھائی رن میں
خاک میں مل گئی زینبؑ کی کمائی رن میں

۲۶

لاشیں خواہر کے جو فرزندوں کی لائے سرورؑ تب ہوا عازمِ جنگاہ یتیمِ شبّرؑ
رو کے عمّو سے یہ کہنے لگا وہ نیک سیر دیجئے اذنِ وغا اب مجھے بہرِ داور

سب عزیزانِ حق آگاہ سدھارے رن میں
ہم تو جیتے ہیں برادر گئے مارے رن میں

۲۷

شہؑ نے رو رو کے بھتیجے کو جو دی رن کی رضا حرمِ پاک میں آفت کا ہوا شور بپا
واہ رے جراتِ ابنِ حسنؑ سبز قبا فوجِ اعدا میں وہ جرار در آیا تنہا

برقِ شمشیر سے کفار کے جی چھوٹ گئے
جتنے باندھے تھے پرے فوج نے سب ٹوٹ گئے

۲۸

خوں بھری لاش کو قاسم کی بھی جب شہ لائے غیظ میں مثلِ اسد حضرتِ عباسؑ آئے
عرض کی آپ نے یا شاہؑ بڑے دُکھ پائے اب اگر حکم ہو آقا کا تو خادم جائے

ہیں حرم خیمے میں نالاں مرا خوں گھٹتا ہے
دیکھ کر لاشۂ قاسمؑ کو جگر پھٹتا ہے

۲۹

ہے سوا اِس کے صغیروں پہ عجب رنج و تعب پیاس اس قہر کی ہے، خشک ہیں گلبرگ سے لب
چین اصغر کو بھی گہوارے میں آتا نہیں اب کچھ عجب حال سکینہؑ کا ہے، یا شاہِ عربؑ

گہہ تڑپتی ہے کبھی اشکوں سے منہ دھوتی ہے
پانی پانی کبھی کہتی ہے، کبھی روتی ہے

۳۰

یہ سخن کہہ کے بھر آیا دلِ عباسؑ حزیں نہ رہی تاب تو رونے لگے ہو کر غمگیں
دیکھا جب بھائی کا یہ حال تو بولے شہِ دیں جاؤ رخصت کے لئے خیمے میں اے ماہِ جبیں

ہم تو راضی ہیں جو مالک کی رضا ہو بھائی
مِل لو اُن سب سے تو پھر ہم سے جدا ہو بھائی

۳۱

سُن کے یہ خیمے کی جانب ہوئے عباسؑ رواں شہؑ جگر تھامے ہوئے ساتھ تھے با آہ وفغاں
پہنچا دروازے پہ خیمے کے جو وہ شیرِ ژیاں بڑھ کے فضہؑ نے صدا بیبیوں کو دی اُس آں

ہے قیامت کی گھڑی شہؑ کے اخی آتے ہیں
سب سے ملنے کو علمدارِ جری آتے ہیں

۳۲

ذکر یہ تھا کہ یکا یک ہوئے داخل عباسؑ دیکھا ہر بی بی کا اندوہ سے چہرہ ہے اداس
آئے تسلیم کو جب زینبؑ وکلثوم کے پاس لے کے بہنوں نے بلائیں کہا باصد غم ویاس

رحم اب فاطمہؑ کے لال پہ کھاؤ بھائی
بھائی کو چھوڑ کے مرنے کو نہ جاؤ بھائی

۳۳

جوڑ کر ہاتھوں کو عباسؑ یہ بولے با ادب آپ پر خوب ہے روشن کہ جو ہے دل کو تعب
کوئی باقی نہ رہا یاورِ سلطانِ عرب اِک یہ خادم ہے اور اِک اکبرِ مہرو ہیں اب

فوجِ اعدا کی چڑھائی ہے شہِ والا پر
صدقے کس طرح نہ ہوئے یہ غلام آقا پر

۳۴

بولیں بہنیں یہ سُخن سن کے کہ جاؤ بھائی شہِ مظلوم پہ جاں اپنی گنواؤ بھائی
اپنے فرزندوں کے دل کو نہ کڑھاؤ بھائی رو رہے ہیں انہیں چھاتی سے لگاؤ بھائی

شب کو خیمے میں نہ آؤ گے تو گھبرائیں گے
اب یہ بچے تمھیں دنیا میں کہاں پائیں گے

۳۵

جب دلاور نے سُنے یہ سُخنِ غم افزا اپنے دلبندوں کو سینے سے لگا کر یہ کہا
جا کے اب ہم شہِ مظلوم پہ ہوتے ہیں فدا عرض کی بیٹوں نے رو رو کے سدھارو بابا

اب نہیں ضبط کی طاقت ہے یہ دل کہنے لگا
روئے عباسؑ تو آنکھوں سے لہو بہنے لگا

۳۶

ابھی رخصت نہ ہوا تھا وہ فدائی شہؑ کا کہ سکینہؑ نے کہا آؤ اِدھر آؤ چچا
پیاس سے خشک ہے دیکھو مرا ننھا سا گلا گئے عباسؑ قریں اور یہ رو رو کے کہا

پانی لاتے ہیں نہ اب اشک بہاؤ بی بی
کوئی مشکیزہ جو ممکن ہو تو لاؤ بی بی

۳۷

دیا مشکیزہ سکینہؑ نے جو لا کر اِک بار مِل کے ہر ایک سے رخصت ہوا وہ عرش وقار
یوں برآمد ہوا خیمے سے علیؑ کا دلدار جس طرح ہوتی ہے گلشن سے جُدا فصلِ بہار

دل سنبھالا نہ گیا جب تو بصد یاس گری
درِ خیمہ کے قریں زوجۂ عباسؑ گری

۳۸

شہؑ کے نزدیک جو آیا وہ گُلِ باغِ وفا دیکھا ہیں خاک پہ بیٹھے ہوئے سلطانِ ہدا
رکھ کے سر پاؤں پہ اُس صفدرِ غازی نے کہا اب نہ فرمایئے بندے کو خجل اے مولاؑ

یہ سخن کہہ کے جو عباسِؑ حزیں رونے لگے
سر کو چھاتی سے لگا کر شہِ دیں رونے لگے

۳۹

تھام کر دل کہا ہے ہے مرے صفدر بھائی اے مرے قوتِ بازو مرے یاور بھائی
ٹوٹتی ہے کمرِ سبطِ پیمبرؐ بھائی آج چھٹتا ہے برادر سے برادر بھائی

ہائے تنہا سے عجب وقت میں منہ موڑتے ہو
بھائی اِس عالمِ غربت میں ہمیں چھوڑتے ہو

۴۰

کہہ کے یہ خاک پہ تڑپے جو امامِ ذیشاں جوڑ کر ہاتھ یہ کی عرض جری نے اُس آں
آ گئی خیمۂ اطہر کے قریں فوجِ گراں اذنِ آخر مجھے اب دیجئے یا شاہِ زماں

بولے شہؑ خنجرِ غم دل پہ نہ مارو بھائی
خیر مرضی جو یہی ہے تو سدھارو بھائی

۴۱

اذن پاکر ہوا اسوار فرس پر وہ جری ہاتھ میں باگ جو لی بن گیا رہوار پری
یوں چلا ناز سے وہ رشک دہِ کبکِ دری جس طرح جھوم کے چلتی ہے نسیمِ سحری
صدقے ہونے کے لئے بادِ بہاری نکلی
غُل تھا پریوں میں سُلیماں کی سواری نکلی

۴۲

حبّذا راکبِ محبوب زہے حُسنِ سمند جس کا ہے نور کے سانچے میں ڈھلا اِک اِک بند
کہئے سرعت کو تو ہے پیکِ صبا سے وہ چند واں پہنچتا ہے جہاں وہم کی پہنچے نہ کمند
دم میں طے دائرۂ ارض کو کر جاتا ہے
پھر اُسی طرح سے مرکز پہ نظر آتا ہے

۴۳

بے بدل مرکبِ جاں دار تو راکب نایاب جس کے نورِ رُخِ پُر نور سے عالم بیتاب
وہ عرق عارضِ گلگوں پہ خجل جس سے گلاب چشمِ بد دور وہ حُسنِ قد و بالا وہ شباب
شور تھا یوں تو بہت ماہ جبیں دیکھے ہیں
پر کہیں خلق میں ایسے بھی حسیں دیکھے ہیں

۴۴

مہر ہوتا ہے خجل چاند سی صورت دیکھو جان لینے کو قیامت ہے یہ قامت دیکھو
رعب و اقبال و حشم ہمت و شوکت دیکھو آب زہرے میں ذرا شیر کی صولت دیکھو
خوف سے فوج کے سب بانیٔ شر کانپتے ہیں
تیغ ابھی میان میں ہے اور جگر کانپتے ہیں

۴۵

گھوڑا ڈپٹا کے قریں فوج کے آیا وہ دلیر اور یہ فرمایا کہ میں شیرِ الٰہی کا ہوں شیر
میرے بابا نے کیا مرحبِ مردود کو زیر فوجِ جنّات پہ طاری ہے مہیب شمشیر
فوجِ ناری میں جواں اور مُسن کانپتے تھے
جنگ جب بیرِ علم میں ہوئی جن کانپتے تھے

۴۶

میرے بابا کا کوئی خلق میں ہمسر نہ ہوا دیو بھی اُن سے کبھی جنگ میں سر بر نہ ہوا
کوئی دنیا میں جری شہؑ کے برابر نہ ہوا کون سا معرکہ بابا سے مرے سر نہ ہوا

فتح خیبر کو کیا کفر کا دفتر پھاڑا
طفل تھے مہد میں جب کلۂ اژدر پھاڑا ۴۷

حق سے باطل کو جُدا فاتحِ خیبر نے کیا سرنگوں کعبے میں اصنام کو حیدرؑ نے کیا
جو کسی سے نہ ہوا وہ شہِ صفدر نے کیا مختصر یہ ہے وصی اپنا پیمبرؐ نے کیا

سب اماموں پہ شرف پاکے سرافراز ہوئے
دوشِ احمدؐ پہ چڑھے خلق میں مُمتاز ہوئے ۴۸

خوب واقف ہو اُسی شاہ کا دلبند ہوں میں مجھ سے اللہ ہے خوش حق سے رضامند ہوں میں
جنگ میں فوجِ ستمگار سے کب بند ہوں میں اسداللہ سے جرار کا فرزند ہوں میں

غافلو دعویٰ جرات ہے تو ہشیار رہو
شیر آتا ہے ترائی سے خبردار رہو ۴۹

کہہ کے یہ آپ نے لی میان سے شمشیرِ دوسر ابر سے برقِ جہندہ نکل آئی باہر
سر اُڑانے لگی گر گر کے صفِ اعدا پر دم میں لشکر کے پرے کردئے سب زیروزبر

فتح ہاتھ آئی جدھر وہ ظفر اندیش چلی
لاکھ روکا پہ کسی کی بھی نہ کچھ پیش چلی ۵۰

دست و پا جنگ میں ہر ایک کے بیکار ہوئے منہ کٹے اُن کے مقابل جو نمودار ہوئے
جب چلی رن میں پرے فوج کے مسمار ہوئے پُل سروں کے ہوئے اور لاشوں کے انبار ہوئے

گرتی تھی شعلہ صفت آگ لگانے کے لئے
برق تھی خرمنِ ہستی کو جلانے کے لئے

۵۱

میمنہ پر کبھی گہہ میسرہ والوں پہ گری کبھی فوجوں پہ چلی گاہ رسالوں پہ گری
ٹکڑے ٹکڑے کیا جب ظلم خصالوں پہ گری اُڑ گئے پھول جو فولاد کی ڈھالوں پہ گری

دی صدا موت نے جب رنگ مبدّل پایا
نخلِ بغض و حسد و ظلم کا کیوں پھل پایا ۵۲

سَن سے جب آئی تو سر تن سے اُڑایا اُس نے دو کیا سامنے اپنے جسے پایا اُس نے
صاف بجلی کا سب انداز دکھایا اُس نے جب گری لشکرِ ناری کو جلایا اُس نے

شور تھا قہر ہے دم وقتِ روانی اس کا
خاصیت آگ کی سب رکھتا ہے پانی اس کا ۵۳

کردئے ڈھیر سروں کے وہ جدھر جا کے پھری دم میں تصویرِ اجل فوج کو دکھلا کے پھری
ابر میں ڈھالوں کے جب برق صفت آ کے پھری مینہ لہو کا صفِ کفار میں برسا کے پھری

اس طرح جنگ میں اُس روز وہ خونخوار چلی
کہ نہ پھر خلق میں ایسی کبھی تلوار چلی ۵۴

ڈر سے اُس تیغ کے سب اہلِ ستم بھاگتے تھے سر جو کٹتے تھے تو وہ شوم قدم بھاگتے تھے
غول کے غول جو اعدا کے بہم بھاگتے تھے پھینک کر رن میں علمدار علم بھاگتے تھے

اس پہ بھی تیغِ دو دم سے نہ اماں ملتی تھی
جس طرف جاتے تھے عباسؑ زمیں ہلتی تھی ۵۵

دی علمدار نے اُس فوجِ گراں کو جو شکست سب کے جی چھوٹ گئے اور ہوئے حوصلے پست
رنگ یہ دیکھ کے جھنجھلا گیا اِک نفس پرست نہ رہی تاب تو لشکر سے بڑھا وہ بدمست

طیش کھاتا ہوا جب چھیڑ کے مرکب نکلا
غُل ہوا جنگِ یداللہ کو مرحب نکلا

۵۶

سامنے آ کے وہ کرنے لگا یہ لاف زنی ہے مجھے دعوی شیر افگنی و پیل تنی
مجھ سے بڑھ کر نہیں اب کوئی شجاعت کا دھنی برق ہے تیغ عدو کش مرے نیزے کی اَنی
کتنے بے جاں کئے رستم سے دلاور میں نے
سینکڑوں معرکۂ جنگ کئے سر میں نے

۵۷

جنگِ صفین و جمل خندق و خیبر میں رہا ہو کوئی مدِّ مقابل اِسی چکّر میں رہا
جب لڑائی ہوئی غالب صفِ لشکر میں رہا آج تک رزم کا سودا فقط اِس سر میں رہا
بارہا جعفرِ طیّار سے بھی جنگ ہوئی
مجھ سے اور حیدرِ کرّار سے بھی جنگ ہوئی

۵۸

غیض میں آ گیا یہ سُن کے علیؑ کا دلدار کہا بس لاف زنی ہوچکی او ناہنجار
تیغ لے میان سے اب جلد، نہیں دل کو قرار تو فرس پر ہے ترے سر پہ اجل ہے اسوار
دم میں یہ فرقِ نجس تن سے اُڑا دیتا ہوں
دیکھ اس چرب زبانی کی سزا دیتا ہوں

۵۹

منہ سے لے نامِ علیؑ کب یہ روا ہے ظالم سامنے اُن کے حقیقت تری کیا ہے ظالم
کیا تو مرحب سے بھی قوت میں سوا ہے ظالم اُن سے لڑ کر کوئی جیتا بھی بچا ہے ظالم
کب کا او دشمنِ دیں زیرِ لحد سوتا بھی
جنگ اُس شیر سے کرتا تو یہاں ہوتا بھی

۶۰

اب نہیں صبر ہے اے ساقیِ گلفام مجھے دل ہے بیتاب نہ راحت ہے نہ آرام مجھے
رند ہوں فکر یہی ہے سحر و شام مجھے لا کے دے بادۂ کوثر سے کوئی جام مجھے
نشے میں معرکۂ جنگ کا چربہ کھینچوں
دنگ ہوں مانیؔ و بہزادؔ وہ نقشہ کھینچوں

۶۱

جوش پر آج مری طبع رسا ہے ساقی بزم میں رزم کو دل ڈھونڈھ رہا ہے ساقی
معرکہ حشر کا میداں میں بپا ہے ساقی غیض میں ابنِ شہِ قلعہ کشا ہے ساقی

سُرخ چہرہ ہوا دریائے غضب چڑھتا ہے
جنگ کو ساقیِ کوثر کا پسر بڑھتا ہے ۶۲

مستعد رزم پہ اس سمت ہے حیدرؑ کا پسر اُس طرف جنگ پہ آمادہ ہے وہ بانیٔ شر
اِس طرف تیغِ دو دم ہاتھ میں نیزہ ہے اُدھر ہنس کے فرماتے ہیں عباسِؑ جری بڑھ بڑھ کر

اور مہمانِ جہاں چند نفس ہے ظالم
کر کوئی وار اگر دل میں ہوس ہے ظالم ۶۳

دیر کس بات کی ہے جنگ میں وقفہ کیا ہے ہاں یہی گو یہی میدان ہے عرصہ کیا ہے
یہ پس و پیش کا باعث نہیں کھلتا کیا ہے تن سے سر کٹنے کا ظالم تجھے دھڑکا کیا ہے

کس لئے جان چُراتا ہے وغا کرنے سے
کیسا جی دار ہے ڈرتا ہے شقی مرنے سے ۶۴

یہ سخن سنتے ہی جھنجھلا گیا وہ ظلم پسند غیظ میں آکے کیا نیزۂ خطی کو بلند
آپ نے کھینچ کے تلوار بڑھایا جو سمند کر دیا نیزۂ خاطی کا جُدا اِک اِک بند

نہ وہ کس بل تھا نہ وہ تاب وتواں ہاتھ میں تھی
تھی سناں خاک پہ اُفتادہ بُناں ہاتھ میں تھی ۶۵

اُس خطا کار نے پھر لے کے کماں سر کیا تیر واں چلا تیر اِدھر چل گئی سن سے شمشیر
تیر کٹ کر جو گرا شرم ہوئی دامنگیر تول کر گرزِ گراں سر کو بڑھا تب وہ شریر

ہاتھ اُٹھنا تھا کہ تھا ہاتھ پہ جرار کا ہاتھ
چھُٹ گیا گرز لگا کانپنے غدّار کا ہاتھ

٦٦

زرد رنگت ہوئی ظالم کی اُڑے ہوش و حواس یہ ہوا خوف کہ جینے سے بھی دل کو ہوئی یاس
چھا گیا جبکہ ستمگار کے چہرے پہ ہراس ہنس کے فرمانے لگے تب یہ جنابِ عباسؑ

جس پہ تھا روم و رے و شام میں اِک شور ترا
٦٧ کیوں ستمگار بتا کیا ہوا وہ زور ترا

بس اسی زور پہ تھا حضرتِ جعفرؑ سے لڑا کیوں اسی منہ سے یداللہ دلاور سے لڑا
اِن حواسوں پہ محمدؐ کے برادر سے لڑا تُو تو کہتا تھا کہ میں فاتحِ خیبر سے لڑا

ایک جھٹکے میں یہ عالم ہے کہ دل ٹوٹ گیا
٦٨ گُرز کیا ہاتھ سے چھوٹا ترا جی چھوٹ گیا

رنگِ رُخ ہے متغیر ترا او بانیٔ شر اتنی سی دیر میں بے ہوش، گئے ہوش کدھر
خوف سے کس لئے لرزاں ہے سنبھل او خودسر حوصلہ ہے تو دکھا تیغ کے بھی کچھ جوہر

روح سے تن کا ہے چھٹنے کو قفس او ظالم
٦٩ کوئی باقی نہ رہے دل میں ہوس او ظالم

دم بہ دم تیغِ زباں کے جو چلے اُس پر وار سینہ و قلب و جگر ہوگیا ظالم کا فگار
کسی پہلو نہ پڑا جب دلِ مضطر کو قرار ہو کے بیتاب جفا کار نے کھینچی تلوار

گو نہ تدبیر کچھ اُس کی دمِ پیکار چلی
٧٠ پر قیامت کی ہوئی جنگ وہ تلوار چلی

تھک گیا ہاتھ جب اُس کا تو یہ غازی نے کہا او شقی اب اجل آتی ہے خبردار ذرا
بھاگ جانے کا اُدھر قصد ستمگر نے کیا سرِ مغرور پہ یاں چل گئی شمشیرِ قضا

ہل گئی رن کی زمیں کوہِ گراں پھٹ کے گرا
نصف اِدھر کٹ کے گرا نصف اُدھر کٹ کے گرا

۷۱

مار کر اُس کو کیا نعرۂ تکبیر بلند مُڑ کے پھر سوئے ترائی کیا مہمیز سمند
کُھل گئے نہر پہ جانے کے جو تھے رستے بند روکتا کون یہ تھے عقدہ کشا کے فرزند

غُل تھا تولے ہوئے شمشیر دلیر آتا ہے
چھوڑ دو گھاٹ کہ بپھرا ہوا شیر آتا ہے ۷۲

خضر کی طرح ترائی میں جو در آئے جناب دوڑے الیاسؑ کہ چومیں قدمِ پاک شتاب
بہرِ تعظیم اٹھے شوق سے پانی پہ حباب نکلی خوش ہو کے زیارت کو ہر اِک ماہیٔ آب

نہر پا بوسیٔ غازی سے شرف پانے لگی
جو اُٹھی موج وہ سر پاؤں سے ٹکرانے لگی ۷۳

آپ نے سوچ کے کچھ چھوڑ دی گھوڑے کی عناں کہا تُو پی لے کہ دو روز سے ہے تشنہ دہاں
عرض کی اُس نے اشارے سے کہ اے مرتبہ داں تشنہ حضرت رہیں تر ہو مری پانی سے زباں

بے زباں گو کہ ہوں پر مجھ کو حیا ہے مولاؑ
یہ بھی دُنیا میں کوئی شرطِ وفا ہے مولاؑ ۷۴

سمجھے عباسِ دلاور جو اشارہ اُس کا ہاتھ گردن پہ رکھا پیار سے اور رو کے کہا
مرحبا یاد رہے گی تری اے رشکِ وفا بس یہ فرما کے جُھکے مشکِ سکینہؑ کو بھرا

تشنہ لب بازوئے سلطانِ حجازی نکلا
نہر سے ہاتھ بھی تر کر کے نہ غازی نکلا ۷۵

رکھ کے مشکیزے کو جب دوش پہ لی خیمے کی راہ ماہ پر ابر کی صورت امنڈ آئی وہ سپاہ
کب تلک پیاس میں دو دن کی کریں جنگ یہ آہ زخم کھانے لگے گھر گھر کے ہوا حال تباہ

شور تھا آگے فرس کو نہ بڑھانے دینا
شیر کو بچ کے ترائی سے نہ جانے دینا

۷۶

وا دریغا کہ ابھی آپ تھے سرگرمِ وغا ناگہاں چل گئی شانے پہ کوئی تیغِ جفا
جس سے لڑتے تھے وہی ہاتھ قلم ہو کے گرا اب یہ بے دست اُدھر اہلِ جفا کا نرغہ
کس طرح جنگ کریں فوجِ ستم کو روکیں
۷۷ ہائے اب مشک بچائیں کہ علم کو روکیں

حبّذا جراتِ بازوئے شہنشاہِ انام دوسرے ہاتھ سے پھر مشک و علم کو لیا تھام
اہلِ دل روئیں کہ رونے کا اب آتا ہے مقام چل گئی اُس پہ بھی آخر کسی ظالم کی حسام
دل کو اُس وقت میں بھی پیاسوں سے پھرنے نہ دیا
۷۸ گر پڑا شہ کا علم مشک کو گرنے نہ دیا

کٹ کے ریتی پہ جو گرنے لگا دستِ سرور مشک کے تسمے کو دانتوں سے دبایا جھک کر
ناوکِ ظلم لگانے لگے جب بانیٔ شر غم سے بیتاب ہوا سینۂ سوزاں میں جگر
زخم پر زخم تنِ زار پہ خود کھاتے تھے
۷۹ تیر جب آتا تھا مشکیزے پہ جھک جاتے تھے

لاکھ کد کی کہ کسی طرح سے یہ مشک بچے پر کئی تیرِ ستم اُس پہ بھی آ آ کے پڑے
آب بہنے جو لگا اور بھی بیتاب ہوئے چل گئے سینۂ صد چاک پہ غم کے نیزے
یک بیک گرز پڑا سر پہ کسی کا آکر
۸۰ گر پڑے گھوڑے سے عباسِ علیؑ تیورا کر

شہؑ نے اکبرؑ سے کہا کچھ نہیں کھلتا ہے سبب خود بخود کیوں یہ مرے بازوؤں میں درد ہے اب
کیا ہے کیوں خم ہوئی جاتی ہے کمر ہائے غضب نہیں معلوم ہوا کیا مرے بھائی پہ تعب
دل بھرا آتا ہے دم سینے میں گھبراتا ہے
دیکھیں کیا چرخ ہمیں حادثہ دکھلاتا ہے

۸۱

ذکر اکبرؑ سے ابھی کرتے تھے یہ شاہِ ہدا یک بیک طبلِ ظفر لشکرِ اعدا میں بجا
شہ نے فرمایا کہو خیر ہے اے ماہِ لقا عرض کی نہر پہ مارے گئے عموں بابا
جلد چلئے کہ ستم کچھ نہ بد افعال کریں
کہیں ایسا نہ ہو لاشے کو بھی پامال کریں

۸۲

ابھی بیتاب و پریشاں تھے امامِ ذیجاہ کہ ندا رن سے علمدار کی آئی ناگاہ
میہماں اور کوئی دم کا ہے خادم یا شاہ جلد دیدار دکھا جایئے آکر لِلّٰہ
روح تڑپے گی نہ گرنزع میں آپ آئیں گے
دیر ہوگی تو نہ حضرت مجھے پھر پائیں گے

۸۳

یہ صدا سُنتے ہی مقتل کو چلے شاہِ اُمم کیا بیاں ہو کہ جو تھا حال پریشاں اُس دم
فرق آنکھوں کی بصارت میں کمر ضعف سے خم یہ نقاہت تھی کہ اُٹھتے تھے نہ زنہار قدم
جب اخی کہتے تھے دل غم سے تڑپ جاتا تھا
ناتوانی سے ہر اِک گام پہ غش آتا تھا

۸۴

رو کے فرماتے تھے اکبر سے کہ اے جانِ پدر لاش بھائی کی نہیں آتی ہے بھائی کو نظر
تم بتاؤ کہ گرے گھوڑے سے عباسؑ کدھر عرض کی نہر پہ ہوتا ہے گماں یا سرورؑ
مشک بھر کر جو ترائی سے پھرے ہوئیں گے
ہو کے مجروح اُسی جا پہ گرے ہوئیں گے

۸۵

پہنچے جس وقت قریں نہر کے شاہِ شہدا لاشِ عباسؑ کو اکبرؑ نے تڑپتا دیکھا
عرض کی شہؑ سے ادھر دیکھئے جلدی بابا چرخ نے ہائے غضب حال یہ کیا دکھلایا
دونوں شانے ہیں قلم آنکھوں سے خوں جاری ہے
ہچکیاں لے رہے ہیں خُلد کی تیاری ہے

۸۶

آئے بھائی کے سرہانے جو امامِ کونین سر رکھا زانوئے اقدس پہ بصد شیون و شین
خاک دخوں رُخ سے چھڑانے لگے رو رو کے حسینؑ منہ پہ منہ رکھ کے یہ فرمایا کہ اے قلب کے چین

راہ میں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں دُکھ پائے ہیں
کھول دو آنکھوں کو عباسؑ کہ ہم آئے ہیں

۸۷

بُلبلِ زار نے پائی گُلِ زہرا کی جو بو چشم وا ہوگئی بہنے لگے رُخ پر آنسو
شہؑ نے فرمایا کہ کیا حال ہے کیوں اے مہرو عرض کی زخمی ہے سر، شانوں سے بہتا ہے لہو

دردِ دل گاہ کبھی دردِ جگر ہوتا ہے
اب کوئی دم میں مسافر کا سفر ہوتا ہے

۸۸

کہا شہؑ نے یہ سخن سُن کے بصد درد و بُکا لے چلیں خیمۂ عصمت میں تمھیں کیوں بھیّا
رو کے غازی نے یہ کی عرض کہ یا شاہِ ہُدا آتی ہے بالی سکینہؑ سے مجھے شرم و حیا

منتظر ہوگی کہ اب نہر سے آب آتا ہے
روبرو جاتے ہوئے اُس کے حجاب آتا ہے

۸۹

گفتگو شہؑ سے یہ کرتا تھا ابھی وہ جرّار کہ ہوئے موت کے چہرے سے نمایاں آثار
آگیا رُخ پہ عرق، سانس کا بگڑا جو شمار رہ گئے ہل کے دمِ نزع لبِ گوہر بار

کر کے شبّیرؑ کو بس گور کنارے عباسؑ
ہچکیاں لے کے سوئے خُلد سدھارے عباسؑ

۹۰

شاہ سر پیٹ کے چلّائے کہ ہے ہے بھائی میں تو جیتا رہا اور حیف تمھیں موت آئی
کیا مُصیبت فلکِ پیر نے اب دکھلائی ہائے یہ عالمِ غُربت یہ مری تنہائی

کیا خطا ہم سے ہوئی آپ جو منہ موڑ گئے
ساتھ بتیس برس رہ کے ہمیں چھوڑ گئے

۹۱

لاشِ عباسؑ پہ سر پیٹتے تھے یاں سرور کہ بپا خیمۂ عصمت میں ہوا اِک محشر
عرض کی اکبرؑ مہرو نے قدم پر گر کر قہر ہوتا ہے نکلتے ہیں حرم ننگے سر

چھوڑئے لاش دلِ زار پہ غم لے چلئے
ساتھ خیمے میں بس اب مشک وعلم لے چلئے ۹۲

عُن کے یہ لاش برادر سے اُٹھے شاہِ اُمم کہا اللہ کو سونپا تمھیں لو جاتے ہیں ہم
بس یہ فرما کے چلے روتے ہوئے سوئے حرم علیؑ اکبر لئے تھے ہاتھ میں مشک اور علم

دل سنبھالے ہوئے جب خلق کا سردار چلا
ساتھ روتا ہوا عباسؑ کا رہوا چلا ۹۳

آپ جب اشک فشاں خیمے کے اندر آئے سر جُھکائے علم و مشک کو اکبرؑ لائے
رو کے زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے ماں جائے کہئے عباسِ علمدار نے کیا دُکھ پائے

کہا شہؑ نے وہ چھٹے رنج والم ساتھ ہوئے
اے بہن بھائی کے شانوں سے قلم ہاتھ ہوئے ۹۴

کبھی بے کس سے نہ ہوتا تھا جُدا جو دم بھر حیف ہے اب وہی بے دست پڑا ہے خواہر
کہہ دو یہ بالی سکینہؑ سے کہ اے جانِ پدر مر گیا نہر پہ سقائے حرم پیٹو سر

جان دی شیر نے دریا پہ پریشانی سے
دشمنوں نے تمھیں محروم رکھا پانی سے ۹۵

اب تو بزمؔ جگر افگار نہیں تابِ سخن دلِ صد چاک پہ طاری ہے غم و رنج ومحن
کر دُعا رو کے کہ اے بازوئے سلطانِ زمن کربلا آپ کے مداح کا ہوئے مدفن

یہی مداحیٔ حضرت کا صلہ پاؤں میں
کر کے روضے کی زیارت وہیں مرجاؤں میں

مرثیہ: ۱۲

درحال حضرت حر علیہ السلام

مطلع

کیا شرف مجھ کو ثنا خوانیٔ سرور سے ملے

تعداد بند: ۱۳۴

غازی آباد--۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ

۴ نومبر ۱۹۲۵ء

۱

کیا شرف مجھ کو ثناخوانیٔ سرور سے ملے یہ گہر فیض کے لختِ دلِ حیدر سے ملے
رتبے کونین میں کس کو نہیں اس گھر سے ملے انبیا کو دُرِ مقصود اسی در سے ملے

وقتِ آفت میں غلاموں کی سپر ہیں تو یہ ہیں
۲ بعد اللہ کے فیاض اگر ہیں تو یہ ہیں

فیض ہے ابرِ بہاری کی طرح عام ان کا ہے ہر اک درد کی دنیا میں دوا نام ان کا
کون عالم میں نہیں موردِ انعام ان کا خلق کی عقدہ کشائی ہے سدا کام ان کا

معذرت سنتے ہیں خوش ہو کے خطا کاروں کی
۳ عفو کر دیتے ہیں تقصیر گنہگاروں کی

بند جس دن سے ہوا تھا شہ کونین پہ آب سوزِ غم سے تھا جگر خُرِ دلاور کا کباب
صلح کا جب سے ملا تھا شہ والا کو جواب فرط اندوہ سے تھا اور سوا بے خور و خواب

دل جو اندیشۂ انجام سے گھبراتا تھا
۴ آپ ہی آپ بدن سرد ہوا جاتا تھا

شام سے تھا شبِ عاشورِ محرم کو یہ حال رخ کبھی غم سے ہوا زرد کبھی غیظ سے لال
ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دلِ غمدیدہ نڈھال چشم و ابرو سے عیاں کثرتِ اندوہ و ملال

اپنی کہتا تھا نہ کچھ دوسرے کی سنتا تھا
۵ ہاتھ ملتا تھا کبھی اور کبھی سر دھنتا تھا

چھوڑ کر فرش کو بہتا تھا وہ بالائے زمیں طبعِ آشفتۂ قلّق دل پہ، طبیعت غمگیں
پسرِ سعد کے کردار سے مغموم و حزیں خشمگیں، غمزدہ، انگشت بہ لب، چیں بہ جبیں

ساغرِ دیدۂ نمناک چھلک پڑتے تھے
اشک بیساختہ آنکھوں سے ٹپک پڑتے تھے

۶

زیرِ زانو تھی سپر قبضۂ شمشیر پہ ہات کر کے نفریں پسرِ سعد پہ کہتا تھا یہ ہات
لا کے بیدیں نے کس آفت میں پھنسایا ہیہات کل لڑے گا پسرِ فاطمہؑ سے یہ بد ذات

اولِ صبح سے تیار رسالے ہوں گے
قتل کل فاطمہؑ کی گود کے پالے ہوں گے

۷

ظلم زنہار نہیں صاحبِ ایماں پہ روا نہ کہ شبیر جگر بندِ رسولِ دوسرا
نوکری چھوڑ دوں یا جان کروں شہ پہ فدا عقل کو سخت تحیر ہے کروں آج میں کیا

دل پہ یہ غم نہیں واللہ اٹھانا ممکن
متحیر ہوں نہ رہنا ہے نہ جانا ممکن

۸

دین دنیا کے لئے کر نہیں سکتا میں تباہ پھیروں آنکھ اُس سے جو ہے فاطمہ کا نورِ نگاہ
رنج دوں اُس کو جو کونین کا ہے شاہنشاہ پڑھ بھی لاحول ولاقوۃ اِلاّ باللہ

ہو اگر حاکمِ غدار کی ناراضی ہو
کام وہ چاہیے جس میں کہ خدا راضی ہو

۹

کہہ کے یہ بھائی کو دی حرؑ دلاور نے صدا وہ جب آیا تو قریب اپنے بیٹھا کر یہ کہا
کچھ خبر ہے تجھے اے پیش روِ راہِ وفا کن غریبوں سے ہے کل صبح کو درپیش وغا

جانتا ہے کہ نہیں، کون یہ مہ پارے ہیں
حیدر و فاطمہ کی آنکھ کے یہ تارے ہیں

۱۰

جد انہیں غم کے اسیروں کا ہے، آقا تیرا اُن کے فرزند ہیں یہ جو کہ ہے مولا تیرا
مجھ کو معلوم ہے جو کچھ ہے عقیدہ تیرا صاف کر مجھ سے بیاں کیا ہے ارادہ تیرا

جنگ منظور ہے یا صلح دل افگاروں سے
قصد کس امر کا ہے فاطمہ کے پیاروں سے

۱۱

عرض کی بھائی نے سن کر یہ غم انگیز بیاں تین دن گذرے ہیں تشویش میں مجھ کو یکساں
بند جس روز سے سادات پہ ہے آبِ رواں دل مرا ماہیٔ بے آب کی صورت ہے تپاں

نہ تو نیند آتی ہے مجھ کو نہ غذا کھاتا ہوں
سوز سے شمع کی مانند گھلا جاتا ہوں ۱۲

خواب میں بھی ہمیں واللہ نہ تھا اس کا خیال پسرِ سعد سا ہو گا نہ کوئی بد اعمال
پاس اس کا نہیں کن لوگوں سے ہے عزمِ جدال کیا یہ مظلوم نہیں احمدِ مختار کا لال

سہل سمجھا ہے ستمگار ستانا ان کا
بخدا سیدِ لولاک ہے نانا ان کا ۱۳

جاں بلب پیاس کے صدمہ سے ہیں سب نیک نہاد میں نے خود کانوں سے بچوں کی سنی ہے فریاد
ظلم زیبا نہیں کفار پہ بھی حد سے زیاد یہ تو وہ بندے ہیں جن سے ہے خدائی آباد

یہ رہِ حق سے جدا ہیں نہ رہِ حق ان سے
خلق مین دینِ الٰہی کی ہے رونق ان سے ۱۴

پسرِ سعد کو اس درجہ بغاوت کا ہے جوش اس پہ مغرور ہے شاید کہ قوی ہے تن و توش
آپ کے پاس ادب سے ہوں میں واللہ خموش ورنہ اک حملہ میں ظالم کے اڑا دوں ابھی ہوش

واجب القتل جہاں میں بخدا ہے یہ شقی
دشمنِ آلِ رسولِ دوسرا ہے یہ شقی ۱۵

اس اولوالعزم سے ہے طالبِ بیعت یہ دنی دی ہے خالق نے جسے قوتِ خیبر شکنی
پیاس کے صدمہ سے گو دم پہ ہے بیکس کے بنی پر یہی شیر ہے تلوار کا عالم میں دھنی

یہ سفاہت کی روش مردِ معمر ہو کر
عقل جاتی رہی سر کردۂ لشکر ہو کر

۱۶

کثرتِ فوج پہ بے جا ہے ستمگر کو غرور ان سے سر بر کوئی انساں ہو یہ ہے عقل سے دور
وارثِ زورِ یداللہ ہیں شاہِ جمہود بہرِ بیعت کوئی مجبور کرے کیا مقدور

ابتر اس فوج کا ایک ایک رسالا کر دیں
۱۷ وہ بگڑ جائیں تو دنیا تہہ و بالا کر دیں

دلبرِ حیدرِ کرار سے آساں نہیں جنگ ابھی دیکھے نہیں ظالم نے جہاں کے نیرنگ
یہ وہ ہیں پشتِ فرس پر جو چڑھیں کھینچ کے تنگ آنِ واحد میں کریں وسعتِ کونین کو تنگ

ان کی تلوار اگر کھنچ کے زمیں تک پہنچے
۱۸ موجۂ خونِ عدو چرخِ بریں تک پہنچے

خیر اس وقت مناسب نہیں تقریر کو طول گفتگو چاہیے وہ جس سے کہ مقصد ہو حصول
عزم میرا تو یہ ہے آپ ہوں خوش دل کہ ملول صبح کو جا کے کروں بیعتِ فرزندِ رسول

اوجِ عزت نہ مجھے قدرِ گرامی منظور
۱۹ دستگیرِ دو جہاں کی ہے غلامی منظور

ایک دن خلق سے کرنا ہے سفر آخرِ کار جا کے سر کیوں نہ کروں شاہ کے قدموں پہ نثار
جاں نثاروں میں شہ دیں کے ہو میرا بھی شمار ہاتھ آئے مجھے فردوسِ بریں کا گلزار

کوئی ناراض ہو اس فعل سے یا راضی ہو
۲۰ چاہتا ہوں کہ نبیؐ خوش ہوں خدا راضی ہو

تا قیامت رہے میرا بھی جہاں میں مذکور ذرے سے مہر بنوں خار سے گل نار سے نور
گامِ اول میں کروں طے سفرِ گلشنِ حور دستِ غلماں سے پیوں ساغرِ صہبائے طہور

رختِ دیبائے جناں خلد میں جا کر پہنوں
پیرہن چشمۂ کوثر میں نہا کر پہنوں

۲۱

تجھ کو جس راہ سے چلنے میں ہے عجلت پہ نظر خیر اس امر کا زنہار نہیں مجھ کو خطر
قید کر لے مجھے کیا مال ہے یہ لشکرِ شر تیغ کھینچوں تو زمانہ ہو ابھی زیر و زبر

بند مقتولوں کے انبار سے رستے ہو جائیں
غرقِ خوں یک قلم اسواروں کے دستے ہو جائیں ۲۲

باوفا عبد نے آقا کے سنے جب یہ کلام عرض کی حر سے کہ اے فخرِ شجاعانِ انام
رائے میری تو یہ ہے گو کہ ہوں ناچیز غلام چلئے جھگڑے کو بھی طے کرتے ہوئے سوئے امام

کچھ تو حاکم کو سزا کبر کی دیتے چلئے
پسرِ سعد کا سر کاٹ کے لیتے چلئے ۲۳

مرحبا کہہ کے دیا حر نے یہ خادم کو جواب رائے تیری ہے بلا شبہ و شک عینِ ثواب
لیکن اس بات میں تاخیر ہے بہتر نہ شتاب ڈر ہے مسدود نہ ہو جائے کہیں صلح کا باب

صاحبِ فہم ہے عاقل ہے جہاں دیدہ ہے
پھر یہ ملعون کہیں شمر سے سنجیدہ ہے ۲۴

واقفِ سرِ امامت ہیں شہِ عرش مقام قتل بے دیں کا مناسب ہے پس از اذنِ امام
پہلے واجب ہے قدم بوسیٔ سلطانِ انام سہل ہو جائے وہ مشکل تو پھر آساں ہے یہ کام

زندگی چاہیے پھر رد و بدل کر لیں گے
ناخنِ تیغ سے اس عقدہ کو حل کر لیں گے ۲۵

جب سرِ چرخ ہوئے صبح کے ظاہر آثار لے کے انگڑائی ہوا خواب سے سبزہ بیدار
نو عروسانِ چمن کا وہ گلستاں میں نکھار وہ درختوں کی گھنی چھاؤں وہ پھولوں کی بہار

ہر طرف فیضِ نسیمِ سحری جاری ہے
لا جوردی ہے کوئی گل کوئی زنگاری ہے

۲۶

یادِ معبود میں طاہر بھی ہیں سب نغمہ سرا شورِ بلبل ہے کسی جا کہیں تیہو کی صدا
ہر طرف پھرتی ہے اترائی ہوئی بادِ صبا وہ شفق چرخ پہ پھولی ہوئی ہر سو وہ فضا

سبزہ صحرا کا نیا لطف یہ دکھلاتا ہے
فرشِ اطلس کا بیاباں میں نظر آتا ہے

۲۷

شاخیں سرسبز ہر اک نخلِ بیاباں شاداب پتہ پتہ چمنستانِ جناں کا ہے جواب
وہ ہوا سرد وہ خوبانِ گلستاں کا شباب لیے پھرتی ہے صبا لخلخۂ مشک و گلاب

واہ کیا نخل تھے کیا پھول تھے کیا پتے تھے
تختیاں صاف زمرد کی تھیں یا پتے تھے

۲۸

وہ فضا باغ کی وہ پٹریوں کی گل کاری یاں گلِ سرخ اگر ہیں تو وہاں زنگاری
جھومنا نخلوں کا وہ وجد میں باری باری صورتِ چشمۂ تسنیم وہ نہریں جاری

لطف وہ باغوں میں فردوسِ معلا کی طرح
جوشِ نزہت کا وہ بہتے ہوئے دریا کی طرح

۲۹

وہ مہک پھولوں کی نہریں وہ رواں چار طرف وقت وہ صبح کا تازہ وہ سماں چار طرف
وہ بہارِ چمنستان جہاں چار طرف دشت میں قدرتِ یزداں کا نشاں چار طرف

چشمِ حیراں میں سمایا وہ سماں ہے اب تک
دیکھ لو دیدۂ نرگس نگراں ہے اب تک

۳۰

نخل پھولے ہوئے، تھالوں میں گلوں کے انبار بیلیں وہ پھیلی ہوئیں طائروں کی وہ چہکار
گہنا پہنے ہوئے پھولوں کا وہ گلشن کہ نگار شور وہ بلبلوں کا، وہ روشیں وہ اشجار

شانِ پرواز جدا لحن جدا رنگ جدا
ایک کے زمزمہ سے دوسرے کا ڈھنگ جدا

۳۱

ناگہاں حُرِ جَری خیمہ سے نکلا باہر افقِ چرخ پہ کی جانبِ مشرق جو نظر
خطِ ابیض کے دلھائی دئے صاف اُس کو اثر جا کے سجادے پہ بیٹھا حُرِ فرخندہ سیر
پڑھ کے اورادِ سحر طاعتِ رب کرنے لگا
۳۲ عافیت آلِ پیمبرؐ کی طلب کرنے لگا

تھا ابھی سجدۂ معبود میں با عجز و نیاز آئی جو گوشِ دلاور میں اذاں کی آواز
بعدِ تجدیدِ وضو حر نے پڑھی اٹھ کے نماز کی دعا خالقِ عالم سے کہ اے بندہ نواز
وہ کرم کر کہ جہاں میں مری عزت رہ جائے
۳۳ حر کا یہ سر نہ رہے خلق میں حرمت رہ جائے

خوبیٔ بخت کرے راہ نمائی میری خدمتِ سبطِ نبی میں ہو رسائی میری
ناخنِ عفو کرے عقدہ کشائی میری قیدِ ہستی سے بہ راحت ہو رہائی میری
طورِ سینا ہو یہ تنویر میں سینہ میرا
۳۴ جا لگے ساحلِ جنت سے سفینہ میرا

یہ دعا مانگ کے سجادے سے اٹھا دیندار ساغرِ چشم میں بیداریٔ شب کا تھا خمار
حکم خادم کو دیا سج کے بدن پر ہتھیار جلد اصطبل میں ہو اسپِ صبا دم تیار
جائز اس وقت گھڑی بھر نہیں دوری مجھ کو
۳۵ کچھ بنِ سعد سے کہنا ہے ضروری مجھ کو

ناگہاں چرخِ بریں پر شہِ خاور نکلا خون چہرے پہ ملے مہرِ منور نکلا
ماہِ زہراؑ کی مصیبت میں کھلے سر نکلا نورِ عسرت سے تہی صورتِ ساغر نکلا
تھے جو سادات کے آثارِ تباہی پیدا
دھوپ کے رنگ سے تھی شب کی سیاہی پیدا

۳۶

کس قیامت کی غم انگیز تھی صبحِ عاشور روے زنگی کی طرح مہرِ مبیں تھا بے نور
نہ ہوا میں تھی برودت نہ دلوں میں وہ سرور آشیانوں میں تحیر سے تھے پر بستہ طیور
گرم صرصر کی طرح بادِ صبا چلتی تھی
۳۷ تیر چلتے تھے کہ صحرا میں ہوا چلتی تھی

آسماں سے سیہ و سرخ برستا تھا غبار روح پر کرب سے تھا ہر تنِ خاکی میں فشار
متصل قلب کے ہلنے سے جو اٹھتے تھے بخار تھے شرر ریز نفس ماہیوں کے صاعقہ دار
دل جبالوں کا جو صدمہ سے تہہ و بالا تھا
۳۸ بوریا موج کا دریا نے اٹھا ڈالا تھا

قلزمِ دیں میں تلاطم تھا جو ہونے والا غم نے ڈالا تھا نہنگوں کے جگر میں چھالا
چادرِ آب کا یوں رنگ ہوا تھا کالا جس طرح کھیت کے سبزہ کو جلا دے پالا
موجیں تھیں تیغ کی صورت تہہ گردوں جاری
۳۹ چشمِ گرداب سے تھا اشک کا جیحوں جاری

ہاں پھر اے دستِ قلم شعبدہ کاری دکھلا دستِ بہزاد کی پھر نقش نگاری دکھلا
ہاں پھر اے حسنِ بیاں قدرتِ باری دکھلا چشمۂ نور ہر اک لفظ سے جاری دکھلا
کھل گیا غنچۂ دل بادِ بہاری آئی
۴۰ حرؑ برآمد ہوا خیمہ سے سواری آئی

اللہ اللہ زہے شوکتِ شاہانۂ حرؑ تھی بلندی میں فلک ہمتِ مردانۂ حرؑ
عندلیبوں کی زبانوں پہ ہے افسانۂ حرؑ آسماں اوج میں ہے رفعتِ کاشانۂ حرؑ
راحتِ جانِ محمد کا طلب گار ہے یہ
ناصرِ دینِ خدا غازی و جرار ہے یہ

۴۱

ہاں کمیتِ قلم اے اشہبِ دریا رفتار دیکھ ہشیار ہو اب راہ ہے دشوار گذار
حر ہوا پشت پہ شبدیزِ صبا دم کے سوار شمرِ غدار سے آشفتہ ہے طبعِ جرار

غیظ غازی کو بنِ سعدِ سیہ رو پر ہے
خون آنکھوں سے ٹپکتا ہے بل ابرو پر ہے ۴۲

پشت پر بھائی ہے بھائی کے برابر ہے پسر خادمِ خاص جلو میں ہے لئے تیغ و سپر
اُس طرف جمع ہیں دربار میں سارے افسر دیر سے منتظرِ حرِّ دلاور ہے عمر

اسلحے جنگ کے تقسیم کیے جاتے ہیں
مورچے فوج کے ترتیب دئے جاتے ہیں ۴۳

شمر جھک کر پسرِ سعد سے کرتا ہے بیاں گو کہ ہیں پیشِ نظر فتح و ظفر کے ساماں
کمریں باندھے ہوئے جنگ پہ ہیں پیرو جواں حرّ کی جانب سے مگر خوف ہے مجھ کو ہر آں

روز و شب غم میں ہے بستر سے سروکار اُسے
تین دن گذرے ہیں چھوڑے ہوئے دربار اُسے ۴۴

متصل لوگ یہی دیتے ہیں آ آ کے خبر بند جس روز سے پانی ہے شہہ والا پر
غم و اندوہ میں گذرے ہیں اُسے آٹھ پہر بھائی حیران ہے مغموم و مشوش ہے پسر

یا دعا مانگی ہے اس عرصہ میں یا رویا ہے
سیر ہو کر نہ غذا کھائی ہے، نہ سویا ہے ۴۵

راز کھلتا نہیں کیوں غم سے ہے ایسا رنجور کچھ کہے منہ سے تو معلوم ہو کیا ہے منظور
ہے تکلف اُسے آتے ہوئے اب تیرے حضور جنگ میں آلِ نبی سے متردد ہے ضرور

چین لینے نہیں دیتا ہے دلِ ریش اُسے
ہے اسی بات میں دونوں سے پس و پیش اُسے

۴۶

تیرے محکوم ہیں اس فوج کے سارے سردار ان سے اس امر کا ہے واجب و لازم اظہار
دیکھ کیا رائے تجھے دیتے ہیں وہ آخر کار حر کے بارے میں تغافل نہیں جائز زنہار

وہ بگڑ جائے تو فتنہ ابھی برپا ہو جائے
ڈر مجھے ہے کہیں آپس میں نہ جھگڑا ہو جائے ۴۷

رائے میری تو یہ ہے تو جو کرے اُس پہ عمل تیرے ہمراہ جو رہتے ہیں سوار اور پیدل
جائیں فی الفور توقف کا نہیں کوئی محل قید کر لائیں کسی حیلہ سے بے جنگ و جدل

خود ملاقات نہ کر کوئی بہانا کر دے
بیڑیاں ڈال کے کوفہ کو روانا کر دے ۴۸

عمر و شمر میں ہوتی تھیں یہ باتیں باہم در پہ بے چوبہ کے پہنچا جو حرِّ نیک شیم
روک کر اسپ کو اترا صفتِ ابرِ کرم طبع کی بدمزگی سے تھی عیاں کثرتِ غم

چہرے سے صورتِ اندوہ و تعب تھی ظاہر
آنکھ کے رنگ سے بیداریِ شب تھی ظاہر ۴۹

تذکرہ تھا یہی باہم عمرو شمر میں یاں کہ وہاں خیمہ میں داخل ہوا وہ شیرِ ژیاں
سایہ وار، ابن واخ و عبد تھے ہمراہ رواں شمر سمجھا کہ مناسب ہے کنارا اس آں

بحث میں تن سے جدا ہو نہ کہیں سر تیرا
بیٹھنا اب نہیں دربار میں بہتر تیرا ۵۰

واں سے وہ شوم اٹھا حرِّ جری بیٹھ گیا پسرِ سعدِ ستمگر نے یہ غازی سے کہا
آج دربار میں کیوں تیسرے دن تو آیا مجھ سے تو صاف یہ کہہ دے تجھے منظور ہے کیا

کام کے وقت بھی آرام کی خو کرتا ہے
نوکری نام اسی کا ہے جو تو کرتا ہے

۵۱

جائزے سے نہ غرض اور نہ رسالے کی خبر استراحت سے تری کام ہے سارا ابتر
تجھ کو مطلق نہیں حاکم کی اطاعت پہ نظر مجھ پہ کھلتا نہیں کس عزم پہ باندھی ہے کمر
نام کٹ جائے گا دفتر سے پریشاں ہو گا
یاد رکھ خیرہ سری کر کے پشیماں ہو گا

۵۲

روز لکھتے ہیں یہاں کی خبر اخبار نویس کوفہ کو جاتے ہیں ہر صبح کو قاصد دس بیس
حالِ لشکر سے بہ تفصیل ہے آگاہ رئیس مکر میں کید میں ہے ابنِ زیاد اک ابلیس
سن چکا ہو گا فسانہ تری مجہولی کا
کیا عجب راہ میں فرمان ہو معزولی کا

۵۳

آج کچھ رات رہے سے میں ہوا ہوں بیدار جمع پچھلے سے مرے پاس ہیں سارے سردار
اولِ صبح سے ہیں خاص رسالے تیار بوق و دف کی ہے ندا اور نقیبوں کی پکار
سن کے یہ شور ہر اک عاقل و دانا جاگا
آنکھ تیری نہ کھلی سارا زمانا جاگا

۵۴

جا چکی مورچہ بندی کے لئے جبکہ سپاہ دھیان جب جنگ کا آیا تجھے ماشاء اللہ
رات کی نیند سے شیریں ہے کہیں خوابِ پگاہ کیا ضرورت تھی ابھی اٹھنے کی اے صاحبِ جاہ
تعبِ راہ نہ زنہار اٹھایا ہوتا
تھا مناسب کہ پس از معرکہ آیا ہوتا

۵۵

خیر زندہ ہوں تو جس وقت ہوئی ختم جدال ہو چکا گلشنِ اولادِ پیمبر پامال
عصر کو لوٹ کے فرزندِ نبی کا زر و مال من و عن لکھوں گا سب تیرے تمرد کا حال
سن چکے پیرو جواں ساری حکایت تیری
خود قلمبند کروں گا میں شکایت تیری

۵۶

سرکشی حد سے زیادہ نہیں انساں کو روا کہہ دوں جلا دے سر کاٹ لے تن سے تیرا
افسری پر ہے رسالے کی نہایت غرا بھیج دوں قید میں کوفہ کی طرف دے کے سزا
حکم دیدوں کہ نکل جائیں ابھی بل تیرے
۵۷ باندھ لیں ہاتھ پسِ پشت سے پیدل تیرے

حرؑ پکارا کہ عبث ہے تری تقریر فضول بس زباں روک زیادہ نہ بہک راہ نہ بھول
سخنِ کبر میں اللہ یہ تاکید یہ طول کھینچ لوں گا ابھی گدی سے زباں نامعقول
وعدۂ عمر کو تیرے ابھی ابتر کردوں
۵۸ اک اشارے میں جداتن سے ترا سر کردوں

تو بھلا قید کرے گا مجھے او زشت عمل مئے دوشینہ کا باقی ہے ترے سر میں خلل
نشۂ کبر سے اتنا نہ بہک او اجہل قاطعِ نخلِ بقا ہے مری تلوار کا پھل
شر رہے گا نہ زمانے میں شرارت تیری
۵۹ صورتِ نقش مٹا دوں گا امارت تیری

نوکری پر نہ ڈرانا مجھے او نا ہنجار واجب القتل ہے تو اور ترے سب سردار
تجھ سے نالاں ہیں جگر بندِ رسولِ مختار ہیں ترے نام سے محبوبؐ الٰہی بیزار
فاسق و فاجر و بیدین و بد ایمان ہے تو
۶۰ سخت مکار ہے تو بندۂ شیطان ہے تو

جو زمانے میں کرے آلِ پیمبر سے عناد نوکری کفر ہے اس کی بخدا وندِ عباد
صاف کہتا ہوں یزید اس میں ہو یا ابن زیاد دونوں شاگرد ہیں ابلیس کے اور تو استاد
کفر سے بھی کہیں بڑھ کر ہے رفاقت تیری
شرک ہے میرے عقیدہ میں تو شرکت تیری

۶۱

قتلِ سادات میں اصلا نہیں تجھ کو پس و پیش ہمہ تن شرِ مجسم ہیں ترے خیر اندیش
قول میرا یہ ہے بیگانے ہوں دنیا میں کہ خویش زوف اُن لوگوں پہ جن کا ہے یہ آئین یہ کیش

ان کا دشمن ہے رسولِ عربی کا دشمن
دشمن اللہ کا ہے آلِ نبی کا دشمن

۶۲

لے سن اب صاف کہے دیتا ہوں او بدانجام میں تہہِ دل سے ہوں لختِ دلِ زہراؑ کا غلام
آب و گل میں ہے مرے الفتِ ساداتِ کرام ورد میرا ہے پس از نامِ خدا ان کا نام

ناپسندیدہ ہر اک راہ ہے اس راہ کے بعد
بندہ ان کے درِ دولت کا ہوں اللہ کے بعد

۶۳

مئ عشقِ شہ والا نے کیا ہے مخمور آج کیا روزِ ازل سے تھا اسی نشہ میں چور
سرخوشِ جامِ ولا میں ہوں تو ہے مستِ غرور دل کے ساغر میں لبالب ہے یہ صہبائے طہور

خون کی طرح رگ و پے میں ہے الفت ان کی
جسم میں ہے عوضِ روح محبت ان کی

۶۴

تین دن سے ہے مصیبت میں نبی کا فرزند جاں بلب پیاس سے ہیں شیرِ خدا کے دلبند
بہرہ ور آبِ رواں سے ہیں چرند اور پرند میہمانوں پہ ترے ظلم سے پانی ہے بند

ڈر خدا سے نہ پیمبر سے ہے بے دیں تجھ کو
حاملِ عرش بریں کرتے ہیں نفریں تجھ کو

۶۵

لے میں جاتا ہوں سوئے لشکرِ شاہِ زیجاہ دل میں ہے ولولۂ شوقِ قدمبوسیٔ شاہ
اور کچھ تیرا ارادہ ہو تو آ بسم اللہ فوج سے کہہ دے کہ استادہ ہو آ کر سرِ راہ

دیکھ لے تو بھی کہ یوں مرد وغا کرتے ہیں
اس طرح حقِ شجاعت کو ادا کرتے ہیں

۶۶

کہہ کے یہ ٹیک کے تلوار کو اٹھا جرار پسرِ سعد نے چاہا کہ بڑھے کچھ تلرار
شمر کو حکم دیا حرِّ جری سے ہشیار زندہ دربار سے ہاں جانے نہ پائے زنہار

خدمتِ شاہ میں لاشہ بھی نہ جائے اسکا
کاٹ لے سر کہ قدم بڑھنے نہ پائے اسکا ۶۷

یہ سخن سن کے ہوئی طبع جری کی برہم کھینچ لی بیٹے نے اور بھائی نے شمشیر بہم
عبد نے حرِ دلاور سے کہا دے کے قسم سرِ بد خو نہ کریں آپ ابھی تن سے قلم

میں سزا چرب زبانی کی اسے دیتا ہوں
زندہ ظالم کو گرفتار کئے لیتا ہوں ۶۸

سن کے یہ بات شقی کو نہ رہا صبر و قرار ہٹ گیا چھوڑ کے مسند کو لعیں آخرِ کار
آگئے بیچ میں اصلاح کو اہلِ دربار غل رسالوں میں ہوا چل گئی حر سے تلوار

غدر آپس کی لڑائی کا برا ہوتا ہے
دیکھیے آج اس آشوب میں کیا ہوتا ہے ۶۹

حرؑ سے بھائی نے کہا ہنس کے کہ اے صاحبِ جاہ آپ نے کی پسرِ سعد کے چہرہ پہ نگاہ
جان کے خوف سے تھا حال ستمگر کا تباہ کیا دبے پاؤں گیا تخت سے اٹھ کر روباہ

یوں کبھی یہ ستم ایجاد نہ بھاگا ہو گا
ایسے نامرد سے اس معرکے میں کیا ہو گا ۷۰

گو کہ تھا مجھ کو بہر حال یہی مدِ نظر کاٹ لوں بڑھ کے ابھی تیغ سے مردود کا سر
خیر کیا کیجئے روپوش ہوا بانیٔ شر لیجئے آیئے اب آپ بھی چلئے باہر

پسرِ سعدِ ستمگار پہ لعنت کیجئے
چل کے اب قبلۂ عالم کی زیارت کیجئے

۷۱ روایت

سن کے یہ خیمہ سے باہر حرِ دیندار آیا کانپتا بید صفت غیظ سے جرار آیا
آرزو مندِ لقائے شہِ ابرار آیا حسنِ انجام کا خالق سے طلبگار آیا
شوق تھا خالقِ عادل کے ولی کا دل میں
جوش تھا عشقِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا دل میں ۷۲

خادمِ خاص نے حاضر کئے لا کر رہوار دونوں بھائی ہوئے گردان کے دامن کو سوار
ہٹ کے گھوڑوں پہ چڑھا حرِ جری کا دلدار تھے عیاں چہرے سے والا نسبی کے آثار
آب زہروں کو کئے دیتی تھی صورت اُن کی
دنگ تھا ترکِ فلک دیکھ کے شوکت اُن کی ۷۳

چڑھ کے گھوڑے پہ یہ دی حرؑ دلاور نے صدا پسرِ سعد سے کہہ دے کوئی پیغام مرا
بھاگنے کی نہ تجھے شرم نہ چھپنے کی حیا اولعیں فوج کے گھونگٹ سے نکل سامنے آ
کہہ و مہ ہنستے ہیں ظالم تری دل سردی پر
افسرِ فوج بنا ہے اسی نامردی پر ۷۴

عین غفلت ہے ستمگار تری ہشیاری کس نے دی ہے تجھے لشکر کی سپہ سالاری
کیا خبر قاعدۂ جنگ کی تجھ کو ناری عمر بھر تو نے پڑھا ہے سبقِ عیاری
بے حمیت ہے دغا پیشہ ہے کیا د ہے تو
مکر میں، زور میں شیطان کا استاد ہے تو ۷۵

جنگ کا دل میں ہو ارمان اگر او غدار اور میں چند نفس روکے ہوئے ہوں رہوار
دیکھ لے بھیج کے دس بیس رسالے اکبار گھر کے یوں لڑتے ہیں میدان میں جو ہیں جرار
برچھیاں کھا کے بھی گھوڑوں پہ سنبھل جاتے ہیں
شیر یوں فوج کے نرغہ سے نکل جاتے ہیں

۷۶

میں بھی موجود ہوں لشکر بھی ہے موجود ترا آئے میدان میں آنا ہو جسے بہرِ وغا
میں کہے دیتا ہوں ایک ایک کو دے دے کے صدا پھر یہ کہنے کو نہ ہو حرِ جری بھاگ گیا

دب کے اعدا سے رہیں یہ نہیں جادہ اپنا
۷۷ مرد وہ ہے جو بیاں کر دے ارادہ اپنا

جب کسی نے نہ دیا حرِّ دلاور کو جواب عرض کی خالقِ کونین سے باچشمِ پُر آب
تجھ کو معلوم ہے دو دن سے ہوں میں بے خور و خواب شوقِ پابوسیٔ شبیرؑ میں دل ہے بیتاب

ہوسِ مال نہ خواہش زر و دینار کی ہے
۷۸ آرزو دل میں ترے دوست کے دیدار کی ہے

تو ہے آگاہ کہ اس دن کی نہ تھی مجھ کو خبر یہ نہ تھا علم کہ دشمن شہِ دیں کا ہے عمر
میں یہ سمجھا تھا کہ ہیں کوفہ کے عازم سرور بس یہی امر بنِ سعد کو ہے مدِ نظر

کہ رہِ راست نہ بندوں کو دکھانے پائیں
۷۹ کوفہ میں قبلۂ کونین نہ آنے پائیں

آہ اس کا تو سرِ مو بھی نہ تھا وہم و گماں قول سے اپنے بدل جائیں گے سب پیر و جواں
جس کو خط لکھ کے بلائیں گے کریں گے مہماں اُس کے ہو جائیں گے بے جرم و خطا دشمنِ جاں

یوں درِ امن و اماں بند کریں گے اُس پر
۸۰ تین دن آبِ رواں بند کریں گے اُس پر

پسرِ سعد کے کہنے پہ کیا میں نے عمل حیف کیا قوتِ ادراک ہوئی تھی مختل
میرے باعث سے پڑا راحتِ سرور میں خلل پھول زہرا کا کہاں اور کہاں یہ جنگل

دل نہ فرزندِ پیمبر کا ستانا تھا مجھے
گھیر کر شاہ کو اس بن میں نہ لانا تھا مجھے

۸۱

تو ہے ربِ دو جہاں میں ہوں ظلوم اور جہول دل کو میرے خبر اس امر کی دے بہرِ بتول
اب اگر جاؤں پئے نصرتِ فرزندِ رسول تیری درگاہ میں ہو گی مری توبہ مقبول
متفکر ہے ابھی سے دلِ بسمل میرا
۸۲ بخش دے جرم تو اے خالقِ عادل میرا

آئی آواز کہ ہم ہیں تری نیت سے خبیر صدقِ دل سے ہے تجھے شوقِ لقائے شبیر
معدنِ فیض ہے سرکارِ امامِ دلگیر غیر ممکن ہے کہ ہو عفو نہ تیری تقصیر
جلد جا جلد کہ واغنچۂ دل ہو جائے
۸۳ جس خطا کا تجھے دہڑکا ہے بحل ہو جائے

لے بڑھا رخش کو محنت کدۂ غم سے نکل شوق میں گلشنِ جنت کے جہنم سے نکل
فوجِ شبیرؑ میں جا لشکرِ اظلم سے نکل ملکِ اسلام میں آ کفر کے عالم سے نکل
منتظر ہے اسد اللہ کا پیارا تیرا
۸۴ اوج اقبال پہ ہے آج ستارا تیرا

یہ صدا سن کے دلاور نے اٹھایا گلگوں جادۂ شوق پہ کس حسن سے آیا گلگوں
پا گیا عرشِ جلالت کا جو پایا گلگوں اپنی توقیر پہ پھولا نہ سمایا گلگوں
شور تھا بادِ نسیم آتی ہے گلشن کی طرف
۸۵ بوئے گل لے کے صبا جاتی ہے گلشن کی طرف

تھا ادھر شوقِ ملاقات میں یہ با توقیر منتظر حر کے تھے اُس سمت شہِ عرش سریر
گھر میں فرماتی تھی فضہ سے یہ شہ کی ہمشیر دیکھ تو جا کے ہوئی پانی کی کوئی تدبیر
عرض کر بھائی سے غش بچوں کو آب آتے ہیں
پیاس کے صدمہ سے معصوم موئے جاتے ہیں

۸۶

جان بلب پیاس سے باقر ہے سکینہ ہے نڈھال غیر گہوارہ میں ہے اصغرؑ بے شیر کا حال
خشک بے آب کے ہیں باغِ نبوت کے نہال کس مصیبت میں ہے افسوس پیمبر کی آل

کیا یہی خلق میں دستور ہے مہمانی کے
یاں ہمیں تین شبیں گذری ہیں بن پانی کے ۸۷

کوئی اتنا نہیں دے جا کے عمر کو یہ پیام پیاس کے صدمہ سے بچے ہوئے جاتے ہیں تمام
جان و دل صاحبِ لولاک کے ہیں یہ گلفام رحم کر ان پہ خدا کے لئے او بد انجام

وطن آوارہ ہیں مظلوم ہیں مہ پارے ہیں
جس کی اُمت میں ہتُو اس کے یہ سب پیارے ہیں ۸۸

کی ہے بالفرض اگر ہم نے لعینوں کی خطا حاکمِ وقت کے مجرم ہیں امامِ دوسرا
ہم پہ لازم ہے ستمگر کو تعدی و جفا دودھ پیتے ہوئے معصوموں کی تقصیر ہے کیا

غور تو دل میں کرے بند ہے پانی کن پر
ظلم کس مذہب و ملت میں روا ہے ان پر ۸۹

ہائے چھڑوا کے جگر بندِ پیمبر سے وطن یک بیک ہو گئی سب کوفہ کی خلقت دشمن
خشک پانی کے نہ ملنے سے ہے زہرا کا چمن دشتِ آفت میں مقید ہیں شہنشاہِ زمن

کمریں ظلم پہ باندھے ہیں ستمگر لاکھوں
تیز ہیں ایک گلے کے لئے خنجر لاکھوں ۹۰

خدمتِ شاہ میں جب حرِّ دلاور پہنچا اشک آنکھوں سے بہاتا وہ غضنفر پہنچا
ہاتھ رومال سے باندھے ہوئے صفدر پہنچا جان پر کھیل کے وہ عاشقِ سرور پہنچا

اپنی تقصیر کا رہ رہ کے خیال آتا تھا
سرنگوں فرطِ ندامت سے ہوا جاتا تھا

۹۱

گر کے پھر شاہ کے قدموں پہ یہ بولا دیندار منفعل اپنی خطا پر ہوں میں اے عرشِ وقار
اب بحل کیجئے تقصیر کو بہرِ غفار ہے خطا پوش جہاں میں شہِ دیں کی سرکار
کچھ بھی مجھ سے نہ ہوئی آپ کی خدمت مولاؑ
جو سزا دیجئے ہے عینِ عدالت مولاؑ

۹۲

حرؑ کو سینہ سے لگا کر یہ شہِ دیں نے کہا بھائی واللہ مجھے رنج نہیں تجھ سے ذرا
تیرے مداح ہیں جنت میں رسولِ دوسرا شکر کر شکر کہ خورسند ہوا تجھ سے خدا
ہاں گناہوں کا جو دفتر تھا وہ سب چاک ہوا
یک قلم نامۂ اعمال ترا پاک ہوا

۹۳

یہ سخن سن کے گرا پاؤں پہ وہ نیک نہاد عرض کی حر ہوا اب نارِ سقر سے آزاد
یوں مخاطب ہوا پھر بھائی سے وہ اہلِ وداد اشرف الناس ہے واللہ نبی کی اولاد
صاحبِ خلق ہیں سلطانِ امم ہیں مولاؑ
میں نہ کہتا تھا کہ دریائے کرم ہیں مولاؑ

۹۴

پھر بصد شوق دلاور نے یہ حضرت سے کہا اب مجھے اذنِ وغا دیجئے اے شاہِ ہدا
روکے شبیر نے فرمایا یہ کیا تو نے کہا دیر آتے نہیں گذری کہ سوئے خلد چلا
وقتِ بد میں کوئی مظلوم سے منہ موڑتا ہے
تو بھی پردیس میں اے بھائی ہمیں چھوڑتا ہے

۹۵

جوڑ کر ہاتھوں کو رویا جو وہ جرار اکبار بولا سینے سے لگا کر یہ نبی کا دلدار
مجھے سے دیکھا نہیں جاتا ترا رونا زنہار یہی مرضی ہے تو اچھا سوئے فردوس سدھار
حیف در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

۹۶

سخت محجوب ہوا تجھ سے نبی کا جانی بھائی کچھ مجھ سے تری ہو نہ سکی مہمانی
پیاس سے زرد ہیں بچوں کے رخِ نورانی ذکر کھانے کا بھلا کیا نہیں ممکن پانی
رنج تا عصر یہ مظلوم سہے گا بھائی
۹۷ خیر یہ وقت بھی ہم پر نہ رہے گا بھائی

لے ذرا سر تو اُٹھا سوئے فلک اے جرار تا نظر آئے تجھے قدرتِ ربِّ غفار
دیکھا گردوں کی طرف سر جو اٹھا کر اکبار نظر آنے لگا فردوسِ بریں کا گلزار
دل پکارا کہ جگہ ہے یہ عجب راحت کی
۹۸ کیا بھلی لگتی ہے آنکھوں کو فزا جنت کی

وہ ہوا سرد وہ فردوسِ بریں کا گلزار وہ چمن پھولے ہوئے وہ تر و تازہ اشجار
شور وہ قمری و طاؤس کا وہ صوتِ ہزار نخل وہ پھولوں کے ہر سو وہ گلوں کے انبار
ٹھنڈی ٹھنڈی جو گلستاں کی ہوا کھاتے تھے
۹۹ پھول بھی فرطِ مسرت سے کھلے جاتے تھے

جن کو دل دیکھ کے تازہ ہو وہ میوے شاداب بوئے خوش ایسی کہ جو رشک دہِ عطرِ گلاب
تازگی وہ نہ گہہ گرم کی جن کو نہیں تاب کس طرح ایسے پھلوں سے نہ ہو پھولوں کو حجاب
جن کے واصف ہیں ملک لائقِ تحسیں ایسے
۱۰۰ جن کے مذکور سے لب بند ہوں شیریں ایسے

کہیں یاقوت کے گھر ہیں کہیں قصرِ مرجاں کہیں تسنیم کہیں چشمۂ کوثر ہے رواں
کہیں اک شاخ پہ سو بلبلیں ہیں زمزمہ خواں کہیں گلگشت میں مصروف نگارانِ جناں
پیاری وہ صورتیں دلکش وہ صدائیں اُن کی
وہ کرشمے وہ غضب شوخ ادائیں اُن کی

۱۰۱

ہے کوئی غیرتِ خورشید کوئی ماہِ تمام دل پسے جاتے ہیں سینوں میں وہ اندازِ خرام
ہیں دہن غنچۂ فردوس تو آنکھیں بادام سلسلے کاکلِ پُر پیچ کے عشاق کو دام

دیکھ کر جن کو کٹے تیغ بھی ابرو ایسے
حلّی آئینے صدقے کئے زانو ایسے

۱۰۲

چوٹیاں اُن کی وہ گوندھی ہوئیں، وہ سرو سے قد ہاتھ میں مردمکِ دیدہ کے غمزوں کی سند
آنکھیں وہ دیکھ کے حیراں ہو جسے چشمِ خرد سینے ہیں یا کہ نظر آتے ہیں پھولوں کے سَبَد

نظریں تیری ہیں موئے مژہ بھالے ہیں
نیچے اُگلے ہوئے سرمہ کے دُنالے ہیں

۱۰۳

نمکیں حُسن وہ آفت کا وہ بیساختہ پن وہ قیامت کی جوانی وہ غضب کا جوبن
چہرے وہ نور کے وہ چست شلوکے وہ بدن بصد انداز و ادا، چھیڑ کے باہم وہ سخن

کوئی رگ جسم کی، شوخی سے نہیں خالی ہے
پھرتیاں قہر کی ہیں، چال بھی متوالی ہے

۱۰۴

بزمؔ کیوں آج یہ کیا ہے تری طرزِ گفتار یہ طریقہ نہیں اربابِ ادب کا زنہار
کیا غزل کہنے پہ ہے شاعری کا دارو مدار تو ہے ذاکر تجھے زیبا نہیں ایسی رفتار

بس قلم روک کہ یہ رنگ متانت کا نہیں
مرثیہ ہے کوئی واسوخت امانت کا نہیں

۱۰۵

یہ فزا دیکھ کے بیتاب ہوا وہ زیجاہ چوم کر شہہ کے قدم، رن کو چلا غیرتِ ماہ
بھائی پہلو میں پسِ پشت پہ خادم ہمراہ شوکت و جاہ و تہور کی جلو میں تھی سپاہ

دبدبہ دیکھ کے جرار بھی تھراتے تھے
چار ضیغم تھے کہ غصہ میں چلے جاتے تھے

۱۰۶

شوکتِ حُرِ سرافراز بیاں ہو کیونکر وہ جلالت وہ تہور وہ غضب کے تیور
برمیں چار آئینہ فولاد کا سر پر مغفر دہنے کاندھے پہ تھی شمشیر تو بائیں پہ سپر
غل ہے اعدا میں یہ رتبہ کوئی کب پاتا ہے
کچھ عجب شان سے مہمانِ حسینؑ آتا ہے

۱۰۷

رن میں جب بہرِ وغا حُرِ دلاور آیا غُل ہوا ناصرِ دلبندِ پیمبر آیا
کچھ عجب شان سے غازی سوئے لشکر آیا فرطِ ہیبت سے دم اعدا کا لبوں پر آیا
رن میں ہر پیرو جواں خوف سے تھراتا تھا
دیکھ کر رفعتِ حرؑ چرخ دبا جاتا تھا

۱۰۸

دشتِ جنگاہ میں پہنچا جو حرِؑ عالیجاہ عبد و فرزند و برادر سے کہا بسم اللہ
کھینچ لو تیغیں کرو درہم و برہم یہ سپاہ یہ سخن سنتے ہی جھپٹے سوئے لشکر وہ ماہ
ایک ہی حملہ میں جراروں کے دم گھٹنے لگے
چار سو دشت میں فوّارۂ خوں چھٹنے لگے

۱۰۹

پیدلوں پر کبھی آئے کبھی اسواروں پر تیر کی طرح سے جاتے تھے کمانداروں پر
ہر طرف ٹوٹتے تھے قہر ستمگاروں پر دارِ دنیا میں عجب وقت تھا غداروں پر
نظر آتے تھے ہر اک حملہ میں بے سر لاکھوں
ٹھوکریں کھاتے ہوئے پھرتے تھے مغفر لاکھوں

۱۱۰

ناگہاں آئے پسِ پشت سے چھپ کر مکار تیر برسانے لگے غازیوں پر ناہنجار
نیزہ داروں نے بھی بڑھ بڑھ کے کئے قہر کے وار ہو کے مجروح گرے گھوڑوں سے وہ عرش وقار
خون میں ڈوب کے جنت میں دلاور پہنچے
سر خرد پیشِ خدا غازی و صفدر پہنچے

۱۱۱

داخلِ باغِ جناں جب ہوئے وہ ماہِ منیر جھک گیا شکر کے سجدے کو حرِّ با توقیر
پھر بصد شوقِ وغا میان سے کھینچی شمشیر سن کے اشعارِ رجز دنگ ہوئی فوجِ شریر

رکن بیتوں کے نہ تھے بحرِ بلاغت تھے وہ
لفظ تھے یا گہرِ سلکِ فصاحت تھے وہ

۱۱۲

جن کو تھا زعمِ فصاحت وہ ہوئے سب ہک دک ہو گیا سحر بیانوں کو بھی اعجاز کا شک
متحیر صفتِ آئینہ تھے جن و ملک تھے دلوں کیلئے الفاظ سہ پہلو نا وک

فصحا وجد میں تھے سن کے بیانِ غازی
ذوالفقارِ شہِ مرداں تھی زبانِ غازی

۱۱۳

کھول پھر میکدۂ فتح کا در اے ساقی دے کوئی جام مجھے دیر نہ کر اے ساقی
تیرا ممنون ہے ہر جن و بشر اے ساقی اس طرف بھی ہو عنایت کی نظر اے ساقی

آگ بھڑکی ہوئی ہے دل میں کئی راتوں سے
ہاں پلا جام کوئی ناز بھرے ہاتھوں سے

۱۱۴

لو چلی تیغ بڑھا ناصرِ سلطانِ انام لو ہوا حشر دلاور نے علم کی صمصام
لو ہوئی پھر متفرق سپہ کوفہ و شام لو چلا پھر طرفِ نار ہر اک بد انجام

فوج پسپا ہوئی جراروں کے جی چھوٹ گئے
ہو گئیں دم میں صفیں صاف پرے ٹوٹ گئے

۱۱۵

دامِ آہن میں گرفتار زرہ پوش ہوئے سوکھ کر خار کی مانند تن و توش ہوئے
فرد جو چرب زبانی میں تھے خاموش ہوئے بارِ سر جسم سے اترا تو سبکدوش ہوئے

دشت سے قعرِ جہنم میں ستمگار گئے
جن کو دینار کی حسرت تھی سوئے نار گئے

۱۱۶

قہرِ معبود تھا یا حرِ جری کی صمصام بید کی طرح لرزتے تھے سلحشور تمام
نظر آتا تھا چراغِ سحری لشکرِ شام پاوں پکڑے تھی زمیں، بھاگتے کیا بدانجام
خاک بھی اڑتی نہ تھی خوف یہ تھا صحرا کو
بیڑیاں بن گئیں پاوں کی رگیں اعدا کو

۱۱۷

صورتِ مار جو یل آئے تھے بل کھائے ہوئے بھاگتے پھرتے تھے سہمے ہوئے گھبرائے ہوئے
پھٹ گئے بادلوں کے ابرِ سیہ چھائے ہوئے قدر اندوزوں کے جاتے تھے حواس آئے ہوئے
جو کماندار تھے وہ خوف سے تھراتے تھے
منہ کو کھولے ہوئے سوفار بھی چلاتے تھے

۱۱۸

ناگ بن جاتے تھے بل کھا کے جو گیسو حُر کے سامنے آتی نہ تھی فوجِ سیہ رو حُر کے
تاب کیا، ہو جو مقابل کوئی بدخو حُر کے ذوالفقارِ اسد اللہ تھے ابرو حُر کے
غل تھا رن ایسا زمانے میں کہاں پڑتا ہے
یہ جری مالکِ اشتر کی طرح لڑتا ہے

۱۱۹

کہیں چار آئینہ توڑا کہیں بکتر توڑا کہیں ٹکڑے ہوئیں ڈھالیں کہیں مغفر توڑا
کہیں نقارۂ افواجِ ستمگر توڑا کہیں ناوک کہیں نیزہ کہیں خنجر توڑا
دم میں عاری کیا تیغوں کو سنانیں کاٹیں
ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تیروں کی کمانیں کاٹیں

۱۲۰

جو بڑھا جوشِ وغا میں وہ پلٹ کر بھاگا منہ پہ چڑھنا تو کہاں خوف سے ہٹ کر بھاگا
رن سے ہر مرکبِ راکب بھی الٹ کر بھاگا متصل شیر کے جو آیا، جھپٹ کر بھاگا
فوج کو امن کا گوشہ نہ کہیں ملتا تھا
کوہ تھرا رہے تھے دشتِ وغا ہلتا تھا

۱۲۱

تیغیں ہوتی تھیں قلم دشت میں بھالوں کی طرح پھول ڈھالوں کے نظر آتے تھے چھالوں کی طرح
نخلِ قد کٹ رہے تھے تازہ نہالوں کی طرح چھپتے پھرتے تھے لعیں ڈر سے شغالوں کی طرح

ایک کو تاب نہ تھی سینکڑوں بد ذاتوں میں
۱۲۲ بازوؤں میں تھی نہ طاقت نہ سکت ہاتھوں میں

رن میں وہ اسپ صبا دم کا تگاپو کرنا دُم چنور کر کے وہ ہر بار طرارے بھرنا
ہر قدم پر وہ قدم ناز و ادا سے دھرنا متحیر تھے اسے دیکھ کے پیر و برنا

کلک بھی اس کی روانی جو رقم کرتا ہے
۱۲۳ سر خجالت سے ہر اک مرتبہ خم کرتا ہے

ہوں خجل باغ کے طاؤس اگر بن کے چلے پیارا معشوق ہومعلوم جو یہ تن کے چلے
دیکھ کر چال چھری قلب پہ دشمن کے چلے رنگ واقف نہ ہو یوں سبزہ پہ گلشن کے چلے

نقرئ ساز ہے یا کاہکشاں ہے دیکھو
۱۲۴ تختِ طاؤس صبا لے کے رواں ہے دیکھو

دی صدا شاہ نے اے شیرِ وغا کیا کہنا یوں ہی لڑتے ہیں سب اربابِ وفا کیا کہنا
حشر ہے لشکرِ اعدا میں بپا کیا کہنا خوب دی آئینۂ دیں کو جلا کیا کہنا

دھیان ہوتا تجھے کیونکر کسی اندیشے کا
۱۲۵ تو بھی اک شیر ہے اے دوست اسی بیشے کا

کیا شرف الفتِ اللہ و پیمبر سے ملا مژدۂ فضلِ خدا حضرتِ شبّر سے ملا
سیر کو باغِ جناں حیدرؑ صفدر سے ملا خلعتِ عفو تجھے خالقِ اکبر سے ملا

اور کیا اس سے زیادہ تری عزت ہو گی
آج تیری چمنِ خلد میں دعوت ہو گی

۱۲۶

جھک گیا شاہ کے مجرے کو جو وہ نیک انجام ناگہاں تیروں کو سر کرنے لگے ساکنِ شام
چار جانب سے چلے نیزہ و گرز و صمصام ہو گیا زخموں سے غربال بدن حر کا تمام
اقتلو کا ہوا غل فوج کے اسواروں میں
۱۲۷ گھر گیا شاہ کا مہمان ستمگاروں میں

چور زخموں سے ہوا عاشقِ رب ہائے غضب پیرہن ڈوب گیا خون میں سب ہائے غضب
دلِ مغموم پہ یہ رنج و تعب ہائے غضب خلد میں روتے ہیں سلطانِ عرب ہائے غضب
کھا کے غش خاک پہ گھوڑے سے جو جرار گرا
۱۲۸ غل ہوا ناصرِ شاہنشہِ ابرار گرا

گر کے گھوڑے سے یہ مولا کو صدا دی اکبار آیئے جلد کہ خادم ہوا آقا پہ نثار
شکر صد شکر ہوا فدیۂ راہِ غفار اب یہ حسرت ہے کہ دیکھوں شہِ دیں کا دیدار
یہ سخن سنتے ہی فرزندِ پیمبر تڑپا
۱۲۹ جسم سب سرد ہوا، یہ دلِ مضطر تڑپا

خاک اڑاتے ہوئے میداں کو چلے شاہِ انام ساتھ تھے اشک فشاں یاور و انصار تمام
یہی نوحہ تھا کہ جاتا رہا دل کا آرام چھٹ گیا مجھ سے مرا دوست مرا ماہِ تمام
کیا خبر تھی کہ غمِ ہجر یہ دے گا مجھ کو
۱۳۰ دوست ایسا نہ ملا ہے نہ ملے گا مجھ کو

جس جگہ نزع کی حالت میں تھا وہ شیرِ وغا پہنچا روتا ہوا واں دلبرِ محبوبِ خدا
بیٹھ کر حر کے سرہانے یہ شہِ دیں نے کہا کچھ تو اے دوست بیاں مجھ سے کر احوال اپنا
جاں بلب جانِ رسول اثقلین آیا ہے
آنکھ تو کھول برادر، کہ حسینؑ آیا ہے

۱۳۱

سن کے آواز کو جونکا حرِ جرار اکبار عرض کی آپ کی اس بندہ نوازی کے نثار
آپ کے صدقہ میں اے بادشہِ عرش وقار حق نے بخشا مجھے فردوسِ بریں کا گلزار
کچھ عجب طرح کے حاصل ہیں نظارے مجھ کو
حوریں کرتی ہیں دریچوں سے اشارے مجھ کو

۱۳۲

کہہ رہا تھا یہ ابھی شاہِ امم سے جرار ناگہاں موت کے ظاہر ہوئے رخ پر آثار
ہچکیاں لے کے گیا سوئے ارم وہ دیندار پیٹ کر سینہ و سر روئے امامِ ابرار
مومنو رود کہ سلطانِ ہدا روتے ہیں
شہ کے مہمان کو محبوبِ خدا روتے ہیں

۱۳۳

یہ ہے اے مومنو اب خاک اڑانے کا مقام ذبح دو روز کے پیاسے جو ہوئے شاہِ انام
پاس اکبرؑ تھے نہ عباس نہ یاور نہ غلام سم وہ گھوڑوں کے وہ مجروح تنِ پاکِ امام
خود گئے لاش کو مہمان کی لانے کے لئے
کون تھا لاشۂ شبیر اُٹھانے کے لئے

۱۳۴

دھوپ وہ جیٹھ کی وہ قہر کی گرمی وہ ہوا اربعیں تک نہ ہوئے دفن شہِ ہر دو سرا
بزمؔ بس اور نہ لکھ حالِ غریب الغربا دلِ بیتاب ہے اب سینہ میں ٹکڑے ہوتا
جس کا مرہم ہو جہاں میں یہ وہ ناسور نہیں
جسم سے جان نکل جائے تو کچھ دور نہیں

مرثیہ: ۱۳

درحال حضرت علی اکبر علیہ السلام

مطلع

دَولتِ مدحِ نبیؐ دین کا سرمایا ہے

تعداد بند: ۱۳۴

غازی آباد--۱۱ جنوری ۱۹۲۱ء

۱

دولتِ مدحِ نبیؐ دین کا سرمایا ہے اسی نایاب رقم سے یہ شرف پایا ہے
کلمہ پڑھتی ہے فصاحت وہ مرا پایا ہے بیت ہر اک مری قرآن کا اک آیہ ہے

عرشِ منبر پہ مکیں ہوں یہ قرینہ دیکھیں
کلمۂ گو مری معراج کا زینہ دیکھیں

۲

جس کا مداح ہے رَب اُس کی ثنا پڑھتا ہوں اپنے پڑھنے پہ میں خود، صَلِ علا پڑھتا ہوں
کچھ فرشتوں ہی کو معلوم ہے، کیا پڑھتا ہوں قلمِ کاتبِ قدرت کا لکھا، پڑھتا ہوں

وصفِ محبوبِ خدا اور مرا منہ، واہ رے میں
ذرۂ خاک کا یہ مرتبہ، اللہ رے میں

۳

واہ رے ذکر، کہ آوازِ ثنا آتی ہے میری امداد کو تائیدِ خدا آتی ہے
بزم میں، گلشنِ جنت کی ہوا آتی ہے انما انت مُذکّرِ کی صدا آتی ہے

ذکر سرور کا بیاں کیا ہو کہ جو پایا ہے
وَرَفَعنَا لَکَ قرآن میں جب آیا ہے

۴

زیرِ منبر مَلَکِ عالَمِ بالا بھی ہیں اپنے مشتاق سب ادنی بھی ہیں اَعلا بھی ہیں
ذکر اوروں کا تو کیا سیّدِ والا بھی ہیں یاں نظر کردۂ اللہ تعالیٰ بھی ہیں

ساتھ فردوس سے سب اور نبیؐ آئے ہیں
مرثیہ سننے رسولِؐ عَرَبی آئے ہیں

۵

میری تعریف کی یہ مدح و ثنا، صلِ علیٰ یوں درودوں کی ہر اک سمت صدا صلِ علیٰ
انبیا مدح کریں، شکر خدا صلِ علیٰ ای محمدؐ کی ثنا صل علا صلِ علیٰ

اور کیا اس سے زیادہ مری عزت ہوجائے
مدح گو سے وہ بڑھے، جس کو نبوت ہوجائے

۶

میرا کیا منہ جو محمدؐ کی میں توصیف پڑھوں ہاتھ جس تک کہ پہنچتا ہو وہ تالیف پڑھوں
آج مجلس میں نئی صنف کی تصنیف پڑھوں محو تعریف ہوں سب، پہلے وہ تعریف پڑھوں

پر لکھوں کس کی ثنا یہ مجھے حیرانی ہے
ثانیٔ ختم رسالت بھی تو لاثانی ہے

۷

صورتِ جوہرِ اول ہے اس آئینہ میں حق نظر آئے، وہ صقیل ہے اس آئینہ میں
دعویٔ نور مدلّل ہے اس آئینہ میں سورتِ نور مُشکّل ہے اس آئینہ میں

حق کو دیکھا نہیں، ہر شخص کو جو یاد کیا
ان کا منہ دیکھا، تو اللہ کو گویا دیکھا

۸

کون سی شے ہو ثنائے رخِ رنگیں کے لئے لوحِ قرآنِ مُبیں چاہیے یٰسیں کے لئے
روز روتے تھے جو شبیر شہ دیں کے لئے حق نے تصویرِ نبیؐ بھیج دی تسکیں کے لئے

کیوں نہ اکبر ہو بھلا دلبر ضرغامِ خدا
جیسی تصویر ہے ویسا ہی لقب نامِ خدا

۹

وقتِ تحصیلِ سعادت ہے، پڑھو مل کے درود یہ بیاں معدن رحمت ہے، پڑھو مل کے درود
عیش و عشرت کی یہ ساعت ہے، پڑھو مل کے درود آج اکبر کی ولادت ہے، پڑھو مل کے درود

منزل شہ کو شرفؔ ربِّ ہدا نے بخشا
اُمِّ لیلا کو عجب چاند خدا نے بخشا

۱۰

یہ خبر سن کے صبا، کیوں نہ مچائے دھومیں نونہالانِ چمن، کیوں نہ خوشی سے جھومیں
شور تھا اور ہی کچھ رنگ ہے، اس گلرو میں کھل گئے گل، کہ مزا ملتا ہے اس خو بو میں

بلبلیں بولیں کہ پھر فصلِ بہاری آئی
چمنِ دہر میں پھر گل کی سواری آئی

۱۱

ہر گُلِ تر سے یہ کہتی تھی نسیمِ سحری لو مبارک کہ نئے سر سے ملا تاجِ زری
گل پکارے کہ ہے لازم تجھے، پیغامبری دیکھو ہر پھول کی آنکھیں ہیں عقیقِ شجری

کس طرح باغِ محمدؐ میں گزر ہوجائے
کہ گلِ روئے نبیؐ پیشِ نظر ہوجائے ۱۲

باچھیں کھلنے لگیں پھولوں کی، زہے جوشِ سرور غنچے دوری سے دل افسردہ تھے ہوکر مجبور
طائرِ قبلہ نما بن گئے جنت کے طیور ٹکٹکی باندھے ہوئے تاک رہے تھے انگور

نامرادی کے کہاں زخم بھرے ہیں اب تک
گو کچھ انگور بندھے ہیں پہ ہرے ہیں اب تک ۱۳

کس طرح دیکھتی نرگس کو یہ حیرانی تھی سنبلِ تر کو فزوں حد سے، پریشانی تھی
نارسائی سے، یہ اندوہ کی طغیانی تھی جوشِ غیرت سے ہر اک نہرِ چمن، پانی تھی

شادمانی میں نظر آئی خلل کی صورت
نیلوفر کھلتے ہی جلتا تھا کنول کی صورت ۱۴

بس کہ دربار میں کھلتے ہوئے پایا نہیں بار گلِ خورشید کے ویسے ابھی نکلے نہیں خار
واں ہیں مسرور زمیں چوم کے شاخیں ہر بار لے اُڑی بوئے گلِ تر کو ادھر بادِ بہار

فیضِ باری سے جو دربار میسر ہو جائے
بوئے گل پھول کے جامہ سے نہ باہر ہوجائے ۱۵

غلغلہ شہر میں ہے، دھوم ہر اک محفل میں چاند دیکھا نہیں، اور عید ہے ہر منزل میں
دل جو حسرت میں طپیدہ سے تو حسرت دل میں جان ٹھہری ہے نظارے کو تنِ بسمل میں

طاقِ کسریٰ کے عوض کوفہ کا در ہلتا ہے
خوف سے مہر منور کا جگر ہلتا ہے

۱۶

عورتیں آتی ہیں شاداں جو خبر پاتی ہیں خواہرِ شہ انہیں اکرام سے بٹھلاتی ہیں
تہنیت دے کے پھر آخر یہی کہہ جاتی ہیں لو نبیؐ آگئے اب فاطمہؑ یاد آتی ہیں

شادیاں ان کے لئے آج نہیں تھیں بی بی
اسی صورت کو پھڑک کر تو گئیں تھیں بی بی

۱۷

آئے بنتے ہوئے گھر میں خلفِ پیغمبر کان میں جھک کے اذاں کہنے لگے خود سرور
سر ہلانے لگے، تکبیر کو سن کر اکبر ننھی انگلی کو ہلایا کہ احد ہے داور

ہر شرف طاعتِ مجبودِ جہاں سے پایا
نامِ اکبر جو ملا وہ بھی اذاں سے پایا

۱۸

گود میں لے کے یہ زینبؑ نے کہا لو بھائی لو چراغ آپ کو خالق نے دیا لو بھائی
مصطفےؐ جا کے پھرے شکرِ خدا لو بھائی گھر تجلی کدۂ مہر بنا لو بھائی

شکر خالق کو تو مقدور کہاں ہے بھائی
میرے ماں باپ کا یہ نام و نشاں ہے بھائی

۱۹

تم بھی کچھ خوش ہوئے بھیّا یہ ہمیں بتلاؤ مسکراتے ہو، تو منہ سے بھی ذرا فرماؤ
بھائی جاں شادیٔ مولود کا حق دلواو نیک ساعت ہے یہ، ہم تو ابھی لیں گے لاؤ

شرم کا وقت نہیں، آنکھ ملاؤ بھائی
آج کیا دیتے ہو، ہمشیر کو لاؤ بھائی

۲۰

شہ نہ فرمایا کہ سب زیور و زر حاضر ہے مال کیا مال، درِ علم کا گھر حاضر ہے
ورثۂ احمدؐ و میراثِ پدر حاضر ہے کام اگر آئے تمہارے تو یہ سر حاضر ہے

کچھ تبرک ہیں یہاں، اور بھلا کیا ہے بہن
صرف اک چادرِ عصمت، تمہیں زیبا ہے بہن

۲۱

عرض کی زیور و زر، تم کو مبارک بھائی احمدؐ پاک کا گھر، تم کو مبارک بھائی
ورثہ جدّ و پدر، تم کو مبارک بھائی صدقے اس سر کے، یہ سر تم کو مبارک بھائی

نہ زر و مال نہ خلعت نہ گہر لوں گی میں
گر خوشی سے مجھے دو گے، یہ پسر لوں گی میں

۲۲

شہ نے فرمایا کہ اچھا، یہ پسر حاضر ہے شوق سے گود میں لو، لختِ جگر حاضر ہے
لختِ دل راحتِ جاں نورِ نظر حاضر ہے پرورش اس کی کرو، رشکِ قمر حاضر ہے

جو مقدر میں ہے، وہ ربّ عطا دے گا ہمیں
ہم نے یہ تم کو دیا اور خدا دے گا ہمیں

۲۳

بولی بانو تمہیں پالوگی انہیں کیوں بی بی ماں کی صورت سے بلالوگی انہیں کیوں بی بی
کیا ابھی ہم سے چھڑالوگی انہیں کیوں بی بی دودھ اوروں کا پلا لوگی انہیں کیوں بی بی

وہ کرم کیجے کہ صدمہ بھی نہ ہو بانو کو
دائی ہی جان کے، خدمت کو رکھو بانو کو

۲۴

بولی زینب کہ میں تم سے نہ چھڑاوں گی انہیں رات دن آنکھ کے جھولے میں جھلاؤں گی انہیں
اپنی پلکوں سے تھپک کر، میں سلاؤں گی انہیں تم انہیں دودھ پلاؤ، میں کہلاؤں گی انہیں

سچ ہے کیا تم سے سوا دوسری دائی ہوگی
تم کو حق دوں گی میں، جب دودھ بڑھائی ہوگی

۲۵

لے لیا راحت جاں کو شہ انس و جاں سے ومبدم چاہ بڑھی رشکِ مہِ کنعاں سے
انکی صورت سے فقط عشق تھا، یا قرآں سے جب ہوئی دودھ بڑھائی تو چھڑایا ماں سے

دو گہر بھائی نے بخشے تھے جو مانجائی کو
دودھ کے حق میں وہ زینبؑ نے دیئے دائی کو

۲۶

بولی اے تاجِ سرِ عرشِ معلّٰی کی بہن دخترِ ابرِ کرم، دلبرِ زہراؑ کی بہن
گہر لٹا دے جو سخی اس شہ والا کی بہن مرحبا شاہ نجف کے دُرِ یکتا کی بہن

واہ بچوں کی جو باتیں ہیں یہی ہوتی ہیں
آبرو میری ہوئی جن سے، یہ وہ ہوتی ہیں ۲۷

نخلِ امید کے دو تازہ ثمر تھے وہ گہر اخترِ طالعِ خورشیدِ قمر تھے وہ گہر
گلشن شاہ نجف کے گل تر تھے وہ گہر قلزمِ جود پیمبرؐ کے گہر تھے وہ گہر

جان بانو کی لڑی رہتی تھی، ہر موتی سے
کربلا میں وہ چھنے فاطمہؑ کی پوتی سے ۲۸

حال مکتب کا کہے مدح سرا بسم اللہ شاہ کا لاڈلا پڑھنے کو چلا بسم اللہ
کس فصاحت سے پڑھے نامِ خدا بسم اللہ لوح دل دے کے شہِ دیں نے کہا بسم اللہ

غل تھا کس حسن کی تزئین ہے ماشاء اللہ
اسم اللہ پہ تحسین ہے ماشاء اللہ ۲۹

محوِ تعلیم پسر، بنتِ شہِ مرداں تھی دورِ قرآں سے عیاں منزلتِ عرفاں تھی
آنکھ آیت کی جھپکتی ہی نہ تھی، حیراں تھی صَرف خود صرفِ محبت تھی بلا گرداں تھی

نحو بھی محو ہوئی، علمِ عَرب سیکھ لیا
نُطق مَنطقِ نے، بلاغت نے ادب سیکھ لیا ۳۰

وقتِ تعلیم شجاعت کا اثر پیدا تھا صَرف میں بحث جو تھی، شیر کا دل بڑھتا تھا
حذف و اسقاط کا بچپن سے جری شیدا تھا راس کے ہمزہ کی تعلیل کا دل جویا تھا

نحو میں، تذکرۂ زیر و زَبَر پیش ہوا
فتح اور کسر کا اِک معرکہ دَر پیش ہوا

۳۱

جب پڑھی نحو تو افعال میں جھگڑا دیکھا علمِ منطق میں بھی، ایسا ہی قضیّہ دیکھا
اصطلاحات و لُغت میں یہی قصہ دیکھا سارے علموں میں غرض عقل کو لڑتا دیکھا
اور ہی شان تھی جب علمِ بیاں جان گئے
۳۲ جب الف دیکھ لیا، تیرو سناں جان گئے

علمِ دیں بادشہِ ہر دوسرا سے سیکھا سبقِ الفتِ شہ جوشِ ولا سے سیکھا
جوہرِ تیغ زنی سیفِ خدا سے سیکھا جو کہ دادا کا چلن تھا، وہ چچا سے سیکھا
ماہ ہر طرح سے کامل جو ہوا، داغ ہوا
۳۳ جب بہار آئی، تو پامالِ خزاں باغ ہوا

پالنے والے کی حسرت نہ نکلنے پائی خوب تقدیر سے ناشاد کی نسبت آئی
مرگ کا ساتھ ہی پیغامِ جوانی لائی گردشِ چرخ نے غربت کی بلا دکھلائی
یوں تو زینب پہ ہر اک روز مصیبت گزری
۳۴ پر شبِ روزِ دہُم، سر پہ قیامت گزری

شب کی مہلت جو ملی شہ کو ستم گاروں سے یاس بیبوں کو ہوئی فاطمہ کے پیاروں سے
چاہا شب بھر نہ جدا ہو جیئے ان تاروں سے کچھ تو آنکھوں کو تسلّی رہے نظاروں سے
سب نے زینب سے کہا زیست کے ساماں نہ رہے
۳۵ دولہہ اکبر کو بنا لیجے کہ ارماں نہ رہے

یہ بیاں سنتے ہی اکبر کو بلایا اندر جلد پوشاکِ نبیؐ لائی علیؑ کی دختر
شملۂ حیدرِؑ کرار کو باندھا سر پر جسمِ یوسفؑ پہ سجا، پیرہن پیغمبرؐ
غل ہوا، پوششِ محبوبِ خدا خوب کھلی
پھول سے جسم پہ کلیوں کی قبا خوب کھلی

۳۶

لال کو بیاہ کی پوشاک پنہائی فوراً ہو بہو صورت نوشاہ بنائی فوراً
دود دل سُرمہ بنا آہ سلائی فوراً مسندِ احمدِؐ مختار بچھائی فوراً
آنکھ کو جلوۂ نوشہ، سے جلا ہونے لگی
عمّہ قربان ہوئی دادی فدا ہونے لگی

۳۷

گہہ بلائیں لیں، کبھی پیار سے چومارخ پاک کبھی سینہ سے لگا کر یہ کہا، نحن فذاک
پھر کبھی سینہ پہ منہ ملنے لگی، سینہ چاک کبھی نوشاہ سے منہ پھیر کے روئی غم ناک
کبھی حیدرؑ کہا نانا کا کبھی نام لیا
ہائے اکبر کبھی کہہ کہہ کے جگر تھام لیا

۳۸

کبھی بولی، یہیں آرام کرو اے مرے لال جاگتی ہوں میں، تمہیں خواب کا لازم ہے خیال
حکم سے مائل راحت ہوا وہ نیک خصال منہ کو تکتی رہی تا صبح، یہ شیدائے جمال
دل جلاتا ہی رہا، سوز نہاں ساری رات
شمع بالیں وہ رہی، سوختہ جاں ساری رات

۳۹

دل الٹنے لگا، دلبر نے اگر کروٹ لی کہتی تھیں، میرے نصیبے نے اُدھر کروٹ لی
پتلیاں تڑپیں کہ اے نور نظر کروٹ لی اٹھ کے فوراً اُدھر آ بیٹھیں، جدھر کروٹ لی
رسمِ الفت کا دقیقہ نہ کوئی چھٹتا تھا
ہاتھ سینے پہ وہ رکھتے تھے، تو دم گھٹتا تھا

۴۰

دل مکدر ہوا، گر خاک پہ دامن دیکھا کبھی بازو پہ جو باندھا تھا، وہ جوشن دیکھا
کبھی بو سونگھی کبھی پھول سا وہ تن دیکھا شمع کو رکھ کے مقابل، رُخ روشن دیکھا
رات بھر دید میسر تھی عجب رونق تھی
یک بیک صبحِ اجل آئی تو رنگت فق تھی

۴۱

دل پکڑ کر کہا، بیکس مرے دلبر اٹھو لو بنے صبح ہوئی، لُٹ گئی مادر اٹھو
ڈوبتے جاتے ہیں افلاک پہ اختر، اٹھو لو اذاں دو، مرے پیارے علی اکبر اٹھو

لہجۂ صاحبِ معراج تو سن لے زینبؑ
اپنے نانا کی صدا، آج تو سن لے زینبؑ

۴۲

فوج میں آکے اذاں دینے لگے جب اکبر سن کے تکبیر چھری چلنے لگی زینبؑ پر
پھر شہادت جو کہی ذبح ہوئی یہ مضطر پڑھ کے تسلیم محمدؐ پہ، یہ بولی رو کر

خانۂ صاحبِ معراج، مٹا جاتا ہے
کلمہ والے ترا نام آج، مٹا جاتا ہے

۴۳

گوشِ گردوں میں پہنچنے لگی آوازِ رسول بابِ رحمت کی طرح کھل گئے سب باب قبول
خود اذاں بن گئی گلدستہ، جھڑے ایسے پھول کبھی خوش اور کبھی افسردہ ہوئی بنت بتولؑ

کبھی چلائی نظر ہو نہ مری جاں تجھ کو
حفظِ خلاق میں دیتی ہے یہ اماں تجھ کو

۴۴

طاعتِ صبح میں پھر محو ہوئی یوں وہ ملول سب نے سمجھا کہ مصلے پہ ہیں بے ہوش بتولؑ
یوں جھکی جیسے ہوا سورۂ مریم کا نزول فاتحہ محو ثنا تھی کہ زہے حُسنِ قبول

بیٹیاں فاطمہؑ کی یوں ہی ثنا کرتی ہیں
اس طرح بندگیٔ ربِّ علا کرتی ہیں

۴۵

اور توقیر ہوئی، جبکہ پڑھا سورۂ قدر خاص اعمالِ شبِ قدر نبی وہ ذیقدر
جُھک کے اٹھی جو رکوعین سے بنتِ شہِ بدر ابھی اندازِ مہ نو تھے، ابھی جلوۂ بدر

ذکرِ وحدت سے یہ پیہم، کرمِ خاص بڑھا
دمبدم سورہ توحید کو اخلاص بڑھا

۴۶

محو سجدے میں بہم، جسم کے اعضا تھے تمام تھم کے زانو بھی اٹھے جبکہ اٹھیں بہرِ قیام
پاؤں نے صرف تشہد میں تو پایا آرام صبر بھی ہوش بھی، رخصت ہوئے ہنگامِ سلام
شکر ہے ختم ہوئی حمد و ثنا داور کی
۴۷ پھر زباں کو ہوئی تسبیح علی اکبر کی

طاعت آخر جو ہوئی پہر وہ جماعت نہ رہی مصحف فاطمہؑ کے پاروں کی صورت نہ رہی
صبر کو بھی، شہ والا سے شکایت نہ رہی داغِ عباسؑ سے، بازو میں بھی طاقت نہ رہی
اب وہ محشر ہے کہ معصوم کو غش آتا ہے
۴۸ ہاتھ ملتے ہیں، کہ ہاتھوں سے پسر جاتا ہے

یاں تو انکار اور اصرار میں ہے رد و بدل گھر میں بے چین پھوپھی اور ہے مادر بیکل
اشک آنکھوں میں زباں پر یہ دعا اک اک پل یاالٰہی کسی تدبیر سے ٹل جائے اجل
پاس پردے کے پریشان کھڑی ہے زینبؑ
۴۹ کیا کرے سوچ میں حیران کھڑی ہے زینبؑ

صبر جب ہو نہ سکا بولی کہ باہر آوں حکم فرماؤ تو بھیا انہیں میں سمجھاؤں
بچپنے کی یہ ہٹیں چھوڑ دو واری جاوں ایسے ناداں تو نہیں ہو جو تمہیں بہلاؤں
لٹ گئی ہوں مجھے آفت میں نہ ڈالو اکبر
۵۰ گھر سنبھلتے ہیں یونہیں ہوش سنبھالو اکبر

روکیے چلائے کہ لٹ جانے دیں گھر، جائیں نہ ہم جائیں خود رن میں شہِ جن و بشر جائیں نہ ہم
کھائے تلواریں محمدؐ کا جگر، جائیں نہ ہم باپ کو بھیج دیں مرجانے کو مر جائیں نہ ہم
مانگیئے حق سے دعا، دل کو یہ الجھن نہ رہے
زندگی موت ہے گر آپ کے دشمن نہ رہے

۵۱

پیٹ کر بولی کہ بابا کو بچالو اکبر جو بلاشاہ پہ آئے اسے ٹالو اکبر
گھر کو جانے دو، مرے دل کو سنبھالو اکبر نئے دولہا کے سب انداز بنالو اکبر

بیاہ کی شادیاں برسوں رہیں اس مضطر کو
۵۲ سہرا دکھلاو کہ ارماں نہ رہے مادر کو

گھر میں وہ آئے تو پُرگرد تھی، ساری پوشاک دل مکدر ہوا، زینب نی اتاری پوشاک
پھول سے جسم پہ گل رنگ سنواری پوشاک جسم نازک پہ کھلی خوب وہ بھاری پوشاک

گل سی کلیوں کا نیا رنگ جو اظہار ہوا
۵۳ رشک یہ باغ کے غنچوں پہ بہت بار ہوا

سر پہ عمامہ کے پردے میں قمر باندھ دیا پر جبریل امیں جائے سپر باندھ دیا
لا کے پٹکا بھی سرِ شالِ کمر باندھ دیا ناخنِ شیر پئے فتح و ظفر باندھ دیا

تیغ پر یا اسد اللہ لکھا انگلی سے
۵۴ ہاتھ پر نامِ ید اللہ لکھا انگلی سے

پھر کہا دخترِ سلطان مدینہ آؤ کچھ خوشی کا نظر آتا ہے قرینہ آؤ
بھائی نوشاہ بنا آو سکینہ آؤ لال کے بیاہ کا آیا ہے مہینہ آؤ

لو خدا نے مرا ارمان نکالا بی بی
۵۵ آج پروان چڑھا گود کا پالا بی بی

شادماں ہوتی ہوئی آئی جو نادان بہن ہنس کے بولی نئے دولہا، ترے قربان بہن
اپنے عمو کے الم میں ہے پریشان بہن خوش ہوئی دیکھ کے یہ بیاہ کا سامان بہن

شکر اُس رَب کا، پھرے بخت ہمارے بھائی
نیگ اب سہرے کا دلوایئے پیارے بھائی

۵۶

روکیے زینبؑ نے کہا نیگ میں لو داغ جگر کچھ خبر ہے کہ اجڑتا ہے پھولی جان کا گھر
بیاہ کیسا ارے مرنے کو چلا ہے یہ قمر مل لو اے راحت جاں، پھر نہ ملیں گے اکبر
بات کرلو کہ نہ پھر بات سنائی دے گی
دیکھ لو شکل کہ صورت نہ دکھائی دے گی

۵۷

چاہنے والوں کے دل بجھ گئے جلتے جلتے ہاتھوں پر رنگ حنا آگیا ملتے ملتے
آخرش وعدہ قریب آگیا ٹلتے ٹلتے چھوٹی ہمشیر سے بھی مل لئے چلتے چلتے
جانِ مادر کی طرح، غم سے تڑپ کر نکلے
غل ہوا وہ حرم پاک سے حیدرؑ نکلے

۵۸

لو چلے ثانی محبوب خدا صل اعلیٰ رخش پر پایۂ معراج ملا صلِ علا
شان کو دیکھ کے قرآں نے کہا صل علا آئے رفرف پہ نبیؐ صلِ علا صلِ علا
عرش سے رحمت معبودِ ودود آنے لگی
پردہ غیب سے آوازِ درود آنے لگی

۵۹

قلب فرحت سے سنبھلتا نظر آتا ہے مجھے بحرِ مضموں بھی، اُبلتا نظر آتا ہے مجھے
مرثیہ، رنگ بدلتا نظر آتا ہے مجھے شیر مجلس میں ٹہلتا، نظر آتا ہے مجھے
زلزلہ بزم میں ہے کون ولی آپہنچے
جنگ کا ذکر جو آیا تو علیؑ آپہنچے

۶۰

رُخ کو گلشن جو کہیں، اپنے لئے کانٹے بوئیں آئینہ کہہ کے اسے مفت میں کیوں حیراں ہوئیں
گر کہیں اس کو قمر داغ بھلا کیونکر دھوئیں گھر کہیں بدر، تو پہر اور کمال اپنا کھوئیں
آفتاب اک ہے، سو ہم معنیٔ مے ہے وہ بھی
کہیں قرآن، تو اتری ہوئی شے ہے وہ بھی

۶۱

لام گیسو سے پئے عقلِ رسا لطف عجیب رویت ابروئے زیبا میں، یہ مضمونِ غریب
لن ترانی کیلئے نون بھی نزدیک و قریب لام تاکید کی مانند، سدا فتح نصیب

نہ ملے نون، تو پھر بھی کہیں بیکار ہے لام
کفرِ اسلام سے کیوں زیر نہ ہو جا رہے لام ۶۲

چشم بددور ہر اک آنکھ میں احمدؐ کی نگاہ رتی بھر کا بھی تفاوت نہیں، ماشاء اللہ
قابلِ ساغرِ معراج، ہر اک حق آگاہ شیر و سرکہ پہ سفیدی و سیاہی بھی گواہ

اک طرف پنجہ مژگاں سے پیمبرؐ کا ہاتھ
پردہ اٹھا، تو کہاں پہنچا ہے حیدرؑ کا ہاتھ ۶۳

کیوں دہن کو کہے غائب مری عقلِ صائب منہ پہ لے آئے ہر اک شرعِ نبیؐ کا نائب
کلمہ گو بزم میں حاضر ہیں کنہ سے تائب سب نے پھرتی ہوئی دیکھی ہے، ضمیر غائب

اس نئے قول کا قائل، کوئی عالم بھی ہے
یہ مزا کیا ہے، کہ غائب متکلم بھی ہے ۶۴

زلف کو کہیئے اگر مشک، خطا سرزد ہو تیغ ابرو کہیں، تو عقل سے ردو کد ہو
چشم کو سحرِ رواں وہ کہے، جو مرتد ہو گر دہن کو کہیں غنچہ، تو وہ خوش بے حد ہو

دُر جو دنداں کو کہیں، آب رواں ہے گویا
لب کو کیا لعل کہیں، لال زباں ہے گویا ۶۵

گر زنخدان کو کہیں سیب تو بہتر کیا ہے طور سمجھے کوئی سینے کو وہ پتھر کیا ہے
گر قیامت کہیں قامت کو تو محشر کیا ہے دیں تو عنقا سے بھی تشبیہِ کمر، پر کیا ہے

آئینہ گر قد آدم کہیں، وہ ساکت ہے
گر قدم کو کہیں مہتاب، کہاں ثابت ہے

۶۶

تہِ راں ہے وہ فرس جو ہے حقیقت میں عقاب غیظ میں گاہ اسد، اور کبھی سرعت میں عقاب
عرش کو تکتا ہے معراج کی حسرت میں عقاب فخر یہ کہتا ہے فرفر یہی جودت میں عقاب

میں کرامت ہوں، کوئی شعبدہ بازی نہ کہے
یاں ہے پشتوں سے یہ خدمت، کوئی تازی نہ کہے ۶۷

فیضِ راکب سے، نگاہوں پہ میں چڑھتا ہی رہا نئے انداز سدا جنگ میں، گڑھتا ہی رہا
یہ سبق کیوں نہ رواں ہو، کہ میں پڑھتا ہی رہا جب چلی ساتھ ہوا، اُس سے بھی بڑھتا ہی رہا

یوں تو ہمراہ تھا لیکن دمِ سرعت آگے
جیسے ہوتی ہے امامت سے نبوت آگے ۶۸

تھم کے گونجا جو اسد خوف سے خود سر بھاگے دم بھی خود سینوں میں گھٹ گھٹ کے برابر بھاگے
طائرِ جاں روشِ طائرِ بے پر بھاگے جست کر کر کے ترائی سے غضنفر بھاگے

ڈر کے کہتے تھے، رخ اس دشت سے پھیرو بھاگو
ہمہمہ شیر الٰہی کا ہے، شیرو بھاگو ۶۹

نعرۂ شیر تھا، او خاکمِ مکار نکل فتنہ پرواز و جفا پیشہ و غدار نکل
چھپ گیا کیوں، پسرِ سعدِ ستمگار نکل چن لے یہ بحرِ رَجز کے دُرِ شہورا نکل

فقرۂ بحرِ رجز گوہر شہوار ہے یہ
دشمن آل نبیؐ کے لئے، تلوار ہے یہ ۷۰

نوح ہیں فوج کے بیڑے کو ڈبوتے ہیں ہم خضر ہیں نامہ اعمال کو دھوتے ہیں ہم
شیر ہیں دیووں کو بھی جان سے کھوتے ہیں ہم حضرتِ حیدرؑ کرّار کے پوتے ہیں ہم

میرے دادا نے سرافرازوں کے سر کاٹ لئے
بالِ قدسی فقط اک نور تھے، پر کاٹ لئے

۷۱

جب مددگار خدائے متعال اپنا ہے چاہیں جس ملک پہ قبضہ کریں مال اپنا ہے
آفتاب آپ سے بولا یہ جلال اپنا ہے بدر کو فتح کیا ہے، یہ کمال اپنا ہے
سرخروحق نے کیا، آل میں شامل ہیں ہم
آخر اُکملتُ لکُم آیا، وہ کامل ہیں ہم

۷۲

مصطفےٰؐ کہہ گئے ہیں، عرش بریں پر ہم تھے شب معراج میں گو فرش زمیں پر ہم تھے
صورتِ نقش، پَرِ روحِ امیں پر ہم تھے جس جگہ پر تھے نبیؐ، ساتھ وہیں پر ہم تھے
پھر سپر تھے، وہی کترے ہوئے شہپر گویا
کودے خندق میں تو، قائم تھے ہوا پر گویا

۷۳

ہم گئے نوح کی کشتی پہ، تو طوفاں کیا تھا ہم نے سلطاں کیا، ورنہ مہِ کنعاں کیا تھا
جلوہ دکھلا دیا، ورنہ بنِ عمراں کیا تھا بجتن کا تھا کرم، نقش سلیماں کیا تھا
بَرَکت ناموں کی تھی، تخت میں کیا رکھا تھا
یہ ہوا باندھی تھی ہم نے، کہ اوڑا رکھا تھا

۷۴

آستیں اُلٹے کوئی جنگ کا شوقین بڑھے واں سے کافر کوئی نکلے، تو ادھر دین بڑھے
سخت جان آئے، تو دم لینے کو یٰسین بڑھے ہادیٔ جادۂ حق، پڑھنے کو تلقین بڑھے
حق و باطل اُسے مرقد میں لٹا کر سمجھائیں
بے خبر ہوئے تو شانوں کو ہلا کر سمجھائیں

۷۵

ایک میخوار کھڑا تھا پسرِ سعد کے پاس قہقہہ مثل صُراحی کیا، دیکھا جو ہراس
گھٹ کے وہ بولا، تو ہنستا ہے، مرا دل ہے اداس پھر کہا طعن سے ظالم نے، کہ اللہ رے حواس
اسی جرات پہ کئی لاکھ کا افسر ہے تو
تیغ واں میان میں یاں آپ سے باہر ہے تو

۷۶

ہنس کے وہ بولا کہ لعنت تیری مدہوشی پر او تنک ظرف اُبلنے لگا مینوشی پر
کوہ بھی تِل نظر آیا ہے، سبکدوشی پر کچھ کڑی سہہ کے اکڑتے ہیں زرہ پوشی پر

رہنے دے وقت پہ کام آئے گا یہ تن تیرا
ارے تعویذ کے قابل ہے یہ جوشن تیرا ۷۷

یہ سخن سنتے ہی غصہ سے بگڑ کر نکلا شیر کی جنگ کو روباہ سے لڑ کر نکلا
ایسا ابلا تھا کہ تلوار پکڑ کر نکلا جوش نخوت تھا کہ مردہ سا اکڑ کر

رخش تھا یا کہ بلا، لاشہ تازہ لائی
موت چالیس قدم آگے، جنازہ لائی ۷۸

کوہ چکی سر کی کہوں، یا کہ جسامت تن کی سیر دو سیر کا سر، لاش کئی سو مَن کی
رنگ میں مارسیہ، ناک میں صورت پھن کی داڑھی کا ہے کو ہے جھاڑی کہو، کجلی بن کی

ریش جب اُڑتی ہے تب ڈیل نظر آتا ہے
نخل کی آڑ میں اک پیل نظر آتا ہے ۷۹

خود بلا سر پر پکاری، کہ سیہ کار نہ جھوم آنکھ اور دل تو نہیں، پیل تو ہے بے خرطوم
ارے ظالم کبھی ظالم سے دبے ہیں مظلوم صاحبِ فیل بھی، کعبہ پہ چڑھے تھے اوشوم

سنگریزے نہ اٹھے ایسے گراں ڈیلوں سے
مورچہ لے نہ سکے فیل ابابیلوں سے ۸۰

قد جسامت میں تو اک بُرج، بلندی میں منار جان کے واسطے، تن جن کے لئے جیسے حصار
خود حصار اور سیہ دیو کا تازی دیوار حد کی شوخی سے، تگاور پہ ہے شیطان سوار

وہ اگر بل کریے، جی بڑھتے ہی تھوڑا ہو جائے
ایسے رہوار کو لاحول کو کوڑا ہو جائے

۸۱

اس کا دعویٰ تھا کہ ہاں، نام کا طالب ہوں میں شمر کی جاں، پسر سعد کا قالب ہوں میں
حاکمِ شام کا حَلّالِ مطالب ہوں میں کیوں نہ غالب رہوں، بن مصرع غالب ہوں میں

جس کا ساتھی ہوا، ہرگز نہ وہ مغلوب رہا
روم میں فرد رہا، نام سدا خوب رہا ۸۲

ہنس کے فرمایا، کہ ہیں آلِ ابی طالبؑ ہم دین کے قلب تو ایمان کے ہیں قالب ہم
فتح کے قوتِ اقبال سے ہیں جالب ہم سب ہیں آگاہ کہ کونین پہ ہیں غالب ہم

تو نے گو جنگ میں مُنہ کی نہیں کھائی ہے شقی
شومیٔ بخت تجھے گھیر کے لائی ہے شقی ۸۳

گر تو مصرع ہے، تو ممکن ہے کہ سالم رہ جائے ہم کریں نظم، تو مٹ کر ترا حاکم رہ جائے
خاص دیواں میں کوئی رکن، نہ قائم رہ جائے مصرعِ بحرِ رَمَل ہو کے وہ ظالم رہ جائے

قطع ہو سلسلۂ دم بھی، ضعیف ایسا ہو
سرزمیں پر رہے تاحشر، خفیف ایسا ہو ۸۴

اس پہ حرف آئے جسے اپنے ہنر میں ہو کلام رُبعِ مَسکوں کا مربع ہے کہ بیت الاسلام
شش جہت، ایک مسدس ہے زہے نظم و نظام مطلعِ نور ہے خود بیت خدائے علام

جن کے پیرو ہوئے کامل وہ ہنر مند ہیں ہم
تو جو مصرع ہے تو تقطیع میں کب بند ہیں ہم ۸۵

بولا ناری کہیں باتوں سے دبکتا ہوں میں ابھی کیا دیکھا ہے حیران ہوں تکتا ہوں میں
اپنی تعریف ہے، کچھ کہہ نہیں سکتا ہوں میں بیتِ عالم میں وہ مصرع ہوں کہ یکتا ہوں میں

خوف سے تھم نہ سکا کوئی حریف آج تلک
میں نے دیکھا ہی نہیں اپنا ردیف آج تلک

۸۶

ہنس کے فرمایا کہ ہم سمجھے جواں مرد ہے تو تو نے دیکھا ہے زمانا کہ جہاں گرد ہے تو
تو نہیں کہتا تو ہم کہتے ہیں، بیدرد ہے تو خود تری آنکھ سے روشن ہے کہ ہاں فرد ہے تو

تیری ہم رنگ، تری زشتیٔ اعمال تو ہے
تیرا ہم چشم بھی ہم وزن بھی دجّال تو ہے ۸۷

کر کے افسوس جو دم صورت اژدر کھینچا سب غبار اپنے دل تنگ کے اندر کھینچا
غیظ میں میان سے باہر ہوا، خنجر کھینچا خنجر تیز نے شعلہ کی طرح، سر کھینچا

ڈھال بولی تجھے بھڑکائے گا دامن میرا
آگ پانی میں لگا دیتا ہے روغن میرا ۸۸

جھک کے وار اس نے کیا، تنکے سپر نے روکا شعلۂ آہ تھا، جو دودِ جگر نے روکا
موج آئی تھی، مگر بڑھ کے بھنور نے روکا دستِ جلّادِ فلک تھا، کہ قمر نے روکا

ڈھال کہتی تھی کہ ثابت ہے نیا طور مرا
عقل بھی چرخ ہوئی دیکھ لیا دور مرا ۸۹

شیر بولا تری بازی کہیں چلتی ہے شقی مرگ تیری کفِ افسوس کو ملتی ہے شقی
دم نکل جائے گا، لے تیغ نکلتی ہے شقی اور مضمون ہے اب، طرح بدلتی ہے شقی

مصرعۂ قدّ کے مقابل جو یہ مصرع ہوگا
قافیہ تنگ نظر آئے، گا مقطع ہوگا ۹۰

لو کھچی تیغ، غضنفر کی لڑائی دیکھو شیر کے ہاتھ یدُ اللہ کی گھائی دیکھو
مار بھی کاٹتا جاتا ہے، کنائی دیکھو بغلیں جھانکیں وہ شقی نے یہ جھکائی

جھک گیا ہے کہ دبکنے کا کہیں رستہ ہو
جی میں ہے کود پڑے، مصرعۂ برجستہ ہو

۹۱

ڈر کے جھکتا ہے حمیت سے کبھی منتا ہے فکرِ جاں میں کبھی ہے، اور کبھی جن بنتا ہے
شور ہے بخت خفا ہوگیا، کب منتا ہے ہلکی چوٹیں بھی ہیں بھاری کہ جگر چھنتا ہے

دھجیاں اڑ گئی ہیں کیسی کڑی تھی یہ زرہ
کسی تلوار کے پالے نہ پڑی تھی یہ زرہ

۹۲

نعرۂ شیر تھا ہر بار، کوئی چوٹ تو چل ڈھال بھی ہوگئی بیکار، کوئی چوٹ تو چل
تو تو یکتا ہے ستمگار، کوئی چوٹ تو چل سر دھنے جاتا ہے اومار، کوئی چوٹ تو چل

دم تو نکلے گا مگر حسرتیں اول نکلیں
تیرا ارمان نکل جائے، تو پھر بل نکلیں

۹۳

ہوش میں آگیا کچھ رد و بدل پر آیا منہ پہ چڑھتا ہوا شمشیر کے بل پر آیا
اُس کا پھل پھول پہ آیا، تو یہ پھل پر آیا ہاتھ اٹھا اس کا جو سر پر، یہ بغل پر آیا

وہ طمانچہ کو جھکی، اس نے خبر لی دھڑکی
اٹھ کے پالٹ پہ وہ پلٹی یہ کڑک پر کڑکی

۹۴

شیر کی تیغ سے سر بر، کوئی جادو بھی نہ ہو رو برو ہو جو تصور میں، تو ابرو بھی نہ ہو
دل تو روتا رہے، پر آنکھ میں آنسو بھی نہ ہو کالے منہ پر کبھی روئید گئی مو بھی نہ ہو

حشر تک قبر پہ اُس کے کبھی سبزہ نہ جمے
اُس کی تصویر میں بھی بال کا خاکہ نہ جمے

۹۵

اُس کی تلوار تھی، مثلِ جگرِ شمر کرخت سایہ پڑ جائے تو ہرگز نہ پھلے، پھر وہ درخت
صاف گردش میں ہو یدا پسرِ سعد کا بخت جائے جس ملک میں یہ، واں کا اُلٹ جائے تخت

دور کی خو ہے، کہ ہمرشتۂ میخوار ہے یہ
کیوں نہ ہو کس ولد القلب کی تلوار ہے یہ

۹۶

تیغِ اکبر سے بلاشک، یہ بلا رَد ہوگی گھوڑے گرما گئے ہیں، اور جدوکد ہوگی
خوب سمجھے ہیں، کہ تقدیر شقی بد ہوگی یاں جدوکد میں عطائے جدِ اَمجد ہوگی

وہ تو گھوڑے سے لڑا شیر نے راحت پائی
اس کو خود جنگ کی مہلت نہیں، فرصت پائی ۹۷

وہ نہ پلٹا تو کہا، کیا ہوا کوڑا ظالم حیف اِس وقت پہ جی کرتا ہے تھوڑا ظالم
کود پڑ، اور منگالے کوئی گھوڑا ظالم تونے سبزے کے لئے کھیت بھی چھوڑا ظالم

یہ بہار اور ہوئی زخم جگر سبز ہوا
پھل گئی کس کی دعا، خوب تو سرسبز ہوا ۹۸

تجھ سے بھی بڑھ گیا شوخی میں، ترا رخش شریر کبھی کاندھی، کبھی پُشتک، تو کبھی موزہ گیر
دونوں باگوں پہ بگڑ جائے یہ تیری تقدیر گودنی ہے یہ دنی، عیب میں تیرا بھی ہے پیر

تیرے ہمراہ ترا خود ہی عدوے جاں ہے
نوح کے وقت کے تازی میں یہ بل طوفاں ہے ۹۹

تھام کر یالِ فرس پھر وہ بہکتا آیا اپنے سائے سے بھی رہوار، جھجکتا آیا
دیو چُمکار کے گردن کو تھپکتا آیا تازہ دم ہوگیا تھا، غیظ سے تکتا

کھینچ کر تیغ، سنگر جدوکد کرنے لگا
چوٹیں کہا کہا کے بھرا پیٹ، کہ رد کرنے لگا ۱۰۰

ویر زاید جو ہوئی، ہاتھ کمی کرنے لگا بچ کے پھرنے لگا، بڑھتے ہوئے جی ڈرنے لگا
چوٹ کیا چلتا، کہ بے موت شقی مرنے لگا وار خالی جو گئے آہیں غرض بھرنے لگا

شیر چلایا میں چھوڑوں گا جو ٹل جائے گا
میرے پنجہ سے کہاں بچ کے نکل جائے گا

۱۰۱

پھر امنگ آگئی پھر تن کے پڑے جنگ بڑھا پھر ہَوا سر میں بھری، جھوم کے سرہنگ بڑھا
موت لے آئی اسے جینے سے دل تنگ بڑھا یاں یہ گلرو جو بڑھا جنگ کا پھر رنگ بڑھا

دمبدم خونِ ستمگر، دم جنگ اڑنے لگا
۱۰۲ پھر بہار آگئی، نوروز کا رنگ اڑنے لگا

پھر بہار آئی، چلی باد بھاری ساقی جھومتی آتی ہے، وہ رحمت باری ساقی
مئے عرفاں سے بجھا، پیاس ہماری ساقی منہ تک آجائے ترا، چشمۂ جاری ساقی

سب سے مے مانگ چکا خلق میں باقی تو ہے
۱۰۳ جام لوں گا میں تجھی سے مرا ساقی تو ہے

ضرب سے پہلے ہی، مصرعہ تھا یہاں بیدم سا بند سب ہل گئے تھے، سر میں بھی کچھ تھا خم سا
چل گیا دستِ جری، کٹ گیا کوہ غم سا پھر عناصر کی رباعی، نہ حواسِ خمسا

سو کیئے جسم کے ہمراہ زرہ کے مصرع
۱۰۴ ایک مصرع پہ ہوئے اتنے گرہ کے مصرع

دیو مارا جو گیا شیر چلا سوئے سپاہ حالتِ غیظ میں، شمشیر کی ترچھی تھی نگاہ
دانت جوہر کے بھی دہشت سے نکل آئے واہ ہاتھ جوڑے ہوئے قبضہ تھا عقب میں ہمراہ

کیوں نہ پھر ناریوں پر خون کی طغیانی ہو
۱۰۵ تیغ کی آب بھی، دہشت سے جو خود پانی ہو

گلشنِ رزم میں کھلتی تھی ہزارے کی طرح چرخ میں ڈوبتی تھی گاہ، ستارے کی طرح
جست کرتی تھی اسد بن کے، چکارے کی طرح ٹکڑے ہر دل کے اڑانے لگی پارے کی طرح

جوشِ حدت سے قیامت تھا، بلا تھا سایا
مدتوں دھوپ کے سانچے میں ڈھلا تھا سایا

۱۰۶

صاف گویا تھی زباں بس کہ سخنور تھی حسام شعر گو کہتے ہیں سب، صاحب جوہر تھی حسام
گاہ مصراعِ مہِ نو کے برابر تھی حسام فکرِ تقطیع میں، شاعر سے فزوں تر تھی حسام

روئے رنگیں پہ کبھی، نور کا برقع دیکھا
حسنِ مطلع کبھی دیکھا، کبھی مقطع دیکھا

۱۰۷

ہر طرف، گلشنِ باغی میں قلمکاری کی نوک سے شان دکھاتی تھی، کبھی باریکی
جانپ چرخ کبھی اُڑنے کی تیاری کی خُلق کہتے ہیں اسے، دشمنوں سے یاری کی

کوئی سفاک رُکے، یہ تو نہیں رُکتی ہے
اپنے دشمن سے بھی، ملنے کے لئے جُھکتی ہے

۱۰۸

کبھی میخوا اروں کا خوں پیکے وہ مستانہ چلی کبھی اعدا سے وہ کرتی ہوئی یارانہ چلی
کبھی جوہر سے سجی خلعتِ شاہانہ چلی شمع قبضہ میں لئے موت کا پروانہ چلی

نقدِ جاں نار میں لیجانے کو تحصیل کیا
حکم مالک کا نئے رنگ سے تعمیل کیا

۱۰۹

کبھی شانہ پہ وہ تھی، اور کبھی زیرِ بغل دم یہ دیتی تھی ہر اکدم کو، مرے ساتھ تو چل
چھوڑ دے ساتھ ستمگر کا، کشاکش سے نکل پھول کی طرح کھلے، ایسے کھلاؤں تجھے پھل

آ گیا دم میں، تو وہ الفتِ تن بھول گیا
سبز باغ اس نے وہ دکھلایا، کہ دم پھول

۱۱۰

منہ چھپاتی بھی نہ تھی، آنکھ ملاتی بھی نہ تھی بے تکلف تھی، مگر پھر کے پھر آتی بھی نہ تھی
خاک کر دیتی تھی، پھر اُس پہ جلاتی بھی نہ تھی جابجا پھرتی تھی، اور پھر کہیں جاتی بھی نہ تھی

چلتی پھرتی نظر آئی نہ نظر کی صورت
اُڑتی تھی سارے جہاں میں وہ خبر کی صورت

۱۱۱

وصف تو سن جو لکھیں، کیا شعرا کی قدرت سُم پہ ٹھہرے، یہ نہیں رنگ حنا کی قدرت
چل سکے ساتھ، کہاں ہے یہ صبا کی قدرت اس کی سرعت کو مگر کہیئے خدا کی قدرت

برق و باراں نہ یہ سرعت کے سر شتے پائیں
اک ہوا کیا، کہ ہوا کے نہ فرشتے پائیں ۱۱۲

کیوں جوانوں میں پڑھے جاؤں شجاعت کا بیاں یاد آیا ہے مگر مجھ کو مصیبت کا بیاں
حشر ہو اب وہ سناتا ہوں قیامت کا بیاں نوجوانی میں پر ارماں کی شہادت کا بیاں

ذکرِ ناکامیٔ اکبر نہ سنا جائے گا
نوجوانوں سے وہ محشر نہ سنا جائے گا ۱۱۳

بے نشاں ہوگئے ہیں، چند جو نامی خودسر دفعتاً مثلِ بلا، ٹوٹ پڑا ہے لشکر
پیاس کا زور، لڑائی کی تکاں فکرِ پدر لاکھ اندوہ ہیں اور ایک شہِ دیں کا جگر

حرمِ احمدؐ کی زیارت کو چلے آتے ہیں
سر پہ جھکتے ہیں، جبین چوم کے پھر جاتے ہیں ۱۱۴

منصفو ایک بلا ہو اُسے ٹالیں اکبر ہاتھ زخمی ہوا کیا تیغ سنبھالیں اکبر
ایک دو وار سے جاں اپنی بچالیں اکبر کس طرح ڈھال میں سب تن کو چھپالیں اکبر

منہ برس جاتا ہے تیروں کا جدھر جاتے ہیں
جس طرف آنکھ پھری پھول بکھر جاتے ہیں ۱۱۵

لاکھ تیغوں سے بچے ایک جواں مشکل ہے ان بلاؤں میں بچے شیر کی جاں مشکل ہے
پیاس سے ہونٹوں پہ جب آئے زباں مشکل ہے وہ قیامت تھی کہ ذاکر سے بیاں مشکل ہے

کس زباں سے میں کہوں حال مرا غیر ہے اب
چل گئی دل پہ سناں خاتمہ بالخیر ہے اب

۱۱۶

کسی ناشاد کا دل توڑ کے بہا لا نکلا ساتھ ہی بھالے کے دل بھی تہہ و بالا نکلا
بہہ گیا خونِ جگر لب سے نہ نالا نکالا منہ سے نکلا بھی تو ہے ہے شہِ والا نکلا

باپ کی یاد میں غش کھا کے گرے گھوڑے سے
خون اگلتے تھے کہ تیورا کے گرے گھوڑے سے

۱۱۷

درد تھمتا ہے تو چلاتے ہیں بابا آؤ وقت امداد کا ہے یا شہ والا آؤ
پشت زیں سے میں گرا پڑتا ہوں شاہا آؤ علی اکبر کا سفر ہوتا ہے، آقا آؤ

دمبدم موت کے پیغام چلے آتے ہیں
برچھیاں ہم کو جفاکار لگا جاتے ہیں

۱۱۸

شاہ کہتے ہوئے دوڑے، پدر آیا بیٹا جد کی اُمت نے، بہت مجھ کو ستایا بیٹا
ان کے ہاتھوں سے کبھی چین نہ پایا بیٹا قہر کا رنج مگر، آج اٹھایا بیٹھا

اب نہ باقی کوئی گل ہے نہ کوئی بُوٹا ہے
اس طرح باغیوں نے باغ مرا لُوٹا ہے

۱۱۹

گر کے رہوار سے واں خاک پہ اکبر تڑپے کبھی سنبھلے کبھی مقتل کی زمیں پر تڑپے
چین کس طرح ملے جب دل مضطر تڑپے کئی جاگر کے، جگر بند پیمبر تڑپے

اٹھ کے دوڑے تو بدن ضعف سے تھرّانے لگا
اور بھی پیاس کی شدت ہوئی، غش آنے لگا

۱۲۰

شہ کو تقدیر نے آفت یہ نئی دکھلائی غم اکبر سے جو زایل ہوئی تھی بینائی
راہ مقتل کی بڑی دیر میں شہ نے پائی لاشِ فرزند پہ اس وقت میں قسمت لائی

کہ عجب حال سے اس رشکِ قمر کو دیکھا
ہچکیاں لیتے ہوئے نورِ نظر کو دیکھا

۱۲۱

گر پڑے ہائے پسر کہہ کے امامِ ابرار اُٹھ کے سنبھلے تو صدا دی کہ پدر تم پہ نثار
روح پر کیسی گزرتی ہے کرو کچھ گفتار یہ تو ظاہر ہے کہ زخموں سے ہیں اعضا بیکار
میں اٹھاؤں اگر اٹھ سکتے نہیں، آپ سے تم
۱۲۲ چند باتیں تو مری جان کرو باپ سے تم

علی اکبر مجھے فرقت ہے تمہاری جانکاہ دل مرے بس میں ہے اس وقت نہ قابو میں نگاہ
کھول کر آنکھ تو دیکھو مجھے اے غیرت ماہ تم کو جانا ہے جدھر سے وہ بہت سخت ہے راہ
خوف کو راہ نہ خاطر میں ذرا دنیا تم
۱۲۳ کوئی ٹوکے تو اسے نام بتادینا تم

کھول کر آنکھ جو اکبر نے پدر کو دیکھا قُرۃ العین یَد اللہ کو گریاں پایا
کر کے اک آہِ حزیں سیّد والا سے کہا آپ کیوں روتے ہیں یاشاہ غریب الغُربا
قیدِ عالم کے عذابوں سے، رہا ہوتا ہوں
۱۲۴ میں تو امت پہ محمدؐ کی فدا ہوتا ہوں

کہہ کے یہ مر گیا افسوس دل و جانِ حسینؑ روئیں سر پیٹ کے ہاتھوں سے محبانِ حسینؑ
غم وہ تنہائی کا وہ حالِ پریشانِ حسینؑ ہاتھ تھا دل پہ، تر اشکوں سے گریبانِ حسینؑ
کلمۂ یاس زباں سے کبھی فرماتے تھے
۱۲۵ دیکھ کر لاشِ پسر گاہ تڑپ جاتے تھے

منہ پھرا کر سوئے دریا کبھی دیتے تھے صدا آؤ مظلوم برادر کی مدد کو بھیا
دیکھ کر لاشۂ قاسم کبھی رو رو کے کہا دھوپ میں خاک پہ کیا سوتے ہو اٹھو تو ذرا
کیفیت کس سے کہوں درد جگر کی بیٹا
لاش اٹھانی ہے برابر کے پسر کی بیٹا

۱۲۶

پاس اب کون بجز یاس ہے، اے رشک قمر ہوسکے گر تو کرو عون و محمدؑ کو خبر
اُن سے کہہ دو کہ سناں سینے پہ اپنے کہا کر ہوگئے راہ الٰہی میں تصدق اکبر
مرتعش ہاتھ میں کیونکر تن صد پاش اٹھے
تم سب آؤ تو مرے شیر کی یہ لاش اٹھے

۱۲۷

دی درخیمہ سے فضہؑ نے یہ حضرت کو صدا پاس پردہ کے کھڑی روتی میں بنت زہراؑ
جلد فرمایئے یا شاہِ غریب الغربا گھر میں کب آئیں گے ہمشکلِ رسول دوسرا
غم سے سیدانیوں کی جان چلی جاتی ہے
آپ کے رونے کی جس وقت صدا آتی ہے

۱۲۸

خیریت سے تو ہیں ہمشکلِ رسولِ دوسرا دی صدا سرور عالم نے بصد آہ و بکا
لٹ گیا لختِ دل و جانِ بتولِ عذرا لاش اب اُن کی میں لاتا ہوں اٹھا کر تنہا
کوئی مونس کوئی ہمدم کوئی غمخوار نہیں
بنے قاسم نہیں عباسؑ علمدار نہیں

۱۲۹

سن کے حضرت کی صدا دل ہوا ایسا بیتاب دختر فاطمہ خیمہ سے نکل آئیں شتاب
تھی ردا فرق مطہر پہ نہ چہرے پہ نقاب تھا یہ نوحہ کہ ٹھہر جایئے اے عرش جناب
ضعف و ناطاقتیٔ شاہ سے گھبراتی ہوں
لاش لینے علی اکبر کی میں خود آتی ہوں

۱۳۰

چھٹ گیا مجھ سے، مری گود کا پالا ہے ہے چھد گیا ظلم کی برچھی سے کلیجا ہے ہے
گردماں بہنیں تھیں، نے دخترِ زہرا ہے ہے دم مرے شیر کا تنہائی میں نکلا ہے ہے
حلقِ خشکیدہ سے کیا کرب اٹھایا ہوگا
نزع میں پانی کا قطرہ بھی نہ پایا ہوگا

۱۳۱

گھر میں لاشہ لئے آئے جو امامِ کونین شور محشر تھا کہ تھا غلغلۂ شیون و شین
عرش تھرایا کئے دخترِ زہراؑ نے یہ بین غل تھا مارا گیا برچھی سے دل و جان حسینؑ

کوئی لاشے کے ادھر کوئی ادھر پیٹتی تھی
خاک اوڑاتی تھی کوئی اور کوئی سر پیٹتی تھی ۱۳۲

بہنیں چلاتی تھیں سر پیٹ کے ہے بھی بھیا لے کے زخموں کا لہو منہ پہ سکینہ نے ملا
بین کرتی تھی یہ اک شب کی دولہن واویلا بھائی صاحب ہمیں پردیس میں تم نے چھوڑا

خارِ غم کی جو خلش دل پہ سوا ہوتی ہے
رکھ کے منہ سینے پہ وہ صرف بکا ہوتی ہے ۱۳۳

شہ نے سمجھا کے جو میت سے جدا سب کو کیا بھر کے اشک آنکھوں میں بہنِ شہ مرداں نے کہا
بعد اکبر کے نہیں خلق میں جینے کا مزا ہم بھی اب جاتے ہیں لو تم کو خدا کو سونپا

دخترِ شاہ مدینہ سے خبردار بہن
میری نادان سکینہ سے خبردار بہن ۱۳۴

بزمؔ اب آگے نہ لکھ رخصتِ سرور کا بیاں شہِ والا کے عزا داروں میں ہے شور فغاں
عجز سے عرض یہ کر اے چمن آرائے جہاں میرے گلزارِ طبیعت میں ہو داخل نہ خزاں

بیٹھوں جب کہنے کو، اِک باغ لگا کر اٹھوں
جس جگہ جا کے پڑھوں، رنگ جما کر اٹھوں

مرثیہ: ۱۴

درحال حضرت عباس علیہ السلام

مطلع

وَغا کو شیرِ الٰہی کا شیر آتا ہے

تعدادِ بند: ۸۵

۱

وغا کو شیرِ الٰہی کا شیر آتا ہے ہوا کی طرح، جہاں سر پہ خاک اُڑاتا ہے
بہادروں کا بھی جی ڈر سے بیٹھا جاتا ہے ہر اِک جوان رسالے کا تھرا تھرا تا ہے
یہ غُل ہے وقت سے پہلے نہ حشر آئے کہیں
۲ کتابِ ارض کا شیرازہ کُھل نہ جائے کہیں

ہر اِک طرف ہے یہ غُل قاضیٔ قضا آئے پروں کا شور ہے جعفر پئے وغا آئے
ہرن ہیں نشے کہ ضرغامِ کبریا آئے وہ آئے جن پہ کہ والنجم و ہل اتٰی آئے
قدم بڑھا، کہ وہاں رُخ پروں کے مُڑنے لگے
۳ پروں کا ذکر تو کیا ہے فرشتے اُڑنے لگے

بہادران و سرانِ سپاہ بھاگتے ہیں قمر تو بڑھتا ہے اور رو سیاہ بھاگتے ہیں
وفورِ رعب سے یوں اہلِ جاہ بھاگتے ہیں کہ جیسے حُبِّ علیؑ سے گناہ بھاگتے ہیں
تنوں سے کافروں کی جانیں یوں نکلتی ہیں
۴ کہ جیسے نامِ علیؑ سے بلائیں ٹلتی ہیں

یہ ذکر لکھتے ہوئے ہے خرد کو مدہوشی قلم کے ہاتھ قلم ہیں تو کیا سبکدوشی
اِدھر نقوش سے معنی نے کی ہے روپوشی مگر دوات ہے گویا کہ مُہرِ خاموشی
عجب حساب ہے اور کچھ نیا کتاب کا رنگ
۵ کتاب میں ہے رسالوں کے انقلاب کا رنگ

کتاب میں بھی رکابیں ہوئیں ہیں بے سروپا بہت حروف محرّف ہیں یاں حریف تو کیا
کھنچیں اُدھر کششیں، کشمکش کا غُل جو سنا کشادہ رہ گئیں آنکھیں، یہ ہول ہ کو ہوا
جو دائرہ ہے وہ غم سے کمر جھکائے ہوئے
الف ہے مد کے تلے اپنا سر چھپائے ہوئے

۶

نہ وہ خواص ہیں لفظوں کے اب نہ وہ حرکات وہ فعل ہوتے ہیں سرزد کہ خوف ہے اثبات
ضمیریں پھرتی ہیں بہرِ تلاشِ جائے نجات پکارتے ہیں یہ ماضی گزشتہ را صلواۃ

بدل گیا وہ زمانہ جہاں کو حال آیا
کہ بعد بدر کے پھر مہر کو جلال آیا

۷

مٹایئے غمِ منکر کو کس طرح ہیہات یہاں تو نفی کی بھی نفی ہوتی ہے اثبات
وہ فصل آئی کہ تن پر گراں ہے جنسِ حیات تصورات بدیہی ہیں زیرِ تصدیقات

جو عقل نوعِ بشر میں تھی کھو گئی وہ بھی
خبر جو ٹھیک تھی محمول ہوگئی وہ بھی

۸

مثالِ نظم اُٹھا بند و بستِ ملکِ سخن جو بیت نظم میں تھے رکن گر کے ہو گئے سُن
گھٹے ہیں یوں کہ افاعیل رہ گئے فعلُن مگر ہے بحر کو پیہم رواروی کی دُھن

گریں حروف تو پھر ذکر کیا حریفوں کا
الم سے تنگ ہے خود قافیہ ردیفوں کا

۹

رُباعیاتِ عناصر نہ خمسہ ہائے حواس ہوا مُسدّسِ اطراف میں تواردِ یاس
ہر ایک بیت میں مضمونِ درد و رنج و ہراس ہر ایک قلب میں تضمینِ غم سے قطع ہے آس

نہ کیسے مصرعِ برجستہ جست و خیز کرے
سخن کے نام سے مضموں ہی جب گریز کرے

۱۰

عُمر سے پتلیوں کی طرح پھر گئیں نظریں گذر رہی ہیں قیامت کی طرح یہ خبریں
خدا کی تیغ تھکی سب نے ڈالدیں سپریں یہ بندوبست نیا ہے کہ کھل گئیں کمریں

خود اپنے حال سے ہی بے خبر جو مخبر ہے
بیانِ حالتِ شاطر ملالِ خاطر ہے

۱۱

اُدھر تو رعب سے بے حال ہیں زمین و زماں اِدھر ہیں صورتِ آئینہ حُسن پر حیراں
دکھایا نیّرِ رُخ نے زمین پر وہ سماں کہ ڈگمگا گیا سورج پرستوں کا ایماں

دکھائی شکلِ کتابی وہ روئے زیبا نے
کہ رُخ پھرالیا انجیل سے مسیحا نے ۱۲

سوادِ چشم تجلی ہے کاکُلِ اَذفر کہیں جو مشکِ ختن یہ خطا ہے سر تا سر
کبھی نہ مانیں جو سارا جہاں کہے عنبر جہاں کا عنبرِ سارا نہ اِک سرِ قنبر

چراغِ رُخ کا اگر ذہن میں دھواں آیا
چمک کے سر پہ مرے سورۂ دُخاں آیا ۱۳

ہر اک پلک کے جھپکنے سے کھل گیا یہ راز نماز اشاروں سے بیمار کے لئے ہے جواز
مژا کے ہاتھ نہ کیوں ہویں بار بار دراز دعا نماز سے مقبول ہے ، دعا سے نماز

ہلی مژہ تو مضامیں اس کے ساتھ کھلے
وہ پھر نماز کی نیت کھلی وہ ہاتھ کھلے ۱۴

ثبوت نفیٔ دہن میں ہزار با موجود کہ جیسے قلب میں پوشیدہ مدعیٰ موجود
وہ یا کہ عارف کامل پس فنا موجود جہاں میں جیسے شہید رہِ خدا موجود

لبوں کی لالی ہے اثبات کی شہادت کو
دہن دکھاتا ہے گویا فنا کی صورت کو ۱۵

صفائے بینی و ابرو سے رُخ پُر آب ہوا خود آب اس الف و با سے بہرہ یاب ہوا
انہیں کی وجہ سے رُخ صورتِ کتاب ہوا ابوتراب کے حرفوں سے آفتاب ہوا

جب آفتاب الف و با سے شکلِ آب بنا
تو لا فتیٰ سے فنا لے کے آفتاب بنا

۱۶

ثنائے چشم کو بھولا خطا ہوئی مجھ سے عشا و صبح کی طاعت قضا ہوئی مجھ سے
مِری بھی آنکھ کی ترچھی ادا ہوئی مجھ سے حجاب میں ہے نظر یہ حیا ہوئی مجھ سے

ثنائے دیدۂ گل رنگ فرضِ عینی ہے
۱۷ کہ خط رُخِ حسنی ہے تو یہ حسینی ہے

ہوا ہے سہو، پہ بندہ خطا سمجھتا ہے زمانہ چشم کو عینِ عطا سمجھتا ہے
پلک ہے دستِ غنی کوئی کیا سمجھتا ہے جو کچھ ہیں پردے کی باتیں خدا سمجھتا ہے

حجابِ عرش کا ساغر جو یاد کرتے ہیں
۱۸ پلک ہلاتی ہے سر، ہم بھی صاد کرتے ہیں

نکالیں وصفِ رُخِ پاک کی نئی صورت نمازِ صبح ہے چہرہ دو رُخ ہیں دو رکعت
مگر ہے بہرِ رکوعین آنکھوں سے نسبت دو ابرو اور دو لب چار سجدۂ طاعت

جہاں میں ایک ہی یہ صبح کا دُگانا ہے
۱۹ دہن میں ڈھونڈ لے تسبیح جو کہ دانا ہے

پکارا شیر کہ روباہو گھاٹ روکنے آؤ ادہر، ہم ایک ہیں نو لاکھ مل کے زور دکھاؤ
جو بڑھ کے بول رہے تھے انہیں پرے سے بلاؤ اسد شکار سے کھیلے گا بزدلوں کو بڑھاؤ

یہی ہے دُھن کہ تہہِ تیغ نیم جاں تڑپیں
۲۰ مگر مزہ ہو کہ دریا پہ مچھلیاں تڑپیں

جہاں میں منزلِ والشمس ہیں شہِ ذی قدر مِلا ہے شہؑ کی بدولت کمالِ فاتحِ بدر
اِنہیں کی قدر کا پردہ ہے ایک سورۂ قدر سناتی ہے لَکَ صَدرَک کہ ایسے ہوتے ہیں صدر

مثالِ بدر زمانے میں ہے اَلم نشرح
صفائے صدر زمانے میں ہے الم نشرح

۲۱

اگر ہو دوست تو مشکل میں ہوں گدا کے شریک رضا پہ راضی و شاکر ہیں اور قضا کے شریک
صلوٰۃ میں ہیں یہی لوگ مصطفیٰ کے شریک وہ لاشریک ہے پر حق پہ ہیں خدا کے شریک

اگرچہ زور میں سردارِ اِنس و جِنّہ ہیں
نہ کیوں سکوت رہے نفسِ مطمئنہ ہیں

۲۲

یہی ہیں گوہر و مرجانِ حضرتِ رحمٰن انہیں کو حق نے پکارا ہے ایُّہا الثقلان
کریم ہیں کہ ہے احسان کی جزا احسان ذرا اجل سے ڈرو کُلُّ مَن علَیھَا فان

نہ منہ پھراؤ کہ وجہہٗ خدا ہے اِن کے لئے
فنا بھی ہوں تو ہمیشہ بقا ہے اِن کے لئے

۲۳

جو ماہ بدر میں اس طرح کے کمال دکھائے اُسی کو سورۂ اِنّا فتحنا تیغ بھی آئے
کرے جو حق پہ ریاضت وہ کیوں نہ پھل پائے وہی تو حیدرؑ صفدر ہو جو دروں کو اُٹھائے

پرے فرشتوں کے سب بے قرار ہو گئے تھے
پروں کو کیا کہیں شہپر نثار ہو گئے تھے

۲۴

اُدھر سے تیر چلے، جوش میں قضا آئی کھنچی جو تیغ، سروں نے کہا بلا آئی
وبال سر پہ پکارا کہ لو وبا آئی گلے سے لگ گئی، دَم دے کے خوں بہا آئی

سروں کے خوف میں یوں ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہ بُت پرستوں کے گھوڑے بھی لات بھول گئے

۲۵

پکارا دل کو جگر جانبری کا پہلو ہے کہا یہ دل نے مرا گھر تو خانۂ ہُو ہے
فلک پہ دیکھو مہ و مہر کا وہی رُو ہے اِک اُس کی آنکھ ہے ثابت اِک اُس کی ابرو ہے

پکارتے تھے یہ گیسو تری ادا سے موئے
کہا مؤذن میں کروں کیا مری بلا سے موئے

۲۶

کڑک کے چرخ سے جس دم وہ برقِ طور آئی خود اُٹھ کے حشر نے دیکھا صدائے صور آئی
پھری جدھر گئی شیشے اُڑا کے چُور آئی پکارا جس نے دوبارہ، کہا ضرور آئی
میں جان لے کے بھلا کس کے دَم میں آتی ہوں
کہاں ہے خون میں جھوٹے کو منہ لگاتی ہوں

۲۷

کبھی پری کا جھمکڑا کبھی بلا کی مثال مثالِ واہمہ خلاق مختلف اشکال
سروں میں بھی متصرف تھی وہ مثالِ خیال چھپا تھا حافظہ سر کے عقب میں وقتِ جدال
ہر اِک خمیر میں آب اُس کی تھی نمک کی طرح
شریک فرق میں تھی حِسِ مشترک کی طرح

۲۸

لگی ہو جن کے دلوں سے مزہ وہی جانیں دلوں میں دل کی لگی کو نہ دل لگی جانیں
جو مر مٹے ہوں کجی پر انہیں کے جی جانیں وہ دَم ہے جس پہ تصدق جہاں کے جی جانیں
تَری میں خشک ہوئے خوں یہ ابتری آئی
جدھر کو آگئی جانا کوئی پَری آئی

۲۹

نظر جھکی ہوئی لیکن ہر اِک طرف کی خبر کہ جیسے حالِ پسِ سر نبیؐ کے پیشِ نظر
حواس اُڑ گئے پریوں کے یوں اُڑے بے پر کہ جیسے ضربتِ شبّر کا شور سدرہ پر
یہ سیل دَم میں مٹاتی ہے روسیاہوں کو
کہ جیسے اشکِ غمِ شاہؑ دیں گناہوں کو

۳۰

تمام نخل تھے زخموں کے گل جو کھائے ہوئے تو بس نہال تھے دولھا بنے بنائے ہوئے
پھری جدھر کو وہ گل رُو نظر جھکائے ہوئے صبا پکاری بہار آئی گل کِھلائے ہوئے
اُٹھا کے ہاتھوں کو پتے دعائیں دیتے تھے
شگوفے پیار سے چُٹ چُٹ بلائیں لیتے تھے

۳۱

بنائی برق کی صورت اِدھر اُدھر بدلی زمیں پہ رنگ ہوا آسمان پر بدلی
گھٹا سے شرط میں کیا آبرو تھی پر بدلی برس پڑی کسی جانب کہیں نظر بدلی
پر آج تک اُسی بارش سے فضلِ باری ہے
۳۲ زمینِ شعر میں اب تک بھی بحر جاری ہے

پکاری دھار بہا نہر، میں کنار میں ہوں ندا دی جبر نے ہاں ہاں میں اختیار میں ہوں
اُدھر تقاضۂ اُلفت کہ اضطرار میں ہوں گلے سے لگ کے وہ بولی کہ میں تو پیار میں ہوں
اُٹھا کے زخم بھی اُس کی طرف نگاہ رہی
۳۳ کنوئیں جھنکا دئے یوسف نے پھر بھی چاہ رہی

ہر اِک نظر سے کھٹکتی ہے دیکھ بھال ایسی چُھری چلے گُل و بُلبُل میں بول چال ایسی
کبھی ہلال کبھی چرخِ باکمال ایسی کہے جو گُل تو قیامت کو آئی ٹال ایسی
کیا تھا وعدۂ فردا نہ وہ حسیں آئی
۳۴ یہ حال آج تلک ہے کہ گُل نہیں آئی

قضا اُدھر ہے جدھر یہ نئی ادا سے پھرے سروں کو فکر کہ آئے پھرے بلا سے پھرے
یہی تھی واں کہ زلیخا کے دن فنا کے پھرے بہت سے فکر میں بُت بن گئے خدا سے پھرے
لیا تھا حق کو بھی وحدت کی انتہا کر کے
۳۵ علیؑ کا نام رکھا ہے خُدا خُدا کر کے

بُلاتے تھے اسی چالوں سے بدنمط لاکھوں طلب کے واسطے آئے جبیں کے خط لاکھوں
یہ وہ قلم ہے کہ سر پر لگائے قط لاکھوں جو حرف گیر ہو مہمل تو بے نقط لاکھوں
فقط یہ وجہ ہے حیدرؑ کے منہ لگانے کی
محرّفی پہ نہیں بات حرف آنے کی

۳۶

جو منہ پہ آئے تو لاکھوں میں برملا کہہ دے یہ منہ کسی کا ہے منہ پر بھلا بُرا کہہ دے
یہ ڈر ہے سیف زباں سے کہ جانے کیا کہہ دے جو یہ کہے وہی ہر بندۂ خدا کہہ دے

نمازیں دیں کی طرح بندگی کو بڑھنے لگیں
۳۷ شہادتیں اُسی قاتل کا کلمہ پڑھنے لگیں

دھوئیں اُڑا دئے بجلی کے تیغ و خنجر کیا پڑے ہیں نیتوں میں فرق پاؤں پر سر کیا
اُڑادے نام فرشتوں کا دَم میں یہ پر کیا کہا، قدم سے سرک کانپتا ہے تھر تھر کیا

ابھی سے کیا ہے ہر اِک سور اُٹھ کر آئے گا
۳۸ پُلِ صراط بنوں گی تو محشر آئے گا

شرابیوں کی خرابی کہ توبہ استغفار بجائے نشہ حریفوں کے سر چڑھی تلوار
شراب کھنچ گئی خود صورتِ دَمِ خمار چلے پیالے کہ ہم پر کہیں نہ نکلے خمار

جو پھوٹے شیشوں کی قسمت تو کیوں نہ ہوں پانی
۳۹ خود اُن کے پیرِ مغاں پر پڑا گھڑوں پانی

زمیں پہ لوٹتا ہے خُود اور خودی اُس پر جگر میں چٹکیاں پھر اور گدگدی اُس پر
غضب کی آنکھ نگاہِ تمرُّدی اُس پر یہ کھیت مارنا اور بے تردُّدی اُس پر

ہوا یہ غُل کہ نہ شام اور نہ کوفہ چھوڑے گی
۴۰ یہ گُل بدن کوئی تازہ شگوفہ چھوڑے گی

جدھر رکوع کے انداز اُس نے دکھلائے تو بے نمازی بھی خود بندگی بجا لائے
شجر قیام میں بُوٹے سجود میں آئے قنوت کے لئے پتّوں نے ہاتھ پھیلائے

سُنا جو حق نے وظیفہ تمام پھولوں کا
تو رکھ دیا گُلِ تسبیح نام پھولوں کا

۴۱

اُتار اُتار کے جلدیں اُلٹ دئے دفتر چڑھے تھے کشتوں کے پشتے فقط رسالوں پر
کُھلے تھے صورتِ شیرازہ جُزوِ تن یکسر رگیں بھی کھنچ گئیں کیا ذکرِ جدول و مسطر

پھنسے تھے اہلِ قلم خود اَجل کے پنجے میں
پھرے کتاب سے جانیں کھنچیں شکنجے میں

۴۲

ہزاروں پاؤں کے نیچے کہیں دبا ہے سر کسی کے سینے پہ بیٹھے ہیں خُودِ سر تن کر
ہزار ہاتھ رکھیں ہیں کسی کلیجے پر کسی کے روئے سیہ پر ہزار داغِ سپر

کوئی سیاہ دروں دب گیا تھا ڈھالوں میں
جو فیل تن تھا نہاں اُس کو دیکھا بھالوں میں

۴۳

گلوں کے ہوش اُڑے ڈر سے بُلبُلوں کی روش تمام بیلیں پریشاں تھیں کاکلوں کی روش
ہزار داغ دئے باغ کو گلوں کی روش تو روئے پھوٹ کے انگور آبلوں کی روش

مگر وہ زخم چمن کے نہیں بھرے ہیں ابھی
بندھے ہیں گرچہ کچھ انگور پر ہرے ہیں ابھی

۴۴

جُھکی نماز سلامیِ تیغ کو ہر بار زمیں پہ سجدوں کا غُل تھا کہ ہم ہیں شکر گزار
قنوت کی یہ دُعا تھی کہ رحمتِ غفار زکواۃ و خُمس خوشی سے یہ صدقے اور وہ نثار

وضو کا شور یہ تھا آبرو دوچند ہوئی
اذاں پکار رہی تھی کہ سر بلند ہوئی

۴۵

اِدھر فرس صفتِ رنگِ خوں بگڑتا ہے چلے جو تیز تو گُل گوں ہوا سے لڑتا ہے
تڑپتی رہتی ہے بجلی جو یہ بچھڑتا ہے جہاں ہو سُم وہیں سُرعت کا نال گڑتا ہے

ہر اِک قدم پہ ابد سے سفر مزید ہوا
پھرا ازل کو تو ماضی سے بھی بعید ہوا

۴۶

فرس کے اُڑتے ہی یوسفؑ کا خواب تھا تہِ سُم کہ سجدہ کرتے ہیں محرابِ نعل میں انجم
اگر پلک سے بھی تھپکی دے دیدۂ مردُم تو نکلے پٹھوں کے نقاروں سے صدا دُھم دُھم

فلک کو چھوڑ کے یہ اور سرزمیں چلتا
۴۷ اسدؑ کے ہاتھ میں ہے باگ بس نہیں چلتا

عجیب چال سے مضمونِ یال باندھوں گا بہت سا سر کو جھکا کر خیال باندھوں گا
کوئی طریق نہیں ہے کہ چال باندھوں گا کمال یہ ہے کہ اُس کو زوال باندھوں گا

زمیں سے عرش پہ یوں دَم میں مثلِ غُل جائے
۴۸ کہ جیسے بندھتے ہی نیت خدا پہ کُھل جائے

پری کہوں تو پری کے یہ چشم و گوش کہاں ملک کہوں تو ملک میں یہ طیش و جوش کہاں
فلک کہوں تو فلک میں یہ ناؤ نوش کہاں کہوں جو رنگِ حنا اُس میں عقل و ہوش کہاں

ازل سے اُڑ کے پہنچ جائے یوں قیامت میں
۴۹ کہ جیسے شُکر کی آواز گوشِ قدرت میں

نظر کی طرح رُخِ رشکِ ماہ پر دوڑے لگے نہ داغ جو چشمِ سیاہ پر دوڑے
اثر نہ ہوئے اگر تیرِ آہ پر دوڑے نہ جھونک کھائے جو تارِ نگاہ پر دوڑے

کبھی نہ پردہ کُھلے تُرک تاز کیسا تھا
۵۰ سدا رہے یہی دُھن ہائے ساز کیسا تھا

عجب روش سے رُخِ گلعذار پر دوڑے شمیم جیسے نسیمِ بہار پر دوڑے
مثالِ آب دُرِ آبدار پر دوڑے صدائے ساز نہ نکلے جو تار پر دوڑے

ہمیشہ رکھتا ہے دل کی خبر وہ دانا ہے
نگاہِ چشمِ خیال اِس کو تازیانہ ہے

۵۱

قدم ہمیشہ رواں رَو میں پتلیاں جیسے پکڑ سکے نہ کوئی کہتے کی زباں جیسے
صفوں سے تن کے نکل جائے دَم میں جاں جیسے زمیں سے عرش پہ مظلوم کی فغاں جیسے

پلٹ کے عرش سے یوں جانبِ زمیں آیا
علیؑ کو جیسے کہ معراج پر یقیں آیا

۵۲

خمیدہ سر کو مثالِ ہلال رکھتا ہے سوئے اشارۂ راکب خیال رکھتا ہے
مثالِ قدرتِ حق کب مثال رکھتا ہے جسے زوال نہیں وہ کمال رکھتا ہے

پلٹ کے عرش سے یوں اِس جہاں میں آجائے
کہ جیسے اپنی صدا اپنے کان میں آجائے

۵۳

کہیں نگاہِ مسیحا تو یہ نظر بھی نہیں دعا کریں پئے مضموں تو واں اثر بھی نہیں
فلک پہ شہرہ اُڑا آئیں ہم تو پر بھی نہیں یہ کوئی آیتِ خالق ہے یہ خبر بھی نہیں

قدم پہنچتا ہے منزل پہ راہ سے آگے
تڑپ کے جاتی ہے پُتلی نگاہ سے آگے

۵۴

لہو میں تیر کے دریا پہ راہوار آیا کنارِ نہر میں وہ دُرِّ آبدار آیا
مگر ترائی میں ضیغم پئے شکار آیا کسی روش سے نہ دریا کو پھر قرار آیا

نشانِ شاہ سے مشکیزہ کھول کر جھپٹا
زمین کانپ گئی شیر بول کر جھپٹا

۵۵

اُتر کے مشک بھری اشکِ خوں بہا کے چلے پیا نہ آب یہ اِک اور داغ کھا کے چلے
سوئے خیام جو راہوار کو دبا کے چلے اُدھر سے غول چراغِ حسد جلا کے چلے

گھٹا میں آگیا تیر گروہ ٹوٹ پڑے
علیؑ کے لال پہ آفت کے کوہ ٹوٹ پڑے

۵۶

پکارے شامیِ خود سر کہ بس قدم نہ بڑھاؤ جو گھر کو جانا ہے مشکیزہ ہم کو دیتے جاؤ
نہ دو جو مشک تو اِس آب کو زمیں پہ بہاؤ سنائے دیتے ہیں دیکھو کہیں نہ خوں میں نہاؤ
پکڑ کے تیغ کہا شیرؑ نے بھلا دیکھیں
لہو میں کیسے نہا جاتے ہیں نہا دیکھیں ۵۷

مثالِ مار وہ پھَل موذیوں سے جا لپٹا گلے سے لپٹی بلا شانے سے گلا لپٹا
ہر ایک جان پکاری یہ جن بُرا لپٹا زمیں کے ساتھ قیامت کا بوریا لپٹا
سروں پہ بن گئی ایسی کہ منہ بگڑنے لگے
گری جو برق تو اولے بھی ساتھ پڑنے لگے ۵۸

لگی ہوئی ہے نظر سوئے مشک دل کی طرح یہی ہے دل میں کہ آنکھوں میں رکھ لوں تِل کی طرح
جھکا ہوا ہے سوئے آب دل خجل کی طرح نظر جھکی ہوئی خیمے سے منفعل کی طرح
خیال یہ ہے کہ افسوس دیر ہوتی ہے
یقین ہے کہ ہماری سکینہؑ روتی ہے ۵۹

بتاؤ منصفو، ہوتا ہے یہ وغا کا رنگ حفاظتِ علم و مشک اور گروہ سے جنگ
پروں سے پر متواتر برس رہے ہیں خدنگ مگر وہ شکل ہے سب مثلِ آئینہ ہیں دنگ
حسام کوند کے بجلی کی طرح پھرتی ہے
تو ساتھ مشک بھی پُتلی کی طرح پھرتی ہے ۶۰

قیامت آئی سنبھل جاؤ اے عزادارو پکارو شیرِ الٰہی کو جلد اے یارو
ہوا جو قہر وہ دل میں سمجھ لو ہشیارو زباں سے کیا میں کہوں ہاتھ سینوں پر مارو
زمیں تو کانپ چکی آسمان گرتا ہے
اُٹھاؤ حشر زمیں پر نشان گرتا ہے

۶۱

پئے عزا کمریں جلد باندھ لو باہم ہوا وہ ظلم کہ آیا ہے پشتِ شاہؑ میں خم
گرا وہ شہؑ کا علم لو اُٹھو پئے ماتم بتولؑ آگئی محفل میں لو اُٹھاؤ علم
حسینؑ بزم میں آنکھوں سے خوں بہاتے ہیں
فرس پہ حضرتِ عباسؑ ڈگمگاتے ہیں ۶۲

گری وہ تیغ بھی ریتی پہ چھن سے ہائے غضب اُدھر تڑپ گئے دردِ کمر سے شاہِؑ عرب
پکاری تھام کے دل کو کہ ہائے اے زینبؑ بچھاؤ فرشِ عزا مر گیا وہ تشنہ لب
لُٹیں بتولؑ ہوا ذبح روزِ عید حسینؑ
کرو حسینؑ کا ماتم ہوا شہید حسینؑ ۶۳

وہ بولی خیر ہے بھیّا کوئی خبر آئی کہا کہ آہ عدو کی مراد بر آئی
زمین مجھ کو لرزتی ہوئی نظر آئی خزاں ریاضِ جنابِ امیرؑ پر آئی
تڑپتا ہے دلِ آگاہ کیا کروں زینبؑ
منگاؤں کیسے خبر آہ کیا کروں زینبؑ ۶۴

پکاری زینبؑ مضطر کہ لوگو مانگو دعائیں خدا کرے کہیں عباسؑ جلد خیر سے آئیں
کہاں ہیں بالی سکینہؑ مجھے تو شکل دکھائیں مچل کے بھیج دیا اب وہی چچا کو لائیں
کہاں حسینؑ کو عادت ہے اِس جدائی کی
دکھادوں کیسے برادر کو شکل بھائی کی ۶۵

پکاری در سے کہ اے بے وطن کے شیدائی پھر آؤ جلد کہ مضطر ہیں آپؑ کے بھائی
رُکے تو آئے گی خود واں بتولؑ کی جائی غضب ہے بھول گئے بے جگر کی تنہائی
خبر نہیں کہ اخی بے قرار ہوتے ہیں
ارے میں کیا کروں لوگو حسینؑ روتے ہیں

٦٦

ندا یہ آئی شہِ مشرقین ادرکنی علیؑ و فاطمہؑ کے نورِ عین ادرکنی
رہا نہ بے کس و مضطر کو چین ادرکنی گرا غلام جنابِ حسینؑ ادرکنی
تڑپ کے کہنے لگے شاہؑ ہم نہ کہتے تھے
سنا جواب بہن آہ ہم نہ کہتے تھے ٦٧

چلے پسر کے جو ہمراہ رو کے غش آیا اُٹھے تو اَنکسرَ ظہری رو کے فرمایا
کبھی پکارے برادر کو ہاں حسینؑ آیا کبھی یہ بولے خدا جانے پانی بھی پایا
گئے تھے نہر پہ مشکیزہ بھر لیا ہوگا
مرے سبب سے مگر کاہے کو پیا ہوگا ٦٨

کبھی کہا کہ ارے میرا با وفا بھائی کبھی یہ بولے ارے میرا شیر سا بھائی
کبھی پکارے کہ ٹھہرے رہو ذرا بھائی تمہارے ساتھ ہی ہوگا سفر مرا بھائی
چلے نہ جائیو پہلے سے پہلے جنّت کو
چلے گا پالنے والا بھی ساتھ خدمت کو ٦٩

یہ کہتے کہتے گرے خاک پر امامِ عرب کھلا نہ دلبرِ ناشاد پر کچھ اِس کا سبب
اُٹھا کے باپ کو فرزند پر ہوا یہ تعب گرے اِدھر علیؑ اکبرؑ بھی ہائے کہہ کے غضب
کسی کے دستِ بُریدہ کو خون میں تر دیکھا
لہو بہا ہوا ساری زمین پر دیکھا ٧٠

اگرچہ صدمے سے بیتاب تھے امامِ انام سنبھالنے لگے بیٹے کو اور کیا یہ کلام
نہ بے قرار ہو اے لال صبر کا ہے مقام ہمیں تو دیکھو کہ لب پر نہیں گِلے کا نام
وہ بولے جان پہ محشر گزر گیا بابا
چچا کے ہاتھ کٹے میں نہ مر گیا بابا

۷۱

اسی طرح سے قلق پر قلق اُٹھاتے ہوئے وہ ہاتھ سینے سے گہہ آنکھ سے لگاتے ہوئے
کبھی تو ٹھوکریں اور گاہ داغ کھاتے ہوئے قریب لاش گئے اشکِ خوں بہاتے ہوئے

بدن سے دوسرے شانے کو بھی جُدا پایا
زمیں پہ شانہ و بازو کو لوٹتا پایا ۷۲

ابھی پہنچے نہ پایا تھا یاں امامِ غیور پکاری دور سے فضہ کہ اِن کو لیجے حضور
ہٹیں وہ کیں ہیں کہ سب گھر کو کردیا مجبور چچا کی لاڈلی کیونکر رہیں چچا سے دور

خفا ہوئے ہیں سکینہؑ انہیں منائیں گی
چچا کو ساتھ میں لے کر یہ گھر کو جائیں گی ۷۳

کہا حسینؑ نے رو کر غضب ہوا اکبرؑ اسے سنبھالے کہ بھائی کو روئے یہ مضطر
پھریرا ڈال دو لاشہ پہ اے مرے دلبر چھپالو سانحہ، نادان ہے یہ رشکِ قمر

میں رو تو لوں جو تم اِس نوحہ گر کو لے جاؤ
کسی طرح اسے بہلا کے گھر کو لے جاؤ ۷۴

وہ رو کے بولی کہ ہم نے بھی سُن لیا جو کہا میں بے چچا کے کسی سے بہلتی بھی ہوں بہلا
کُھلا یہ اب کہ مجھی سے فقط ہوئے ہیں خفا تو خیر آپ منالوں گی میں کسی کو کیا

صدا یہ سُن کے وہ بسمل نظر چُرانے لگا
اُلٹ کے لاشہ عباسؑ تھر تھرانے لگا ۷۵

کہا حسینؑ نے اکبرؑ ابھی ہے بھائی میں دم بہن کو روکو اخی کو گلے لگالیں ہم
بڑھے امام تو کیا دیکھتے ہیں ہائے ستم کہ دم نکل بھی چکا سرد ہو گیا ضیغم

پکارے ہائے جہاں سے گزر گئے عباسؑ
سکینہؑ کس کو مناؤ گی مر گئے عباسؑ

۷۶

وہ رو کے بولی کہ ہے ہے گزر گئے عموں میں آ کے ملنے نہ پائی کہ مر گئے عموں
کہاں میں ڈھونڈنے نکلوں کدھر گئے عموں اخیر دن مری سقائی کر گئے عموں

نصیب کی مرے اللہ کیا خبر تھی مجھے
کھڑی تھی نہر پہ موت آہ کیا خبر تھی مجھے

۷۷

چچا یہاں سے میں زندہ نہ گھر کو جاؤں گی تمہیں گنوا کے نہ کنبے کو منہ دکھاؤں گی
بنی اسد سے کفن جا کے مانگ لاؤں گی لبِ فرات تمہاری لحد بناؤں گی

کہیں یہ لوگ کہ عموں کی جان کو کھو کر
بھتیجی قبر پہ بیٹھی فقیرنی ہو کر

۷۸

یہ کہہ کے آگے بڑھے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا گلے سے تو لپٹا لو اے علیؑ کے پسر
گری جو لاش پہ رو کر حسینؑ کی دختر تو پایا سوئے زمیں آپ کا رُخِ انور

کہا دکھایئے منہ پیٹ کر مروں گی میں
نہ کیجے شرم شکایت نہ کچھ کروں گی میں

۷۹

غرض وہاں سے بمشکل شہِؑ زماں اُٹھے پکڑ کے ہاتھ سکینہؑ کا نیم جاں اُٹھے
اخی کی لاش سے با چشمِ خوں فشاں اُٹھے چچا کا لے کے علم اکبرِ جواں اُٹھے

حسینؑ غم میں برادر کے اشکبار چلے
کمر کو تھام کے بیتاب و بے قرار چلے

۸۰

کھڑی تھی ڈیوڑھی پہ فضہ جو با دلِ نالاں یہ حالِ رنج و الم دیکھ کر ہوئی گریاں
کہ لاتے ہیں علم و مشک اکبرؑ ذیشاں حرم سے خیمے میں جا کر کیا یہ حال بیاں

اِک اور صدمہ تازہ فلک دکھاتا ہے
کہ قتل ہوگیا سقّہ نشان آتا ہے

۸۱

ابھی یہ بیبیوں سے کہہ رہی تھی وہ پُرغم کہ لے کے آئے شبیہِ رسولؐ مشک وعلم
اُٹھے نشان کی تعظیم کو سب اہلِ حرم بچھادی زینبؑ مغموم نے صفِ ماتم
تب اپنا سینہ و سر پیٹ کر خزینہ نے
بہا کے اشک یہ نوحہ پڑھا سکینہؑ نے ۸۲

غریب و بیکس و بے یار و آشنا عموں تمہارے جسم کا پانی پہ خوں بہا عموں
یہ کیا ہوا کہ سناتے نہیں صدا عموں کہاں گئے ہو بتاؤ تو کچھ پتا عموں
بھتیجی روتی ہے کب سے خبر نہیں لیتے
اب اپنی گود میں کیوں دوڑ کر نہیں لیتے ۸۳

کہاں ہے مشک مری بازوئے شہِ والا گئے نہ نہر پہ باتوں ہی میں مجھے ٹالا
تڑپ تڑپ کے کہ یہ کہتے تھے کر کے شہؑ نالہ فلک نے ہائے تجھے کن بلاؤں میں ڈالا
تلاش کر لو شہیدِ جفا کے ہاتھ کے پاس
پڑی ہے مشک تو پیاری چچا کے ہاتھ کے پاس ۸۴

نظر اُٹھا کے جو دیکھا تو ہائے کیا دیکھا دبا ہے دستِ بُریدہ کے نیچے مشکیزہ
نہیں ہے تیر کے روزن سے کوئی خالی جا بہا ہے پانی کے قطروں پہ خون کا دریا
کہا کہ ہائے چچا کیا الم اُٹھایا ہے
بھتیجی کے لئے پانی پہ خوں بہایا ہے ۸۵

چچا کو رو کے ہوئی غش صغیر تشنہ لب حسینؑ روتے ہیں اے بزمؔ بس خموش ہو اب
سنبھالتا ہے بہت دلبرِ امامِ عرب حسینؑ پیٹتے ہیں سر غضب ہے ہائے غضب
پکارتے ہیں کہ عباس کیا قرینہ ہے
اُٹھاؤ گود میں پہلو میں غش سکینہؑ ہے

مرثیہ:۱۵

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

محبوبِ کردگار کا مطلوب کون ہے

تعدادِ بند: ۱۱۸

وزیر گنج لکھنؤ--۱۶ صفر ۱۳۶۰ھ

مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۴۱

۱

محبوبِ کردگار کا مطلوب کون ہے یوسفؑ کو ہے عزیز وہ محبوب کون ہے
بینا ہے جس کی چشم وہ یعقوب کون ہے صبر و رضا میں افسرِ ایوب کون ہے
روشن ہے سب پہ وہ مہِ شاہِ ثقلین ہے
شاہد نماز ہے کہ وہ شاکرؑ حسینؑ ہے ۲

حقا کہ رب کا طالب ومطلوب ہے حسینؑ یوسفؑ بنے غلامؑ وہ محبوب ہے حسینؑ
صابر رہا جو دُکھ میں، وہ ایوبؑ ہے حسینؑ رویا نہ جو پسر کو، وہ یعقوبؑ ہے حسینؑ
خوش ہو کے راہِ خالق اکبر میں سر دیا
اسلام مر چکا تھا اُسے زندہ کردیا ۳

روحِ نبیؐ و قلبِ علیؑ جانِ فاطمہؑ نورِ اِلٰہ، شمعِ شبستانِ فاطمہؑ
احمد کا لال، گوہرِ دامانِ فاطمہؑ چشمِ رسول، اخترِ تابانِ فاطمہؑ
اُٹھے جہاں سے قبر میں سونے کے واسطے
خالی فسانہ رہ گیا رونے کے واسطے ۴

کہتے تھے فخر سے، یہ شہنشاہِ مشرقین طوبیٰ علیؑ ہے اصل ہوں میں، پھل حسنؑ حسینؑ
غم اس کے رنج سے ہے مجھے، اور خوشی سے چین احمد کا نور چشم ہے زہراؑ کا نورِ عینؑ
جس نے اسے ستایا پیمبرؐ کو غم دیا
مجھ کو الم دیا تو خدا کو الم دیا ۵

اللہ رے وقتِ غیظ شہِ کربلا کی شان حسن و جمال میں شہِ خیرالوریٰ کی شان
رعب و جلال میں اسدِ کبریا کی شان قرآں کی زیب نور کی صورت خدا کی شان
آنکھوں نے آیتوں کے جو انداز پائے ہیں
قرآں میں عین وصاد نظارے کو آئے ہیں

۶

چہرہ ریاضِ صنعتِ پروردگار ہے یہ وہ چمن ہے، جس پہ خزاں میں بہار ہے
جنت فدا ہے گلشنِ انجم نثار ہے یوسفؑ کا باغِ حُسن نگاہوں میں خار ہے
اب کس کو، روئے یوسفِ مصری عزیز ہے
شیرینی اور چیز، نمک اور چیز ہے

۷

رُخسار و زُلفِ شہ میں یہ رازِ الٰہ ہے حضرت کو اختیارِ سپید و سیاہ ہے
ابرو ہلالِ عید تو رُخ عید گاہ ہے اس امر پر جماعتِ مژگاں گواہ ہے
موئے مژہ کو شغلِ قعود و قیام ہے
نورِ نگاہِ سبطِ پیمبرؐ امام ہے

۸

اللہ رے غیبتِ دہنِ شاہِ بحر و بر جیسے ضمیر صیغۂ غائب میں مُستتر
یا جس طرح کہ آیۂ الحمد میں خبر سینِ سخن، صفایِ دنداں سے جلوہ گر
گویا لبوں نے تازہ مضامیں بتائے ہیں
ہاں سُرخ مد بھی مُصحفِ اکبر میں آئے ہیں

۹

لو دشتِ کارزار میں شاہِ اَنام آئے مانندِ صبحِ حشر، سوئے اہلِ شام آئے
غُل تھا، جلال میں شہِ عالی مقام آئے بہرِ وغا حسینِ علیہ السلام آئے
نعرہ کیا کہ شیرِ الٰہی کا لال ہوں
میداں کو خوں سے لال کروں گا کہ آل ہوں

۱۰

چاہوں تو آبِ تیغ سے دریائے خوں بہاؤں پانی سے اہلِ نار کے قلب و جگر جلاؤں
گردوں کو گرد برد کروں خاک میں ملاؤں چاہوں تو بے زبان کو کلمہ ابھی پڑھاؤں
منکر کہے کہ بات میں قرآں کی شان ہے
بُت بول اُٹھے، حسینؑ خدا کی زبان ہے

۱۱

اسلام اپنے حال کا شاہد ہے یا نہیں قرآں وقارِ آل کا شاہد ہے یا نہیں
مہرِ مبیں جلال کا شاہد ہے یا نہیں کچھ بدر بھی کمال کا شاہد ہے یا نہیں
اس ولولے سے قتل کیا اہلِ غدر کو
خالق نے دو ہلال دئے شاہِ بدر کو

۱۲

اسلام سرفراز، علیؑ کے سبب سے ہے تصدیقِ بے نیاز، علیؑ کے سبب سے ہے
دینِ شہِ حجاز، علیؑ کے سبب سے ہے یہ روزہ و نماز، علیؑ کے سبب سے ہے
تم کو تمیز آگئی انسان ہوگئے
تیغِ علیؑ کے دم سے مسلمان ہوگئے

۱۳

جس پر خدا رسولؐ کا سایا ہے وہ علیؑ روحِ امیں کو جس نے پڑھایا ہے وہ علیؑ
سر دے کے جس نے دین بچایا ہے وہ علیؑ مَنْ یَّشْرِیْ جس کی شان میں آیا ہے وہ علیؑ
کیونکر نہ مشتری کو محبت کا جوش ہو
یوسف سے وہ عزیز ہے جو سرفروش ہو

۱۴

رعبِ علیؑ نے سب کے دلوں پر اثر کیا دیکھو خدا کے گھر سے بتوں کو بدر کیا
قلعے اُکھاڑ کر دلِ احمدؐ میں گھر کیا جو سخت معرکہ ہوا حیدرؑ نے سر کیا
سب فوج دشتِ رمل میں یثرب کو مُڑ گئی
جس وقت بوتراب گئے خاک اُڑ گئی

۱۵

آفاق میں رواجِ شریعت علیؑ سے ہے ایماں کی زیب و زین کی زینت، علیؑ سے ہے
قرآں کی بھی یہ شان یہ صورت، علیؑ سے ہے کعبہ کا یہ وقار یہ حُرمت، علیؑ سے ہے
عالم میں سب یہ جلوہ نمائی علیؑ کی ہے
بندے خدا کے ہیں، یہ خُدائی علیؑ کی ہے

۱۶

اک روز اِک شریر جفاکار و بے حیا جُثہ میں پیل، مکر میں شیطاں کا پیشوا
اِک گُرز تول کر سوئے شیرِ خدا بڑھا اللہ رے زورِ قوتِ بازوئے مصطفیٰؐ

آہن کو موم کر کے شگوفہ دکھادیا
لعنت کا طوق کر کے گلے میں پنہا دیا

۱۷

گو سور تھا پہ شیرِ خدا سے دہل گیا طوقِ گراں کے بار سے نقشہ بدل گیا
سیفِ وغا، لقب تھا مگر دم نکل گیا شامت بھی ہنس رہی تھی کہ لو سیف پھل گیا

ہر چند محوِ سعی ہر اِک آشنا ہوا
لیکن کسی سے طوق کا عقدہ نہ وا ہوا

۱۸

پھر اُس کے دوست خدمتِ شیرِ خدا میں لائے مغرور پاؤں پر بھی گرا اشک بھی بہائے
شیرِ خدا بھی شوم کے رونے پہ مسکرائے وہ سیف تھا، کمال کے جوہر اُسے دکھائے

اُنگلی ہلا کے طوق گلے سے جُدا کیا
مشکل کشا نے عقدۂ لاحل کو وا کیا

۱۹

حق گو سکوت میں ہیں، کہ اللہ کیا کہیں خیبر کُشا، کہ خلق کے مشکل کشا کہیں
ہم وہ بشر نہیں ہیں، کہ حق کے سوا کہیں ہم عینِ حق کہیں گے، نصیری خدا کہیں

پر ہاں جو اِن کا نام وہی کبریا کا نام
بعدِ نبیؐ یہ فرد ہیں، آگے خُدا کا نام

۲۰

جو حق کے ہاتھ، خلق کے والی ہیں وہ علیؑ خالق کے دوست، جن کے موالی ہیں وہ علیؑ
جو ماہ ہو کے، عیب سے خالی ہیں وہ علیؑ جو دو جہاں سے برتر و عالی ہیں وہ علیؑ

کُل انبیا سے آپ کے رُتبے جلیل ہیں
گویا زبانِ صدقِ جناب خلیل ہیں

۲۱

حق گو بھی نفسِ ناطقۂ مصطفاؐ بھی ہیں گویا زبانِ خالقِ ارض و سما بھی ہیں
عالم کے رہنما بھی ہیں معجز نما بھی ہیں مشکل کے وقت لوگوں کے مشکل کشا بھی ہیں

بر حق کہے بحق کہے یا مُستحق کہے
ناحق کی بحث کیا وہی حق ہے جو حق کہے ۲۲

تقویٰ بھی زُہد و علم بھی صبر و رضا بھی ہے خُلق و کرم بھی عدل بھی زورِ خدا بھی ہے
طینت میں خیرِ حضرتِ خیرالوریٰ بھی ہے پر اِک شرف رسولؐ خدا سے سوا بھی ہے

ہر چند اُن کو دولتِ دُنیا و دیں ملی
زوجہ مگر رسولؐ کو ایسی نہیں ملی ۲۳

مکہ کے آفتاب مدینے کے ماہ ہیں ان کے فقیرِ مست' دو عالم کے شاہ ہیں
کونین کی پناہ' شہِ دیں پناہ ہیں جو آپ کے سُخن، وہ کلامِ اِلٰہ ہیں

قرآں کا ذکر رازِ خفی کھولنے لگا
خود آپ کی زباں میں خدا بولنے لگا ۲۴

قائم مقامِ فاتحِ خیبر حسینؑ ہے حیدرؑ ولیِ رب تھے' تو صفدر حسینؑ ہے
جس میں کہ نو گہر ہیں' وہ کوثر حسینؑ ہے دریائے معجزاتِ پیمبرؐ حسین ہے

اسلام کو بقا ہے اسی دل ملول سے
یعنی رسولؐ مجھ سے ہیں اور میں رسولؐ سے ۲۵

یہ ذکر تھا کہ تیرِ ستم بار بار آئے قہر آگیا غضب میں شہِ نامدار آئے
لشکر پہ صورتِ غضبِ کردگار آئے توسن کا شور تھا شہِ دُلدُل سوار آئے

رہوار کی جھپٹ سے خجل شیر ہوگیا
شمشیرِ حیدریؑ کا بھی دل شیر ہوگیا

۲۶

کاٹھی سے تیغ نکلی کہ بجلی سحاب سے یا دستِ حق پرستِ یداللہ حجاب سے
یا حکمِ ربّ، حدیثِ رسالت مآب سے یا آیۂ جہادِ خُدا کی کتاب سے
یوں دین کے رواج کو نکلی میان سے
جیسے علیؑ کی مدح نبیؐ کی زبان سے

۲۷

گیسوئے شب سے چہرۂ حورِ سحر کھلا گھونگھٹ اُٹھا تو روئے عروسِ ظفر کھلا
کونین پر جلالِ شہِ بحر و بر کھلا کاٹھی کا منہ کھلا کہ جہنم کا در کھلا
تیغِ دو دم نہ قبضۂ شاہِ زماں میں تھی
کنجی سقر کی دستِ قسیمِ جناں میں تھی

۲۸

وہ نعرۂ ہزبرِ نیستانِ کربلا وہ زلزلہ وہ جنبشِ میدانِ کربلا
دریا کا پاٹ تھا کہ وہ دامانِ کربلا جن کہہ رہے تھے واہ سلیمانِ کربلا
گھوڑے کسے کسائے نہ کس کس کے رہ گئے
چیونٹی کی طرح مورچے پس پس کے رہ گئے

۲۹

تیغِ دو دم چلی کہ قیامت سروں پہ تھی قدموں پہ لوٹتے تھے یہ آفت سروں پہ تھی
ڈھالوں پہ تھی بلا تو مصیبت سروں پہ تھی شامی گریز پا تھے کہ شامت سروں پہ تھی
دل قلب ہوگئے تھے جگر بے قرار تھے
یہ خوف تھا کہ دم بھی عدم کو فرار تھے

۳۰

دفتر اُلٹ دیا وہ سرشتے اُڑا دئے ماتھوں سے قسمتوں کے نوشتے اُڑا دئے
اس نے قرابتوں کے بھی رشتے اُڑا دئے کاندھوں پہ رُخ کیا تو فرشتے اُڑا دئے
گرچہ یقیں ہوا تھا کہ شہپر دوتا ہوئے
پر بچ گئے کہ ضرب سے پہلے ہوا ہوئے

۳۱

جل بُھن کے فوجِ ظلم و جفا خاک میں ملی ہر سو یہ خاک اُڑی کہ ہوا خاک میں ملی
گویا بساطِ ارض و سما خاک میں ملی غُل تھا کہ کائناتِ خُدا خاک میں ملی

زندوں پہ یہ عتاب یہ آفت عذاب کی
۳۲ یا بوترابؑ تیغ نے مٹی خراب کی

اللہ ری آن بان، زہے شانِ تیغ تیز خونخوار، سر شگاف، جگر سوز، شعلہ ریز
خونریز، حشر خیز، زباں تیز، خوش سَتیز ممکن کہیں گریز، نہ آرام بے گریز

اللہ کا عذاب کہ شہ کی ستیز تھی
۳۳ لشکر کے شاعروں کو بھی فکرِ گریز تھی

وہ یک قلم، سپاہِ لعیں کے نشاں قلم منشی کے لب شگاف، تو گویا زباں قلم
تیروں کے پر اُڑے ہوئے، شاخِ کماں قلم نیزوں کا بند بند کُشادہ، سناں قلم

اے بزمؔ بس، کہ ختم سپاہِ شریر ہے
۳۴ صلوات پڑھ کہ حملۂ اوّل اخیر ہے

شہبازِ تیر دشت سے، پر جوڑ کر اُڑے زاغِ کماں بھی کھیت سے، منہ موڑ کر اُڑے
مرغانِ روح رشتۂ جاں، توڑ کر اُڑے ناری سقر کی سمت، بدن چھوڑ کر اُڑے

یہ حال تھا کہ کوئی نہ ملتا تھا رونے کو
۳۵ صرف اُن کے جسم رہ گئے پامال ہونے کو

حیرت سے منہ کو کھول کے سوفار رہ گئے سو میں تو بیس بیس میں دوچار رہ گئے
بھاگا کوئی تو تول کے تلوار رہ گئے فرّار سب ہوا ہوئے کرّار رہ گئے

قبضے کو مثلِ دستِ خدا چومنے لگے
انگڑائی لی درود پڑھا جھومنے لگے

۳۶

ناگہہ عمر نے فوج کو پھر غیرتیں دلائیں پھر روسیہ پھرے کہ گھٹائیں اُمنڈ کے آئیں
پھر پھر کے بے نمازوں نے فوراً صفیں بچھائیں تیغِ امامؑ آئی تو پھر گردنیں جھکائیں

سر کٹ کے پائے قبلۂ عالم پہ جُھک گئے
۳۷ شیطاں تمام سجدۂ آدم پہ جُھک گئے

تلوار درمیاں تھی تو لشکر اِدھر اُدھر لاشے تو قلبِ فوج میں تھے سر اِدھر اُدھر
آفت جو پیش و پس تھی تو محشر اِدھر اُدھر قدسی بھی سیر دیکھتے تھے پر اِدھر اُدھر

منہ پر چڑھے یہ دم کے سوا کس میں تاب تھی
۳۸ اِک باڑھ بڑھ چلی تھی وہی آب آب تھی

رُخ پر چلی تو زیست کا نقشہ مٹادیا منہ میں زباں پھرائی تو گویا مٹادیا
یاں بات میں زبان کا قصّہ مٹادیا واں لوح پر نصیب کا لکھا مٹادیا

کیوں موت خوش نہ ہوتی کہ محظوظ تھی وہی
۳۹ اِک لوح بچ گئی تھی کہ محفوظ تھی وہی

تیغِ علیؑ کے ڈر سے نہ کیوں انسِ وجاں چھپیں جب طائرانِ عرش کے بھی مُرغِ جاں چھپیں
تلوار دم کے ساتھ ہے شامی جہاں چھپیں غُل ہے کہیں اماں نہیں ملتی، کہاں چھپیں

اِس تیغ پر نگاہِ خدائے قدیر ہے
۴۰ غائب ہوں کس طرح کہ یہ روشن ضمیر ہے

تن کی رگوں میں پیر گئی خوں میں تر گئی یہ کرکری ہوئی کہ ہر اِک تیغ کر گئی
اِس سمت صور پھونک کے اُس سمت گر گئی گویا قیامت آکے زمانے سے پھر گئی

قُدسی نہ مضطرب تھے کہ بے خود اجل نہ تھی
فردائے حشر کو بھی کسی جا پہ کل نہ تھی

۴۱

منہ میں زباں، گلے میں صدا کو بھی دو کیا اہلِ خطا کے، تیر دُعا کو بھی دو کیا
اس بُت نے، مشرکوں کے خدا کو بھی دو کیا اوروں کا ذکر کیا، کہ قضا کو بھی دو کیا
پھر تو شریر اور بھی ناکام ہوگئے
۴۲ دو ٹکڑے ہو کے موت کے دو نام ہوگئے

شمشیر بے نظیر، فرس لاجواب ہے وہ عرش سیر ہے، تو یہ گردوں رکاب ہے
شمشیر صاعقہ ہے، تو یہ بھی سحاب ہے جلوے میں وہ ہلال، تو یہ آفتاب ہے
رُخ سے ظہورِ قُدرتِ ربِّ ودود ہو
۴۳ اندھیاری رات میں جو کھلے دن نمود ہو

یوں شہ کا راہوار چلا رزم گاہ میں جیسے علیؑ کا دستِ کرم حق کی راہ میں
سو بار سیرِ عرش کرے اِک نگاہ میں پیکِ نگاہ پھر بھی ملے عین راہ میں
یوں جلد عرش پر فرسِ یکّہ تاز جائے
۴۴ جیسے قبولیت پہ نبیؐ کی نماز جائے

کلکی کی آب و تاب، شہِ خاوری کی طرح وہ وقتِ جنگ کھیت میں جمنا، جری کی طرح
وہ خوبیاں خرام میں، کبکِ دری کی طرح وہ سائے سے جھجک کے بھی اُڑنا، پری کی طرح
غُل تھا کہ بے قرار ہر اِک جوڑ بند ہے
۴۵ سیماب سے بنا ہے کہ نقرہ سمند ہے

بندھنے میں یہ خیال ہے، کھلنے میں دِل کا راز پھرنے میں چشمِ شوخ، تو چلنے میں تیرِ ناز
بھڑکے تو نارِ عشق جو پھڑکے تو عشق باز آنے میں حکم جانے میں ہے پیکِ بے نیاز
یوں عرشِ کبریا سے پلٹ کر شتاب آئے
جیسے نبیؐ کے ذہن میں رمزِ کتاب آئے

۴۶

تیغِ عذاب و قہر کہ نعلِ سمند تھا لشکر میں الحفیظ کا نعرہ بلند تھا
پہلے بھی گرچہ خوف سے دم سب کا بند تھا پر حملۂ دوم میں تلاطم دو چند تھا
ناری وفورِ خوف سے مستور ہوگئے
۴۷ جل جل کے شمعِ تیغ سے کافور ہوگئے

پھر شاہؑ رزم گاہ سے سوئے حرم گئے بیبیوں کے دیکھنے کو بہ درد و الم گئے
دو جن برہنہ سرؑ سوئے بیرالعلم گئے زعفر کی بارگاہ میں با چشمِ نم گئے
آواز دی کہ عترتِ اطہار لُٹ گئی
۴۸ زعفر ترے حضورؑ کی سرکار لٹ گئی

گھبرا کے بادشاہ پکارا یہ کیا کہا جلدی مجھے بتاؤ خدارا یہ کیا کہا
تابِ فغاں نہ ضبط کا یارا یہ کیا کہا کس نے نبیؐ کی آلؑ کو مارا یہ کیا کہا
حیدرؑ کے نونہال بہادر ہیں نیک ہیں
۴۹ غنچے بھی اُس چمن کے ہزاروں میں ایک ہیں

وہ بولے ہائے سب گُلِ تر خوں میں بھر گئے غنچے بھی اُس چمن کے جہاں سے گزر گئے
ابنِ حسنؑ بھی بیاہ کے دن کوچ کر گئے بیٹے بھی بھانجے بھی بھتیجے بھی مر گئے
فردوس کو رواں ہوئے منہ موڑ موڑ کے
۵۰ سب چل بسے حسینؑ کو جنگل میں چھوڑ کے

یہ سُن کے غم سے زعفرِ جن نیم جاں ہوا صدمے سے روئے زعفرِ جن زعفراں ہوا
مولا کے حالِ زار پہ محوِ فغاں ہوا تختِ ہوا پہ سوئے سُلیمانؑ رواں ہوا
پہنچا تو قتل گہہ میں شہ خاص و عام تھے
اِک قاصدِ غریب سے محوِ کلام تھے

۵۱

وہ بیکس و ملول و پریشاں و بے نوا مولا سے کہہ رہا ہے کہ اے بندۂ خدا
اتنا مجھے بتادے پئے شاہِ لافتیٰ یہ لشکرِ حسینؑ ہے یا لشکرِ جفا

زحمت اُٹھا کے آیا ہوں دل پاش پاش ہے
۵۲ حیدرؑ کے نورِ عین کی مجھ کو تلاش ہے

مکّہ میں یہ سُنی تھی خبر میں نے معتبر مہماں ہے کربلا میں یداللہ کا پسر
مولا یہ کہہ رہے ہیں کہ اے مردِ خوش سیر تو کیوں حزیں ہے اپنی مصیبت بیان کر

شاید وطن کو چھوڑ کے آفت میں پڑ گیا
۵۳ بیٹا جواں چُھٹا ہے کہ بھائی بچھڑ گیا

اس فصل میں یہ رنج یہ تکلیف یہ تعب شبّرؑ کی تلاش کا آخر کوئی سبب
اِک آہِ سرد بھر کے وہ بولا بصد ادب اِک دُخترِ مریض کا قاصد ہوں اے عرب

حسرت یہ ہے کہ جلد پتہ شہ کا پاؤں میں
۵۴ اکبرؑ کے ہم رکاب مدینے کو جاؤں میں

آنکھوں میں اشک بھر کے شہ دیں نے یہ کہا آ اے مری مریض کے قاصد قریب آ
تو محسنِ حسینؑ ہے اے بندۂ خدا بیمار خستہ حال کا نامہ مجھے دکھا

میں ہی علیؑ و فاطمہؑ کا نورِ عین ہوں
۵۵ وہ خط مری مریض کا ہے میں حسینؑ ہوں

جب نامہ بر نے سبطِ پیمبرؐ سے یہ سُنا فوراً ادب سے وہ پئے تسلیم جُھک گیا
حضرت نے اُس غریب سے بیٹی کا خط لیا اہلِ حرم میں جاکے یہ مظلوم نے کہا

بانو تمھاری نورِ نظر کا خط آیا ہے
اکبرؑ کو فاطمہ نے وطن میں بلایا ہے

۵۶

بیمار نے لکھا ہے کہ اے قبلۂ انام یہ نامۂ اخیر ہے، یہ آخری سلام
اب زندگی وبال ہے آب و غذا حرام ملنے کی آس ٹوٹ گئی کام ہے تمام
چھوڑا نہ ہوگا یوں کسی بیٹی کو باپ نے
سُنتی ہوں واں زمین خریدی ہے آپ نے

۵۷

چھوٹی بہن کو لکھا ہے اے میری گُلعذار ہچکولیاں ملول ہیں ہمشیر بے قرار
ہر وقت انتشار ہے ہر وقت انتظار بابا سے کہہ کے مجھ کو بُلا لو بہن نثار
بیٹی نہیں کنیزِ امامِ زمن تو ہوں
اچھی ہوں یا بُری ہوں تمھاری بہن تو ہوں

۵۸

اپنی بڑی پھوپھی کو لکھا ہے کہ اماں جاں ہے ہے تمھیں بھی یاد نہ آئی یہ ناتواں
اس غمزدہ کو بھول گئیں جا کے تم وہاں بی بی تمھارے بھائی کا خالق نگاہباں
رہتی ہوں رات دن میں عجب اضطراب میں
پیاسا شہِ انام کو دیکھا ہے خواب میں

۵۹

اکبرؑ کو یہ لکھا ہے کہ ہم شکلِ مصطفیٰؐ تم صادق و کریم ہو تم صاحبِ وفا
کس بات پر ملول ہو کس بات پر خفا کہنا یہ عمّو جاں سے پئے شاہِ قل کفیٰ
اُمیدِ زندگی نہیں اس غم نصیب کو
بابا سے کہہ کے جلد بُلا لو غریب کو

۶۰

تم کو لکھا ہے خالقِ اکبر کا واسطہ میرا حسنؑ کا اور مری مادر کا واسطہ
حیدرؑ کا اورجنابِ پیمبرؐ کا واسطہ ان سب کے بعد پھر علی اصغرؑ کا واسطہ
مطلب یہ ہے شبیہِ پیمبرؐ کو بھیج دو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ اکبرؑ کو بھیج دو

۶۱

یہ سُن کے اہلِ بیتؑ میں محشر بپا ہوا شاہِ ہُدا محل سے پھرے مائلِ بُکا
پہنچے قریبِ میتِ ہم شکلِ مصطفیٰؐ آواز دی کہ اے علیؑ اکبر پدر فدا

اُٹھو تمھاری پیاری بہن کا خط آیا ہے
۶۲ جاؤ تمھیں مدینے میں اُس نے بلایا ہے

پھر ہر شہیدِ ظلم کی میت کے پاس آئے جو جو پیام درج تھے خط میں وہ سب سنائے
پھر آہِ سرد کھینچ کے فرمایا ہائے ہائے بے کس جواب لکھنے کو اس دم کسے بُلائے

جو خط کے لکھنے والے تھے وہ ہم سے چھُٹ گئے
۶۳ افسوس اس دیار میں ہم آ کے لُٹ گئے

پھر تیر اِک تراش کے شہ نے قلم کیا خونِ بدن بجائے سیاہی بہم کیا
اُس خون سے مریض کو پھر یہ رقم کیا غربت میں ہم پہ چرخ نے بے حد ستم کیا

سب کُنبے والے پیاسے جہاں سے گزر گئے
۶۴ کس کو بُلاتی ہو علی اکبرؑ تو مر گئے

یہ کہہ کے لاکھ ضبط کیا پر نہ ہوسکا خود بے کسی پہ اپنی شہ دیں نے رو دیا
ناگہہ ندا یہ آئی کہ روحی لک الفدا فدوی کو کیوں نہ یاد کیا یا شہِ ہُدا

ہوش و حواس اُڑتے سپاہِ شریر کے
۶۵ کچھ کم نہیں غلام جنابِ امیرؑ کے

شہ نے کہا تُو کون ہے اے بندۂ اِلٰہ بے کس کو کچھ نظر نہیں آتا خدا گواہ
اُس نے کہا کہ زعفرِ جن ہے یہ خیر خواہ اذنِ جہاد دیجئے یا شاہِ دیں پناہ

بجلی گراؤں فرقۂ بدعت شعار پر
برسے فلک سے آگ کا مینہ اہلِ نار پر

٦٦

فرمایا ہاں تُو زعفرِ عالی وقار ہے میں خوب جانتا ہوں مرا جاں نثار ہے
اس جبر پر بھی مجھ کو بڑا اختیار ہے پر صبر ہی میں مصلحتِ کردگار ہے
بھائی ابھی ستم کی سزا یہ نہ پائیں گے
٦٧ یہ اہلِ نار آج مرا گھر جلائیں گے

خیمہ سے ناگہاں یہ ندا آئی بار بار ہے ہے یہ کون لوگ ہیں بھیّا بہن نثار
یہ پیدلوں کے غول سواروں کی یہ قطار یہ ساکنانِ شام ہیں یا اہلِ زنگبار
ساری خدائی پھر گئی یارب دہائی ہے
٦٨ ہے ہے یہ فوج آپ سے لڑنے کو آئی ہے

فرمایا شاہ نے مرے یاور کی فوج ہے روَو نہ تم یہ پیروِ حیدرؑ کی فوج ہے
یہ دوست دارِ سبطِ پیمبرؐ کی فوج ہے زینبؑ نہ مضطرب ہو یہ زعفر کی فوج ہے
نصرت کی آرزو نہیں اس غم نصیب کو
٦٩ مدِّ نظر ہے وعدہ وفائی غریب کو

زعفر نے عرض کی کہ غلام آپ کے نثار پہنچادے اہلِ بیتؑ کو یثرب میں خاکسار
بولے جُھکا کے سر یہ شہِ آسماں وقار راضی ہوں میں اُسی میں جو مرضیٔ کردگار
قسمت میں تو یہ ہے کہ جہاں کی نظر پھرے
٧٠ بھائی کا سر قلم ہو بہن ننگے سر پھرے

اُس نے کہا کہ آبِ خنک میرے پاس ہے فرمایا اب نہ بھوک ہے ہم کو نہ پیاس ہے
پیاسوں کی یاد میں دلِ غمگیں اُداس ہے مہمان کوئی دم کے ہیں جینے سے یاس ہے
زعفر نے دی قسم جو شہِ قلعہ گیر کی
شہ نے کہا لحد پہ چھڑک دے صغیر کی

۷۱

اُس نے کہا کہ قاسمؑ مضطر کا واسطہ عزمِ جہاد کیجئے اکبرؑ کا واسطہ
پھر ذوالفقار کھینچئے حیدرؑ کا واسطہ یہ عرض تو قبول ہو اصغرؑ کا واسطہ

حضرت کے زیرِ حکم زمیں آسمان ہیں
۷۲ جن بھی تو جان لیں کہ یہ حیدرؑ کی جان ہیں

یہ سُن کے نامہ بر سے کہا اے وفا شعار صغرا کو نامہ دے کے یہ اے میرے دوست دار
کہہ دینا سب زبانی بھی بے کس کا حالِ زار یہ سنتے ہی وطن کو پھرا وہ شُتر سوار

پھر سوئے دشت بادشہ بے نظیر آئے
۷۳ پھر دھوم مچ گئی کہ جنابِ امیرؑ آئے

پھر افسرانِ فوج نے بڑھ کر پرے جمائے پھر آسماں لرزنے لگا وہ دُہل بجائے
پھر شیر سے جھپٹ کے صفوں پر حسینؑ آئے ہر بال پر بنادیا' اس طرح سر اُڑائے

احمدؐ کی شان شوکتِ بابِ علوم تھی
۷۴ دونوں جہاں میں تیسرے حملے کی دھوم تھی

پھر تو نہ جراتیں نہ جسارت دلوں میں تھی آنکھوں میں شوخیاں نہ شرارت دلوں میں تھی
زر کی ہوس نہ حرصِ امارت دلوں میں تھی سینوں میں سوزشیں تو حرارت دلوں میں تھی

پھر اہلِ کیں جلے کہ دلوں میں بخار تھا
۷۵ پھر فی قُلوبہم مرضٌ آشکار تھا

وہ ناز وہ کرشمۂ صمصامِ کج ادا طناز خیرہ چشم گُل اندام دلربا
موتی کی آب برق کی ضو چاند کی ضیا وہ سر پہ شمعِ تیغ وہ گھوڑے چراغ پا

یوں سر پہ تھی وہ شمع کنول جیسے جھاڑ پر
موسیٰ پکارے آگ وہ چمکی پہاڑ پر

۷۶

کھنچنے میں آہ تھی تو وہ چلنے میں، ذکرِ خیر سر پر وبال، جان پہ آفت، ہوا پہ طیر
جلنے میں شمعِ طور، جلانے میں رشکِ غیر پھرنے میں بختِ حُرِ جری، جوش میں زُہیر
سیدھی چلی تو خضرؑ جھکی تو حبیب تھی
حق سے یہ قرب تھا کہ وہ فتح" قریب تھی

۷۷

دیکھو ذرا کرشمۂ تیغِ خوش آب کو بجلی پہ تپ چڑھے، عرق آئے سحاب کو
دورانِ سر کا غم، فلکِ بے حجاب کو لقوہ ہلال کو، یرقاں آفتاب کو
دیکھا جو لال کو تو نہ تسکینِ دل ہوئی
ہر اِک طبیب نے کہا پتھر کو سِل ہوئی

۷۸

سورج پکارا، تپ سے جگر بے قرار ہے گردوں کا شور تھا، کہ مجھے بھی بخار ہے
اچھا مزاجِ تیغِ شہ نامدار ہے صفرا سے اختلاط ہے سودے سے پیار ہے
دیکھے مریض کو تو مرض منہ کو موڑ جائے
تپ کو یہ لرزہ آئے کہ دق ہو کے چھوڑ جائے

۷۹

دم لے کے بھی نہ صاف نہ راضی یہ تیغ ہے پیکِ قضا کبھی کبھی قاضی یہ تیغ ہے
اعدا سے جان کی متقاضی یہ تیغ ہے آرائشِ ریاضِ ریاضی یہ تیغ ہے
سردار بد حواس محاسب اُداس تھے
دس پانچ کو جو ضرب لگائی پچاس تھے

۸۰

کونین اِک پری کے عمل میں، خدا کی شان یا سر پہ یا عدو کی بغل میں، خدا کی شان
یہ معجزات جنگ و جدل میں خدا کی شان دوزخ کی آنچ خُلد کے پھل میں خُدا کی شان
ہر پھل میں معجزاتِ رسولِ انام تھے
گر صورتِ بشر بھی وہ پاتے امامؑ تھے

۸۱

جو شعر وصفِ تیغ میں تحریر ہوگیا مصرع بھی لفظ کے لئے شمشیر ہوگیا
خود سلسلہ حروف کو زنجیر ہوگیا ہر دائرہ کمان، الف تیر ہوگیا
خوفِ حُسامِ شہ سے ہر اِک رُکن گھٹ گیا
خود قافیہ ردیف سے ڈر کر لپٹ گیا

۸۲

شکلِ تصورِ نظری آنکھ سے نہاں سر میں کبھی خیال کبھی ذہن میں گماں
مثلِ تصورات بدیہی کبھی عیاں گہہ جنس و نوع میں صِفَتِ فصل درمیاں
کہتی تھی خود اجل نہ قضیہ کو طول ہو
شکلیں یہ مٹ چکیں تو نتیجہ حصول ہو

۸۳

چلتی تھی حکمِ حق پہ رسولِ امم کی طرح ہر ناب صاف تھی رہِ مُلکِ عدم کی طرح
جوہر عیاں تھے غنچۂ باغِ ارم کی طرح بالوں سے منہ چھپائے تھی گویا حرم کی طرح
تقلیدِ عِترتِ شہ گردوں رواق تھی
کہتا تھا خم کہ شرم و حیا میں وہ طاق تھی

۸۴

دعویٰ ثنائے آیۂ جوہر پہ ہے بڑا یوں جوہری کا ذہن نہ تفسیر میں لڑا
انگشتریِ نظم پہ میں نے وہ دُر جڑا جو گوشِ حورِ فکر میں اب تک نہیں پڑا
کشتیٔ ماہِ نو میں ستارے سوار ہیں
یا سر نوشتِ مہر کے خط آشکار ہیں

۸۵

تلوار ہے کہ رہبرِ مُلکِ عدم ہے یہ اُستادِ حرب بانیٔ ظلم و ستم ہے یہ
سر کاٹ کر لہو نہیں پیتی کرم ہے یہ کچھ سوچتی ہے قتل کی بابت جو خم ہے یہ
یا ہے یہ فکر لاشوں سے پاٹے زمین کو
یا اس لئے جھکی ہے کہ کاٹے زمین کو

۸۶

طوفاں تھا سر بھی پیر رہے تھے حباب وار کشتی بنی ہوئی تھی ہر اِک تیغ آبدار
ناری تھے ایک وار میں بحرِ فنا سے پار دارِ بقا تلک بھی گئی تھی لہو کی دھار
غنچے اُسی کا رنگ دکھاتے ہیں آج تک
دُنیا میں سُرخ پوش گُل آتے ہیں آج تک

۸۷

شمشیرِ مرتضیٰ کا جو پھل جلوہ گر ہوا گردوں پہ بے فروغ چراغِ قمر ہوا
آبِ دمِ حسام کا ایسا اثر ہوا سورج قریبِ شام چراغِ سحر ہوا
پانی سے بھر گیا جو ایاغ آفتاب کا
اِک رات بھی جلا نہ چراغ آفتاب کا

۸۸

یوں اس کے آگے مٹ گئی ہر تیرہ دل کی ڈھال جیسے بیاضِ صبح سے ہو رات کا زوال
یوں کٹ گئی ہر آنکھ میں پتلی دمِ جدال عاشق کی چشمِ شوق میں جیسے شبِ وصال
دردِ فراقِ دوست پئے جانکنی ہوئی
نکلی دلوں سے خونِ تمنّا بنی ہوئی

۸۹

تلوار تھی کہ صاعقۂ قہرِ کبریا بے دم ہوئے حسامِ شرر دم سے اشقیا
تھرّا رہا تھا مہرِ فلک دیکھ کر ضیا رن میں چمک کے تیغ نے اندھیر کردیا
واقف پھلوں کے حال سے جدّت پسند ہیں
دو انگلیاں یہ دستِ خدا کی بلند ہیں

۹۰

جس صف پہ یہ حسام چلی وہ فنا ہوئی دم بھر نہ فتح اس مہِ نو سے جُدا ہوئی
جس سیب سے ولادتِ خیرُ النّسا ہوئی پیدا اُسی سے تیغِ شہ لافتیٰ ہوئی
الفت نہ کیوں ہو راحتِ جانِ بتولؑ سے
رشتہ ہے اِس حسام کا آلِ رسولؐ سے

۹۱

تلوار ہے کہ مہر کے پنجہ میں ہے ہلال ظاہر ہے سب پہ اس مہِ نو نے کیا کمال
گردوں پہ داغدار ہے، مہرِ مبیں کی ڈھال ثابت ہے کاسۂ سرِ خورشید میں ہے بال
پیرِ فلک کے دِل میں ہے ناسور آج تک
۹۲ ہنگامِ صبح ملتا ہے کافور آج تک

اللہ ری تجلیِ شمشیرِ شعلہ ور شامی پکارے مشرقِ نُصرت کی ہے سحر
یا آئینہ لئے ہوئے ہے لیلیِٰ ظفر نابوں کو دیکھ کر متحیّر تھے اہلِ شر
جاری تھا یہ زبانِ سپاہِ ضلال پر
۹۳ تیرِ شعاع ہیں یہ کمانِ ہلال پر

گردوں بھی گرد برد ہوا تھا دمِ نبرد سرکا قدم کسی کا نہ اُٹھا سوائے گرد
تھا مثلِ آفتاب عطارد کا رنگ زرد مشقِ خطِ شکست تھی لشکر کی فرد فرد
آبِ رواں ہے دوش پہ الیاسؑ کی طرح
۹۴ پہلو نشینِ شاہ تھی عباسؑ کی طرح

برسے جو آسمان سے سر صورتِ تگرگ پھر نخلِ کہکشاں میں نہ شاخیں رہیں نہ برگ
اُس کی ہوا تھی فوج کی راحت کا ساز و برگ سوئے عدو کے پاؤں تو جاگے نصیبِ مرگ
اعدائے بوتُراب کا خاکہ اُڑا گئی
۹۵ مر بھی گئے تو گور کی مانند کھا گئی

حُسنِ خِضَر نثار تھا، ایسی ملیح تھی صبحِ شبِ برات سے بڑھ کر، صبیح تھی
سرخم خُدا کی راہ میں، مثلِ ذبیح تھی افلاک تک پہنچنے میں، ذہنِ مسیح تھی
تیزی میں برق تھی تو چمک میں سُہیل تھی
ٹھہری تو موج تھی جو رواں تھی تو سیل تھی

۹۶

کھویا بقا کو فوج میں، ہستی کو راہ میں پیکر میں جاں کو، فہم کو ذہنِ سپاہ میں
ادراک کو خرد میں، بَصَر کو نگاہ میں آنکھوں میں تارِ اشک کو، حسرت کو آہ میں
طرّار اس کی طرح کوئی شعلہ خو نہیں
ہے شمع گو کہ چرب زباں گفتگو نہیں

۹۷

تشبیہہ دیں جو برق سے، برقِ سما نہ تھی شک موت کا اگر ہو، تو ہرگز قضا نہ تھی
پھر کون سی بلا تھی، جو قہرِ خدا نہ تھی گُل کرتی تھی چراغِ حیات، اور ہوا نہ تھی
بات اُس میں جو تھی اُس کے نرالے ہی ڈھنگ تھے
انساں کا ذکر کیا، ملک الموت دنگ تھے

۹۸

پھر اور کچھ بڑھے جو امامِ فلک وقار بھاگڑ پڑی کہ پس گئے گر گر کے نابکار
اِک شور تھا کہ خوف سے جانیں ہیں بے قرار یا شاہؑ روک لیجئے حیدرؑ کی ذوالفقار
دے کر دُہائی واں تو وہ گمراہ تھم گئے
یاں تیغ روک کر شہِ ذی جاہ تھم گئے

۹۹

کی عرض حق سے ہاتھ اُٹھا کر بصد ادب مشتاق تیرے قُرب کا ہے اب یہ تشنہ لب
مہماں بُلا کے در پئے ایذا ہوئے جو سب تلوار کھینچی میان سے سبطِ نبیؐ نے تب
ممکن ذرا سا آب نہ بہرِ وضو ہوا
پیاسا مرے لہو کا ہر اِک کینہ جو ہوا

۱۰۰

سمجھے جو سب کہ اب نہ لڑیں گے شہِ ہُدا تیغیں پکڑ پکڑ کے بڑھے بانیٔ جفا
تیروں سے جسمِ بے کس و مظلوم چھن گیا برچھی لگی جگر پہ تو سر پر تبر لگا
رُکنے لگا جو سینے میں دم جھومنے لگے
شبدیز پر امامِ اُمم جھومنے لگے

۱۰۱

گھیرے ہیں ماہ دیں کو بد اختر ہزار حیف تیروں کا مینہ برستا ہے شہ پر ہزار حیف
وہ تن وہ زخم نیزہ و خنجر ہزار حیف شہ بیچ میں ہیں گردِ ستمگر ہزار حیف
سب زخمی کررہے ہیں محمدؐ کے لال کو
۱۰۲ ہے کون جو بچائے شہِ خوش خصال کو

فریاد ہے امامِ غریباں پہ یہ جفا سردارِ انبیا کے دل و جاں پہ یہ جفا
مختارِ کارخانۂ یزداں پہ یہ جفا دنیا کے شاہ دین کے سلطاں پہ یہ جفا
سید کو بے دیار کو کیا جانتے نہ تھے
۱۰۳ نانا کو اس غریب کے کیا مانتے نہ تھے

اُتنوں میں کیا کسی نے نہ شہ کا سُنا تھا نام کیا یہ نہ جانتے تھے مسافر ہے اور امام
کیا یہ خبر نہ تھی کہ یہ مہماں ہے تشنہ کام جد مصطفیٰؐ ہے باپ علیؑ شاہِ خاص و عام
عالم کا تاجدار ہے گیتی پناہ ہے
۱۰۴ خاتونِ حشر کا یہی نورِ نگاہ ہے

کیا یہ کہا نہ تھا کہ جہاں کا ہوں پیشوا میں ہوں حسینؑ تشنہ دہن شاہِ کربلا
اُمت ہو جس کی اُس کی میں گودی کا ہوں پلا فریاد ہے یہ ظلم کسی پر نہیں ہوا
اس غم میں جان جسم سے جائے تو خوب ہے
۱۰۵ منہ سے کلیجہ اب نکل آئے تو خوب ہے

اے یادگارِ حیدرؑ صفدر ترے نثار اے شہسوارِ دوشِ پیمبرؐ ترے نثار
اے دل فگار و بیکس و مضطر ترے نثار اے مجتبیٰؐ کے پیارے برادر ترے نثار
دسویں کو قتل گاہ میں کیا تجھ پہ بن گئی
سید، قبا رسولؐ کی تیروں سے چھن گئی

۱۰۶

سید، چلیں ترے تنِ اطہر پہ برچھیاں سید، ترا لہو ہوا ہر زخم سے رواں
سید، ترے دہن سے نکل آئی تھی زباں سید، ترے گلے پہ لگا تیرِ جاں ستاں
سید، تجھے نہ پانی پلایا غضب کیا
۱۰۷ سید، تجھے شہیدِ جفا بے سبب کیا

سید، شہید ہوگئے سب تیرے اقربا سید، تڑپ کے مر گئے ہم شکلِ مصطفیؐ
سید، ترا صغیر پسر وا مصیبتا گردن پہ تیر کھا کے جہاں سے گزر گیا
تجھ سے بچھڑ کے پھر نہ وہ تشنہ دہن ملا
۱۰۸ دشتِ ستم کی خاک کا اُس کو کفن ملا

ہاں اہلِ بزمؑ اب یہ دمِ شور و شین ہے تیغوں کے نیچے فاطمہؑ کا نورِ عین ہے
بے تاب روحِ فاتحِ بدر و حنین ہے یہ وہ حسینؑ بادشہ مشرقین ہے
آدم سے جو بزرگ وقار و شرف میں ہے
۱۰۹ جس کے پدر کی قبرِ مبارک نجف میں ہے

تنہا غریب ظلم شعاروں میں کیا کرے تن کا لہو تو بہہ گیا کیونکر وغا کرے
جو چاہے اُس غریب پہ جور و جفا کرے قسمت نہ بے کسی میں کبھی مبتلا کرے
اعدا کے ہر طرف سے ہیں ریلے حسینؑ پر
۱۱۰ لاکھوں کا ہے ہجوم اکیلے حسینؑ پر

ہے کربلا میں حشر بپا وا مُصیبتا طاقت نہیں ہے شہ میں ذرا وا مصیبتا
ہے بیبیوں میں شورِ بُکا وا مصیبتا گرتے ہیں اب امامِ ہُدا وا مصیبتا
ہلتا ہے عرشِ پاک زمیں تھرتھراتی ہے
زہراؑ کے پیٹنے کی صدا صاف آتی ہے

۱۱۱

لو گر پڑے حسینؑ قیامت بپا ہوئی خیرالنسا کی پیاری بہو بے ردا ہوئی
درد و الم میں بنتِ علیؑ مبتلا ہوئی چلّاتی ہے سکینہؑ کہ شہ سے جدا ہوئی

شہ تک صدا جو پیٹنے رونے کی آتی ہے
سینے میں غم سے روحِ حزیں کانپ جاتی ہے ۱۱۲

روئیں سروں کو پیٹ کے اب عاشقانِ شاہ آتا ہے تیغ کھینچے ہوئے شمرِ رو سیاہ
بے تاب در پہ ہیں حرمِ شاہِ دیں پناہ زہراؑ کی آرہی ہے صدا آہ آہ آہ

شاید خبر نہیں یہ خدا کے حبیبؐ کو
قاتل چلا ہے ذبحِ حسینِ غریب کو ۱۱۳

بے کس کو بے گناہ کو یا شیرِ حق بچاؤ کیا کررہے ہو خُلد سے تشریف جلد لاؤ
دریائے خوں میں ڈوبتی ہے مصطفیؐ کی ناؤ جلدی نجف سے نورِ غریباں مدد کو آؤ

جلتی زمیں پہ کرب ہے اس نورِ عین کو
آکر اُٹھا لو گود میں اپنے حسینؑ کو ۱۱۴

کس منہ سے میں کہوں ستمِ شمرِ بے حیا آیا شقی جو متصلِ شاہِ کربلا
بے خوف چڑھ کے سینے پہ وہ دشمنِ خدا کیونکر کہوں وہ آہ جو شہ پر ستم کیا

سر کٹ گیا امامِ دو عالم گزر گئے
ہم بے امام ہوگئے شبیرؑ مر گئے ۱۱۵

عالم کا بادشاہ زمانے سے اُٹھ گیا ہے ہے وہ دیں پناہ زمانے سے اُٹھ گیا
ذی قدر و عرش جاہ زمانے سے اُٹھ گیا خیرالنسا کا ماہ زمانے سے اُٹھ گیا

ضایع کی ظالموں نے امانت رسولؐ کی
دشتِ بلا میں لُٹ گئی دولت رسولؐ کی

۱۱۶

پہنچے حرم جو لاش پہ بے تاب و نوحہ گر لپٹی سکینہؑ باپ کی میت سے دوڑ کر
جب خوں بھرے گلے سے ملا منہ بچشمِ تر تھرّائی لاشِ لختِ دلِ سیدالبشر

لب پر حرم کے بین بھی آہوں کے ساتھ تھے
گردن میں پیاری بیٹی کے بابا کے ہاتھ تھے ۱۱۷

زینبؑ کی تھی صدا کہ برادر، کدھر گئے دشتِ بلا سے اے شہِ صفدر، کدھر گئے
بھائی نثار ہو کے خُدا پر، کدھر گئے دنیا کے شاہ، دین کے سرور کدھر گئے

آئی صدا کہ چھوٹ کے تم سے اُداس ہیں
فردوس میں حبیبِ الٰہی کے پاس ہیں ۱۱۸

مجلس میں شورِ نالۂ و فریاد ہے بپا بس بزمؔ بس کریم سے لازم ہے اب دُعا
اے ربِّ پاک بہرِ شہنشاہِ کربلا منت کشی سے مجھ کو خلائق کی تو بچا

جو کچھ کہ میرے دل کا ہے مطلب حصول ہو
صدقہ حسینؑ کا یہ مُسدّس قبول ہو

مرثیہ:۱۶

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

بے رنگ سا کچھ رنگِ گلستانِ جہاں ہے

تعداد بند:۱۳۰

۱

بے رنگ سا کچھ رنگِ گلستانِ جہاں ہے گل گشت کی یہ جا نہیں عبرت کا مکاں ہے
سوسن کی بھی ہے بند زباں ہوں ہے نہ ہاں ہے نرگس کا یہ عالم ہے، بحیرت نگراں ہے
موقع جو ٹھہرنے کا نہیں پاتی ہیں بیلیں
۲ بڑھتی ہوئی آگے ہی چلی جاتی ہیں بیلیں

گلزارِ جہاں سیر کے قابل نہیں زنہار ہر گل کی یہ خواہش ہے گلے کا میں بنوں ہار
لازم ہے کھٹکتا ہی رہے بس صفتِ خار صیادِ اجل دام لئے رہتا ہے تیار
سوسن کی طرح کچھ نہ کہے اپنی زبان سے
۳ بوئے گل تر بن کے نکل جائے یہاں سے

جو نخل ہے سیدھا اسے سمجھے کہ یہ ہے دار ہر شاخِ خمیدہ کو یہ جانے کہ ہے تلوار
دیکھے نہ توجہ سے جو ہو پھول طرحدار آدم کی طرح کوئی ثمر کھائے نہ زنہار
یہ خار کے دھوکے میں کسی گل کے نہ آئے
۴ ہشیار رہے پیچ میں سنبل کے نہ آئے

کھوٹا ہے زر اس کا نہ اسے کام میں لائے یاں قلب پہ لالے کی طرح داغ نہ کھائے
کیلوں کے تصور میں نہ دامن کو پھنسائے دل آئے تو بس سبزہ بیگانہ پہ آئے
تکلیف نہ پہنچے گی کہ یہ دل کو یقیں ہے
۵ غیروں میں اب الفت ہے لگانوں میں نہیں ہے

وہ شاہ کہ رکھتے تھے جو فوج اور خزانے پسپا ہوئے دھاوا کیا جس وقت قضا نے
جب مر گئے بیٹا نہ کوئی آئے سرہانے جو دبتے تھے وہ لے گئے مٹی میں دبانے
ہمدم کوئی تیوری بھی چڑھانے نہیں آیا
دلسوز کوئی شمع جلانے نہیں آیا

۶

لازم ہے کہ غفلت نہ کرے دارِ فنا میں برباد نہ ہوجائے مسرت کی ہوا میں
مشہور اگر ہو تو مروت میں سخا میں لیکن رہے یوں، رہتے ہیں جسطرح سرا میں
فہمیدہ ہیں جو لوگ وہ ہشیار کھڑے ہیں
وقت آنے سے کچھ پہلے ہی تیار کھڑے ہیں ۷

یا رات کو تھا گرد، گُل اندامو ں کا جمگھٹ غنچوں کے چٹکنے کی، گراں دل پہ تھی آہٹ
یا آخرِ شب، بدلی زمانے نے جو کروٹ تابوت بنے صبح کو، سونے کے چھپر کھٹ
شداد نے پھل کچھ بھی ریاضت کا نہ پایا
ہستی کا چمن لٹ گیا جب باغ لگایا ۸

معلوم ہے نادر کی زمانے کو حقیقت ایراں کا شہنشاہ تھا، تھی اس کی یہ رفعت
خدام تھے درگاہ کے اقبال و جلالت ٹلتا تھا کبھی حکم نہ جس کا کسی صورت
راحت کی نہ کچھ شکل نکالی گئی اُس سے
دم بھر کو بھی تو موت نہ ٹالی گئی اُس سے ۹

معلوم نہیں جب کہ ہے کب تک ہمیں رہنا پھیر ایسی جگہ قصر بنانے کا محل کیا
افسوس کہ انجام سمجھتی نہیں دنیا بے بودسی اک چیز پہ سامان ہیں کیا کیا
جیتے ہی رہیں گے یہ خبر گر کہیں پاتے
فولاد کی اینٹوں سے مکانات بناتے ۱۰

سب گھر ہی میں رہ جائیں گے سامان یہ گھر کے اک روز وہ ہوگا کہ چلے جائیں گے مر کے
شاہی کو کوئی لے نہ گیا چھاتی پہ دہر کے پھکتے پھرے اَنبار زَر و لَعل و گُہر کے
یہ جرم کی تعزیر یہ غفلت کا صِلا تھا
بیدردی سے اٹھا جو مشقت سے ملا تھا

۱۱

درویش ہو یا شاہ ہو ناداں ہو کہ دانا یکساں نہیں گزرا ہے کسی کا بھی زمانا
بر میں بھی ہے خلعت تو کبھی رخت پرانا بن جاتا ہے کشکولِ گدا تاجِ شہانا
نخوت سے قدم کل جو نہ رکھتے تھے زمیں پر
آرام سے لیٹی ہے زمیں آج اُنہیں پر ۱۲

بچھتی تھی سدا جن کیلئے مسندِ پُرزَر وہ قبر میں لیٹے ہیں نہ تکیہ ہے نہ بستر
نے فاتحہ، نے پھول، نہ غمخوار، نہ یاور ہاں شب کو کبھی ماہ چڑھا جاتا ہے چادر
کچھ دیر میں کیا جانے کدھر جاتی ہے وہ بھی
دن ہوتے ہی تربت سے اُتر جاتی ہے وہ بھی ۱۳

ہر دم ہے نیا رنگ ہراک وقت نیا دور ہمرنگِ زمیں دام بچھے ہیں جو کرے غور
جو راہ بھی سیاح چلا پھنس گیا فی الفور یہ باغ وہ ہے، سیر کی اس کے ہے روش اور
پھولوں سے نہ کچھ کام رکھے اور نہ ثمر سے
بس دیکھ لے جو کچھ بھی گزر جائے نظر سے ۱۴

جس قطع میں تھے باغ وہی بن گیا صحرا ہے عالم ہو، جس میں ہوا کرتا تھا جلسا
دارا ہے نہ ضحاک، فریدوں ہے نہ کسرا اب اُن کے نشاں تک نہ رہے نام تھا جن کا
آنکھوں ہی سے مردم کی نہیں صرف نہاں ہیں
یہ بھی نہیں معلوم مزار اُن کے کہاں ہیں ۱۵

غم کھاتا تھا جو صبح و مسا وہ بھی نہیں اب جو نعمتیں کھا کھا کے پلا وہ بھی نہیں اب
جو بن گیا بندہ سے خدا وہ بھی نہیں اب جس کیلئے گلشن یہ بنا وہ بھی نہیں اب
کچھ چیز جو ہوتا یہ زما نہ تو ٹھہرتے
محبوبِ خدا دہر سے ہجرت نہیں کرتے

۱۶

دنیا کا خیالی ہے جو یہ جاہ و حشم ہے دو روز کا یہ طبل، یہ نوبت یہ علم ہے
اور ہستیٔ انساں کو جو دیکھو کوئی دم ہے اس پر بھی گرفتار ہو کوئی تو ستم ہے
ہر چند جبیں گھس کے مٹایا نہیں مٹتا
۱۷ مطلع سچ یہ ہے کہ تقدیر کا لکھا نہیں مٹتا

جب رات کے دورہ کو کیا ختم قمر نے عالم کو دکھایا رُخِ پُر نور سَحر نے
دکھلائی بہار اپنی جو کھل کر گل تر نے اک آہ بھری بلبل تفتیدہ جگر نے
ہر قلب شگفتہ تھا ہر اک شے پہ تری تھی
۱۸ گلشن میں صبا اپنی ہوا باندھ رہی تھی

وہ جلوہ گری صبح کی وہ وقت سہانا وہ ڈوبنا تاروں کا وہ خورشید کا آنا
سبزہ کا وہ پھولوں سے الگ رنگ جمانا وہ باغ وہ عشقِ گل و بلبل کا زمانا
دیوار پہ چہکی کبھی زیر شجر آئی
۱۹ اس شاخ پہ بیٹھی کبھی اُس پھول پر آئی

احرام کی تکبیر تھی شاخوں کا لچکنا تسبیح کی آواز تھی غنچوں کا چٹکنا
قرآں کی تلاوت تھی عنادل کا چہکنا سجدہ کا سر انجام تھا سبزہ کا لہکنا
آمادۂ طاعت جو سب اشجار ہوئے تھے
۲۰ گلدستے اذاں دینے کو تیار ہوئے تھے

یارب مجھے گلزارِ کرم سے گُلِ تَر دے بُستانِ فصاحت سے کوئی تازہ ثمر دے
دے لعل نہ یاقوت نہ الماس و گہر دے ہاں دامنِ سائل دُرِ مقصود سے بھر دے
تابع ہو مری فوجِ مضامیں تو مزا ہو
رتبہ وہ ملے جو نہ سلیماں کو ملا ہو

۲۱

کچھ غم نہیں عشرت جو مقدر میں نہیں ہے سودائے زر و مال مرے سر میں نہیں ہے
ارمانِ حکومت دلِ مضطر میں نہیں ہے دولت وہ ملی شاہوں کے جو گھر میں نہیں ہے

حامی بخدا صاحبِ معراج ہے میرا
منبر ہے مرا تخت، علم تاج ہے میرا ۲۲

محتاج نہیں فقر کی دولت سے غنی ہوں نازاں ہوں توکل پہ قناعت کا دھنی ہوں
مداح سخی کا ہوں نہ ممسک نہ دنی ہوں میں جوہریٔ گوہرِ شیریں سخنی ہوں

عاجز کبھی یہ ہمت عالی نہیں رہتی
درویش کی جھولی کبھی خالی نہیں رہتی ۲۳

تحسین کی لوگوں سے تمنا نہیں رکھتا تعریف کی توصیف کی پروا نہیں رکھتا
دل میں ہوسِ منصب اعلا نہیں رکھتا سب کچھ مجھے خالق نے دیا کیا نہیں رکھتا

اقبال کے ہیں نقش طبیعت کے نگیں میں
معدن ہیں جواہر کے مرے دل کی زمیں میں ۲۴

بے زر ہوں مگر شاہوں سے کچھ کام نہیں ہے محتاج ہوں پر دل مرا ناکام نہیں ہے
بے نام و نشاں ہوں، طلبِ نام نہیں ہے قانع ہوں خیالِ ہوسِ خام نہیں ہے

سلطاں سے غرض مجھ کو نہ کچھ کام گدا سے
مطلب ہے فقط مدحِ امامِ دوسرا سے ۲۵

بیمار ہوں ایسا کہ شفا کا نہیں طالب دنیا کے طبیبوں سے دوا کا نہیں طالب
پستی میں ہوں پر اوجِ ھما کا نہیں طالب نکہت ہوں مگر دوشِ صبا کا نہیں طالب

بلبل ہوں مگر درد سے نالا نہیں کرتا
عالم کو فغاں سے تہہ و بالا نہیں کرتا

۲۶

دریا ہوں مگر جوش، سمندر سے فزوں ہے قطرہ ہوں مگر، مرتبہ گوہر سے فزوں ہے
غنچہ ہوں مگر رنگ گلِ تر سے فزوں ہے ادنیٰ ہوں مگر قدر، سکندر سے فزوں ہے

آقا مرے معبود نے وہ مجھ کو دیا ہے
جس نے کہ سلیمان کو سلطان کیا ہے

۲۷

کچھ کھیل نہیں قصدِ ثنائے شہِ اکرم عاجز ہیں، یہاں جن وملک اس میں ہوں، یا ہم
حقا کہ یہ ہیں تاجِ سرِ عرشِ معظم مداح ہے خود ان کا خداوندِ دو عالم

کس طرح سے ممکن ہو ثنا حق کے ولی کی
جو وصف نبیؐ کا وہی تعریف علیؑ کی

۲۸

نافہم سے گوہر کی ثنا ہو نہیں سکتی قطرہ سے سمندر کی ثنا ہو نہیں سکتی
اک ذرہ سے اختر کی ثنا ہو نہیں سکتی جاہل سے پیمبر کی ثنا ہو نہیں سکتی

کس طرح زمیں سے ہو صفت عرشِ علا کی
کیا خاک ہو بندے سے بھلا حمد خدا کی

۲۹

اب حالِ ملالِ شہ صفدر کا بیاں ہے تاراجیٔ گلزارِ پیمبر کا بیاں ہے
ظلم پسرِ سعدِ بد اختر کا بیاں ہے ہے ذکرِ ستم گردن وخنجر کا بیاں ہے

شبیرؑ پہ میداں میں عجب ظلم وستم ہیں
اک پیاسے پہ دو لاکھ کی تلواریں علم ہیں

۳۰

تنہا ہیں امام مدنی ظلم کے بن میں خاک اڑتی ہے ہر سمت محمدؐ کے چمن میں
باجے عربی بجتے ہیں اک حشر ہے رن میں ہے فاطمہؑ کا لال عجب رنج ومحن میں

اندوہ کی آفت کی مصیبت کی گھڑی ہے
فرزند پیمبر پہ قیامت کی گھڑی ہے

۳۱

مقتل کی طرف دیکھ کے تڑپا جو دلِ زار فرمایا شہ دیں نے کہ اے بھائی علمدار
اب عازمِ جنگاہ ہے یہ بیکس و ناچار لازم ہے مدد میری کہ ہوں غم میں گرفتار
قاسم سے بھی کہہ دو کہ چچا رن کو چلا ہے
اکبر ہیں کدھر باپ مصیبت میں گھرا ہے

۳۲

یہ کہہ کے کیا رخش پہ جلوہ شہِ دیں نے کھولا بہ ادب چترِ زری مہرِ مبیں نے
بڑھ کر قدمِ پاک لئے روح امیں نے دیکھا یہ حشم باد شہِ عرش نشیں نے
تھا جوشِ ولا جام محبت کے پیئے تھے
حلقہ میں رسولانِ خوش اطوار لئے تھے

۳۳

القصہ بڑھا حامیٔ اسلامِ محمدؐ حیدرؑ کا اَسَد وارثِ صمصامِ محمدؐ
ہمراہ چلا لشکرِ احکامِ محمدؐ بڑھتے ہی پڑھا نامِ خدا نامِ محمدؐ
اقبال و حشم صورتِ چاؤش رواں تھا
تکبیر دُہل، نعرۂ صلوات، اذاں تھا

۳۴

کس جاہ و جلالت سے روانہ ہوئے سرور مریخِ فلک کانپ گیا ڈر سے فلک پر
اکبار ہَوا سے جو ہلی، زُلفِ عنبر فردوس کی خوشبو سے ہوا دشت معطر
بو پھیلی جو گیسوئے امامِ دو سرا کی
گردوں سے صدا آنے لگی صَلِ علا کی

۳۵

گھوڑے پہ ہیں شبیرؑ کہ دُلدُل پہ علیؑ ہیں ان کے جو شرف ہیں وہ زمانے پہ جلی ہیں
سردارِ دو عالم ہیں ولی ابن ولی ہیں کونین کے ہادی ہیں امامِ ازلی ہیں
کیا جاہ ہے کیا شان ہے کیا عزّ و شرف ہے
تیور سے عیاں رعب شہنشاہِ نجفؑ ہے

۳۶

اللہ رے شان اور سواری کا وہ ساماں تھامے تھے رکاب شہ دیں قدسی و غلماں
اور فرق پہ تھا چتر کی جاسایۂ سبحاں اُس دن پہ تھی سوجاں سے شب قدر بھی قرباں
تھا شور نہ مہر و مہ افلاک کو دیکھو
۳۷ ہاں راکبِ دوش شہِ لولاک کو دیکھو

شبدیزِ فلک سیر کا کیا وصف بیاں ہو آنکھوں میں پھرے یہ، تو نہ پتلی کو گراں ہو
پھولوں پہ گلگوں جو نزاکت سے رواں ہو تازہ ہو چمن بادِ بہاری کا گماں ہو
رفتار میں پیرو یہ نہیں کہک دری کا
۳۸ گر حور کا چہرہ ہے تو انداز پری کا

اس رخش کے اک نعل کی ضو ہے مہِ نو میں سرعت صفتِ سایہ ہے ہمراہ جلو میں
شبدیزِ فلک ٹھوکریں کھائے تگ و دو میں تا عرش چلا جائے جو آجائے یہ رو میں
حضرت کے جو قدموں سے سرافراز تھا گھوڑا
۳۹ جبریلؑ کا بھی قوتِ پرواز تھا گھوڑا

تازی کے مقابل شہ خاور نہیں آتا اس سیل کی جانب تو شناور نہیں آتا
خواب آتا ہے آنکھوں میں نگاور نہیں آتا اِس رنگ سے آتا ہے کہ باور نہیں آتا
ممکن نہیں یہ گرم روی بادِ سحر سے
۴۰ پتلی وہ، کہ رفتار میں لڑتی ہے نظر سے

کیا حسن و جمالِ شہِ ذیشاں کی ثنا ہو سوسن سے بھلا کب چمنستاں کی ثنا ہو
بیمار سے کیا عیسیٰؑ دوراں کی ثنا ہو پروانہ سے کب سروِ چراغاں کی ثنا ہو
یاں ماند ہوئی وادیٔ ایمن کی ضیا بھی
عاشق ہیں اسی حسن کے محبوبؐ خدا بھی

۴۱

ہے پردۂ چشم ان کا مگر پردۂ اسرار ہیں پیشِ نظر گردشِ تقدیر کے آثار
پلکوں میں ہے یوں نرگسِ بیمار کی رفتار گویا کہ ہیں کانٹوں میں رواں عابدِ بیمار

بیمار نے کلفت غم و بیداد سے پائی
۴۲ پر صحتِ مضموں کی سند صاد سے پائی

ہے ابرو و بینی سے عجب چشم کو راحت یہ تکیۂ بیمار وہ محرابِ عبادت
پر ضعف و نقاہت سے نہیں تابِ اقامت بیمار اشاروں سے ادا کرتے ہیں طاعت

ابرو میں یہ توقیر جو پائی مہِ نو نے
۴۳ کعبہ کی طرف پشت پھرائی مہِ نو نے

کس طرح سے وصف دہن پاک ہو مرقوم نے ذہن پہ ثابت نہ تصور کو ہے مفہوم
جوہر پہ نہ اظہار ہے نے علم کو معلوم اک نکتۂ پنہاں کہوں یا نقطۂ موہوم

دیکھا تھا کتب میں کہ کوئی لفظ دہاں ہے
۴۴ معنی کو جو سمجھا تو نہ سمجھا کہ کہاں ہے

کاکل ہے شرف میں شبِ معراج کی ہمسر اس وادیٔ ظلمت کو ملا بخت سکندر
جب عرض کیا طول، سیہ ہو گئے دفتر قنبر کی طرح، بندۂ بے دام ہے عنبر

خفت سے نہیں شکل دکھاتی ہے شبِ قدر
۴۵ چھپ چھپ کے سدا خلق میں آتی ہے شبِ قدر

تصویرِ معانی رخِ زیبا نے دکھائی بیکار ہے آئینہ کی اک طرفہ صفائی
حیران ہوں کیوں شمع نے لو اس سے لگائی بینا ہوں مری آنکھ میں چربی نہیں چھائی

والطور ہے لختِ دلِ عمران کی صورت
کہہ دوں گا حلف سے کہ ہے قرآن کی صورت

۴۶

خورشید میں طلعت ہے، صباحت نہیں ایسی سنبل کے ہے کاکل پہ طوالت نہیں ایسی
یوسف میں ہے گر حسن ملاحت نہیں ایسی قرآں کی ہے صورت پہ شرافت نہیں ایسی
ایمن میں تجلی ہے نمود اس میں نہیں ہے
طوبا میں ہے قامت تو قعود اُس میں نہیں ہے

۴۷

دم دیتی ہے خود تیغ علیؑ جس پہ وہ ابرو وہ آنکھ کہ پہروں جسے دیکھا کرے آہو
معراج کی شب جس پہ تصدق ہو وہ گیسو ہے فاطمہؑ کا رشتۂ جاں جس کا ہر اک مو
کب ان کی مہک غرب سے تا شرق نہیں ہے
واللہ کہ اس میں سرِ مو فرق نہیں ہے

۴۸

پیشانی انور کہ قمر نور فشاں ہے رخسار ہیں وہ گل کہ فدا جس پہ جناں ہے
جو حُسن کے گلشن کا ہے غنچہ وہ دہاں ہے شانوں سے تو شانِ اسد اللہ عیاں ہے
کس حُسن سے شبدیز پہ فرزندِ نبیؐ ہیں
رفرف پہ پیمبر ہیں کہ دُلدُل پہ علیؑ ہیں

۴۹

کیوں ہو نہ ثنائے لب رنگیں میں زباں لال یاں لعل بھی بے قدر ہیں، یاقوت ہے کیا مال
دنداں ہیں، دُرِ سبحۂ زہراؑ ئے خوش اقبال وصاف رہے، جن کے پیمبر بھی مہ و سال
موتی یہ وہ موتی ہیں جو قابل ہیں ثنا کے
انجم ہیں سپہرِ کرمِ ربِ علا کے

۵۰

گویا ہے دہن باغ فصاحت کا شگوفہ رحمت کا کرشمہ ہے عنایت کا شگوفہ
اعجاز کا غنچہ ہے کرامت کا شگوفہ دیکھو چمن صنع مین قدرت کا شگوفہ
قرآں کا اشارہ ہے کہ تفسیر میں دیکھو
یہ لفظ مقدر مری تقدیر میں دیکھو

۵۱

قامت دمِ رفتار قیامت کا الف ہے اعجاز کا ہمزہ ہے کرامت کا الف ہے
ایمان کا ایماں ہے امامت کا الف ہے آغازِ اطاعت یہ اقامت کا الف ہے
گو غم سے اقامت کا الف، نون ہوا ہے
اس میں بھی نبوت کی نیابت کا پتا ہے ۵۲

لو مستعدِ جنگ ہوا خلق کا والی لو چرخ پہ خورشید نے دستار سنبھالی
لو دشت میں اب چمکے گی شمشیرِ ہلالی لو خوف سے تھرائے عدوئے شہِ عالی
اک شور ہے رن میں یہ قیامت کی گھڑی ہے
جانوں سے خبردار، اجل سر پہ کھڑی ہے ۵۳

چلاتے ہیں افسر کہ خبردار جوانو حشر آئے گا چلنے کو ہے تلوار جوانو
ضیغم سے رہو جنگ پہ تیار جوانو بپھرا ہوا شیر آتا ہے ہشیار جوانو
دیتے ہیں اماں جنگ میں جن کو نہ بشر کو
کردیتے ہیں پانی یہی پتھر کے جگر کو ۵۴

لشکر سے بنِ سعد کے تیر آئے جو ناگاہ گھوڑے پہ عجب شان سے سنبھلے شہِ ذیجاہ
تھرائی زمیں کوہ بھی کانپے صفتِ کاہ اک غل ہوا آئے ہیں پئے جنگ یداللہ
نعرہ جو کیا بڑھ کے شہِ عرش نشیں نے
اللہ کرے خیر، کہا روح امیں نے ۵۵

فرمایا کہ ہم آتے ہیں ہشیار لعینو اب رخش کو گرماتے ہیں ہشیار لعینو
جرأت تمہیں دکھلاتے ہیں ہشیار لعینو پھل تیغ کا چکاتے ہیں ہشیار لعینو
طاقت ہے ہر اک طرح کی اس خاک نشیں کو
چاہوں تو اشارہ میں الٹ دوں میں زمیں کو

۵۶

ہرگز نہ رکیں ہم جو فراہم ہو زمانا اے اہلِ ستم فوج کی کثرت پہ نہ جانا
ممکن نہیں شبیرؑ سے جانوں کا بچانا جُو قبر ملے گا نہ کہیں اور ٹھکانا
بیکس ہوں مگر غیظ جو آیا تو وہیں ہوں
بیٹا ہوں علیؑ کا میں کوئی اور نہیں ہوں ۵۷

بس خیر اسی میں ہے کہ اب شر نہ بڑھاؤ کیا مال کا نشہ ہے ذرا ہوش میں آؤ
دنیا کے لئے دین کی دولت نہ گنواو جھوٹی ہے یہ مُردار اِسے منہ نہ لگاؤ
رخ اس کا منور سہی مُڑ جائے تو کیا ہو
اچھا یہ پری رو ہے، پر اُڑ جائے تو کیا ہو ۵۸

دانا وہ ہے جو فقر کی دولت پہ غنی ہے کافور ہو یہ نا شُدنی یہ شُدنی ہے
گھر اُس کا بگاڑا ہے دُلہن جس کی بنی ہے دانے پہ جو مر جائے یہ دنیا وہ دنی ہے
موت اس سے جو مانگو تو یہ ناپاک نہ دے گی
مرجاؤ تو مٹی کے سوا خاک نہ دے گی ۵۹

ہم مظہرِ حق مظہرِ تمکینِ خدا ہیں اسکندر آئینۂ آئینِ خدا ہیں
قرآنِ خدا شرعِ خدا دینِ خدا ہیں اک حُسن یہ ہے موردِ تحسینِ خدا ہیں
کفار کے قاتل ہیں محبوں کے معیں ہیں
دم جس سے نکلتے ہیں وہ یٰسین ہمیں ہیں ۶۰

لرزاں ہے دلِ گاوِ زمیں ڈر سے ہمارے سجدہ میں ہیں گردوں کے یکیں ڈر سے ہمارے
ہے زلزلہ میں عرشِ بریں ڈر سے ہمارے غش ہوتے ہیں جبریلِ امیں ڈر سے ہمارے
وہ کب ہے کسی اور میں طاقت ہے جو ہم میں
کچھ یاد ہے کس طرح لڑے بیرِ الم میں

۶۱

ہم دیو سے میدان میں ڈرتے ہیں نہ جن سے لڑنے کو ہیں موجود غرض شب سے نہ دن سے
کہہ دو عمرِ سعد سے لڑواتا ہے کن سے کیا خاک کریں جنگ بھلا جم کے ہم ان سے
اک حملہ کی بھی تاب کوئی لا نہیں سکتا
ہو جمع جو عالم تو ظفر پا نہیں سکتا

۶۲

لو دیکھو نہ دیکھی ہو جو حیدرؑ کی لڑائی دکھلاوں تمہیں فاتح خیبر کی لڑائی
کم سمجھو نہ اس بے کس و مضطر کی لڑائی ہے جنگ مری ضیغم داور کی لڑائی
شمشیر علیؑ لاشوں سے رن پاٹ چکی ہے
خیبر میں فرشتے کے یہ پرکاٹ چکی ہے

۶۳

یہ تیغ کبھی اہل جفا سے نہیں رکتی تھمتی نہیں بجلی سے، ہوا سے نہیں رکتی
جن سے نہیں رکتی، یہ بلا سے نہیں رکتی جب چلتی ہے پھر خلقِ خدا سے نہیں رکتی
مہلت اسے ملتی ہی نہیں قتلِ عدو سے
بھرتا ہی نہیں پیٹ ستمگر کا لہو سے

۶۴

واللہ مددگارِ پیمبر ہے یہی تیغ غارتگر ہر مشرکِ خودسر ہے یہی تیغ
آئینۂ انصاف کا جوہر ہے یہی تیغ برہم کُنِ ہر مجمع و لشکر ہے یہی تیغ
کیا اصلِ بشر، کاٹ کو جن جانے ہوئے ہیں
جن کیسے، فرشتے بھی اسے مانے ہوئے ہیں

۶۵

فرما کے یہ شبیرؑ نے لی میان سے تلوار مہمیز جو کی، فوج میں تھا شیر کا رہوار
گونجا اَسدِ ضیغمِ معبود جو اکبار ثابت یہ ہوا پھٹ کے گرا گنبدِ دوار
ہیبت سے قدم اُٹھنے لگے فوج لعیں کے
دہشت سے قدم رہ گئے ہل ہل کے زمیں کے

٦٦

لو رن میں چلی شاہ کی شمشیرِ شرر بار چورنگ ہیں ہر ضرب میں راکب مع رہوار
ہر سمت عیاں دشت میں ہیں حشر کے آثار برقِ غضبِ حق ہے چمکتی ہوئی تلوار
تیغِ شہِ ذیجاہ جب اس غدر میں چمکی
ثابت ہوا شمشیر علیؑ بدر میں چمکی ٦٧

حاشا کسی تلوار میں یہ دم نہیں دیکھا دیکھا نہیں یہ کاٹ یہ چم خم نہیں دیکھا
برساتے لہو کب اسے پیہم نہیں دیکھا میدان میں کب حشر کا عالم نہیں دیکھا
کیا تاب ہے آگے جو کوئی پُر جگر آئے
جوہر جو کھلے حور کے گیسو نظر آئے ٦٨

مستانہ چلی سیرِ چمن کو جو پریزاد تعظیم کو پھولوں کی رگیں ہو گئیں استاد
قامت کی پھبن دیکھتے ہی گر گیا شمشاد اللہ رے قلم سرو کی نس نس ہوئی آزاد
خوشے تو دہکتے تھے کہ یہ مرغ اجل ہے
پھول اس لئے کھاتے تھے کہ فردوس کا پھل ہے ٦٩

جس کے پاس یہ پھل ہو وہ نہ کس طرح سے پھولے اللہ کے گھر کی ہے نہ کیوں عرش میں جھولے
جس کو یہ کرے یاد وہ کیوں دم کو نہ بھولے انگلی میں ہو چھالا جو کوئی خواب میں چھولے
گردوں کا محل گر گیا اک دھوم مچی ہے
بس چھوٹی سی محراب مہ نو کی بچی ہے ٧٠

آئینہ بھی اور صیقلِ آئینۂ دیں بھی صورت وہ کہ مداح ہے قرآنِ مبیں بھی
اس حسن پہ وہ قطع کہ کہتے ہیں حسیں بھی ترنے میں یہ ماہی ہے مگر ماہ جبیں بھی
پیری کبھی گہہ فوجِ بد انجام میں ڈوبی
دن کاٹ کے سورج کی طرح شام میں ڈوبی

۷۱

خالی تھے پرے، جان جہاں خوں میں بھری تھی پیکانوں میں غنچے تھے، نہ تیروں میں سری تھی
چار آئینوں میں، تیغ کی کیا جلوہ گری تھی آئینہ میں طوطی تھے تو شیشے میں پری تھی

اس برق سے بدلی کی طرح پھٹ گئیں ڈھالیں
۷۲ شب ہائے جوانی کی طرح کٹ گئیں ڈھالیں

لب کاٹتے رہ جائیں سُخن رس دہَن ایسا نشتر سا کھٹک جائے جگر میں سخن ایسا
دیکھے سے پھڑک جائے طبیعت بدن ایسا برپا ہو ہر اک گام پہ محشر چلن ایسا

گلرو کے بگڑنے میں بناوٹ ہے غضب کی
۷۳ مرتے ہیں سب اس پر کہ لگاوٹ ہے غضب کی

گر جانے کو یہ برق ہے پھر جانے کو پانی قاتل میں خموشی پہ ہے کیا چرب زبانی
پھر حسن کا دعویٰ نہ غرورِ ہمہ دانی پریوں کے اشارے اسے کہتے ہیں جوانی

طوطی سادہ پہڑ کے اگر آئینے سے لگ جائے
۷۴ بسمل بھی تڑپتے تھے کہ پھر سینے سے لگ جائے

ہے قصرِ فلک میں کبھی محرب کبھی محراب ہے تار نفس کو کبھی مضرب کبھی مضراب
ہر دم الفِ تیغ کے اعمال ہیں نایاب پیہم متحرک ہے پہ ظاہر نہیں اعراب

بے وجہ نہیں آئی ہے تصویر الف میں
۷۵ مانند زبر فتح ہے تقدیرِ الف میں

جوہر سے عجب حسن ہے اس آفت جاں پر کیا جلوۂ افشاں ہے رُخِ نور فشاں پر
ہے عقد ثریا کا گزر کاہ کشاں پر یا پیاس سے کانٹے گل زہراؑ کی زباں پر

یہ خوشہ نہ تا کے تو پئے جان بہی ہے
تحلیل ہیں دل جس سے وہ تسبیح یہی ہے

۷۶

ان تاروں نے گردوں کا جگر چھان دیا ہے ان اولوں نے میداں میں سدا کھیت لیا ہے
کنٹھا اسے ہر صاحب جوہر نے لکھا ہے اب سلکِ سخن میں دُرِ ایجاد نیا ہے
کنٹھا یہ گلے میں نہیں ہے دامِ زرہ کا
ڈورا ہے اسی چاند کی یہ سالگرہ کا

۷۷

تسبیحِ زمرد ہے خطِ جوہرِ شمشیر یا آئینہ میں طوطیٔ الحمد کی تصویر
کہتی ہے ظفر سورۂ والفتح کی تفسیر یوسف کا بیاں ہے کہ مرے خواب کی تعبیر
اے تیغ علیؑ سب ہی تجھے مان چکے ہیں
ثابت ہے کہ تارے ترے سجدے کو جھکے ہیں

۷۸

کہتی تھی مرا دور ہے ایمان کی صورت ہاں چرخ سے اُتری ہوں میں قرآن کی صورت
آقا نے مرے پائی ہے اس شان کی صورت و الفتح بھی مداح ہے رحمٰن کی صورت
فوجوں سے کبھی کھیت میں کچھ بن نہیں آیا
کیا اِنَّا فَتَحْنَالَكَ فَتْحاً نہیں آیا

۷۹

جن سے بھی مقابل ہو جسارت وہ غضب کی پانی ہی میں رہتی ہے طہارت وہ غضب کی
لاکھوں میں لڑے آنکھ شرارت وہ غضب کی دریا بھی جہنم ہو حرارت وہ غضب کی
حُسّاد کے دل جلتے ہیں مذکورِ شرر سے
ڈورے کی ندا ہے مرا رشتہ ہے سقر سے

۸۰

لاکھوں سے یہ اک تیغ دوسر، رک نہیں سکتی رستم سے یہ بالائے سپر، رک نہیں سکتی
روکیں تو اسے لاکھ مگر، رک نہیں سکتی یہ ماہیٔ دریائے ظفر، رک نہیں سکتی
ہاں جانتے ہیں بالِ ملک کاٹ کو اس کے
دریائے فنا مان گیا گھاٹ کو اس کے

۸۱

وہ دست زبردست وہ تلوار وہ چم خم وہ ضرب قیامت کی وہ اک حشر کا عالم
بپھرا ہوا تھا رن میں ید اللہ کا ضیغم پیری میں یہ اندازِ وغا پیاس میں یہ دم
گومعرکے صفین میں، خیبر میں پڑے تھے
۸۲ یوں پیاس میں لیکن شہ مرداں نہ لڑے تھے

بے جاں نہ ہوا تھا کوئی عباسؑ سا بھائی کب ہاتھ سے یوں دولتِ اولاد گنوائی
میدان سے کب لاش بھتیجے کی اٹھائی کس روز بھلا پانی کی اک بوند نہ پائی
کیا کیا نہ لڑے فوج سے اس تشنہ لبی میں
۸۳ مخصوص تھا یہ وصف حسینؑ ابن علیؑ میں

جب تیغ کو تولے ہوئے جھپٹے شہِ والا تر بھر ہوئے اسوار تو پیدل تہہ و بالا
پھر ایک جفا کار نے بھالا نہ سنبھالا یہ صف نہ رہی ہو گیا غارت وہ رسالہ
جرار نے ستھراو کیا فوجِ عدو کا
۸۴ میداں میں لہو بہ گیا ہر عربدہ جو کا

تھے تیغ بکف رن میں جو سلطانِ سرافراز حملوں سے عیاں تھا اسد اللہ کا انداز
ہر وار میں دوزخ کو روانہ تھے دغاباز بے جاں تھے وہی جن پہ بنِ سعد کو تھا ناز
کشتے سپہ شام کے مقتل میں پڑے تھے
۸۵ سہمے ہوئے سردار سب اک ہمت کھڑے تھے

اللہ رے وَغائے خَلفِ حیدرؑ کرار افلاک بھی قدسی بھی دہل جاتے تھے ہر بار
بیدم تھے جو اسوار تو مجروح تھے رہوار کی تھی جو خطا چھپتے تھے گوشوں میں کماندار
اک شور تھا شبیرؑ شجاع ازلی ہے
کیونکر نہ یہ ہیبت ہو کہ دلبندِ علیؑ ہے

۸۶

وہ دست سرافراز وہ شمشیر فلک قدر بجلی کبھی چمکی کبھی تابندہ ہوا بدر
تھا لشکرِ اشرار میں ہر چار طرف غدر ہر ضرب میں کٹتے تھے برابر جگر و صدر
برش تھی غضب کٹ رہے تھے قلب وجگر بھی
۸۷ کیا قلب و جگر قطع کئے تار نظر بھی

اس تیغ کی رفتار سے کم ظرف تھے پامال جانیں ہوئیں صَرف اُن کی جنہیں تھی ہوسِ مال
حیرت زدہ تھے صورت آئینہ بد افعال ماضی کا نہ تھا ہوش نہ مطلق خبر حال
ہستی سے نشاں مٹ گیا ہر عربدہ جو کا
۸۸ منظور تھا اثبات اُسے نفیٔ عدو کا

خونخواروں میں یکتا تھی دل آزاروں میں کامل برش تھی قیامت تو ادا اسکی تھی قاتل
وہ ناز کی رفتار کہ دشمن کا پسے دل روحیں گلِ جوہر پہ فدا شکلِ عنادل
بے وجہ نہ تھی اُس کو طلب رن میں لہو کی
۸۹ ناخن پہ لگاتی تھی حنا خون عدو کی

جَل جَل کے ہوئے تیغِ شرَر دَم سے عدو سرد بھڑکے ہوئے تھے آگ کے شعلے دم ناورد
جانوں کو بچا کر جو فراری ہوئے نامرد خورشید چھپا دشتِ ستم میں یہ اٹھی گرد
اندھیر عجب طرح کا تھا ظلم کے بن میں
۹۰ دن شامیوں کو رات نظر آتا تھا رن میں

میداں میں مقابل ہو کلیجا ہے یہ کِس کا مرجاتا ہے وہ اس کو خیال آتا ہے جس کا
کرتی ہے رواں خوں، تنِ ناپاک ونجس کا کٹ جاتے ہیں حاسد جو بیاں ہوتا اِس کا
قتال جہاں، قہرِ خداوندِ ازل ہے
اس تیغ کا سایہ نہیں سیفی کا عمل ہے

۹۱

گلگوں نے دمِ جنگ عجب رنگ جمایا پھر کھیت کے اندر کسی باغی کو نہ پایا
انصاف و عدالت نے یہ تب شور مچایا او حاکمِ ناری تجھے اب بھی عرق آیا

لاکھوں کے قدم اوٹھ گئے اک شیر کے ڈر سے
دیووں کے جگر آب ہیں، پیاسے کے خطر سے

۹۲

وہ ظالم بزدل تو نہ خرگاہ سے نکلا اک کلبِ سیہ مسکنِ روباہ سے نکلا
غل تھا کہ وہ بد، خیمۂ بد راہ سے نکلا زخموں کے کنوئیں جھانکنے کو چاہ سے نکلا

ہوگی سر و گردن میں جدائی یہ نہ سمجھا
ہے یوسفؑ حیدر سے لڑائی یہ نہ سمجھا

۹۳

حضرت کے قریں آکے یہ چلایا کہ ہشیار مولا نے بھی نعرہ کیا مدہوش خبردار
چلایا کہ اسود ہوں میں اسے سید ابرار فرمایا کہ نام اپنا بدل ڈال سیہ کار

ایسا تو سبک ہے کہ نگاہوں سے گرا ہے
اَسوَد ہے مگر قبلۂ ایماں سے پھرا ہے

۹۴

بولا کہ سپر سے نہیں رکتا ہے مراوار فرمایا سپر باندھ کے کب آتے ہیں جرار
چلایا کہ بجلی ہے مری تیغِ شرر بار فرمایا کہ قہر و غضب حق ہے یہ تلوار

چلایا کہ میں سام کا ہمسر ہوں وغا میں
فرمایا کہ سرسام نہ ہو گرم ہوا میں

۹۵

چلایا وہ کالا ہوں کہ منتر نہ چلے گا فرمایا کہ حیدرؑ کا پسر مار نہ لیگا
چلایا بلا ہوں تو کہا جلد ٹلے گا پھر بولا کہ آتش ہوں کہا خوب جلے گا

بولا کہ یمِ قہر ہوں فرمایا بہے گا
بولا میں قیامت ہوں کہا اٹھ کے رہے گا

۹۶

یہ سن کے حرارت سے بڑھی اور شرارت برچھے کو ہلاکر جو بڑھا بانیٔ بدعت
بے خوف ادھر رخش پہ بیٹھے رہے حضرت جس طرح علیؑ فرش نبیؐ پر شب ہجرت
یہ حال مگر تیغ نے نیزہ کا کیا تھا
۹۷ خاموش تھا اور بند سے ہر بند جدا تھا

نیزہ کا جو اس ظالم سرکش نے کیا وار آنکھوں کے اشارے سے کہا شہ نے خبردار
جس جا تھا وہیں رہ گیا بس دست جفاکار یاں تیغِ نظر قتل پہ ہونے لگی تیار
اسود کو جو سودا صفتِ قیس ہوا ہے
۹۸ ابرو بھی کماں لے کے ادھر لیس ہوا ہے

واقف جو نہ تھا جوہر سلطان زَمَن سے نیزے کو ملانے لگا حضرت کے دَہَن سے
شمشیر ید اللہ گری ڈانڈ پہ چھَن سے سُن ہو گیا مکار سِناں اُڑ گئی سَن سے
نصرت نے ندا دی کہ یہ پیغام اَجل ہے
۹۹ او سبز قدم تیری بغاوت کا یہ پھل ہے

پھر تیغ لی جو اس نے تو ہر وار کو روکا دو چار کو خالی دیا دو چار کو روکا
ظالم نے بھی تلوار پہ تلوار کو روکا یا آہنہ پر برقِ شرربار کو روکا
یہ تیغ نظر ہے کہ پلک سے نہیں رکتی
۱۰۰ پر کاٹنے کے وقت ملک سے نہیں رکتی

اللہ رے حربِ پسر حیدرؑ کرار اللہ کا وہ زور ید اللہ کی وہ تلوار
خورشید لقا، ماہ جبیں، آئینۂ رخسار گہہ طور کی بجلی تھی، گہے نور کا دیدار
جلوہ جو نگاہوں میں ہے اُس تیغ کی ضو کا
اب تک تو سر اٹھا نہیں تیغِ مہِ نو کا

۱۰۱

اللہ رے وہ رد و بدل اور وہ صفائی کچھ دست درازی ستم آرا نے دکھائی
یاں ہاتھ سے چھوٹی نہ یداللہ کی گہائی معشوقوں کی تکرار وہ تیغوں کی لڑائی
بل کھا گئیں معشوقوں کی بانہوں کی طرح سے
لڑنے لگیں عاشق کی نگاہوں کی طرح سے

۱۰۲

ساقی کا بھلا، مے کا کوئی جام اِدھر بھی بے نشہ یہ عالم ہے، کہ اٹھتا نہیں سر بھی
اور پیاس کی شدت سے تڑپتا ہے جگر بھی گر پھول پلائے گا تو پائے گا ثمر بھی
عالم میں سخی خلقِ خدا تجھ کو کہے گی
بھٹی تری گلزار خزاں میں بھی رہے گی

۱۰۳

مئے پینے کا ساماں بھی مگر ہوشربا ہو گلشن کوئی شاداب ہو، نہریں ہوں ہوا ہو
دلکش ہو کوئی ساز، تو پرسوز صدا ہو پھولوں کا بھی شیشوں کے قریں، ڈھیر لگا ہو
چلتی ہو ہر اک کشتیٔ مے اپنے عمل میں
اور شاہدِ مضموں سا ہو معشوق بغل میں

۱۰۴

لیکن تری مے پر نہیں زنہار فدا ہوں اب تک تو نجس چیز سے بے لاگ بچا ہوں
کیا جانے تو رتبہ مرا، میں کون ہوں کیا ہوں کس میکدے کا رند ہوں، کس در کا گدا
آغازِ جوانی سے یہی فکر رہا کی
مے حُبِ علیؑ کی ہو گزک شکرِ خدا کی

۱۰۵

میں چھیڑتا تھا تجھ کو تو ناراض نہ ہونا آپس میں سبھی ہنستے ہیں ہوتا ہی ہے ایسا
ہوں مست ازل مے کی نہیں کچھ مجھے پروا جس نشہ میں سرشار ہوں کیف اس کا کہوں کیا
رہتا ہے جو اس ماہ کا ہالا وہی جانے
مرشد کا پیا جس نے پیالا وہی جانے

۱۰۶

انگور کی مے اور ہے یہ اور قلم ہے پیتے ہیں ملائک بھی جسے، یہ وہ رقم ہے
شیریں ہے پئے دوست، عدو کے لئے سم ہے پی لی ہے اگر آج تو کل کا نہیں غم ہے

میں نوش کو اِس کے کوئی کلفت نہیں رہتی
حد یہ ہے کہ پھر فکرِ قیامت نہیں رہتی ۱۰۷

کیا چیز ہے ہر مومنِ کامل کو خدا دے غفلت کا جو آنکھوں پہ ہے پردہ وہ اٹھا دے
حجت نہیں کرتے، ہمیں کم دے کہ سوا دے شیشے ہی کے پردے سے جھلک صرف دکھا دے

اپنے لئے آساں رہِ دشوار تو کر لیں
پی لیں گے کبھی، پر ابھی دیدار تو کر لیں ۱۰۸

ہر چند کہ وہ دیو تھکا، رد و بدَل سے اس طرح کا موذی تھا، کہ باز آیا نہ بل سے
ہاتھ اُس کے بہکنے جو لگے، خوفِ اَجل سے سینے پہ نئے پھول کھلے، تیغ کے پھل سے

زخموں سے نیا جشن کا ساماں نظر آیا
ناری کا بدن سروِ چراغاں نظر آیا ۱۰۹

پھر ہاتھ نہ قابو میں رہا اور نہ کلائی اس طرح سے ہاپنا کہ زباں بھی نکل آئی
نکلی جو زباں شاہ نے تلوار لگائی گویا کہ خموشی نے بڑی دھوم مچائی

قایل تھی زباں خود کہ یہ جھوٹوں کی سزا ہے
لے دیکھ سلح شور یہ تُرشی کا مزا ہے ۱۱۰

کاٹی تو زباں خون کٹا واہ رے نیرنگ غل پڑ گیا اسود تھا مگر لال ہوا سنگ
خم ہو کے اُگلتا تھا لہو ظالمِ سرہنگ پہلو سے یہ چلا کے پھری تیغ دمِ جنگ

کیوں اس کے دلِ سخت میں شیطان کو دیکھوں
ہاں چرخ سے اتری ہوں میں کیوں سان کو دیکھوں

۱۱۱

پہلو پہ کھچا خط تو یہ چلائے محمدؐ ہاں بوسۂ اَسود سے فزوں ہے یہ جَدوکَد
پھر سر جو اڑایا تو ندا آئی بلارَو اے تیغ بڑا حج ہے یہ قربانیٔ اَسود

حیرت ہے کہ دل شوق میں حلقوم کے چھوڑا
بھاری تھا یہ پتھر جو اسے چوم کے چھوڑا ۱۱۲

ناگاہ یہ آواز علیؑ کان میں آئی تلوار کو اب روک لو اے حق کے فدائی
لازم ہے مری جان تمہیں وعدہ وفائی ہاں صبر بھی دکھلا دو دکھائی جو لڑائی

یہ عصر کا ہنگام ہے مشغولِ دعا ہو
شبیرؑ جو ہے فرض، بس اب اس سے ادا ہو ۱۱۳

خوش ہوگئے یہ سن کے شہِ صابر و شاکر عازم ہوا جنت کا مدینے کا مسافر
پھر آگئے ہر سمت سے بھاگے ہوئے کافر نرغہ میں گرا قبر پیمبرؐ کا مجاور

اک شور تھا دو روز کے پیاسے کو گرا دو
گھوڑے سے محمدؐ کے نواسے کو گرا دو ۱۱۴

کاٹھی میں رکھی تیغ تھے سید ابرار فرمایا کہ اب لڑ چکا یہ بیکس و ناچار
ہاں میان سے باہر نہ کبھی آنا خبردار یہ حکم سنا شہ کا تو گویا ہوئی تلوار

پیاسے کی ہوں تلوار تو پیاسی ہی رہوں گی
اک بوند لہو تا دمِ رَجعت نہ پیوں گی ۱۱۵

ہر سمت سے پھر شہ کو ستم گاروں نے گھیرا بے جرم و خطا لاکھوں کمانداروں نے گھیرا
مجروح کو مغموم کو مکاروں نے گھیرا زہراؑ کے کلیجے کو دل آزاروں نے گھیرا

مظلوم کے اک دل پہ ہزاروں غم وہم تھے
تلواروں میں نیزوں میں نہاں شاہ امم تھے

۱۱۶

اس دکھ میں امام دوسرا، وائے مصیبت شبیرؑ گرفتار بلا، وائے مصیبت
یہ رنج یہ آفت یہ جفا، وائے مصیبت تلواریں ہیں سو ایک گلا، وائے مصیبت

پہلو میں نہ اکبر ہیں نہ عباسؑ جواں ہیں
جو آنکھوں کے تارے تھے وہ نظروں سے نہاں ہیں

۱۱۷

رتبہ میں جو تھا مصحف داور کے برابر تیروں کا ہدف آج ہے وہ سینۂ انور
سرتاجِ جہاں ہے چمنِ دہر میں جو سر صد حیف اُسی سر کیلئے تیز ہیں خنجر

پیوست ہوئے تیر عمامے میں قبا میں
زخمی ہیں وہی لب جو رہے ذکر خدا میں

۱۱۸

لڑنے کے لئے آئے ہیں مظلوم سے سرہنگ بدلا ہے نیا اس چمن دہر نے کچھ رنگ
تلوار لگاتا ہے کوئی اور کوئی سنگ پیدل بھی بڑھے آتے ہیں بیکس سے پئے جنگ

نرغہ ہے نبیؐ زادے پہ افواجِ عدو کا
ایک ایک جواں فوج کا، پیاسا ہے لہو کا

۱۱۹

اب ضعف سے بے حس ہیں ابھی کیسے لڑے ہیں چہرہ ہے اُداس آنکھوں میں حلقے بھی پڑے ہیں
سینہ نظر آتا نہیں یوں تیر گڑے ہیں امت کی شفاعت پہ کمر باندھے کھڑے ہیں

بہتا ہے یہ خوں تن سے کہ گل رنگ قبا ہے
لیکن دہنِ زخم سے بخشش کی دعا ہے

۱۲۰

فرماتے ہیں اب رحم مرے حال پہ کھاؤ میں جانِ پیمبر ہوں زیادہ نہ ستاؤ
کیا کرتے ہو، دانستہ جہنم میں نہ جاؤ دنیا سے نہ زہراؑ کے مرقع کو مٹاؤ

توقیر بھلاؤ نہ حسینؑ ابن علی کی
تصویر ہوں میں صفحۂ عالم پہ نبیؐ کی

۱۲۱

ڈیوڑی سے نظر آیا جو زینبؑ کو یہ ساماں خیمہ سے چلی روتی ہوئی با سرِ عُریاں
چلاتی تھی تربت سے اُٹھو یا شہِ مرداں بھائی مرا دنیا میں کوئی دم کا ہے مہماں
تلواروں سے دو روز کے پیاسے کو بچا لیں
نانا سے کہو آ کے نواسے کو بچا لیں ۱۲۲

پھر شہ کو پکاری، مرے سید مرے بھائی اے پوچھنے والے مرے، اے حق کے فدائی
یثرب سے تجھے موت یہاں کھینچ کے لائی لٹ جائے گی اب دشت میں اماں کی کمائی
آتا ہے جگر منہ کو، تری کم سخنی پر
سو جان سے قربان، تری بے وطنی پر ۱۲۳

دو حکم تو آؤں، مرے ماں جائے برادر تیغوں سے بچاؤں، مرے ماں جائے برادر
زہراؑ کو بلاؤں، مرے ماں جائے برادر کیونکر تمہیں پاؤں، مرے ماں جائے برادر
زندہ کوئی غمخوار تمہارا نہیں بھیا
جز موت کچھ اس درد کا چارا نہیں بھیا ۱۲۴

عباس علی بہرِ مدد نہر سے آؤ فرزند یداللہ کو نیزوں سے بچاؤ
اے عون و محمد مجھے پھر شکل دکھاؤ آ کر مرے بھائی کے عوض برچھیاں کھاؤ
کس سمت ہیں اکبر کہ مصیبت یہ پڑی ہے
اے لال، پھوپی پر یہ قیامت کی گھڑی ہے ۱۲۵

چلاتی تھی کونین کے سرور کو نہ مارو مظلوم کو ناچار کو بے پر کو نہ مارو
ناشاد کو غم دیدہ کو مضطر کو نہ مارو خالق سے ڈرو سبط پیمبر کو نہ مارو
راضی ہوں کہ خنجر مری گردن سے ملا دو
ایذا نہ مگر قبر میں، حیدرؑ کو ذرا دو

۱۲۶

اونٹ اس کے لئے بنتے تھے مسجد میں پیمبرؐ سینے پہ سلاتے تھے ہمیشہ اسے حیدر
جبریل جھلاتے تھے اسے خلد سے آکر یہ رونق اسلام ہے یہ حجتِ داور

خالی نہ کرو خلق کو سلطانِ امم سے
آباد ہے یثرب اسی مظلوم کے دم سے ۱۲۷

زینبؑ تو ادھر روتی تھیں بکھرائے ہوئے بال ناگاہ گرا گھوڑے سے واں فاطمہؑ کا لال
تانے ہوئے نیزوں کو بڑھی فوجِ بد افعال زخموں سے ہوا تھا، شہ والا کا عجب حال

روتے تھے نبیؐ منہ تھا نواسے کی جبیں پر
غش میں تھے شہنشاہِ امم گرم زمیں پر ۱۲۸

سر پیٹو عزادارو یہ آفت کی گڑھی ہے تھراتے ہیں افلاک قیامت کی گھڑی ہے
یہ سبط پیمبر پہ مصیبت کی گھڑی ہے لو شمر بڑھا شہؑ کی شہادت کی گھڑی ہے

سینے پہ لعیں، خنجرِ خونخوار گلے پر
لو پھیر دی جلاد نے تلوار گلے پر ۱۲۹

سورج کو گہن لگ گیا، تیرہ ہوا عالم جنبش میں زمیں آئی، ہلا چرخ بھی پیہم
کہسار بھی دب دب کے پکارے کہ چلے ہم حیوانوں میں بھی شاہ کا برپا ہوا ماتم

لپٹے ہوئے روتے تھے ملک عرشِ علا سے
آتی تھی صدا ہائے حسینا کی ہوا سے ۱۳۰

موقوف کراب مرثیہ بزمِ جگر افگار بے ہوش ہے مجلس میں ہر اک مومن دیندار
غش فاطمہ ہیں روتے ہیں خود احمدِؐ مختار اب عرض یہ کر شہؑ سے کہ یا سیدِ ابرار

مقبولِ جہاں کیجے مرے حسنِ بیاں کو
مداحِ سرور سے رہے کام زباں کو

مرثیہ: ۱۷

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

بِن بیاہے جَواں بیٹے کا ماتَم ہے حَرَم میں

تعدادِ بند: ۱۰۷

۱

بن بیاہے جواں بیٹے کا ماتم ہے حرم میں محشر کا سماں حشر کا عالم ہے حرم میں
غم سے کوئی بے جاں کوئی بے دم ہے حرم میں نوحہ کسی بی بی کا یہ پیہم ہے حرم میں

ہے ہے مجھے کیا چرخ نے لوٹا ہے سفر میں
آتی ہے قیامت پہ قیامت مرے گھر میں

۲

اِس غم سے ابھی ہوش بجا تھے نہ کسی کے جو ماتمِ اصغر ہوا کعبے میں نبیؐ کے
مارے گئے سب نورِ نظر حق کے ولی کے اندھیر ہوا گھر میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

ہر سُو نہ وہ رونق نہ وہ بستی نظر آئی
غربت درِ دولت پہ برستی نظر آئی

۳

وہ چھاؤنی ویران وہ اُجڑا ہوا دربار وہ عالمِ تنہائی وہ بگڑی ہوئی سرکار
لشکر نے کیا کوچ اکیلا ہوا سردار جنگل میں چُھٹا قافلے سے قافلہ سالار

کہتے تھے کہ ہے کون دمِ یاس ہمارا
کچھ بھی نہ کیا ساتھیوں نے پاس ہمارا

۴

وہ بے کسی و یاس وہ تنہائی کا صدمہ بچھڑے ہوئے لشکر کا الم بھائی کا صدمہ
وہ اکبرِ ناشاد کی رعنائی کا صدمہ سب گھر سے فزوں فاطمہؑ کی جائی کا صدمہ

سو داغ ہیں اِک دل پہ ولی ابنِ ولی کے
غم ٹوٹ پڑا گھر پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۵

بانو کا وہ رو کر علیؑ اصغر کو بلانا بیبوں میں وہ رخصت کے لئے شاہ کا آنا
روتے ہوئے بچوں کو وہ چھاتی سے لگانا خواہر سے وہ ملنا وہ تڑپ کر یہ سنانا

اصغر بھی زمانے سے سفر کر گئے زینبؑ
کیا قہر ہے اس پر بھی نہ ہم مر گئے زینبؑ

۶

لو روو نہ اب بھائی کی اولاد کو پالو ماں باپ کی اُجڑی ہوئی سرکار سنبھالو
سب غم تو سہے اور بھی اِک داغ اُٹھالو اوروں کو بچایا ہو تو ہم کو بھی بچالو

موت اُن کی نہ ٹالی گئی جو راحتِ جاں تھے
ہم پھر بھی مُسن ہیں علیؑ اکبرؑ تو جواں تھے

۷

رو کر کہا زینبؑ نے کہ ہاں سچ ہے برادر جب آئی جوانی تو دغا دے گئے اکبرؑ
پر اُن کے تو مرنے سے پھری میں نہ کھلے سر جب آپ نہ ہوں گے تو چھنے گی مری چادر

غم آپ کا دشوار ہے اکبرؑ کے الم سے
صدقے گئی پردہ ہے مرا آپ کے دم سے

۸

حضرت نے کہا موت سے چارہ نہیں خواہر مرنا ہے بہن اور تمھیں پھرنا ہے کھلے سر
لازم ہے مگر صبر کہ صابر کی ہو دُختر اللہ کے سائے سے زیادہ نہیں چادر

دامن میں سُلایا ہے سدا خیرِ نساؑ نے
بخشی ہے تمھیں چادرِ تطہیر خدا نے

۹

جانے دو مری وعدہ وفائی کا یہ دن ہے بے کس کے تن و سر کی جُدائی کا یہ دن ہے
اے بنتِ علیؑ عقدہ کشائی کا یہ دن ہے دوزخ سے محبوں کی رہائی کا یہ دن ہے

ہو اُن پہ مصیبت یہ گوارا نہیں ہم کو
امت سے زیادہ کوئی پیارا نہیں ہم کو

۱۰

چُپ رہ گئی یہ سُن کے یداللہ کی جائی اتنا تو کہا منہ سے کہ ہے ہے مرے بھائی
اُٹھے صفِ ماتم سے شہِ کرب و بلائی بانوئے حزیں سامنے روتی ہوئی آئی

کچھ ہوش تن و سر کا نہیں جوشِ تعب میں
بچے کئی روتے ہوئے آتے ہیں عقب میں

۱۱

باقرؑ کا نہ دھیان اور نہ سکینہؑ پہ نظر ہے کُبریٰ کی خبر ہے نہ رقیہؑ کی خبر ہے
کہنے میں زباں اور نہ قابو میں جگر ہے کہتی ہیں کہ لوگو مرا سرتاج کدھر ہے

ہے صبح سے آنکھ اور میں پہچان گئی ہوں
اُلٹیں گے مرا تخت یہ میں جان گئی ہوں ۱۲

حضرت نے کہا سامنے ہیں ہم اِدھر آؤ مرجائیں گے معصوم نہ یہ حال بناؤ
گِر جائے گا باقرؑ اِسے گودی میں اُٹھاؤ سہی ہے سکینہؑ اِسے چھاتی سے لگاؤ

کبریٰ کو سنبھالو کہ وہ بیتاب و حزیں ہے
عابدؑ کی خبر لو کہ اُسے ہوش نہیں ہے ۱۳

وہ بولیں کہ اے فاطمہؑ کی گود کے پالے دل جس سے سنبھلتا نہیں گھر کیا وہ سنبھالے
بے خود نہ ہوں کیونکر کہ ابھی زخم ہیں آلے فرمایئے لونڈی کو کیا، کس کے حوالے

عباسؑ کو یا اکبرؑ ذیجاہ کو سونپا
رو کر کہا حضرت نے کہ اللہ کو سونپا ۱۴

یہ کہہ کہ صغیروں کو قریب اپنے بلایا ایک ایک کا منہ چوم کے چھاتی سے لگایا
روٹھیں تھیں سکینہؑ اُنہیں مشکل سے منایا کہتی تھیں کہ بابا مجھے پانی نہ پلایا

ہے ہے میں کئی دن سے گرفتارِ بلا ہوں
عمو نے بھی کی دیر میں اُن سے بھی خفا ہوں ۱۵

حضرت نے کہا میں ترے قربان سکینہؑ روٹھو نہ پدر سے مری نادان سکینہؑ
بی بی کی یتیمی کا ہے سامان سکینہؑ ضد کر کے نہ اب روئیو اے جان سکینہؑ

مجبوری سے اس وقت میں منہ موڑتے ہیں ہم
ایسا ہی سبب ہے کہ تمھیں چھوڑتے ہیں ہم

۱۶

بچی نے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار کیا شے ہے یتیمی مجھے کیا اس سے سروکار
میں آپ سے پانی کی بھی طالب نہیں زنہار من جاؤں گی آنے کا اگر کیجئے اقرار

اچھا میں یتیمی پہ نہ جاں کھوؤں گی بابا
جلدی نہ پھرو گے تو بہت روؤں گی بابا

۱۷

فرمایا کہ فوجوں سے اماں پا نہ سکیں گے رونا تو یہی ہے کہ ہم اب آ نہ سکیں گے
سینے پہ سُلا کے تمھیں بہلا نہ سکیں گے ہم اپنی خبر بھی کبھی پہنچا نہ سکیں گے

ہرگز مری فرقت کا نہ غم کیجیو بیٹی
موتی کوئی مانگے گا تو دے دیجیو بیٹی

۱۸

بولی مجھے بھاتی نہیں زیور کی بہاریں بہنوں کو ہے ارماں تو وہی تن پہ سواریں
مالک ہیں وہ گھر کیں کہ طمانچے مجھے ماریں پر آپ یہ کہہ دیں مرے بندے نہ اتاریں

گھیرے ہوئے گو فوجِ غم و یاس رہے گی
بابا کی نشانی تو مرے پاس رہے گی

۱۹

فرمایا کہ ناداں ہو ابھی کیا تمھیں سمجھائیں لو آؤ ذرا عابدؑ مضطر کو بھی دیکھ آئیں
اُن سے بھی یہ کہہ دیں کہ مصیبت سے نہ گھبرائیں پوتے ہیں علیؑ کے نہ کہیں غیظ میں آجائیں

بے جُرم ہو تعذیر تو حُرمت نہیں جاتی
اللہ کی بخشی ہوئی عزت نہیں جاتی

۲۰

یہ کہتے ہوئے آئے جو عابدؑ کے سرہانے جُھک جُھک کے پکارا اُنہیں شاہِ شہدا نے
سہلائے کبھی پاؤں ہلائے کبھی شانے یہ غش تھا کہ کھولی نہ پلک زینِ عباؑ نے

بولے شہِؑ ابرار خدا حافظ و ناصر
لو اے مرے دلدار خدا حافظ و ناصر

۲۱

سُن کر یہ صدا چونک پڑے عابدؑ بیمار کی عرض کہاں جایئے گا اے شہِ ابرار
فرمایا کہ میداں کا ہے عزم اے مرے دلدار اب آپ سنبھالیں اسداللہ کی سرکار
کی عرض یہ خدمت نہ مجھے دیجئے بابا
۲۲ ہم شکلِ پیمبرؐ کو وصی کیجئے بابا

بیمار ہوں میں مجھ سے نہ یہ بار اُٹھے گا تکیے سے مرا سر بھی نہ زنہار اُٹھے گا
اب بسترِ غم سے نہ یہ ناچار اُٹھے گا اغلب ہے کہ دُنیا سے یہ بیمار اُٹھے گا
مایوس ہے سب گھر کہ مجھے صبر کیا ہے
۲۳ کنبے نے عیادت سے بھی منہ پھیر لیا ہے

بالیں پہ ابھی بیبیاں سب پیٹتی تھیں سر ہوش آتے ہی چپ ہوگئی ہیں اے شہِ صفدر
رہتے تھے ہر اِک دم مرے پہلو میں برادر پر آج سحر سے نہیں آئے علیؑ اکبرؑ
عمّوں بھی ہیں ناراض کہ مایوس ہوئے ہیں
۲۴ کیوں آئیں سکینہؑ سے وہ مانوس ہوئے ہیں

فرمایا کہ اے لختِ جگر تم کو خبر کیا سب نے کیا ہستی سے سفر تم کو خبر کیا
تم غش میں رہے مٹ گیا گھر تم کو خبر کیا ہم لُٹ گئے اے نورِ نظر تم کو خبر کیا
مدت ہوئی کوثر کے کنارے گئے اکبرؑ
۲۵ کون آئے عیادت کو کہ مارے گئے اکبرؑ

کام آئے عزیز و رفقا کوئی نہیں اب اے لال زمانے میں مرا کوئی نہیں اب
نصرت کو بجز ذاتِ خدا کوئی نہیں اب مرنے کے لئے میرے سوا کوئی نہیں اب
بچنے کا نہیں سخت مصیبت میں گھرا ہوں
اصغرؑ کا بھی لاشہ ابھی دفنا کے پھرا ہوں

۲۶

کی عرض کہ فدوی کو بھی مرنے کی رضا دو بابا مجھے بچھڑے ہوئے پیاروں سے ملادو
دم تن سے نکلنے کو ہے مرتا ہوں جلادو اے رشکِ مسیحا لبِ جاں بخش ہلادو

بعد آپ کے بیمار مرض سے جو مرے گا
۲۷ غُربت میں مرا دفن و کفن کون کرے گا

فرمایا وہ ہم ہیں جسے تُربت نہ ملے گی بیٹا تمھیں دفنانے کی مہلت نہ ملے گی
مانگو نہ رضا تم تمھیں رخصت نہ ملے گی لو باپ سے مل لو کہ یہ ساعت نہ ملے گی

یہ دُکھ کسی مقتولِ ستم سے بھی نہ اُٹھا
۲۸ وہ بار اُٹھانا ہے جو ہم سے بھی نہ اُٹھا

تم آدمِ اولادِ پیمبرؑ ہو میں قرباں تم یوسفؑ و یعقوبؑ کے ہم سر ہو میں قرباں
تم حضرتِ ایوبؑ سے بڑھ کر ہو میں قرباں اب تو تمھیں اِن رانڈوں کے سر پر ہو میں قرباں

غم جھیلیو کٹ جائے جو حلقوم ہمارا
۲۹ قیدی ہے لقب آپ کا مظلوم ہمارا

فرما کے یہ روتے ہوئے خم ہو گئے حضرت سب کان میں فرمادئے اسرارِ امامت
پھر اور بھی بدتر ہوئی بیمار کی حالت سوزِ تپِ فرقت سے بڑھی اور حرارت

یہ غم کا ہوا جوش کہ غش کر گئے سجادؑ
۳۰ بانو نے یہ سمجھا کہ ابھی مر گئے سجادؑ

تب بالی سکینہؑ سے یہ بولے شہِ صابر لو اے مری نادان خدا حافظ و ناصر
یہ کہہ کے چلا گھر سے مدینے کا مسافر آئی یہ ندا دائی بھی خدمت کو ہے حاضر

واری گئی میں بھی سوئے جنگاہ چلوں گی
سر پیٹتی رہوار کے ہمراہ چلوں گی

۳۱

باہر ہوا ڈیوڑھی سے قدم سبطِ نبیؐ کا یا گھر سے برآمد ہوا تابوت علیؑ کا
ماتم میں کسی کو بھی نہ تھا ہوش کسی کا کہتی تھی کوئی کوچ ہے دنیا سے اخی کا
کہتی تھی کوئی کس کو پکاروں گی سفر میں
ہے ہے مرے بابا نہ پھر اب آئیں گے گھر میں

۳۲

کہرام تھا شہزادیاں آفت میں پڑی تھیں زینبؑ کی نگاہیں سوئے شبیرؑ لڑی تھیں
سو تیروں کی نوکیں دلِ مضطر میں گڑی تھیں زہراؑ کی کنیزیں درِ دولت پہ کھڑی تھیں
چلائیں کہ شمشیر و سناں کھانے نہ دیں گے
بی بی کے خوزادے تمھیں ہم جانے نہ دیں گے

۳۳

جب حشر میں فرمائیں گی بی بی یہ ہماری اے لونڈیوں بے ہوش تھی زینبؑ مری پیاری
تم نے بھی نہ روکی مرے بچے کی سواری فرمایا یہی حکم ہے بی بی کا تمھاری
اُمت انہیں پیاری ہے شہِ کون و مکاں کی
محضر پہ مرے مہر ہے خاتونِ جناں کی

۳۴

یہ سُن کے گری پاؤں پہ فضہ جگر افگار کی عرض کہ مرجاؤں گی اے سیدِ ابرار
پالا ہے تمھیں اے پسرِ حیدرِ کرارؑ سنتی ہوں کہ سر ننگے پھرائیں گے ستمگار
واللہ کہ سر پیٹ کے ناقے سے گروں گی
زہراؑ کی میں لونڈی ہوں نہ سر ننگے پھروں گی

۳۵

فرمایا کہ زینبؑ پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا سر ننگے ہو جب ثانیٔ زہراؑ تو گِلہ کیا
کیا جانیے سر کھلنے میں ہے رازِ خدا کیا جب سایۂ معبود ہو سر پر تو رِدا کیا
کلفت سے نہ ذلّت سے حذر چاہئے فضہ
ستّار کی رحمت پہ نظر چاہئے فضہ

۳۶

یہ کہہ کے کنیزوں کو تو خیمے میں بٹھایا اور جلد قدم جانبِ رہوار بڑھایا
چڑھنے جو لگا حیدرِ کرّارؑ کا جایا ہٹ کر فرسِ خاص نے گردن کو ہلایا
شہؑ بولے کہ ہم سا کوئی مجبور نہیں ہے
کیا تجھ کو بھی نصرت مری منظور نہیں ہے

۳۷

تازی نے یہ کی عرض کہ میں آپ کے قرباں خدمت سے مجھے عُذر ہو اے فخرِ سلیماں
راحت کا میں خواہاں نہیں عزت کا ہوں خواہاں کیا عرض کروں دل میں قیامت کا ہے ارماں
واقف ہوں کہ محشر میں حشم پائیں گے مولاؑ
امت کی شفاعت کے لئے آئیں گے مولاؑ

۳۸

اس شان سے واں جائیں گے آپ اے شہِ صفدر آگے علمِ سبز لئے شہ کے برادر
پہلو میں سناں کھائے ہوئے حضرت اکبرؑ اِک ہاتھ میں سر ایک میں لاشِ علیؑ اصغر
سب ہوں گے پہ غم سے نہ کوئی ہوش میں ہوگا
اِک بھائی کا ننھا پسر آغوش میں ہوگا

۳۹

ہمراہ سواری کے سب انصار بھی ہوں گے سب آپ کے خدام بھی زوّار بھی ہوں گے
مدّاح بھی ذاکر بھی عزادار بھی ہوں گے لپٹے ہوئے دامن سے گناہ گار بھی ہوں گے
فرماؤ کہ فدوی کو بھی ممتاز کروگے
اُس دن بھی سواری سے سرافراز کروگے

۴۰

رو کر کہا سرورؑ نے کہ اے میرے ہواخواہ تو نے مرے ہمراہ اُٹھائے غمِ جانکاہ
دانے کا تو کیا ذکر کہ پانی نہ ملا آہ گھوڑے ترا ممنون ہے فرزندِ یداللہ
شرم آتی ہے تجھ سے پسرِ عقدہ کشا کو
محشر میں ترے زخم دکھاؤں گا خدا کو

۴۱

یہ سُنتے ہی اُڑنے کو فرس ہوگیا تیار اس شان سے اسوار ہوئے سیدِ ابرارؑ
اِک دھوم ہوئی رن پہ چڑھے حیدرِ کرارؑ لی باگ جو تن کر تو چھلاوہ ہوا رہوار
غُل تھا کہ سوئے ملکِ بقا لے کے چلا ہے
سبزہ نہ کہو خضر بیابانِ وفا ہے

۴۲

تازی وہ ادائیں وہ روانی کا قرینہ کُنڈے سے وہ گھونگٹ میں پری زاد حسینہ
وہ سُم وہ کنوتی وہ پس و پیش وہ سینہ سانچے کے ڈھلے بند انگوٹھی پہ نگینہ
خورشید بھی حیرت میں دمِ جلوہ گری تھا
خود فخرِ سلیماں تھے تو گھوڑا بھی پری تھا

۴۳

وہ شان وہ شوکت وہ شکوہِ شہِ عالی وہ زُلفِ رسا حور کا دل پھانسنے والی
وہ سبزۂ خط وہ لبِ جاں بخش کی لالی وہ چاند سے رُخسار وہ ابروئے ہلالی
آئینۂ خورشید ہے یا طور کی صورت
قرآن بھی سکتے میں ہے وہ نور کی صورت

۴۴

بینی کے الف کا ہے یہ مرؤم سے اشارہ ہاں واجبِ عینی ہے اِن آنکھوں کا نظارا
کیا اوج پہ ہے احمدِ مرسلؐ کا ستارا وہ شکل خدا نے جسے ہاتھوں سے سنوارا
بے مثل بنایا جو یہ رُخ ربِّ ہدا نے
خود آنکھ کے پردے میں کیا صاد خدا نے

۴۵

وہ ریش سے اظہارِ سپیدی و سیاہی ظاہر میں سب اسرارِ سپیدی و سیاہی
پیہم ہے یہ گفتارِ سپیدی و سیاہی شبیرؑ ہیں مختارِ سپیدی و سیاہی
باقی تھی سیاہی جو خطِ شاہِ اُمم میں
پیری تھی سیہ پوش جوانی کے الم میں

۴۶

وصفِ لبِ شیریں کا مزا کیا کوئی جانے خود پیار سے چوما ہو جنھیں خیرِ نسا نے
کیا لطف کہا گر لبِ عیسیٰؑ شعرا نے منہ اُن کو لگایا نہیں محبوبؐ خدا نے

اُس دم لبِ شیریں کی حلاوت کا بیاں ہو
۴۷ جب آپ کا منہ احمدِؐ مُرسل کی زباں ہو

لشکر کے قریں جاکے تھمے سیدِ ابرار رہوار پہ جھومے صفتِ حیدرِ کرّارؑ
نعرہ جو کیا گونج گیا عرصۂ پیکار فرمایا کہ آ سامنے او خولیٔ مکّار

ناری ترا حاکم ہے کدھر، آئے تو رن میں
۴۸ وہ سعد کا منحوس پسر آئے تو رن میں

وہ یہ نہ سمجھ لے کہ حراست میں ہے شبّرؑ اللہ و پیمبرؐ کی حمایت میں ہے شبّرؑ
کچھ فکر نہیں لاکھ مصیبت میں ہے شبّرؑ یکتائے جہاں آج شجاعت میں ہے شبّرؑ

حیدرؑ کے گھرانے کی شجاعت نہیں جاتی
۴۹ بھوکے جو رہیں شیر تو جرات نہیں جاتی

جس روز ملا تھا علمِ فوجِ پیمبرؐ بھوکے تھے کئی دن سے جنابِ شہِ صفدر
اس ضعف پہ کس طرح اُٹھایا درِ خیبر ہاتھوں پہ سنبھالے رہے، اُترا کیا لشکر

یوں ہاتھ پہ در صاحبِ دُلدل نے اُٹھایا
۵۰ جس طرح کوئی گُل کسی بلبل نے اُٹھایا

تا حشر اگر کھائے گا چکر فلکِ پیر پائے گا نہ عالم میں کوئی ثانیٔ شبّرؑ
آیا ہے ہمارے ہی لئے آیۂ تطہیر قبضے میں ہے وہ چرخ سے اُتری ہوئی شمشیر

جو ناموروں کی سپروں سے نہیں رُکتی
بگڑے تو فرشتوں کے پروں سے نہیں رُکتی

۵۱

کیا چیز نہیں فاطمہؑ کے ماہ کے گھر میں یہ فیض یہ ہمت ہے کسی شاہ کے گھر میں
قدر اپنی ہوئی احمدِ ذیجاہ کے گھر میں ہم وہ ہیں کہ پیدا ہوئے اللہ کے گھر میں
خالق کا وہ گھر کہئے کہ خالق کے ولی کا
جو نام خُدا کا ہے وہی نام علیؑ کا ۵۲

بندوں میں کوئی رائجِ احکامِ خدا ہے جز حیدرؑ صفدر کوئی ضرغامِ خدا ہے
کوئی بھی ولی صاحبِ صمصامِ خدا ہے لاکھوں ہیں نبی پر کوئی ہمنامِ خدا ہے
اِس پر بھی یہ کہتے ہیں کہ اِک راہنما ہیں
غالی کے پیمبر نہ نصیری کے خدا ہیں ۵۳

یہ کلمۂ حق کہہ نہ چکے تھے شہِ دلگیر جو بجنے لگے طبل، بڑھی فوج، چلے تیر
مُڑ کر شہِ والا نے بھی لی میان سے شمشیر سوئے صفِ بے پیر چلے شیر سے شبیرؑ
روحوں میں ہوا غُل تنِ اعدا میں نہ ٹھہرو
سر پاؤں پہ گرتے تھے کہ دنیا میں نہ ٹھہرو ۵۴

بجلی سی گری کوند کے تلوار سروں پر رکھتے ہی رہے ہاتھ سیہ کار سروں پر
سائے سے بلا آگئی دو چار سروں پر پانی کی طرح پھر گئی تلوار سروں پر
غُل تھا کہ چلی دل میں پئے جلوہ گری اب
شیشے میں دھواں بن کے اُترتی ہے پری اب ۵۵

دم بھر بھی نہ ٹھہری کہیں خونخواروں میں تلوار گہہ تیر سی جاتی تھی کماں داروں میں تلوار
گہہ ناز سے چلتی تھی طرح داروں میں تلوار معشوقوں میں معشوق تھی تلواروں میں تلوار
وہ آن کہ دم لینے کو اِک آن نہ مانے
جاں لے کے بھی ٹھہری رہے احسان نہ مانے

۵۶

بے مثل تھی سب آئینہ رخساروں میں تلوار یوسفؑ سے نہ کچھ کم تھی طرح داروں میں تلوار
یوں بن کے چلی فوج کے بازاروں میں تلوار نزدیک تھا چل جائے خریداروں میں تلوار
تیور میں نہ بَل تھے نہ کجی تھی نظروں میں
۵۷ لوٹا سرِ بازار جو سودا تھا سروں میں

بجلی سی چمکتی تھی سیہ کاروں میں تلوار جانوں کی خریدار تھی بازاروں میں تلوار
چودہ طبقے کاٹتی دو واروں میں تلوار مردوں میں علیؑ فرد تھے تلواروں میں تلوار
جب تولتے تھے اِس کو علیؑ فوجِ گراں پر
۵۸ لاسیف کی سیفی تھی فرشتوں کی زباں پر

اُس تیغ کی دہشت سے صفیں تھیں تہہ و بالا پُرزے کیا ہر بار رسالے کا رسالہ
ناوک کہیں ترشا ہوا دیکھا کہیں بھالا تیغوں نے بھی منہ اپنا گریبانوں میں ڈالا
تیغوں کے پھلوں کے یہ مزے لوٹ رہی تھی
۵۹ صدمے سے کمانوں کی کمر ٹوٹ رہی تھی

صاف اُس پہ کیا ہاتھ جو چار آئینہ دیکھا یہ فتح کا بے جُرم و غبار آئینہ دیکھا
خود موت نے بھی کر کے سنگھار آئینہ دیکھا بگڑی ہی رہی شکل ہزار آئینہ دیکھا
کیسی ہی بنی موت، نہ حُسن آیا ذری بھی
۶۰ اس کی ہے وہ صورت، کہ پھڑک جائے پری بھی

وہ ناز وہ انداز وہ چم خم وہ لچک چال پھیرے جو ہزاروں پہ چھری آنکھ وہ قتال
جوہر سے وہ رخسار پہ بکھرائے ہوئے بال رنگیں وہ دہن دیکھ کے ہو جائے زباں لال
تھا شور کہ لاکھا جو جمایا ہے لہو کا
بیڑا یہ اُٹھائے ہوئے ہے خونِ عدو کا

۶۱

جُھک جائے مہِ نو کا بھی سر جس سے خم ایسا دم لے نہ ہزاروں کا لہو پی کے دم ایسا
دشمن سے بھی جُھک جائیں نگاہیں کرم ایسا دیکھا کسی معشوق میں انداز کم ایسا

اس شرم سے کفار کی جانوں پہ بنی ہے
حیدرؑ سے بھی گھونگھٹ نہیں اُٹھا وہ بنی ہے ۶۲

کیا اوج پہ تھا تیغِ حسینی کا ستارا مثلِ مہِ نو خلق تھی مشتاقِ نظارا
اِک قہر تھا ابروئے ہلالی کا اشارا قرباں ہوئی جاتی تھی سپاہِ ستم آرا

کہتے تھے کہ جرمانے میں دل نذر میں سر لے
ہاں بدر کی باقی سہ شام سے بھر لے ۶۳

اس غول میں دکھلائی روانی پلٹ آئی اُس صف پہ گئی پھیر کے پانی پلٹ آئی
یوں دارِ بقا سے سوئے فانی پلٹ آئی غُل تھا کہ زُلیخا کی جوانی پلٹ آئی

عالم کی نظر میں کوئی دلدار نہ ٹھہرا
یوسف کا بھی سودا سرِ بازار نہ ٹھہرا ۶۴

خوں پینے میں دم بھی جو نہ لیتی تھی وہ تلوار رہوارِ نبیؐ سے بھی زبانی ہوئی تکرار
تازی نے کہا اُف ری تری تیزیِ رفتار لاشے بھی کچلنے نہیں دیتی مجھے زنہار

ادنیٰ نہ سمجھ خاصۂ اللہ ہوں میں بھی
ہاں فخرِ سلیماں کا ہوا خواہ ہوں میں بھی ۶۵

تلوار یہ کہتی تھی کہ چل تُو مرے ہمراہ میں بھی تو ہوں دل سوز اگر تُو ہے ہوا خواہ
پر مجھ سے بگڑ کر نہ بنے گی کبھی واللہ غصہ ہے غضب کا مجھے کیا تُو نہیں آگاہ

دیووں سے دبی ہوں نہ فرشتوں سے ڈری ہوں
سرتاجِ سلیماں کی نظر ہے وہ پری ہوں

٦٦

لوہے نے مرے کاٹا ہے فولاد کو اکثر وہ ضرب ہے سنگین تڑخ جاتے ہیں پتھر
جن چیز ہیں کیا توڑ دئے دیووں کے بھی سر انسانوں کے سر کاٹتی ہوں اِن کے فقط پر

ڈر جاؤں گی کیوں اُن سے وہ ہیں ایسے کہاں کے
میں بھی تو وہیں کی ہوں فرشتے ہیں جہاں کے ٦٧

کشتی نہیں موجہ ہوں میں دریائے فنا کا پانی مرا کردیتا ہے انسان کو ٹھنڈا
کوئی بھی سلامت نہ مرے گھاٹ سے اُترا بیکار نہیں رکھتی ہوں قبضے میں یہ ڈورا

یوں دشمنوں کے لاشوں سے رن پاٹتی ہوں میں
پھانسی یہ لگاتا ہے گلے کاٹتی ہوں میں ٦٨

اے رخشِ نبیؐ تجھ سے ہے اونچا مرا پایا تُو خاک سے میں سیبِ بہشتی سے ہوں پیدا
ہم سر تُو مرا ہو ہی نہیں سکتا ہے اصلا میں ہاتھ سے چلتی ہوں تُو ہے پاؤں سے چلتا

ہم دونوں میں گو ایک کے بھی پاس نہیں پر
اِس پر بھی میں ہوں چرخ پر اور تُو ہے زمیں پر ٦٩

وہ جھوم رہا تھا کہ نبی کی ہوں کرامت دم بھرتی تھی یہ بھی کہ ہوں اعجازِ امامت
بولا وہ مِری چال سے برپا ہو قیامت یہ بولی قیامت ہے مرا سایۂ قامت

بولا وہ مِرا وصف نہ قرآن میں آیا
اِس نے کہا لاسیف تری شان میں آیا ٧٠

تازی نے کہا مجھ پہ تو سایہ ہے ولی کا بولی یہ مرے سر پہ بھی ہے ہاتھ سخی کا
بولا وہ کہ پایا ہے شرف دوشِ نبی کا یہ بولی کہ رکھتی ہوں اثر نادِ علی کا

دشمن کو غضب، دوست کو رحمت کی نظر ہوں
اللہ کی تلوار محمدؐ کی سپر ہوں

۷۱

تازی تھا ہوا میں کہ میں طوفاں ہوں ہوا کا یہ جوش پہ تھی گھاٹ ہے یہ بحرِ فنا کا
اُڑنے لگا تازی کہ فرشتہ ہوں قضا کا کڑکی یہ کہ میں صاعقہ ہوں قہرِ خدا کا
گو رنج فرشتوں سے میں اصلا نہیں رکھتی
پر کاٹنے کے وقت میں پروا نہیں رکھتی

۷۲

لڑنے کو جو تھیں رخش کی آنکھیں دمِ پیکار تھی کاکُلِ جوہر بھی اُلجھ پڑنے کو تیار
چلتے ہوئے فقروں سے زباں بند تھی ہر بار دانتوں کو مگر پیس کے وہ رہ گیا رہوار
مِل جُل کے پھر آپس میں یہ اقرار ہوا ہے
تو شمر کا سر کاٹے میں کچلوں تو مزا ہے

۷۳

دم بھر بھی وہ شمشیرِ شرر بار نہ ٹھہری فوجوں کو بھگا کر بھی دلِ آزار نہ ٹھہری
شہ نے کہا کیوں فوجِ سیہ کار نہ ٹھہری یہ بھی کوئی مصری ہوئی تلوار نہ ٹھہری
کھائیں اسے میخوار یہ مقدور نہیں ہے
لوہے کا یہ پھل ہے کوئی کافور نہیں ہے

۷۴

نعرہ یہ کیا شہؑ نے رسالوں کو بھگا کر ہاں او پسرِ سعدؑ ذرا دیکھ تو آ کر
سر اُن کے اُتارے، جنھیں لایا تھا چڑھا کر پردے سے نکل، فوج چلی آنکھ چکا کر
اب کھول ذرا آنکھ، اجل آ گئی تیری
ظالم ترے لشکر کو، نظر کھا گئی تیری

۷۵

بھاگے ہیں نمودار جواں فوجِ ستم کے دو ہاتھ بھی باغی نہ لڑے کھیت میں جم کے
ہے مرد تو آ سامنے اِس کشتۂ غم کے خونخوار یہ سارے ہیں بکھیڑے ترے دم کے
دم لیں تو کبھی صاحبِ شمشیر نہ کہنا
خوں پی کے نہ چھوڑیں تو ہمیں شیر نہ کہنا

۷۶

پھر شمر نے یہ سُن کے لعینوں کو بڑھایا پھر دشت میں چھایا ہوا بادل نظر آیا
شمشیرِ حسینی نے بھی طوفان اُٹھایا یہ سیل بَہی، پیکِ قضا خوب نہایا
غافل نہ رہے قہر میں بھی لُطف کی خو سے
اُمت کے گنہ دھودئے اعدا کے لہو سے

۷۷

جنگل سے ہوا ہوگئے صحرائی و شہری مُردوں میں یہ غُل تھا کہ ملے گور بھی گہری
وہ آنچ تھی اُس کی کہ ہوئی دھوپ سنہری پانی وہ خنک مہر کو آتی تھی پھریری
تھا طور کا غُل آتشِ فرقت سے ہے چین آج
موسیٰ نے لگائی تھی بجھاتے ہیں حسینؑ آج

۷۸

تھی پھر تو یہ فریاد دُہائی ہے نبیؐ کی کی تیغ نے بیداد دہائی ہے نبیؐ کی
آفت کی ہے روداد دُہائی ہے نبیؐ کی اُمت ہوئی برباد دہائی ہے نبیؐ کی
بس رحم کرو ثانیٔ جعفرؑ کا تصدق
اکبرؑ کا تصدق علی اصغرؑ کا تصدق

۷۹

یہ سُنتے ہی رحم آگیا اللہ ری طبیعت کاٹھی میں رکھی تیغ تو رونے لگے حضرت
فرمایا کہ اب تجھ سے بھی ہم ہوتے ہیں رخصت کاٹھی سے نکلنا نہ کبھی تا بہ قیامت
اب دشمنِ دیں حق کے مٹانے کو ٹلیں گے
جوہر ترے مہدیؑ کے زمانے میں کھلیں گے

۸۰

یہ کہتے تھے جو ٹوٹ پڑی فوج سب اِک بار بے رحموں کے نرغے میں گھرے سیدِ ابرار
جنگل کی وہ لُو پیاس میں تیروں کی وہ بوچھار مظلوم پہ چلنے لگی تلوار پہ تلوار
دم لینے کی مُہلت تھی نہ مغموم و حزیں کو
تھا شور کہ نیزوں پہ اُٹھا لو شہِ دیں کو

۸۱

مجروح تھا دل بھی سر و سینہ بھی جبیں بھی پوشاک بھی گلنار تھی سب دامنِ زیں بھی
بہہ بہہ کے جو گرتا تھا لہو تر تھی زمیں بھی غربت یہ برستی تھی کہ روتے تھے لعیں بھی
بڑھتا تھا کبھی ضعف کبھی زورِ عطش تھا
بچوں کی کبھی فکر کبھی عالمِ غش تھا ۸۲

حربوں سے یہ کہتے تھے کہ حاضر یہ گلا ہے اے تیر ترے گوشۂ دل میں مری جا ہے
تیغو یہ تمھارے ہی لئے خون بہا ہے اے گُرز جھکے سر پہ تو احسان ترا ہے
کیا لُطف سخاوت کی اگر دھوم نہ رہ جائے
پیاسے کے لہو سے کوئی محروم نہ رہ جائے ۸۳

یہ کہہ کے جو بے ہوش ہوئے دامنِ زیں پر تیورا کے گرے سیدِ ابرار زمیں پر
اس پر بھی کیا رحم نہ مظلوم و حزیں پر چلتے ہی رہے تیرِ ستم قبلۂ دیں پر
وقفہ کوئی دم شاہِ حجازی نے نہ پایا
سجدے میں بھی آرام نمازی نے نہ پایا ۸۴

لشکر سے بچے ذبح کئی اہلِ شر آئے دیکھا جو شہِ دیں کو تو منہ کو جگر آئے
دل ہل گئے تن کانپ گئے اشک بھر آئے سر پیٹتے بالیں پہ پیمبرؐ نظر آئے
کہتے ہیں کہ دو روز کے پیاسے کو نہ مارو
اے اُمتیو میرے نواسے کو نہ مارو ۸۵

پاس آکے جو روتے ہوئے پلٹے کئی اشرار حیران و مشوش ہوا تب حاکمِ مکّار
دل میں کہا ممکن نہیں قتلِ شہِ ابرار آخر تو مسلمان ہیں ظاہر میں یہ کفّار
افسوس کہ اے دل تجھے دولت نہ ملے گی
صد حیف کہ اب رے کی حکومت نہ ملے گی

۸۶

نکلا تھا تجارت کو کوئی مردِ نصارا اس دشت میں لے آئی اجل اُس کو قضارا
مقتل کے نظارے سے ہوا دل جو دو پارا روتا ہوا آیا سوئے فوجِ ستم آرا
خوش ہوگیا حاکم کہ یہ سر لائے گا بے شک
ترسا ہے مسلماں کو یہ ترسائے گا بے شک

۸۷

اُس کو پسرِ سعد نے دے کر طمعِ زر بھیجا پئے قتلِ پسر ساقیِ کوثر
وہ مردِ فرنگی جو چلا کھینچ کے خنجر مریمؑ سے کہا فاطمہؑ زہرا نے تڑپ کر
فرمایئے کیا آپ کی نیت میں ہے بی بی
سمجھا دو کہ عیسیٰؑ کی یہ اُمت میں ہے بی بی

۸۸

مریمؑ نے کہا ضبط کا یارا نہیں بی بی داغ آپ کے بچے کا گوارا نہیں بی بی
عیسیٰؑ بھی تو اس سے مجھے پیارا نہیں بی بی کیا کیجئے تقدیر سے چارا نہیں بی بی
اس غم سے فلک پر بھی نہ خواب آئے گا ہے ہے
عیسیٰؑ کو محمدؐ سے حجاب آئے گا ہے ہے

۸۹

یاں شہ کے قریب آگیا وہ مردِ نصاریٰ قسمت سے ہوا رشکِ مسیحا کا نظارا
صورت کو جو دیکھا تو کیا دل نے اشارا یہ تو کوئی مظلوم ہے اللہ کا پیارا
تسبیح کو بھولا نہیں گو رنج و قلق ہے
واللہ کہ وہ فرقۂ باطل ہے یہ حق ہے

۹۰

اللہ رے اس ہادیِ جمہور کا جلوہ نظروں سے گرا ہے ملک و حور کا جلوہ
پھرتا ہے نظر میں شجرِ طور کا جلوہ موسیٰؑ نے بھی دیکھا تھا اسی نور کا جلوہ
دل جس سے ہو روشن وہ تجلّی و ضیا ہے
عیسیٰؑ کی طرح بُرقعہ انساں میں خدا ہے

۹۱

حضرت نے کہا حد سے نہ بڑھ عقل سے لے کام عیسیٰؑ پہ فقط تھا کرمِ خالقِ علّام
بندے تھے کہ طاعت میں رہے وہ سحر و شام حیرت سے وہ بولا کہ یہ کیونکر ہوا الہام
کیا آپ کو سمجھوں میں یہی سوچ رہا تھا
۹۲ بندے نے خدا تو ابھی منہ سے نہ کہا تھا

حضرت نے کہا مجھ کو سمجھ بندۂ احقر یہ اُس کی عطا ہے جو کیا خلق کا رہبر
کی عرض کہ کیوں آپ کا دشمن ہے یہ لشکر فرمایا ہدایت کا یہ ثمرہ ہے برادر
پوچھا کہ لڑے ہو حشم و جاہ کی خاطر
۹۳ رو کر کہا حضرت نے کہ اللہ کی خاطر

کی عرض کہ مقتل میں ہے اِک لاشۂ نوشاہ رو کر کہا بھائی وہ بھتیجا تھا مِرا آہ
اُس نے کہا اِس وقت میں کیوں اُس کا کیا بیاہ فرمایا یہ شادی بھی تھی خوشنودیِ اللہ
بھائی کی وصیت کو ادا میں نے کیا تھا
۹۴ بچّی مِری بیوہ ہو یہ قسمت میں لکھا تھا

کی عرض کہ ایک شیر کا لاشہ ہے لبِ جو ہاتھوں کو کٹائے ہوئے سوتا ہے وہ مہرو
رو کر کہا اے بھائی وہ تھا قوتِ بازو سوتا ہے لبِ نہر مِرا زینتِ پہلو
ہر چند کہ سب فوج مِری چھوٹ گئی ہے
۹۵ پر بھائی کے مرنے سے کمر ٹوٹ گئی ہے

کی عرض کہ لاشوں میں ہے اِک گیسوؤں والا فرمایا وہی تھا مِری آنکھوں کا اُجالا
اٹھارہ برس تک اُسے آغوش میں پالا بابا کو دغا دے گئے جب ہوش سنبھالا
ناشاد و پُر ارمان مِرا ماہِ لقا تھا
اے بھائی ابھی بیاہ بھی اُس کا نہ ہوا تھا

۹۶

کی عرض میں خیمے کی طرف ہو کے جو آیا واں ایک ضعیفہ کو تڑپتا ہوا پایا
وہ خاک کے تودہ پہ جھکی اور یہ سُنایا اے قبر غضب کا مرے بچے کو ہلایا
اماں کی بھی پروا نہ رہی کیا کیا تُو نے
کیسا مرے معصوم کو بہلالیا تُو نے ۹۷

فرمایا کہوں کیا کوئی اس ظلم کی حد ہے وہ خاک کا تودہ مرے بچے کی لحد ہے
کی عرض کہ حضرت انہیں کیوں آپ سے گد ہے فرمایا شرارت ہے شقاوت ہے حسد ہے
اُس نے کہا لب خشک ہیں اور نہر قریں ہے
فرمایا کہ پانی مری قسمت میں نہیں ہے ۹۸

کی عرض کہ تم کون ہو فرمایا مسافر نام اُس نے جو پوچھا تو کہا صابر و شاکر
پوچھا جو نسب اُس نے کہا طاہر و باہر جد ہادیِ کونین پدر دین کے ناصر
پوچھا جو وطن شہ نے کہا اب تو یہیں ہے
پوچھا کوئی باقی ہے، کہا ایک حزیں ہے ۹۹

تب جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ نصارا حضرت مجھے نام اپنا بتا دیجے خدارا
فرمایا مٹا نام و نشاں آج ہمارا کی عرض میں دشمن نہیں شیدا ہوں تمھارا
فرمایا کہ ہاں ہم کو ترے دل کی خبر ہے
پہلے تری آنکھ اور تھی اب اور نظر ہے ۱۰۰

فرمایا کہ چمکا ہے ترا اخترِ تقدیر جاگی تری قسمت کہ ملی خواب کی تعبیر
کچھ یاد بھی ہے حضرتِ عیسیٰؑ کی وہ تقریر بخشے کا خدا آج تجھے خلد کی جاگیر
کی عرض پریشاں دلِ بیتاب تھا میرا
اے یوسفِ آفاق یہی خواب تھا میرا

۱۰۱

ماتھا مرا ٹھنکا ہے پریشان ہے حالت یہ آپ کی صورت یہ رسولوں کی کرامت
کیا چرخِ چہارم سے اُتر آئے ہو حضرت بولے کہاں عیسیٰؑ کہاں یہ رنج و مصیبت

کیا نام بتاؤں کہ غریبِ ازلی ہوں
۱۰۲ میں بیکس و مظلوم حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں

بولا کہ وہی نہ جنہیں سب کہتے ہیں شبیرؑ انجیل میں حضرت کا یہی نام ہے تحریر
فرمایا کہ ہاں ہاں وہی بیکس ہے یہ دلگیر آخر اُسی شبیرؑ کو صدموں نے کیا پیر

گلزارِ جوانی فلکِ پیر نے لوٹا
۱۰۳ شبیرؑ کا گھر فرقۂ بے پیر نے لوٹا

یہ سُن کے مسلماں ہوا اور مانگی اجازت کلمے ہی کے ہمراہ کیا ذکرِ شہادت
جاتا تھا جہنم کو ملی راہ میں جنّت سیدانیاں روئیں اُسے اللہ ری قسمت

جنت میں بھی صدمہ ہوا خاصانِ خدا کو
۱۰۴ پُرسا دیا مریمؑ نے بتولؑ غمزدا کو

تب شمرِ ستمگار نے کی بے ادبی ہائے حضرت نے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے
مانگا کبھی پانی کبھی تڑپے کبھی گھبرائے ڈیوڑھی پہ یہ کہتے ہوئے ناموسِ نبیؐ آئے

کیا رن میں ہَوا آج بُری چلتی ہے لوگو
۱۰۵ پردیسی مسافر پہ چھری چلتی ہے لوگو

لو حشر ہوا چرخ پہ چھائی ہے سیاہی ہلتی ہے زمیں جوش پہ ہے قہرِ الٰہی
کیوں خلق میں ظاہر ہوئے آثارِ تباہی دیتی ہے شفق شہ کی شہادت پہ گواہی

اُمت کو دُعا دے کے قضا کر گئے شبیرؑ
خاتونِ جناں لُٹ گئیں لو مر گئے شبیرؑ

۱۰۶

لو بارگہہِ احمدِؐ مختار کو لوٹا گھر بار کو غارت کیا دربار کو لوٹا
گھر پھونک دیا عترتِ اطہار کو لوٹا مظلوم کی اُجڑی ہوئی سرکار کو لوٹا

شہ مر گئے محبوسِ بلا ہو گئی زینبؑ
سر کھول دو محتاجِ ردا ہو گئی زینبؑ

۱۰۷

خاموش ہو اے بزمؔ بپا ہو گیا محشر اب شہ سے یہ کر عرض کہ اے دلبرِ حیدرؑ
بندے کو نہیں دعویِ مداحیِ سرور حضرت کا ثنا خواں ہے خدا اے شہِ صفدر

ذاکر ہی سمجھ کر مری امداد کو آؤ
کرتا ہوں میں فریاد مری داد کو آؤ

مرثیہ:۱۸

درحال حضرت حُر علیہ السلام

مطلع

چراغِ بزمِ وِلا کس ولی سے رَوشن ہے

تعدادِ بند: ۹۴

حیدرآباد دکن-- ۱۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ

۱

چراغِ بزمِ وِلا کس ولی سے روشن ہے بہارِ باغِ وفا کون رشکِ گلشن ہے
زمیں پہ بُرجِ شرف کس جری کا مدفن ہے جناں کی جس میں ہیں کلیاں وہ کس کا دامن ہے
یہ قدر اُس کو ملی ہے، جو شہؑ کا مہماں ہے
یہ پھول طُرۂ دستارِ باغِ رضواں ہے

۲

وفا کا آئینہ گویا حُرِ خوش آئیں تھا ہوائے باغِ نبیؐ تھی مزاج رنگیں تھا
سپاہِ کُفر سے نکلا کہ صاحبِ دیں تھا عجیب مردِ نکو کار و عاقبت بیں تھا
جناں کا شوق جو تھا وصلِ حور کی سوجھی
خیالِ قُربِ خُدا آیا دور کی سوجھی

۳

فقیر سے ہوا سُلطان واہ ری قسمت ملا نصیب سے ایمان واہ ری قسمت
امامؑ پر ہوا قُربان واہ ری قسمت کیا حسینؑ پہ احسان واہ ری قسمت
شریک شہؑ کے یگانوں میں مردِ غیر ہوا
نظر جو خیر پہ تھی خاتمہ بخیر ہوا

۴

سپاہِ کُفر میں رہنا جری بُرا سمجھا بھلا جو تھا تو بھلی بات کو بھلا سمجھا
عقیل تھا شہؑ والا کا مرتبہ سمجھا سمجھ پہ اُس کی ہزار آفریں ہے کیا سمجھا
جناں میں ساغرِ صہبائے مُشک ناب ملا
سقر سے ہوگیا آزاد حُر خطاب ملا

۵

جری تھا کثرتِ لشکر سے کُچھ نہ گھبرایا کمالِ شوق سے شبیرؑ کی طرف آیا
وہاں نہ قدر کچھ ایسی تھی اور نہ یہ پایا یہاں ہراولِ فوجِ خدا لقب پایا
وِلا میں فرد تھا لکھا گیا سعیدوں میں
بڑھی یہ قدر کہ اوّل رہا شہیدوں میں

۶

سُنی جو مشورۂ فوجِ پُر وغا کی خبر سمجھ گیا کہ یہ ہیں دشمنانِ پیغمبرؐ
متاع و مال کے لُٹنے کا بھی کیا نہ خطر بس ایک دم میں جری آ گیا اُدھر سے اِدھر

اگرچہ اور بہت عاشقِ خُدا دیکھے
مگر نہ ایسے کہیں صاحبِ وفا دیکھے

۷

اُبھارتا تھا جو گُلزارِ حیدریؑ کا خیال بدل گیا تھا کئی روز سے جری کا خیال
جناں کی دُھن میں نہ آتا تھا افسری کا خیال ذرا بھی اُس کو نہ تھا خلعتِ زری کا خیال

نہ مرتبہ کی ہوس تھی نہ جاہ و ثروت کی
جو فکر تھی تو فقط دولتِ شہادت کی

۸

جو سر پہ آئی تھی شامت وہ ٹل گئی اُس کی ذرا سی دیر میں نیت بدل گئی اُس کی
نظر نہ جانبِ قصر و محل گئی اُس کی مِلا حسینؑ سے تدبیر چل گئی اُس کی

پئے نشانِ خضر بخت ساتھ ساتھ آیا
سقر کی راہ میں باغِ بہشت ہاتھ آیا

۹

عجیب رنگِ وفا بختِ حُرؑ نے دکھلائے جہاں میں بوذر و سلماں کے مرتبے آئے
کہ پیشوائے جہاں پیشوائی کو آئے خود اُس کی لاش پہ زینبؑ نے بین فرمائے

ولائے شہؑ کے جو تھے ولولے طبیعت میں
سحر سقر میں ہوئی اور شام جنّت میں

۱۰

ہوا جہاں سے یکا یک جو مُشکِ شب کافور سپیدۂ سحری کا ہوا فلک پہ ظہور
زمیں تو کیا کہ زمانہ بنا تھا عالمِ نور ہر آشیانے سے آنے لگی صدائے طیور

چٹک کے وجد میں کلیاں جو شب مہکنے لگیں
ہوائے سرد چلی بُلبُلیں چہکنے لگیں

۱۱

نسیم صبح جو تھم تھم کے بار بار آئی ہر ایک غنچہ تازہ کھلا بہار آئی
وفورِ شوق میں کچھ اس طرح ہزار آئی پروں کو کھولے ہوئے سوئے شاخسار آئی
گلوں کے عشق کا دم بلبلیں جو بھرنے لگیں
تمام پھول ہنسے پتیاں بکھرنے لگیں ۱۲

ہوا چمن کا وفورِ بہار سے یہ حال ہر ایک شاخ تھی متوالی ہر شجر تھا نہال
ہوئے تھے فرطِ خوشی سے گلوں کے چہرے لال نسیمِ صبح بھی اٹکھیلیوں کی چلتی ہے چال
عجیب وقت تھا طائر جو چہچہاتے تھے
چٹک کے غنچہِ تر چٹکیاں بجاتے تھے ۱۳

روش وہ صاف وہ شفاف خوشنما کیاری زمینِ صاف پہ سبزہ کہیں وہ زنگاری
کسی روش پہ وہ مہندی کی ٹٹیاں پیاری وہ باغبانِ ازل کی چمن میں گلکاری
ہزار طرح کے جوبن وہ غنچہ و گل پر
وہ بوستاں کی حکایت زبانِ بلبل پر ۱۴

بہار دیتے تھے بوٹے وہ دامنِ گل کے پری کی طرح سے گیسو کھلے تھے سنبل کے
نظر کے کانٹے میں ہر پھول رہ گیا تل کے شگوفے بن گئیں کلیاں پروں میں بلبل کے
گلوں کے غنچوں میں قدرت کی رنگ رلیاں تھیں
نئی ہے بات کہ دامن نہیں تھے کلیاں تھیں ۱۵

صبا کے دوش پہ بوئے گل و پیادہ سوار وہ دامنِ چمنستاں میں پھولوں کی بھرمار
وہ بلبلوں کے ترانوں کا شور وہ چہکار وہ پھول پھول کے شاخوں پہ بیٹھنا ہر بار
طیورِ سبز خضرؑ سے سوا بنے گویا
تو لال طائرِ رنگِ حنا بنے گویا

۱۶

یہ باغ ہے چمنِ صنعِ ایزدِ غفار بغیر چشم کے کیا خوشنما ہیں گُل کے عُذار
بغیر پلکوں کے نرگس کی چشم پر ہے بہار دہن کہیں نہیں سوسن کا اور زبانیں ہزار

کہاں وفورِ ندامت سے سرو گڑتا ہے
بغیر چہرے کے قامت پہ کیا اکڑتا ہے ۱۷

بغیر عشق کے لالہ ہے داغ کھائے ہوئے بغیر شرم کے شاخیں ہیں سر جھکائے ہوئے
بغیر سینے کے جوبن ثمر ہیں پائے ہوئے بغیر گُدگُدی کے گُل ہیں کِھل کِھلائے ہوئے

بغیر پر کے حنا نے یہ رنگ اُڑایا ہے
بغیر نیند کے سبزہ کو خواب آیا ہے ۱۸

ہر ایک نخل پہ غُنچہ ہزار پھولوں کا گلے میں پہنا تھا ڈالی نے ہار پھولوں کا
نہ اُٹھ سکا جو نہالوں سے بار پھولوں کا بندھا ہے چوٹی سے تا بیخ تار پھولوں کا

زبان بند تھی غنچے ملول تھے گویا
ہر اِک چمن مین ہزاروں کے پھول تھے گویا ۱۹

عیاں تھی حُسنِ گُلستاں سے شانِ ربِّ غنی گلوں میں رنگِ حسینی نہالوں میں حسنی
پکارتا تھا مدن بان میں بھی ہوں مدنی بہت سے پھول یہ کہتے تھے ہم ہیں پنجتنی

یہ فخر کم ہے گُلِ نخلِ نسترن کے لئے
کہ پانچ پتیاں ہیں نذرِ پنجتنؑ کے لئے ۲۰

فلک تھا سبز قبا دلہرِ حسنؑ کے لئے شہانا لائی تھی گویا شفق دُلہن کے لئے
خدا کا حکم جو تھا زیبِ انجمن کے لئے شجر نے کھائے تھے گُل زینتِ چمن کے لئے

صبا کی سانس بھی پھولی تھی آنے جانے میں
ہوائے سرد تھی سرگرم گُل کھلانے میں

۲۱

ہر ایک رنگ کے تھے شہؑ کے باغ میں گُلِ تر حبیبؑ تھے گُلِ مہر اور گُلِ گلاب اکبرؑ
وہ جعفری تھے جو تھے زیبِ گلشنِ جعفرؑ حنا کا پھول تھا فرزندِ حضرتِ شبرؑ

جو پوچھو لالۂ پُر داغ کو تو سرورؑ تھے
شگوفۂ چمنِ بوترابؑ اصغرؑ تھے

۲۲

وہ نونہال کہ اصلِ اصولِ ایماں تھے جواں تو تھے گُلِ تازہ صغیر ریحاں تھے
جو پھول کھلنے نہ پائے تھے وہ بھی خنداں تھے وہ رشتہ ہائے محبت کے عشق پیچاں تھے

مگر جنابِ علمدار تھے گُلِ عباسؑ
بہارِ گلشنِ بے خار تھے گُلِ عباسؑ

۲۳

یہ بُلبلوں کے اشارے کہ جان پر کھیلیں تمام آفتیں دام و قفس کی بھی جھیلیں
ہر ایک پھول کو منقار میں مگر لے لیں معانقے میں درختوں سے تھیں اُدھر بیلیں

جُدا نہ ہوتا تھا پہلوئے گُل سے کانٹا بھی
زمینِ باغ سے لپٹا ہوا تھا سبزا بھی

۲۴

ہر اِک کلی جو نہ کھلنے سے ہو رہی تھی ملول پڑی تھی منہ کو لپیٹے بصورتِ مجہول
وہ گُلعذار جو تھے سیرِ باغ میں مشغول بڑھا کے ہاتھ دکھاتی تھیں اُن کو شاخیں پھول

اشارہ اس سے یہ تھا اِن کو بے خطر توڑو
قیامت آج تو بُلبُل کی جان پر توڑو

۲۵

تمام باغ زرِ گُل سے جو تھا مالا مال خوشی یہ تھی ہوا جاتا تھا برگ برگ نہال
پری کی طرح سے سُنبل تھی کھولے اپنے بال یہ وجد تھا کہ درختوں کو آ رہا تھا حال

ہر ایک پھول جو کھل کر بہار دیتا تھا
چمن بھی دیدۂ نرگس سے دیکھ لیتا تھا

۲۶

وہ نخل سب تروتازہ ہری بھری شاخیں نہال غیرتِ حورِ جناں پری شاخیں
بڑھا کے ہاتھ دکھاتی تھیں دلبری شاخیں ہوا سے کرتی تھیں کیا جنگِ زرگری شاخیں

چمن میں پھولوں کا بستر زمیں کے فرش پہ تھا
گلوں کی بو تھی ہوا پر دماغ عرش پہ تھا ۲۷

ہمارا ذہن ریاضِ سخن کا مالی ہے ہر ایک مصرعۂ رنگیں گلوں کی ڈالی ہے
نوائے بلبلِ خامہ نے دھوم ڈالی ہے ہر اِک کشش نے نئی شاخ یہ نکالی ہے

بہار آئے شگوفے کھلیں فضا آئے
جمے وہ رنگ کہ باغی کو بھی مزا آئے ۲۸

الف بھی گر کہیں لکھوں تو وہ بنے شمشاد مثالِ سرو مگر باغ سے نہ ہو آزاد
لگاؤں نقطے تو پھولوں سے باغ ہو آباد لکھوں جو بے تو وہ بیلے سے بھی حسیں ہو زیاد

ہر اِک شگوفۂ مضموں دلوں کو شاد کرے
بناؤں عین کو نرگس، کہ حُسن صاد کرے ۲۹

حروف پر زبر و زیر برگ و بار بنیں تمام مصرعۂ رنگیں گلوں کے ہار بنیں
ریاضِ نظم کے نقطے گُلِ سوار بنیں تمام دائرے خم ہو کے شاخسار بنیں

ہر ایک بیت میں آبادیاں ہوں شہر کی طرح
مگر پُر آب ہوں بین السطور نہر کی طرح ۳۰

حروف نخل ہوں مرغانِ باغ زیر و زبر لکھوں جو پیش تو گویا کلی ہو پیشِ نظر
انار دانے ہوں تشدید کی طرح سر پر دکھائے لالہ کی صورت سے جیم داغِ جگر

میانِ طیرِ مضامیں نئی گلیلیں ہوں
تمام جذموں کے غنچے، مدوں کی بیلیں ہوں

۳۱

غرورِ حُسن سے بے خود تھے شاہدانِ چمن زباں سے بات بھی کرتی نہ تھی کبھی سوسن
صبا کی چھیڑ سے سنبل کے دل میں وہ الجھن وہ ناز سے گل و بلبل میں قہر کی اَن بن

درخت میں جو کوئی تازہ پھول کِھلتا تھا
دماغ بوئے گُلِ تر کا پھر نہ ملتا تھا ۳۲

وہ صبحِ قتل کا جلوہ وہ شاہِ دیںؑ کی نماز قرأتِ مدَنی میں وہ حُسنِ صوتِ حجاز
ہر ایک مد کی پہنچتی تھی عرش پر آواز وہ بندگی میں خدا سے کلامِ رازو نیاز

نظر نیاز پہ دل طاعتِ اِلٰہ پہ تھا
نماز عرش پہ تھی فرق سجدہ گاہ پہ تھا ۳۳

امامؑ وقت کے پیرو تھے مقتدی سارے یہ ماہتابِ عرب تھے وہ مہ جبیں تارے
خدا کے عاشقِ صادق رسولؐ کے پیارے حسینؑ مصحفِ ناطق تھے اور وہ سی پارے

دوگانہ یوں پئے خوشنودیِ وُدود پڑھا
کہ خود صلواۃ میں صلوات نے دُرود پڑھا ۳۴

ابھی تھے زینتِ سجادہ سیدِ ابرارؑ کہ یک بیک ہوئی حضرت پہ تیروں کی بوچھار
یہ حال دیکھ کے جھگڑا اُدھر حُرِ دیں دار کہا غلام سے مُڑ کر کہ لا مرا رہوار

فساد و شر پہ سپاہِ لعیں رجوع ہوئی
ستم ہوا شہؑ دیں پر جفا شروع ہوئی ۳۵

کہا یہ بڑھ کے برادر نے ہاں یہ قہر ہوا بُھلائی قدرِ امامِ زماںؑ یہ قہر ہوا
عدوئے شاہ ہوا اِک جہاں یہ قہر ہوا نماز میں بھی جفا کی کہاں یہ قہر ہوا

عبث ہے تیروں کی بوچھار بے خطا کے لئے
اب آپ چل کے اُنہیں روکئے خدا کے لئے

۳۶

پسر نے بڑھ کے کہا روکنے کی خوب کہی قیامت آئی جو اب بھی نہ خوں کی نہر بہی
خدا گواہ کہ جینے کی آرزو نہ رہی حسینؑ جب نہ رہے اپنی جان بھی نہ سہی
کسی سے لشکرِ شر میں نہ کچھ کلام کرو
۳۷ حُسامیں کھینچ کے اِک بار قتلِ عام کرو

غلام نے کہا بندے کی بھی یہی ہے رائے سزا وہ دیجے کہ لشکر میں کھلبلی پڑ جائے
جھپٹ کے جان سے ماروا سے جو سامنے آئے خطا شعاروں نے سبطِ نبیؐ کو تیر لگائے
کرو وہ جنگ کہ لشکر تمام ہوجائے
۳۸ کوئی بچے تو وہ سرکش غلام ہو جائے

کہا یہ حرؑ نے کہ شاباش عہدِ خوش انجام ہمارے سامنے کیا مال ہے یہ لشکرِ شام
پر اِس خیال سے بیتاب ہے دلِ ناکام جہاد ہو نہیں سکتا بغیر حکمِ امامؑ
وہاں سے جا کے پھر آئیں تو سر اُتاریں گے
۳۹ امامِؑ دیں سے رضا لے کے اِن کو ماریں گے

چمک کے بولا برادر کہ ہاں اُدھر چلئے کہا پسر نے کہ لِلّٰہ اے پدر چلئے
غلام بولا کہ صدقے میں آپ پر چلئے کہا یہ دل نے کہ گھر بار چھوڑ کر چلئے
گدائے بادشہِؑ آسماں سریر ہو تُو
۴۰ جو حُر ہے نام تو آزاد ہو فقیر ہو تُو

عمر کو خفیہ نویسوں نے جا کے دی یہ خبر بگڑ گیا حُرِ غازی بپا ہوا محشر
وہ خوش نہیں ہے کہ برسائیں تیر سیّد پر یہ خوف ہے کہ وہ جرار مل نہ جائے اُدھر
یہ حکم دے کہ کوئی اب نہ نام لے اُس کا
کہیں تمام رسالہ نہ ساتھ دے اُس کا

۴۱

خبر یہ عُن کے وہ ناری جو سخت گھبرایا کسی کو بھیج کے حُرِ جری کو بلوایا
جگر لرز گیا جب اُس کو غیظ میں پایا کہا یہ کیا کہ طلب پر بھی دیر میں آیا
یہ ہے جدال کا دن روزِ قیل و قال نہیں
تجھے اطاعتِ حاکم کا کچھ خیال نہیں ۴۲

پکارا حُر ترا حاکم ہے بانیٔ بدعت فجور و فسق سے میلان زہد سے نفرت
ترے امیر پہ تُف ذوف تجھ پہ بے غیرت اطاعت اُس کی کروں جو ہو مفرض الطّاعت
جو پھر کہے گا تو دل پر ملال آئے گا
یہ خواب میں بھی نہ ہرگز خیال آئے گا ۴۳

کہا شقی نے کہ اچھا نہ ہوگا اس کا تال کہ ہو امیر کا دشمن تو اُس کا خوں ہے حلال
پکارا حُر کہ زباں کو سنبھال او دلّال نگاہِ بد سے ہمیں دیکھے ہے کسی کی مجال
تمام فوج کو اُس کی ابھی تمام کروں
ترے امیر پہ خواب و خورش حرام کروں ۴۴

کہا کہ دیکھ نہ عُن پائے ابنِ مرجانا پکارا حُر کہ مناسب ہے اُس کا مر جانا
کہا منگا دوں کسی سلطنت کا پروانا پکارا حُر کہ میں ہوں شمعِ دیں کا پروانہ
کہا عُمر نے کہ اے حُر خطاب لینا ہے
پکارا شیر کہ ہاں حُر خطاب لینا ہے ۴۵

کہا عُمر نے کہ یہ ظلم و قہر وقتِ جدال پکارا حُر کہ گریباں میں اپنے منہ کو ڈال
کہا جواب وہ کیا دے کہ جو نہ سمجھے سوال پکارا حُر کہ بری بات سمجھیں کیا جہّال
کہا عمر نے کہ اے حُر قیامت آئے گی
پکارا حُرِ جری تیری شامت آئے گی

۴۶

کہا عمر نے کہ ہے نوکری پئے خدمت پکارا حُر کے ترے روزگار پر لعنت
کہا عمر نے کہ ہاتھوں سے کھوئے گا دولت پکارا حُر مجھے لینا ہے گلشنِ جنت
کہا عمر نے کہ مشہور نفس کُش ہوگا
۴۷ پکارا حُر مِرا پروردگار خوش ہوگا

کہا عمر نے کہ اے حُر رسالہ دار ہے تُو کہا کہ چھوڑ دیا ننگِ روزگار ہے تُو
کہا عمر نے نہ غافل ہو ہوشیار ہے تو کہا یہ حُر نے کہ بےخود ہے بادہ خوارہ ہے تُو
کہا عمر نے کہ دیکھ اِس قدر نہ جوش میں آ
۴۸ پکارا حُر کہ ارے نابکار ہوش میں آ

کہا عمر نے کہ ناحق ملال کرتا ہے پکارا حُر کہ عبث قیل و قال کرتا ہے
وہ بولا کچھ نہیں میرا خیال کرتا ہے کہا حسینؑ سے کیوں تو جدال کرتا ہے
کہا عمر نے ابھی تجھ کو قید کرتا ہوں
۴۹ پکارا شیر کہ میں تجھ کو صید کرتا ہوں

یہ کہہ کے میان سے حُر نے جو کھینچ لی تلوار سناں کو تان کے بھائی بھی ہوگیا تیار
کمان لے کے بڑھا دلبرِ حُرِ دیں دار غلام گُرز لئے سر پہ آگیا اِک بار
قریب تھا تبر و تیر بار بار چلیں
۵۰ اگر نہ بھاگ کھڑا ہو تو چار وار چلیں

بھرا تھا شامیوں سے ابنِ سعد کا دربار مقابل آ نہ سکا ڈر سے ایک بھی مکّار
مگر خوشامدیں کرنے لگے وہ سب اِک بار تب اپنے خیمے کو واپس گیا حُرِ دیں دار
فرس پہ چڑھ کے جری صورتِ نسیم چلا
سقر سے وہ طرفِ گلشنِ نعیم چلا

۵۱

شقی کے حکم سے بدخواہ روکنے آئے عدوئے سرورؑ ذی جاہ روکنے آئے
بگڑ کے شیر کو روباہ روکنے آئے رُکا نہ خضر بہت راہ روکنے آئے

سوادِ شام سے غازی دمِ سحر نکلا
ستارے ساتھ لئے ابر سے قمر نکلا ۵۲

امامِ دیں نے جو آتے ہوئے اِدھر دیکھا مآل سوچ کے رونے لگے شہؑ والا
حبیبؑ خاص کو پھر پیشوائی کو بھیجا گئے جو ابنِ مظاہرؓ تو حُر نے رو کے کہا

حضوریِ شہؑ دیں کا امیدوار ہوں میں
خطا کی وجہ سے محجوب و شرمسار ہوں میں ۵۳

پکارے ابنِ مظاہرؓ کہ تو نہیں معتوب یہ وسوسہ ہے فقط اے حبیبؑ کے محبوب
بدی کا دھیان رکھیں شاہِؑ انس و جاں کیا خوب وہ آج حلم میں حیدرؑ ہیں صبر میں ایوبؑ

جہاں میں آلؑ کا رُتبہ رفیع ہے اے حُر
کہ اُن کے عفو کا دامن وسیع ہے اے حُر ۵۴

ذرا حضورِ شہنشاہِ دو جہاں چل تو تجھے خیال ہے کیا میں ہوں درمیاں چل تو
ضرور پائے گا تُو گلشنِ جناں چل تو ابھی ابھی تجھے کُھل جائے گا وہاں چل تو

تمام خَلق کے عقدے وہیں تو کھلتے ہیں
بغیر آب جہاں کے گناہ دُھلتے ہیں ۵۵

یہ سُن کے روبروئے شاہِؑ نامدار آیا پسر سے ہاتھوں کو بندھوا کے شرمسار آیا
حضورِ رحمتِ داور گناہگار آیا یہ شان دیکھ کے شاہِؑ ہُدا کو پیار آیا

سخی نے تازہ مسلماں کے ہاتھ کھول دئے
خود اپنے ہاتھ سے مہماں کے ہاتھ کھول دئے

۵۶

خطا معاف ہوئی جب تو یہ کہا پہلے قدم پہ کیجئے فدوی ہی کو فدا پہلے
امامؑ پاک کے لشکر میں میں نہ تھا پہلے تو ہو مجھی سے شہادت کی ابتدا پہلے

فسانہ خلق میں یہ تا دمِ حساب رہے
۵۷ ہراولِ شہؑ والا مرا خطاب رہے

امامؑ پاک سے بولے یہ اکبرؑ ذی جاہ کہ یہ غلام ہے ہم صورتِ رسولؐ الٰہ
کسی کو مجھ پہ تقدم روا نہیں یا شاہؑ علاوہ اس کے کہیں گے تمام یہ بد خواہ

امامؑ دیں نے نہ الفت کا کچھ نباہ کیا
۵۸ پسر بچالیا غیروں کا گھر تباہ کیا

یہ سُن کے حضرتِ عباسؑ نے کیا یہ کلام حضور آپؑ کے لشکر کا پیش رو ہے غلام
پکاری خواہرِ سرورؑ کہ دونوں گل اندام علم کے اصل میں حقدار ہم تھے شاہؑ انام

ہمیں یہ خدمتِ جد کا صلا ملے اوّل
۵۹ گِلا علم کا نہیں پر رضا ملے اوّل

یہ بات سُن کے پکارا حسنؑ کا غیرتِ ماہ مرے پدر کو تقدم ہے آپ پر واللہ
اُنہیں کا لال بھی اوّل شہید ہو یا شاہؑ یہ میرا حق ہے سمجھتے ہیں شاہِ حق آگاہ

فدا ہوں فوجِ شہؑ کائنات کے آگے
۶۰ ہمیشہ رہتا ہے دولھا برات کے آگے

پکارے دلبرِ مسلمؑ کہ یا امامؑ سعید کہ سب سے پہلے ہوئے ہیں ہمارے باپ شہید
ہوئے حضور پہ قرباں قریبِ روزِ عید ہراولی ہمیں حضرت جو دیں تو کیا ہے بعید

مجاہدوں میں کسی کا یہ حق نہیں مولاؑ
زیادہ ہم سے کوئی مستحق نہیں مولاؑ

۶۱

حبیب نے یہ کہا سب سے ہے مُسن یہ غلام رسولِ پاک کی خدمت میں میں رہا ہوں مدام
قدیم کو نہ تقدم ہو یا امامِ انام جوان قتل ہوں اور پیر کچھ نہ آئے کام
سوائے مرگ مجھے اور آرزو کیا ہے
۶۲ جھکا ہوں بہرِ اجل اور جستجو کیا ہے

کہا یہ حُر نے کہ لازم ہے دعوتِ مہماں مجھی کو جامِ شہادت عطا ہو شاہِؑ زماں
ہلا کے سر شہِؑ دلگیر نے کہاں ہاں ہاں ہوا ہے تیری ضیافت کا خُلد میں ساماں
تری جدائی پیمبرؐ کو شاق ہے بھائی
۶۳ ولیِ رب کو ترا اشتیاق ہے بھائی

تو میہمان ہے تازہ تو مرتبہ ہے جلیل مگر ہے کُلّ جدید لذیذ اس پہ دلیل
کہے تو بہرِ ضیافت منگاؤں خوانِ خلیل ابھی بہشت سے لے آئیں مائدہ جبریل
فرشتے سب مرے کہنے کی راہ تکتے ہیں
۶۴ اگرچہ پیاس سے بچّے مرے پھڑکتے ہیں

کہا یہ حُر نے کہ سب کچھ ہے حکم میں یا شاہؑ مگر طعام کی خواہش نہیں مجھے واللہ
کیا حضور کی حالت نے میرا حال تباہ فقط ہے ساغرِ کوثر کی میرے دل کو چاہ
جہاں کا میوہ و نعمت میں کچھ نہیں لیتا
۶۵ سوائے جامِ شہادت میں کچھ نہیں لیتا

پکارے شاہؑ نہ کر ہم کو منفعل اے حُر ذرا ٹھہر کہ ٹھہر جائے میرا دل اے حُر
تکانِ راہ سے تُو بھی ہے مضمحل اے حُر جناں کو جائیو پہلے گلے تو مل اے حُر
یہ سُن کے حُرِ جری ہم کنار ہو کے چلا
سلام کر کے فرس پر سوار ہو کے چلا

۶۶

وغا کے واسطے جب حُرِ نامدار آیا ہوا یہ شور کہ حضرتؑ کا جاں نثار آیا
ہراولِ شہِؑ دیں بہرِ کارزار آیا معاونِ پسرِ شیرِ کردگار آگیا
تمام فرقۂ روباہ تھرتھرانے لگا
۶۷ یہ جھومنے لگا رہوار ہنہنانے لگا

ندا یہ دی کہ شہِ دیں پہ تیر اب برساؤ رضا جہاد کی لے آیا اب تو سامنے آؤ
کدھر ہے وہ پسرِ سعد یاں اُسے بلواؤ کہاں ہے شمرِ ستمگر ذرا مجھے تو بتاؤ
برائے عذر سوئے شاہِ بحر و بر لے جاؤں
۶۸ نہ آئے راہ پہ تو سر اُتار کر لے جاؤں

کہو عمر سے کہ شیروں کا ڈھنگ دیکھ تو لے جمایا کھیت میں کس طرح رنگ دیکھ تو لے
غلامِ شاہِ زمن کی اُمنگ دیکھ تو لے ذرا نکل کے دلیروں کی جنگ دیکھ تو لے
مقابل آئے شقی لطف کیا ہے پردے میں
۶۹ زنوں کی طرح وہ بدظن چھپا ہے پردے میں

اُدھر سے جب نہ کسی بات کا جواب آیا پھر اب خطاب کا کیا لطف تھا عتاب آیا
جری جو کھینچ کے شمشیرِ برق تاب آیا قیامت آگئی حشر آگیا عذاب آیا
بدل گئی سپہِ بد نہاد کی صورت
۷۰ ہوا لگی تو اُڑے قومِ عاد کی صورت

سروں پہ مثلِ بلا بار بار تیغ آئی ہوئی یہ فوج میں ہر سُو پکار تیغ آئی
جھپٹ کے جس پہ دمِ کارزار تیغ آئی پکاری موت سنبھل نابکار تیغ آئی
ارے کہیں ترا غصہ فرو نہ ہوجائے
ابھی تو ایک ہے بد ذات دو نہ ہوجائے

۷۱

پسند گرچہ ہراول کی حرب کا ہے بیاں زبانِ تیغ کے جوہر بھی ہو رہے ہیں عیاں
مگر وہ نعرۂ تحسیں کا غُل وہ بات کہاں ہو ذکرِ بادہ بھی مجلس میں تب بندھے گا سماں

بغیر اِس کے توجہ کوئی نہیں کرتا
جو ساقی نامہ نہ سُن لیں تو جی نہیں بھرتا ۷۲

یہ رنگ ہے تو چلے مے کا دور ہاں ساقی رہے جہاں میں ترا فیضِ جاوداں ساقی
جمی رہے تہہِ گردوں تری دُکاں ساقی ملے وہ چیز کہ کچھ کام دے زباں ساقی

مجھے مُرقّعِ میدانِ جنگ لکھنا ہے
قلم کو حُر کی لڑائی کا رنگ لکھنا ہے ۷۳

نیا ہوں میں کوئی مے کش نہ تو نیا ساقی بہ چشمِ غور مجھے دیکھتا ہے کیا ساقی
لبوں پہ دم ہے کوئی جام بھر کے لا ساقی یہ دیر دار ہے کیسی ارے پلا ساقی

سوائے مے کوئی اب تذکرہ نہ اور چلے
اُدھر کو تیغ کھنچی ہے اِدھر کو دور چلے ۷۴

مگر شراب وہ کیسی ہو اس کی بھی ہے خبر کہ جس کے پینے کو فرما گئے ہیں پیغمبرؐ
جواب بھی تو نہیں سمجھا تو کہہ ہی دوں کھل کر غدیرِ خُم میں اُڑائی گئی جو بے ساغر

اُسی کا دل کو مزا ہے زباں کو چسکا ہے
جو وہ نہیں ترے بس کی تو اپنی توبہ ہے ۷۵

غلامِ ساقیِ کوثر ہوں کیا مجھے پروا یہ جانتا ہوں بر آئے گا مدعا میرا
سنا نہیں کہ سخی ہیں بہت مرے مولاؑ بس اُن سے مانگنے کی دیر ہے فقط بخدا

وہ مے کہ جس کا نہیں ہے نذیر دے دیں گے
فقیر کو تو جنابِ امیرؑ دے دیں گے

۷۶

جھکی ہوئی صفتِ شاخِ میوہ دار آئی گلے میں اپنے سجائے گلوں کا ہار آئی
جدھر جھپٹ کے وہ شمشیر شعلہ بار آئی جراحتوں کا چمن کھل گیا بہار آئی

نہ پھول تھے سپروں کے نہ پھل سنانوں کے
تمام فوج کو لالے پڑے تھے جانوں کے

۷۷

ابھی برنگِ شجر ہاتھ کو قلم کردے پھلیں نہ پھول وہ سیفی سپر پہ دم کردے
مثالِ شاخِ کماں ناوکوں کو خم کردے تمام کھیت کو یہ گلشنِ اِرم کردے

عیاں ہو غنچۂ پیکاں سے شکلِ ریحاں کی
ہر اِک کمند بنے بیل عشقِ پیچاں کی

۷۸

ادھر زمین پہ بستر سپر کے پھولوں کا اُدھر فلک پہ گماں نیلوفر کے پھولوں کا
وہ ڈھیر کھیت میں زخمِ جگر کے پھولوں کا سقر میں رنگ جما فوجِ شر کے پھولوں کا

چمن جو باغیوں کی زیست کے اُجڑتے تھے
زبانِ تیغ سے جوں شمع پھول جڑتے تھے

۷۹

اِدھر بھی ساقیِ گل رو کہ رند ہیں پیاسے شراب کھینچ لے انگور زخمِ اعدا سے
کھڑے ہیں پھولوں کی صورت لئے ہوئے کاسے لگا نہ دیر پری وش اُنڈیل مینا سے

ہوائے جامِ مئے خوشگوار آئی ہے
ریاضِ جنگ میں فصلِ بہار آئی ہے

۸۰

صریرِ کلک سے پیدا ہو بانسلی کی صدا میانِ شام پہنچ جائے کھلبلی کی صدا
فلک پہ روحِ امیں دیں سینجلی کی صدا ہر ایک وار میں آئے علیؑ علیؑ کی صدا

فزوں ہو ہمتِ عالی، علیؑ شتاب آئیں
جنابِ حرؑ کی مدد کو ابوترابؑ آئیں

۸۱

حُسامِ حُرِّ جری، وہ چلی چمکتی ہوئی زباں سے خون، نگہ سے ادا ٹپکتی ہوئی
وہ شوخ آنکھ، وہ پتلی کمر لچکتی ہوئی نظر کسی کی طرف، اور کسی کو تکتی ہوئی

ہر اِک کو نیچی نگاہوں سے دیکھ بھال لیا
نگاہ ملتے ہی پہلو سے دل نکال لیا ۸۲

جو تھا ہوا پہ اُسے خاک میں ملا کے چلی جو شعلہ خو تھا اُسی کا یہ دل جلا کے چلی
دم اُس کودے کے لہو پی کے گوشت کھا کے چلی سنگھار کر کے، نہا دھو کے، مسکرا کے چلی

جگر اُچھلنے لگے دل مزے اُٹھانے لگے
ہنسی وہ شوخ کہ سب زخم کھل کھلانے لگے ۸۳

ہر اِک لعیں کا لہو اُس نے جی لگا کے پیا جگر کو کھا کے پیا ہڈیاں چبا کے پیا
پیا تو خون مگر موت کو پلا کے پیا عطش جو زور پہ تھی خوب ڈگڈگا کے پیا

نہ سر ہلائے کہ قاتل کے بس میں تھے خونخوار
لہو کے گھونٹ پیے اور چُپ رہے خونخوار ۸۴

تھمے نہ کھیت میں آخر شریر بھاگ گئے کمانیں چھوڑ کے مانندِ تیر بھاگ گئے
اُٹھے جو پاؤں صغیر و کبیر بھاگ گئے جواں تو کیا تھے جوانوں کے پیر بھاگ گئے

جو منچلے تھے وہی سب سے آگے جاتے تھے
یہ گھیرتا تھا اُنہیں اور وہ بھاگے جاتے تھے ۸۵

یہ تیغ سے تو برادر سناں سے لڑتا تھا پسر کماں لئے فوجِ گراں سے لڑتا تھا
غلام لے کے تبر ہر جواں سے لڑتا تھا وہ مر کے گرتا تھا جس پہلواں سے لڑتا تھا

وغا سے بھائی پہ ظلمِ سیاہِ شام ہوا
حُسامیں چل گئیں بسمل ہوا تمام ہوا

۸۶

پسر پہ چل گیا نیزہ غلام پر تلوار جگر کو تھام کے رونے لگا حُرِ دیں دار
ذرا ٹھہر جو گیا ناصرِ شہِ ابرار چہار سمت سے تیروں کی ہوگئی بوچھار
تمام چھن گیا پیکر فگار آنکھیں ہوئیں
۸۷ جناں کی دید کو گویا ہزار آنکھیں ہوئیں

لگا جو تیر دہن پر لہو اُگلنے لگا ہوئی یہ پیاس کی شدت کہ قلب جلنے لگا
ہوا یہ ضعف کہ جھکنے لگا سنبھلنے لگا زمیں پہ گرتے ہی منکا جری کا ڈھلنے لگا
پکارا شہؑ کا ہوا خواہ آیئے مولاؑ
۸۸ اَخیر وقت ہے لِلّٰہ آئے مولاؑ

یہ سُن کے رن کی طرف شاہِ دلفگار چلے جلو میں حضرتِ عباسؑ نامدار چلے
عزیزِ شاہؑ بھی ہمراہ اشکبار چلے کچھ ایک دو نہیں سب شہؑ کے جانثار چلے
جری کی لاش پہ فوج آئی جان کھونے کو
۸۹ گیا نہ لاشۂ سرورؑ پہ کوئی رونے کو

قریبِ لاش جو پہنچے امامؑ ہر دوسرا تو اپنے زانو پہ حُرِ جری کا سر رکھا
گلے سے اُس کے رواں تھا جو خون کا دریا تو اپنے ہاتھ سے رومالِ فاطمہ باندھا
ندا یہ دی کہ ابھی سے سدھارا جنت کو
۹۰ حسینؑ آیا ہے اے حُر تری زیارت کو

تُو تشنہ لب ہی مرے گھر سے چل دیا ہے ہے غریب تیری ضیافت نہ کر سکا ہے ہے
دمِ اَخیر بھی منہ سے نہ کچھ کہا ہے ہے کہاں ملے گا اب اے حُرِ باوفا ہے ہے
شہید ہو گیا ہے یا کہ بے حواس ہے تُو
نبیؐ کے پاس ہے تُو یا علیؑ کے پاس ہے تُو

۹۱

یہی ہے غم کہ ضیافت نہ کر سکا ناچار گلہ نہ کیجو پیمبرؐ سے اے حُرِ دیں دار
یہ اُن کے غش سے جو چونکا وہ صفدرو جرار تو دیکھا بیٹھے ہیں بالیں پہ سیدِ ابرارؑ

کہا کہ مجھ سے ہوئے شاہِ کربلا راضی
حسینؑ بولے میں راضی مرا خدا راضی

۹۲

یہ حرف سُنتے ہی جرار شادی مرگ ہوا جری کی لاش پہ روئی تمام فوجِ خدا
حسنؑ کے واسطے جس طرح روئے تھے مولاؑ اسی طرح سے اُسے روئے سید الشہدا

حرم میں لاش جو آئی شرف کے حال کھلے
عزائے حرؑ میں نبیؐ زادیوں کے بال کھلے

۹۳

مِلا حسینؑ کی نصرت سے اُس کو خُلد میں چین بہن کی طرح کئے دُخترِ بتولؑ نے بین
زہے عنایت و الطافِ سرورِ کونین کہ آج تک اُسے روتے ہیں عاشقانِ حسینؑ

ثنائے حُرِ جری سب مدام کرتے ہیں
امامِ عصرؑ خود اُس کو سلام کرتے ہیں

۹۴

تمام بزم ہے بیتاب بس خموش اے بزمؔ علیؑ کے شیعوں کو ہیں رقتوں کے جوش اے بزمؔ
ترے کلام نے کھوئے ہیں سب کے ہوش اے بزمؔ صدا یہ دیتا ہے پیہم تجھے سروش اے بزمؔ

جلال و اوج میں ہم شانِ خور ہوا تُو بھی
ثنائے حرؑ جو لکھی آج حُر ہوا تُو بھی

مرثیہ:۱۹

روایت: خورشید بانو نصرانیہ

مطلع

فرماں روائے کشورِ مدح وثنا ہوں میں

پہلا حصہ: ۵۱

دوسرا حصہ: ۷۶

تعداد بند: ۱۲۷

۱

فرماں روائے کشورِ مدح و ثنا ہوں میں ہاں عندلیبِ گلشنِ بزمِ عزا ہوں میں
چرخِ سخن پہ عیسیٰ معجز نما ہوں میں گل چینِ بوستانِ کتابِ خدا ہوں میں
سب دنگ ہوں وہ مدحِ شہِ انس و جاں کروں
وحیٔ خدا زبانِ قلم سے بیاں کروں

۲

تسبیح انبیاء ہے، رسولِ زمن کی مدح مشکل کشائے خلق ہے خیبر شکن کی مدح
احسن ہے ہر عمل سے حسینؑ و حسنؑ کی مدح ہے خمسۂ بیاضِ شرف پنجتن کی مدح
عابد وہ ہیں جو ان کے تولاً میں صرف ہیں
معبود میں بھی نام خدا پانچ حرف ہیں

۳

آباد اِن گلوں سے ہے یوں گلشنِ جہاں جیسے اصولِ شرع سے ایماں کا بوستاں
جب تک یہ پھول پردۂ قدرت میں تھے نہاں ظاہر ہے شش جہت کا مسدس نہ تھا عیاں
روشن انہی کے نور سے دونوں جہاں ہوئے
ان پانچ سے یہ چار عناصر عیاں ہوئے

۴

منظور تھی جو پنجتن پاک کی ثنا خالق نے شش جہت کا مسدس رقم کیا
کیا ان کے آگے پنجۂ خورشید کی ضیا پانچوں ہیں پنج شاخۂ انوارِ کبریا
جز پنجتن یہ قرب کسی کو ملا نہیں
نقطوں کی طرح رب غنی سے جدا نہیں

۵

یہ مہ جبیں سب ایک ہیں یوں آب و تاب میں جس طرح پانچ حرف ہیں اک آفتاب میں
یہ مستحقِ خُمس ہیں حق کی جناب میں آیا ہے ان کا ذکر خدا کی کتاب میں
ایماں کے حرف کہتے ہیں اپنی زبان میں
اسلام پنجتن سے ہے باقی جہان میں

۶

سیارِ آسماں سے بھی ثابت ہوا یہ حال جلّادِ چرخ اور زُحل نحس ہیں کمال
باقی رہے جو پانچ وہی ہیں نکو خصال سمجھو حدیثِ حضرتِ محبوبِ ذوالجلال
قائل ہو اک عقیل بھی بے قال و قیل ہے
اصحابی کالنجوم کی روشن دلیل ہے

۷

فرما گئے ہیں خود یہ رسولِ فلک جناب میں آفتابِ شرح ہوں حیدر ہیں ماہتاب
زہرہ ہے میری فاطمہؑ سن لیں یہ شیخ و شاب گویا کہ فرقدین ہیں فرزند بو تراب
کیونکر نہ ان کا نور ہو دونوں جہان میں
پانچوں یہ نجم فرد ہیں ہفت سمان میں

۸

حور و ملک ہیں تابعِ فرمانِ پنجتن عرشِ بریں ہے زینۂ ایوان پنجتن
ظلِ خدا ہے سایۂ دامانِ پنجتن مختارِ شش جہت میں غلامانِ پنجتن
بخشے تھے یہ شرف جنھیں ربِ قدیر نے
کیا کیا اُنہیں تباہ کیا چرخِ پیر نے

۹

وہ سنگ اور وہ گوہر دندانِ مصطفیٰ وہ رنج و غم وہ دخترِ محبوبِ کبریا
وہ تیغ ظلم اور وہ سرِ شاہِ لافتا وہ زہرا اور وہ لختِ دلِ اشرف النساء
دم بھر ملا نہ چین مصیبت نصیب کو
پیاسا کیا شہید حسینؑ غریب کو

۱۰

جب آسماں پہ صبح شہادت عیاں ہوئی عالم میں انقلاب کی صورت عیاں ہوئی
پھولی شفق تو خون کی رنگت عیاں ہوئی تاروں کے ڈوبتے ہے قیامت عیاں ہوئی
چھپنے کو تھا جو چاند رسالت مآب کا
صدمہ سے رنگ زرد ہوا آفتاب کا

۱۱

روئی تھی فرط رنج سے شبنم جو زار زار نہوڑائے سرخموش تھے گلشن میں برگ و بار
بلبل کے دل میں صدمہ جانکاہ تھے ہزار گل کا وفورِ غم سے گریباں تھا تار تار

گلشن بنا تھا باغ ہر اک گل کے واسطے
کلیاں پروں کی خار تھیں بلبل کے ۱۲

خیمہ میں تھا یہ غل سہ والا نہ جایئے تھا بیٹیوں میں شور کہ بابا نہ جایئے
بہنیں یہ کہہ رہی تھیں کہ بھیا نہ جایئے بانو پکارتی تھی کہ آقا نہ جایئے

اعدا سے تھے جہاد پہ حضرت تلے ہوئے
بیووں کے بال تھے غمِ شہ میں کھلے ہوئے ۱۳

سمجھا کے سب کو گھر سے برآمد ہوئے جناب خیمہ سے نکلے آپ کہ مشرق سے آفتاب
یوں باہر آئے ڈیوڑھی سے بابا دیدۂ پُرآب جس طرح روز قتل محل سے ابو تراب

یوں نکلے شاہِ ہر دوسرا بار گاہ سے
جس طرح آہ قلب رسالت پناہ سے ۱۴

نکلے خرم سرا سے جو سلطانِ نامدار دیکھا کہ چپ کھڑا ہے پیمبر کا راہوار
دامن کمر میں رکھ کے شہِ دیں ہوئے سوار رویا ھکا کے سر کو جو توسن بحالِ زار

گردن کے خم سے اور ہی عالم نظر پڑا
گویا ہلالِ ماہِ مُحرّم نظر پڑا ۱۵

اللہ رے رعب آمدِ شاہِ ملک خِصال تھا بنے ہوئے ہے دست کے دامن کو خود جہال
سبزہ نہ تھا زمین کے تن پر کھڑے تھے بال چھپنے کو سوئے چرخ چلا عرصہ قتال

گردوں پہ رعب سرور کنواں جناب سے
جو ہر اُڑے تھے آئینہ آفتاب سے

۱۶

دریا تھا بیقرار تو چکر میں تھے بھنور اشکِ غمِ حسینؑ بنا تھا ہر اک گہر
مَنکا ڈہلا تھا موج کا یوں سن کے یہ خبر جس طرح دن کے سانچے میں ڈھلتی ہے دوپہر
گردوں بڑا تھا نذر کا سامان کئے ہوئے
ساتوں طبق میں گوہر انجم لئے ہوئے

۱۷

اللہ رے آمدِ اسدِ ضیغمِ الٰہ آئینۂ خیالِ سکندر نبی ہے راہ
جادہ بھی بن گیا ہے بیاباں کا مدّآہ پلکوں سے تنکے چُننے لگے طائرِ نگاہ
مریخ میں نہ شر نہ زحل میں غرور ہے
مجنوں کی طرح عقل فلک میں فتور ہے

۱۸

قطروں پہ خضر پڑھتے ہیں تسبیح اسمِ ذات اک مورچہ سے کم ہے سلیماں کی کائنات
موسیٰ کا وہ کلام نہ عیسیٰ کی اب وہ بات ادریس کو بھی بار ہوا خلعتِ حیات
رخ کی ثنا پہ محو ہوئے جھوم جھوم کے
موسیٰ نے رکھ دی ہاتھ سے توریت چوم کے

۱۹

خورشیدِ رُخ کے سامنے ہے کس حساب میں پانی کہاں ہے آئینۂ آفتاب میں
مضموں جو ہے ثنائے رُخِ لاجواب میں افضل ہے وہ نمازِ سحر سے ثواب میں
روشن ہوا دماغ معانی کی فکر سے
مصرع ہلال بن گیا ابرو کے ذکر سے

۲۰

کب عالمِ مثال میں رخ کی مثال ہے چشمِ قمر سے خطرہ عین الکمال ہے
سورج اگر کہوں تو اسے بھی زوال ہے نورِ خدا جہاں میں، یہ حسنِ جمال ہے
روشن ہوا کہ صبحِ اُمیدِ بتولؑ ہے
جلوہ اسی کا عینک چشمِ رسولؐ ہے

۲۱

توحیدِ رب کا آئینہ ہے روئے پُر ضیا روزِ ازل جسے یدِ قدرت نے دی جلا
نور خدا ہے جلوۂ روئے شہِ ہدا کیونکر نہ ہو رسول کی آنکھوں میں اس کی جا

فرقت ہوئی جو مصحفِ رخسارِ شاہ کی
غم سے ہے جلد خشک کتابِ الٰہ کی ۲۲

اُس وقت وصف ابروئے سرور کروں بیاں جس دم مرے دہن کو ملے تیغ کی زباں
لکھوں ثنا تو ہاتھ سے اعجاز ہو عیاں مانندِ ذوالفقارِ علیؑ نبض ہو رواں

جو خال و خط و زلف کی یکسر ثنا کرے
گویا وہ تین رکعت مغرب ادا کرے ۲۳

ماتھا ہے بحرِ حسن تو ابرو ہیں مچھلیاں کیونکر درازیٔ شبِ کاکُل کروں بیاں
احمدؐ کی شامِ ہجر کا، حیدرؑ کو ہے گماں ہے ابرو و جبیں سے یہ مضمون نو عیاں

کشتی یہ عمر کی ہے، وہ چشمۂ حیات کا
یا سلسبیل میں ہے سفینہ نجات کا ۲۴

کاکُل بہ رنگ پردۂ کعبہ ہے محترم پیشانیٔ حسینؑ کو ملا رُتبۂ حرم
کچھ اس طرح سے ابروے شاہ ہدا ہیں ضم کعبہ میں جیسے احمد و حیدرؑ ہوئے بہم

گردوں سے بہر دید فرشتے اتر پڑے
عیدین کے ہلال رجب میں نظر پڑے ۲۵

تازہ بہار گلشنِ حُسنِ حسنؑ میں ہے سورج بھی ایک برگِ خزاں اِس چمن میں ہے
کوثر کی آب، گوہرِ سِلکِ سُخن میں ہے جزئ پکارتے ہیں کُلی دہن میں ہے

لب سے عیاں ہوئی ہے فصاحت زبان کی
لام اس میں لعل کا ہے، تو بے ہے بیان کی

۲۶

مرغِ نظر ہے طائرِ سدرہ کا ہم سَبَق آنکھوں کو دیکھ کر یہی کہتے ہیں اہلِ حق
لائے ہیں جبرئیل امیں خُلد کے طَبَق اکبر کے غم میں سینہ مژگان ہوئے ہیں مَشَق

مَردُم سے کہہ رہی ہے یہ پُتلی جناب کی
عیسیٰ کے ہاتھ میں ہے سپر آفتاب کی

۲۷

اللہ رے جلوس شہنشاہ خوشخصال تیغ جلال ساتھ لئے قہر ذوالجلال
تھامے ہوئے رکابِ مبارک کو ہے ہلال زرّیں وہ کہکشاں کا علم وہ قمر کی ڈھال

زُہرہ بجائے رقص کے اب سینہ کوب ہے
گردوں ہے طبل، نیزۂ خورشید چوب ہے

۲۸

فرماتے ہیں ملا ہے، کسے اپنا عز و جاہ آیا ہے اہلبیت کے گھر مُصحفِ الٰہ
دو آئینے ہمارے محل کے ہیں مہر و ماہ اپنی عطا پہ آپ ہے خود اہل اتقی گواہ

پائے نشاں جو مہر، ہمارے جلال کے
بھاگے زمیں پہ دھوپ کی چادر کو ڈال کے

۲۹

میداں میں جلوہ گر جو شہِ انس و جاں ہوئے آمادہ جنگ کرنے پہ پیر و جواں ہوئے
آثارِ حشر تیغ علی سے عیاں ہوئے جو قد کہ تیر سے تھے وہ جھک کر کماں ہوئے

اڑتے تھے مثلِ ہوش پھریرے نشان کے
چلا کے اُترے جاتے تھے چلّے کمان کے

۳۰

غل تھا جلال میں وہ شہ خوش نژاد آئے امداد حق کو صورتِ حکمِ جہاد آئے
کچھ یوں زباں پہ ذکرِ خدائے عباد آئے جیسے علیؑ کا نام مصیبت میں یاد آئے

کھینچی حُسام آپ نے قصدِ جہاد میں
یا آہِ سرد اکبر مہ رو کی یاد میں

۳۱

اعدا کا دم کہ تیغ امام زماں کھینچی گدی سے آفتاب کی گو یا زباں کھینچی
تُرکِ فلک سے خود مہ نو کی کماں کھینچی بالائے دار کاہکشاں کی سناں کھینچی

نکلی حسام رنج میں یوں زور و شور سے
جیسے بتولؑ حشر میں نکلیں گی گور سے

۳۲

تلوار تھی کہ صاعقہ قہر کبریا بیدم ہوئے حسامِ شرر دُم سے اشقیاء
تھرّا رہا تھا وہاں مہر فلک دیکھ کر ضیاء رن میں چمک کے تیغ نے اندھیر کر دیا

واقف محلوں کے حال سے جدت پسند ہیں
دو انگلیاں یہ دستِ خدا کی بلند ہیں

۳۳

جس صف پہ یہ حسام چلی و فنا ہوئی دم بھر نہ فتح اس مہ نو سے جدا ہوئی
جس سیب سے ولادتِ خیرالنساء ہوئی پیدا اس سے تیغِ شہِ لا فتا ہوئی

الفت نہ کیوں ہو راحتِ جانِ بتولؑ سے
رشتہ ہے اس حسام کا آلِ رسول سے

۳۴

تلوار ہے کہ مہر کے پنجہ میں ہے ہلال ظاہر ہے سب پہ اس مہ نو نے کیا کمال
گردوں پہ داغدار ہے ماہ مبین کی ڈھال ثابت ہے کاسۂ سر خورشید میں ہے بال

پیر فلک کے دل میں ہے ناسور آج تک
ہنگام صبح ملتا ہے کافور آج تک

۳۵

اللہ ری تجلیٔ شمشیرِ شعلہ ور شامی پکارے مشرقِ نصرت کی ہے سحر
یا آئینہ لئے ہوئے ہے لیلیٰؑ ظفر نابوں کو دیکھ کر متحیر تھے اہلِ شر

جاری تھا یہ زبانِ سپاہِ ضلال پر
تیرِ شعاع ہیں یہ کمانِ ہلال پر

۳۶

گردوں بھی گرد بُرد ہوا تھا دم نبرد سر کیا، قدم کسی کا نہ اٹھا سوائے گرد
تھا مثل آفتابِ عطارُد کا رنگ زرد مشقِ خط شکست تھی لشکر کی فرد فرد

آبِ رواں تھا دوشِ الیاسؑ کی طرح
۳۷ پہلو نشینِ شاہ تھی عباسؑ کی طرح

برسے جو آسمان سے سر صورتِ تگرگ پھر نخل کہکشاں میں، نہ شاخیں رہیں نہ برگ
اسی کو ہوا تھی فوج کی راحت کا سازو برگ سوئے عدو کے پاوں تو جاگے نصیب مرگ

اعدائے بوتراب کا خاکہ اوڑا گئی
۳۸ مر بھی گئے تو گور کی مانند کھا گئی

حسنِ خضر نثار تھا ایسی ملیح تھی صبحِ شبِ برات سے بڑھ کر صبیح تھی
سرخم خدا کی راہ میں ذبیح ذبیح تھی افلاک تک پہنچنے میں ذہن مسیح تھی

تیزی میں برق تھی تو چمک میں سہیل تھی
۳۹ ٹھہری تو موج تھی جو رواں تھی تو سیل تھی

خشکی میں فوجِ شام کا بیڑا ڈبو گئی پاوں کی طرح شمر کی قسمت بھی سو گئی
خوں میں نہا نہا کے دم اعدا کے کھو گئی مثل لبِ مسیح زباں لال ہو گئی

رنگت ملی گلوں سے جو تیغ اصیل کی
۴۰ غل تھا دعا پھلی ہے جناب خلیلؑ کی

کہو یا بقا کو فوج میں، ہستی کو راہ میں پیکر میں جاں کو، فہم کو ذہن سپاہ میں
ادراک کو خرد میں، بصر کو نگاہ میں آنکھوں میں تارِ اشک کو حسرت کو آہ میں

طرار اس کی طرح کوئی شعلہ خو نہیں نہیں
ہے شمع گو کہ چرب زباں گفتگو نہیں نہیں

۴۱

جو شعر وصفِ تیغ میں، تحریر ہو گیا مصرعہ بھی لفظ کے لئے، شمشیر ہو گیا
خود سلسلہ حروف کو، زنجیر ہو گیا ہر دائرہ کمان، الف تیر ہو گیا
خوفِ حُسام شہ سے ہر اک رکن گھٹ گیا
خوہ قافیہ ردیف سے ڈر کر لپٹ گیا

۴۲

شکلِ تصورِ نظری آنکھ سے نہاں سر میں کبھی خیال، کبھی بن ذہن میں گماں
مثل تصورات بدیہی، کبھی عیاں گہہ جنس و نوع میں، صفتِ فصل درمیاں
کہتی تھی خود اجل نہ قضیہ کو طول ہو
شکلیں یہ مِٹ چکیں، تو نتیجہ حصول ہو

۴۳

چلتی تھی حکمِ حق پہ، رسولِ اُمم کی طرح ہر ناب صاف تھی رہِ ملک عدم کی طرح
جوہر عیاں تھے غنچۂ باغِ ارم کی طرح بالوں سے منہ چھپائے تھی گویا حرم کی طرح
تقلید عترت شہِ گردوں رواق تھی
کہتا تھا خم کہ شرم و حیا میں وہ طاق تھی

۴۴

دعویٰ ثنائے آیۂ جوہر پہ ہے بڑا یوں جوہری کا ذہن نہ تفسیر میں لڑا
انگشتریٔ نظم پہ میں نے وہ دُرّ جڑا جو گوشِ حورِ فکر میں اب تک نہیں پڑا
کشتیٔ ماہِ نو میں ستارے سوار ہیں
یا سر نوشت مہر کے خط آشکار میں

۴۵

یوں سر میں تھا خیال جدال و قتال کا عاشق کے دل میں جیسے کہ ارماں وصال کا
ماہ مبیں کو داغ ہے اس کے کمال کا روغن اوڑا ہے مہر منور کی ڈھال کا
تیرگی کو چرخ نے رتبہ نیا دیا
لیلیٰ شب کے فرق کا وسمہ بنا دیا

۴۶

شمشیر مرتضیٰ کا جو پھل جلوہ گر ہوا گردوں پہ بے فروغ چراغِ قمر ہوا
آبِ دمِ حسام کا ایسا اثر ہوا سورج قریبِ شام چراغِ سحر ہوا
پانی سے بھر گیا جو ایاغ آفتاب کا
اک رات بھی جلا نہ چراغ آفتاب کا

۴۷

یوں اس کے آگے مٹ گئی ہر تیرہ دل کی ڈھال جیسے بیاض صبح سے ہو، رات کا زوال
یوں کٹ گئی ہو ہر اک آنکھ میں پُتلی دم جدال عاشق کی چشمِ شوق میں جیسے شبِ وصال
دردِ فراق دوست پئے جاں کنی ہوئی
نکلی دلوں سے خونِ تمنا بنی ہوئی

۴۸

تھی ذوالفقار سے بھی دو چنداں فرس کی چال انجم کے پھول، وقتِ روانی تھے پائمال
گویا کہ نعل تھا لبِ لیلیٰ کی طرح لال پیکِ صبا تھا، صورتِ مجنوں تباہ حال
کیلوں کی چھوٹ، آگ ہوا کو لگا گئی
مجنوں کو برقِ خندۂ لیلیٰ جلا گئی

۴۹

خاک آبرو ہو صرصرِ آوارہ گرد کی ہر وقت اُس کے چہرہ پہ، چادر ہے گرد کی
رفتار کیا یہاں فلکِ لاجورد کی اُڑتی ہوئی خبر ہے یہ باغِ نبرد
ساتھ اس کے چل سکے گا نہ گام حشر تک
ڈھونڈے گا اس کو ابلق ایام حشر تک

۵۰

اللہ ری تیزیٔ فرسِ شاہِ انس و جاں اب تک نسیم شرم سے پردے میں ہے نہاں
اسکے ہی دم سے طالع سرعت ہو جواں بجلی تو اس کے سامنے ہے نبضِ ناتواں
کیوں فوق ہو نہ توسنِ چرخ بلند پر
اندھیاری رات کی نہیں روئے سمند پر

۵۱

ہر سو جو الاماں ہوئی دشت میں پکار رکھی علیؑ کے لال نے کاٹھی پہ ذوالفقار
ناگاہ شمر لے کے بڑھا تیغِ آبدار سجدہ میں ذبح ہو گیا احمدؐ کا یادگار

کانپے فلک، زمین بھی تھرّا کے رہ گئی
سوکھی رگوں سے خون کی اک نہر بہہ گئی

۱

جب رن میں باغِ فاطمہؑ زہراؑ اُجڑ چکا بیبیوں سے کربلا کا مسافر بچھڑ چکا
بن بن کے کارخانۂ حیدرؑ بگڑ چکا گھر گھر ریاض خلد میں کہرام پڑ چکا

ہے ہے رسن میں بازوئے سادات بندھ گئے
مشکل کشا کی بیٹیوں کے ہاتھ بندھ گئے ۲

بےگور رہ گیا تنِ اطہر حسینؑ کا مقتل سے سوئے شام چلا سر حسینؑ کا
وہ طوقِ خاردار وہ دلبر حسینؑ کا سر ننگے ساتھ ساتھ تھا سب گھر حسینؑ کا

کہتی چلی سکینہ یہ سوکھی زبان سے
چھلتا ہے میرا ننھا گلا ریسمان سے ۳

جب محفلِ یزید میں اہل حرم گئے بالوں سے منہ چھپائے اسیر الم گئے
آگے کبھی بڑھے کبھی شرما کے تھم گئے نیزوں پہ فرقِ فوجِ امامِ امم گئے

غل تھا زہے عروج شہِ نامدار کا
نیزہ پہ سر ہے دوشِ نبیؐ کے سوار کا ۴

پہنچا جو بزم میں سرِ سلطانِ بحر و بر حاکم کو جا کے نذر دیا شمر نے وہ سر
خوش ہو کے بےحیا نے حقارت سے کی نظر بولا بصد غرور و تکبر وہ بد گہر

دل چاہتا ہے کوئی نیا ظلم و جور ہو
مرنے پہ بھی حسینؑ کی توہین اور ہو ۵

یہ سن کے شمر فرقِ مطہر کو لے چلا گلزار فاطمہ کے گل تر کو لے چلا
قرآنِ رحلِ زانوئے حیدرؑ کو لے چلا یا عرشِ ذُوالجلال کے اختر کو لے چلا

ہٹ آسمان جھک گئے شہ کے سلام کو
نیزہ نے سر چڑھا لیا فرقِ امام کو

۶

بیتاب فرطِ غم سے تھے بحیائے خوش سیر یعقوب نزدِ یوسفِ زہراؑ بچشمِ تر
قربان تھے ذبیح بھی بیکس کی شان پر حیدرؑ تھے دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر

بیتاب خود رسولِ ملائک صفات تھے
زہرا کا ہاتھ تھامے ہوئے ساتھ ساتھ تھے ۷

تابندہ ہے جبینِ شہِ آسماں جناب یا ضو فشاں ہے مہرِ رسالت کا آفتاب
روشن ہے دن میں شمعِ شبستانِ بوتراب بے شیر کے لہو سے جو داڑھی پہ ہے خضاب

بدلا ہے رنگ، گلشنِ دنیائے زشت کا
نخلِ سناں پہ پھول کھلا ہے بہشت کا ۸

تاباں ہوا جو نورِ جبینِ امامِ دیں گردوں بنی زمین تو ذرّے مہِ مُبیں
گویا تھا غیرتِ خطِ ابیض خطِ جبیں غُل تھا کہ آفتاب میں یہ روشنی نہیں

فوقِ شہِ ہدا سے یہ جلوہ عیاں ہوا
روشن زمیں پہ رازِ دلِ آسماں ہوا ۹

بدلا ہوا ہے خاک کے ذرّوں کا بھی مزاج بڑھ بڑھ کے مانگتے ہیں شہِ خاوری سے باج
آنکھیں کھلیں ثوابت و سیار کی بھی آج اب کور کو نہیں ہے بصارت کی احتیاج

بخشی یہ دل کے نور نے طلعت نجوم کو
مطلق رہی نہ آنکھوں کی حاجت نجوم کو ۱۰

وہ ضو ہے آفتابِ نبوت کے ماہ میں پھرتی ہے شمعِ طورِ فلک کی نگاہ میں
قطرے لہو کے لب سے جو ٹپکے ہیں راہ میں جنت کے گل کھلے ہیں جہانِ سیاہ میں

غل ہے کمال دیکھئے جان بتولؑ کا
کیا لعل اُگل رہا ہے نواسہ رسول کا

۱۱

یہ حُسنِ بے مثال ہے یا جلوۂ وَدود کیا اس کے آگے مہرِ منور کی ہَست و بود
گر دیکھ پایئے کعبۂ اَبرو کی یہ نمود گردوں پہ طوف فرض کرے واجب الوجود

دل سے جو بہرِ رویتِ ابرو رجوع ہو
فوراً ہلال چرخ پہ واجب رکوع ہو ۱۲

کس طرح وصفِ چہرۂ انور کروں بیاں عرش بریں ہے لوحِ جبینِ شہِ زماں
بجتی بھووں پہ مسجدِ اقصیٰ کا ہے گماں بینیٔ پُر ضیاء سے یہ مضموں ہوا عیاں

خالق کے آگے بہرِ دعا ہیں کھڑے ہوئے
محراب میں رسولؐ خدا ہیں کھڑے ہوئے ۱۳

نونِ نبیؐ ہے ابروئے شاہنشہِ انام صادِ صلوٰۃ دیدۂ حق بیں ہے لا کلام
بینی کے بھی الف کا سنیں راز خاص و عام ایما ہے سوئے آلِ رسولِ فلک مقام

یعنی رسولِ رب سے نہ ان کو جدا کہو
باہم نبی و آل پہ صلِ علیٰ کہو ۱۴

عاشور کی سحر ہے، جبینِ شہِ ہدا جس کا خیال ہے، سببِ گریہ و بُکا
تر ہے جو خوں سے چہرۂ سلطانِ کبریا پلکیں اُٹھا کے انگلیاں دیتی ہیں یہ صدا

جس کو نظارۂ رخِ شاہِ حجاز ہو
کیونکر نہ اُس پہ فرضِ کہن کی نماز ہو ۱۵

آتی ہے فاطمہؑ کی یہ آواز بار بار اے میرے بےکفن تری غربت کے میں نثار
تربت میں بھی نہ چین سے سوئی یہ دلفگار واحسرتا کہ سر کو نہیں ایک جا قرار

پھرتی ہوں ساتھ ساتھ ترے شہرِ شام میں
بازار میں کبھی کبھی دربارِ عام میں

۱۶

اللہ رے بے کسیٔ شہنشاہِ بحر و بر اپنوں کا ذکر کیا کہ عدو بھی تھے نوحہ گر
کہتے تھے یہ غریب پہ بیداد الحذر ہے ہے یہ کس کے سر کو پھراتے ہیں در بدر
مہتاب سی جبیں کا چمکنا تو دیکھئے
۱۷ حسرت بھری نگاہ سے تکنا تو دیکھئے

کہتا تھا سر جو عرش کا تارا ہے، میں وہ ہوں بے جرم جس کے سر کو اتارا ہے، میں وہ ہوں
اصغر کو جس نے شیعوں پہ وارا ہے میں وہ ہوں جس کے جوان بیٹے کو مارا ہے میں وہ ہوں
بے کس ہوں تشنہ کام ہوں آفت نصیب ہوں
۱۸ غربت بھی جس پہ روتی ہے میں وہ غریب ہوں

دن رات مجھ پہ ظلم کریں بانیٔ ستم حاشا مجھے نہ کوئی شکایت نہ کچھ الم
پر غم یہ ہے کہ قید میں ہیں جاں بلب حرم بچے بھی بہرِ آب تڑپتے ہیں دم بدم
اس کا تو ذکر کیا ہے کہ آب و غذا نہیں
۱۹ بیمارِ ناتواں کو میسر دوا نہیں

اس بے بے کسی پہ غیروں کی حالت بھی تھی تباہ منہ اپنا پھیر پھیر کے روتے تھے رو سیاہ
تھا جلوہ گر جو نیزے پہ خیر النساء کا ماہ سر پیٹتے تھے قبر میں پیغمبرِ الٰہ
غش مرتضیٰ تھے بنتِ نبیؐ بے حواس تھیں
۲۰ نیزہ کے ساتھ تھیں کبھی زینبؑ کے پاس تھیں

اب نخل بندِ باغچۂ الفتِ و ولا پروانۂ چراغِ رخِ شاہِ لا فتا
کرتے ہیں یوں بیان محبانِ مرتضیٰؑ جب گلشنِ علیؑ و پیمبرؐ خزاں ہوا
میدانِ حرب و ضرب میں تیغوں کی بار آئی
گلزارِ انتقام میں فصلِ بہار آئی

۲۱

مومن گھروں سے نکلے، پریشان و دردناک سینوں میں داغ آنکھوں میں آنسوسروں پر خاک
دامن بھی تار تار گریباں بھی چاک چاک ظاہر رخوں سے الفتِ سبطِ رسولِ پاک
ہر ماہ رو کے پاس حسامِ ہلال تھی
ہر مہروش کے ہاتھ میں سورج کی ڈھال تھی ۲۲

یثرب کی سمت کچھ پئے آہ و بکا چلے کچھ لوگ بہر دفنِ امامِ ہدا چلے
کچھ بہر نصرتِ حرمِ مُصطفیٰؐ چلے عابد کے اشتیاق میں کچھ باوفا چلے
کچھ آئے فرقِ شاہِ مدینہ کے واسطے
کچھ گوشوارے لائے سکینہؑ کے واسطے ۲۳

اک عاشقِ امام عجب اہلِ درد تھا یکتا تھا بے کسی میں تو غربت میں فرد تھا
مومن تھا باوفا تھا بہادر تھا مرد تھا صدمے سے صورتِ گل خورشید زرد تھا
سوچا یہ اپنے دل مین وہ عاشق امام کا
دفنائے سر حسین علیہ السلام کا ۲۴

ناگاہِ ولولے نے ندا دی بصد ولا چل جلد سر کے بل کہ یہی ہے رہے رضا
ہاتف پکارا پشت پہ ہے نصرتِ خدا آدم نے دی صدا تری ہمت کے میں فدا
پھرتا ہے در بدر صد اطہر حسینؑ کا
پہنچا دے سر نجف میں میرے نورِ عین کا ۲۵

خضرِ رہِ رضا ہوئی شبیرؑ کی ولا پچھلے سے شام کو وہ چراغِ سحر چلا
ہمت جلو میں پشت پہ تائیدِ کبریا آنکھیں بچھائیں پاؤں کے چھالوں نے جابجا
آنسورواں تھے آنکھوں سے دل بے قرار تھا
خضرِ رہِ جناں اسے ہر ایک خار تھا

۲۶

داخل ہوا جو شام میں وہ عاشق الٰہ پھرتا تھا چار سمت کو جویائے فرقِ شاہ
آخر سنا وہ حال کہ حالت ہوئی تباہ یعنی کنویں میں ہے شہِ بیر العلم کا ماہ

اک تازہ داغ قلبِ رسولِ زمن میں ہے
خورشیدِ آسمانِ امامت گہن میں ہے ۲۷

یہ سُن کے نوحہ گر جو وہ اہل وفا ہوا خضرِ ولائے شاہِ نجف رہنُما ہوا
تدبیر سے جو حاکمِ شام آشنا ہوا ظلمت کا اور نور کا گھر ایک جا ہوا

طوفانِ غم میں نوحِ خدائے جلیل تھا
نمرودیوں کی بزم میں گویا خلیل تھا ۲۸

رہزن سے پایا منزلِ مقصود کا سُراغ شدادِ بد نہاد سے یا پُر بہار باغ
ظُلمت سے نور، خار سے گل، غول سے چراغ مومن کو بادہ کش سے ملا خلد کا ایاغ

یہ اعتبار ہو گیا اُس نیک نام کا
حافظ ہوا وہ مصحفِ فرق امام کا ۲۹

ہر دم تھا نور عین نبی کا نگاہ بیاں بالائے چاہ آنکھ سے دریائے خوں رواں
سنتا تھا بار بار یہی نالہ و فغاں ہے ہے مرے غریب فدا تجھ پہ ہو یہ ماں

ایسا بھی غم نصیب کوئی ہے زمانے میں
خود ہے کنویں میں بند، بہن قید خانے میں ۳۰

اترا کنویں میں مومن کامل بڑھی جو چاہ خورشید فاطمہؑ ہوا طالع بفر و جاہ
یعنی ملا مُحب کو سرِ شاہِ دیں پناہ یوسف کے ہجر میں ہوئی پُر آب چشمِ چاہ

قوت تھی یہ ولا کی محبت کا زور تھا
کوثر تک اس کی ہمتِ عالی کا شور تھا

۳۱

اک غل اُٹھا صدف سے وہ تاباں ہوا گہر نکلے وہ بطن حوت سے یونس بکر و فر
لو پردۂ افق سے نمایاں ہوئی سحر کوثر سے آب، پھولوں سے بو نخل سے ثمر
بولے نجوم چرخ سے، مردم نگاہ سے
۳۲ نکلا علیؑ کا چاند وہ ابرِ سیاہ سے

محبس سے نکلا یوں وہ گلِ گلشنِ نبیؐ جس طرح نخلِ طور سے انوارِ ایزدی
نکلے مقطعات سے یا معنیٔ خفی یا شیعوں کی زباں سے مشکل میں یا علیؑ
مغرب سے آفتابِ منور عیاں ہوا
۳۳ پردہ سے دستِ قدرتِ داور عیاں ہوا

رومال میں چھپا کے گل تر کو لے چلا سر پیٹتا ہوا سرِ سرور کو لے چلا
مومن دم سحر، مہ انور کو لے چلا شمعون شمعِ تربتِ حیدرؑ کو لے چلا
ماتم کیا کبھی کبھی محو فغاں ہوا
۳۴ آنسو کی طرح وادیٔ غم میں رواں ہوا

اہلِ حرم کو سر یہ پکارا بچشم تر محجوب تم سے ہے اسد اللہ کا پسر
تم میرے ساتھ شام تک آئے برہنہ سر بہو لے گا تابہ حشر نہ یہ سوختہ جگر
ہر دکھ میں خوب حق محبت ادا کیا
۳۵ فاقوں میں دُرّے کھا کے نہ تم نے گلا کیا

گو جستجو میں اس کی رہی شام کی سپاہ مایوس ہو کے پھر گئے یوں دشمنِ الہ
جیسے حسینؑ سے پسر سعد کی نگاہ مومن نے مثلِ تیغِ علیؑ قطع کی وہ راہ
دل سے غلامِ بادشہِ قلعہ گیر تھا
قنبر روانہ ہوئے جنابِ امیرؑ تھا

۳۶

ناگاہ اک مقام پہ اس کا گزر ہوا آنکھوں کو آئی صاف نظر قدرتِ خدا
دیکھا مقیم ہے کوئی بانوئے مہ لقا وہ آفتابِ رو ہے تو، منزل فلک ثُما

طاعت پہ دل رجوع تھا اس رشکِ ماہ کا
دم بھرتی تھی مسیح" فلک بارگاہ کا ۳۷

بخشا تھا اس کو حق نے ہر اک رنج سے فراغ دل بھی تھا شادشاد طبیعت بھی باغ باغ
چالیس لونڈیاں تھیں کہ روشن چہل چراغ رُخ کی ضیا سے تھا دلِ ماہِ مبین میں داغ

غل تھا یہ حُسن اور حسینوں کو کب ملا
خورشید اس کو نام، تو بانو لقب ملا ۳۸

شب کو ہوئی جو زیب وہ مجلسِ طرَب آئی ندائے حضرتِ مریمؑ کہ ہے غضب
تو جشن میں شریک ہے ہم موردِ تعب کر فکرِ میہمانیٔ فخرِ مسیحِ رَب

بھولی ہے تو خوشی میں ہمارے ملال کو
ہم رو رہے ہیں اپنی خزادی کے لال کو ۳۹

سنتے ہی اس صدا کے لرزنے لگے جگر خیمے سے دوڑیں چند خواصیں ادھر ادھر
صحرا میں اک عجیب مسافر پڑا نظر آفت رسیدہ چاک گر بیان و نوحہ گر

ہاتھوں کی ضو سے جلوۂ مہتاب گود ہے
خورشید کی بھی گرمیٔ بازار سرد ہے ۴۰

بانو کو پھر پکاریں کہ تشریف جلا لاؤ اک طُرفہ ماجرا ہے، میں قربان یاں تو آؤ
کہتی ہوئی وہ آئی کہ کیا ہے مجھے بتاؤ دیکھی وہ ضو کہ دل نے کہا، اب نہ یاں لے جاؤ

جاری تھا العجب، کہ وَمہ کی زبان پر
کہتے تھے ہم زمیں پہ ہیں یا آسمان پر

۴۱

چلائی اک کنیز کہ مجھ کو ہے یہ عجب خورشید کس طرح ہوا ضو بار وقتِ شب
بولی کوئی کہ مہر میں یہ روشنی ہے کب ہے دستِ جبرئیل میں قندیلِ عرشِ رب
بولی کوئی مسیح وہ گردوں جناب ہے
انجیل میں اٹھاتی ہوں، یہ آفتاب ہے

۴۲

مومن سے آخرش ہوئی گویا، وہ خوش بیاں بتلا کہ پارچہ میں یہ کیا چیز ہے نہاں
بولا میں عندلیب ہوں یہ ہے گلِ جناں چلائی وہ کہ پھول میں یہ روشنی کہاں
یہ چاندنی کا پھول ہے یہ ماہتاب ہے
یہ آفتاب ہے کہ گل آفتاب ہے

۴۳

اچھا یہ پھول ہی سہی اے مردِ باوفا بدلے میں گنج لے زرِ خورشید سے سوا
بولا خموش ہو نہ زباں پر یہ حرف لا یہ پھول وہ ہے جس پہ گل مہر ہے فدا
بیعانہ کوئی دے نہیں سکتا خدائی میں
تو باغِ خُلد دے گا خدا رونمائی میں

۴۴

یہ مال وہ نہیں ہے جو انساں کے ہاتھ آئے یہ لعل وہ نہیں جو بدخشاں کے ہاتھ آئے
یہ پھول وہ نہیں جو گلستان کے ہاتھ آئے یہ وہ نگیں نہیں جو سلیماں کے ہاتھ آئے
آنکھیں کھلیں، جو دیکھ لے اہل نظر کوئی
یوسف نہیں کہ جس کو خریدے بشر کوئی

۴۵

اس تذکرہ سے اور بھی حیرت سوا ہوئی مشتاق سیرِ گل وہ زن پارسا ہوئی
گویا ہزار جان سے بلبل فدا ہوئی مومن سے ہاتھ جوڑ کے بولی خطا ہوئی
ارمان ہے کہ یہ گل بےخار دیکھ لوں
اس پھول کو میں آنکھ سے اک بار دیکھ لوں

۴۶

اس نے کہا یہ گُل نہ کس کو دکھاوں گا اس پھول کو مزارِ علیؑ پر چڑھاوں گا
مولا سے آج میں گلِ مقصود پاوں گا جس دم قریبِ روضۂ پُر نور جاوں گا

حیرت مرے وقار پہ ہو گی خدائی کو
آئیں گے بوتراب مری پیشوائی کو

۴۷

چلائی وہ کہ جائیو لیکن دمِ سحر آرام لے ٹھہر کے ذرا، اے نکو سیر
ظاہر ہے صاف رخ سے ترے زحمتِ سفر یہ سن کے میہماں ہوا وہ غیرتِ قمر

خیمہ میں اُس کے جلوۂ فرقِ ذبیح تھا
نصرانیہ کے گھر میں جلوسِ مسیح تھا

۴۸

آیا تھا منزلوں سے وہ جو رشکِ ماہتاب مثلِ نصیبِ فاطمہؑ سویا وہ دل کباب
بانو کو تھا جنابِ زُلیخا کا اضطراب دل کو یہ رَنگِ زُلفِ پریشاں تھا پیچ و تاب

رعشہ میں فرطِ غم سے وہ عصمت مآب تھی
خورشید بانو آئینہ آفتاب تھی

۴۹

مانندِ عندلیب، پھڑکتی تھی دمبدم اُس گُل کے غم سے دل میں کھٹکتا تھا خارِ غم
راحت گزیں جہاں تھا محبِ شہِ اُمَم جاتی تھی یہ نظر کی طرح، واں بچشمِ نم

دل میں ہزار خارِ تمنا بھرے ہوئے
پھرتی تھی دونوں ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے

۵۰

سیماب کی طرح سے کسی جا نہ تھا قرار مانندِ شمع سر کو وہ دُھنتی تھی بار بار
گہہ چار سمت دیکھ کے ہوتی تھی اشکبار کہتی تھی نالہ کش ہے یہاں کون سوگوار

چھریاں جگر پہ چل گئیں اللہ کیا کروں
ہے ہے حسینؑ کس نے کہا آہ کیا کروں

۵۱

جھپکی ذرا جو آنکھ ہوئی اور بے قرار بیساختہ یہ چونک کے بولی وہ دلفگار
لوگو یقیں ہے اب نہ جیوں گی میں زینہار اپنے نبیؐ کو خواب میں دیکھا بحال زار
آنکھوں میں اشکِ خوں سرِ انور پہ خاک ہے
۵۲ دامن پھٹا ہوا ہے گریبان چاک ہے

سینہ پہ ہاتھ، گیسوؤں پر خاک، مُنہ اداس بیتاب، بے قرار، پریشان، بے حواس
رخ سے عیاں تھا صاف کہ صدمہ ہے بے قیاس گویا نبی تھے رنج سے تصویر درد و یاس
دیکھا جو ان کی سمت کو اس دل کباب نے
۵۳ خود روئے اور مجھے بھی رُلایا جناب نے

کہنے لگے کہ تو مری امت میں کیا نہیں میں رو رہاں ہوں اور تو محو بکا
ہے آسماں پہ اور ترے گھر میں عزا نہیں بالوں پہ خاک فرق پہ کالی ردا نہیں
مارا گیا ہے لال رسالت پناہ کا
۵۴ فرقِ مبارک آیا ہے اُس بے گناہ

یہ سن کے لونڈیاں متردد ہوئیں تمام بولی یہ اک مصاحبِ بانوئے پہ نیک نام
لو پھول ہے ہوا پہ معلق بہ احتشام سنئے ذرا کہ پھول سے پیدا ہے یہ کلام
اے بابا گھر لٹا دیا امت کے واسطے
۵۵ آتا ہوں سر کے بل میں زیارت کے واسطے

خاموش سب ہوئیں کہ سُنیں پھولوں کی صدا سنتی ہیں کیا کہ اے مرے ہادی و رہنما
حضرت کی اِس غلام نوازی کے میں فدا اپنے کرم سے ذبح کی مشکل کو حل کیا
کب سے ہوں بیقرار میں حضرت کے واسطے
اب جلد یاد کیجئے خدمت کے واسطے

۵۶

اترا ہوا ہے پھر وہ گل تر بفر و جاہ مومن کی سمت شوق میں دوڑی یہ رشکِ ماہ
لے کر وہ پھول واں سے پھری صورتِ نگاہ دیکھا وہ طُرفہ حال کہ حالت ہوئی تباہ

غنچہ نظر پڑا، نہ گل تر نظر پڑا
۵۷ زخموں سے چور، اک سرِ انور نظر پڑا

چلائی غم سے چاک جگر ہے، میں کیا کروں کس عاشق خدا کا یہ سر ہے، میں کیا کروں
ہے ہے یہ کس کا نور نظر ہے، میں کیا کروں ہونٹوں پہ تشنگی کا اثر ہے، میں کیا کروں

ایسا ستم کسی نے کسی پر کیا نہیں
۵۸ شاید کہ وقتِ قتل بھی پانی دیا نہیں

اے سر تو کس کا گیسوؤں والا تھا ہائے ہائے کس بے نصیب نے تجھے پالا تھا ہائے ہائے
سایہ میں کس کے ہوش سنبھالا تھا ہائے ہائے تو کس کے اوجڑے گھر کا اوجالا تھا ہائے ہائے

کچھ تو زباں سے کہہ کہ مرا غیر حال ہے
۵۹ شہزادۂ مسیح تو کس ماں کا لال ہے

غربت کو دیکھ کر مری حالت تباہ ہے صورت سے یہ عیاں ہے کہ تو بے گناہ ہے
کس جا ترا وطن ہے کہاں قتل گاہ ہے کیوں بار بار لب پہ ترے آہ آہ ہے

کچھ منہ سے کہہ جو ہو تجھے یارا بیان کا
۶۰ کیا دل میں داغ ہے کسی کڑیل جوان کا

ہالے کی طرح گرد ہوئیں لونڈیاں شتاب وہ فرق درمیان میں تھا مثلِ ماہتاب
ماتم کیا ہر ایک نے بادیدۂ پُرآب بسمل صفت تڑپتی تھی بانوئے دل کباب

کہتی تھی دل پہ شدتِ غم لا کلام ہے
کس کا تو نورِ عین ہے، کیا تیرا نام ہے

۶۱

پوچھا جو سر سے نام تو پیدا ہوئی صدا پائے ہیں جو خطاب بتاوں اُنہیں میں کیا
بے مونس و مسافر و مہمانِ کربلا بیکس، غریب، تشنہ دہن، کشتۂ جفا

حیدرؑ کا لال فاطمہؑ کا نور عین ہوں
۶۲ عیسیٰؑ ہیں جس کے غم میں وہی میں حسینؑ ہوں

مجھ سا ستم رسیدہ کوئی دوسرا نہیں میں وہ ہوں جس کے رنج کی کچھ انتہا نہیں
میں وہ ہوں جس کو گور و کفن تک ملا نہیں میں وہ ہوں جس کی بہنوں کے سر پر ردا نہیں

مظلوم کوئی مجھ سا نہ ہو گا زمانہ میں
۶۳ مہماں میں تیرے گھر ہوں، حرم قید خانہ میں

میں وہ ہوں جس کو خوب رُلایا لعینوں نے میں وہ ہوں جس کا خون بہایا لعینوں نے
میں وہ ہوں جس کے گھر کو جلایا لعینوں نے میں وہ ہوں جس کے سر کو پھرایا لعینوں نے

میں وہ ہوں جس کی دشمنِ جاں سب خدائی ہے
۶۴ میں وہ ہوں جس کے لال کو برچھی لگائی ہے

سر پیٹ کر وہ بولی کہ دل پائمال ہے صاف اپنا نام لے کہ مرا غیر خال ہے
اے فرقِ پاک کیا تو محمدؐ کی آل ہے قربان جاوں کیا تو ہی زہراؑ کا لال ہے

آئی صدا کہ بندۂ ربُّ الانام ہے
۶۵ بیکس حسینؑ ابن علیؑ میرا نام ہے

سُنتا یہ تھا کہ غش وہ خوش ایمان ہو گئی چونکی تو فرقِ پاک پہ قربان ہو گئی
سر کی کرامتوں پہ جو حیران ہو گئی فورا بصدق دل وہ مسلماں ہو گئی

تازہ یہ معجزہ شہِ دیں نے دکھا دیا
سوکھی زباں سے اسے کلمہ پڑھا دیا

٦٦

نصرانیہ نے حق ضیافت ادا کیا زہراؑ کے نورِ عین کا ماتم بپا کیا
جنگل میں خیمہ گاہ کو ماتم سرا کیا شورِ وبکا سے عرشِ الٰہی ہلا کیا
جاتی تھی آسماں پہ صدا شور و شین کی
پہلی وہی تھی مجلسِ ماتم حسینؑ کی ٦٧

شہ کی عزا میں محو تھی بانوئے نیک نام ماتم سے ناتواں ہوئیں جب لونڈیاں تمام
اُلجھا دیئے طنابوں میں گیسوئے مُشک نام اک شور تھا کہ ہائے حسینؑ فلک مقام
ماتم کے غل نے طائروں کے ہوش کھو دیئے
ہے ہے حسینؑ سُن کے پرندے بھی رو دیئے ٦٨

سینوں میں فرطِ غم سے دلِ زار ہل گئے ماتم کے غل سے وادی و کہسار ہل گئے
تھرائی یوں زمیں کہ سب اشجار ہل گئے افلاک کے طبق بھی سب اکبار ہل گئے
آنکھوں سے نہریں اشکوں کی اکدم میں بہہ گئیں
زلفیں لپٹ لپٹ کے طنابوں میں رہ گئیں ٦٩

ہوتے ہی صبح، عاشقِ سلطانِ خاص و عام راہی ہوا نجف کی طرف با صدا احترام
چلنے پہ مستعد ہوئی بانوئے نیک نام ہے ہے حسینؑ کہہ کے چلیں لونڈیاں تمام
گریاں ہر اک کنیز تھی اس نوحہ گر کے ساتھ
تھا آنسوؤں کا قافلہ شمعِ سحر کے ساتھ ٧٠

پہنچا قریب قبرِ علیؑ جب وہ باوفا دو شخص پیشوائی کو آئے برہنہ پا
خاکِ عزا جبیں پہ گریباں پھٹا ہوا آنکھوں میں اشک، لب پہ فغاں ہاتھ میں عصا
دل چاک ہے قبائے بدن تار تار ہے
چہروں سے صاف صورتِ غم آشکار ہے

۷۱

طالب ہوئے جو سر کے تو بولا وہ نوحہ گر دونگا علیؑ کو فرقِ شہنشاہِ بحروبر
وہ بولے دل میں خوف نہ کر اے نکو سیر میں نورِ خاکسار ہوں اور یہ ابولابشر

تُربَت میں بوترابؑ کا دل بیقرار ہے
تاخیر اب نہ کر کہ ترا انتظار ہے

۷۲

یہ سُن کے ایک ہاتھ سے سر پیٹتا چلا فریاد کے لئے سوئے مشکل کشا چلا
پیچھے تمام قافلہ محو بُکا چلا رو کر سرِ حسینؑ یہ کہتا ہوا چلا

بابا اب آیئے مری امداد کے لئے
بیکس حسینؑ آتا ہے فریاد کے لئے

۷۳

پہنچا ضریحِ پاک پہ جسدم وہ نیک ذات تربت سے کانپتے ہوئے نکلے علیؑ کے ہاتھ
فرمایا لا غریب کا سر اے ملک صفات میں نے تڑپ کے قبر میں کاٹی ہے غم کی رات

مریم جناں سے پُرسے کو تشریف لائی ہیں
منہ ڈھانپ لے کہ فاطمہؑ زہرا بھی آئی ہیں

۷۴

چلایا سر کہ اے شہِ اَبرار اسلام بابا تُمہاری آل ہے قیدی میانِ شام
بابا یہ دلفگار ہے ہفتم سے تشنہ کام امت پہ نانا جان کی قرباں ہوا غلام

اب تک ہے میری ریش پہ خوں بے زبان کا
برچھی سے دل چھدا مرے کڑیل جوان کا

۷۵

کیا بیکسیٔ آلِ پیمبرؐ بیاں کروں کیا ظلم و جورِ شمرِ ستمگر بیاں کروں
کیا سرگزشتِ زینبِ مضطر بیاں کروں حضرت کو شرم آئے گی کیونکر بیاں کروں

زینبؑ کے سر سے چھن گئی چادر بتولؑ کی
دل تھام لو قسم تمہیں روحِ رسولؐ

۷۶

اے بزمؔ بس کہ بزم میں محشر بپا ہوا خوش تجھ سے مصطفیٰؐ ہوئے راضی خدا ہوا
کیا تیرے حال پر کرمِ مرتضیٰ ہوا اب تاجدار کشورِ مدح و ثنا ہوا

ایک ایک لفظ مرثیہ کا انتخاب ہے
تو بے نظیر ہے تو سخن لا جواب ہے

مرثیہ:۲۰

درحال حضرت علی اکبر علیہ السلام

مطلع

حضرتؑ سے رضا لے کے چلے جب علی اکبرؑ

تعدادِ بند:۶۵

غازی آباد-- ۱۷ جنوری ۱۹۱۷ء

۱

حضرتؑ سے رضا لے کے چلے جب علی اکبرؑ بے نور ہوئے دیدۂ فرزندِ پیمبرؐ
راہی تھا سوئے فوجِ ستم وہ مہِ انور جاتے تھے یہ کہتے ہوئے پیچھے شہِ مضطر

بیٹا مرے دل کو نہ دُکھاتے ہوئے جاؤ
۲ پھر آخری دیدار کراتے ہوئے جاؤ

رَہوار سے اُترا شہِ مظلوم کا جایا بیکس نے جواں مرگ کو سینے سے لگایا
بچھڑے ہوئے یوسفؑ کو جو یعقوبؑ نے پایا کس درد کی آواز سے رو کر یہ سُنایا

پردیس میں بے کس ہمیں کیوں کرتے ہو بیٹا
۳ بابا کی ضعیفی میں جواں مرتے ہو بیٹا

جب شاہؑ سے رخصت ہوا وہ خاصۂ قیوم غش کھا کے گرے خاک پہ یاں سیدِ مظلوم
واں لشکرِ بے پیر میں آمد کی ہوئی دھوم مانندِ کمر ہستیِ اعدا ہوئی معدوم

آنکھیں بھی ہوئیں سُرخ یہ غیظ آیا سپہ پر
۴ شب خون پڑا شامیوں کے روزِ سیہ پر

لشکر کے سمندر میں ہے، آمد کا تلاطم شمشیروں کی موجیں بھی ہیں نبضوں کی طرح گُم
پُتلی سے ہیں سُرمہ بہ گلو آنکھ کے مردم اب غنچۂ امید نہیں محوِ تبسم

ہیں باغیوں کے خشک دہن، رنگ اُڑا ہے
۵ کانٹوں سے زباں کے گُلِ اُمید بھرا ہے

غازی کا فرس رو میں ہے یا جوش میں قُلزم گرداب میں پُتلی کے ہیں آنکھوں کے بھی مردم
سُرعت کے نصیبے کا ستارا ہے تہہِ سُم میداں ہے کہ فردِ عملِ دفترِ انجم

اللہ رے سرعت فرسِ حور لقا کی
ہر نقشِ قدم میں ہے تڑپ قبلہ نما کی

٦

اللہ رے ہمشکلِ پیمبرؐ کی جلالت ایمان سے ہے کفر جُدا، شرع سے بدعت
شادی سے اَلم، رات سے دن، نور سے ظلمت عصمت سے کُنہ، راہِ ہدایت سے ضلالت

آہو سے اسد پھول سے خار، آج الگ ہے
گردوں سے غبار آب سے نار، آج الگ ہے

٧

اس طرح قریں آپؑ سے ہے شوکت وسطوت جس طرح نبیؐ سے شبِ معراج میں رحمت
اس طرح سے ہمراہ ہے ارمانِ شہادت جس طرح نبوت کی جلو دار امامت

اس طرح اُڑا رنگِ فلک خوفِ جری سے
جس طرح کہ جبریل کے پر تیغِ علیؑ سے

٨

اللہ رے جمالِ پسرِ حضرتِ شبّرؑ آئینۂ قدرت میں جلالت کی ہے تصویر
انجم کی زرہ ہے نہ مہِ نو کی ہے شمشیر افلاک پہ گردش میں ہے سیاروں کی تقدیر

چہرہ کی چمک دیکھ کے یہ شور بپا ہے
لو ظلِّ خدا دھوپ کے سانچے میں ڈھلا ہے

٩

اقبال کے ڈنکے کو بجاتی ہے جو ہیبت نقارۂ گردوں کے اُلٹنے کی ہے نوبت
مریخ کا اب ظلم نہ کیواں کی نحوست دن بن کے اُڑی جاتی ہے خورشید کی رنگت

ہیبت کا اثر تھا نہ فقط جنّ و مَلَک پر
بن بن کے بخارات گیا آب فلک پر

١٠

رُخ سے ہے عیاں رعبِ شبابِ شہِ دلگیر یوسفؑ کو بھی اب یاد نہیں خواب کی تعبیر
تقدیرِ سکندر ہے زُلیخا کی طرح پیر اکبر کے تجمّل پہ اذاں کہتی ہے تکبیر

ہوگا نہ زمانے میں نبیؐ خیرِ ورا سا
ہدیہ علی اکبرؑ سا، شہنشاہ خدا سا

۱۱

مریخ بھی ہے تیغ صفت سر کو جھکائے بادل دلِ غیساں پہ غم و رنج کے چھائے
ہر چند کہ چکّر فلکِ پیر نے کھائے مژگاں نے دلِ مہر پہ سو تیر لگائے

افلاک نے دیکھا جو سماں پلکوں کی ضو کا
آنکھوں میں کھٹکنے لگا کانٹا مہِ نو کا

۱۲

دیکھا نگہِ غیظ سے گردوں کو جو اِک بار بے جاں ہوا شمشیرِ نظر سے وہ جفا کار
قُطبین ہیں دو دیدۂ چرخِ ستم اطوار ثابت ہے کہ ان دونوں کو گردش نہیں زنہار

پھرتی ہیں کہیں کُشتۂ شمشیر کی آنکھیں
کس طرح پھریں اب فلکِ پیر کی آنکھیں

۱۳

یوں دبدبے کو وارثِ حیدرؑ نے دبایا خود کاہکشاں نے بھی نشاں ڈر کے ہٹایا
خورشید نے گو دھوپ کو سائے میں چھپایا اِس پر بھی لرزتا ہی رہا، چین نہ آیا

گردوں پہ مہِ نو جو نہیں آج عیاں ہے
وہ بن کے حُسام آپ کی کاٹھی میں نہاں ہے

۱۴

مانندِ فلک سجدے میں سرخم ہیں بنی جاں ہر نقشِ سُمِ اسپ بنا مُہرِ سلیماں
رہوار پہ اسوار ہے شہزادۂ ذیشاں یا دوشِ پیمبرؐ پہ جلوسِ شہِ مرداں

ضو رُخ کی یہ کہتی ہے ندا ماہ کو دے کر
عیسیٰؑ وہ چلے چرخ پہ انجیل کو لے کر

۱۵

ممتاز تھا یوں خانہ زیں اُن کی ضیا سے جس طرح دلِ ختمِ رُسُل حق کی وِلا سے
آئینۂ دیں میں ہے جلا رُخ کی صفا سے مضمون ملا اور مگر زُلفِ رسا سے

اِک غُل ہے یہ اعجازِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
لو زلف کے سانچے میں شبِ نور ڈھلی ہے

۱۶

کھینچوں ورقِ مہر پہ اس ماہ کی تصویر چہرہ ہے کہ فردِ عملِ حضرتِ شبیرؑ
ماتھے کی شکن جوہرِ آئینۂ تقدیر یہ مصحفِ رُخ ہے کہ گُلِ گلشنِ تسخیر

سُرخی کے مضامیں سے بہار آئی چمن میں
پھولی شفقِ صبحِ جناں باغِ سخن میں

۱۷

دو چاند ہیں رخسار یہ ایک ایک نے جانا ہیں مثلِ یداللہ و نبیؐ فردِ زمانا
یوں دونوں کی تسبیح پہ مامور ہیں دانا جس طرح کہ عیدین کا لازم ہے دوگانا

صلواۃ پڑھو حکم یہ ہے خیرِ بشر کا
مسنون نہ سمجھو یہ فریضہ ہے سحر کا

۱۸

کہتے ہیں یہ غنچے کہ ہے رُخ گلشنِ جنّت جنت کا ہے ایماں کہ یہاں کب ہے یہ نُزہت
کہتی ہیں حدیثیں کہ ہے قرآں کی شرافت وہ کہتا ہے مجھ میں یہ نہیں نور کی صورت

ضو کا ہے بیاں شمعِ شبستانِ ضیا ہے
وہ کہتی ہے جلنا مِری قسمت میں لکھا ہے

۱۹

طے کر چکے ہیں یہ کرم وجود کے جادے ماتھے کی چمک بختِ سکندر کو جگا دے
ہر تارِ نظر موسیٰؑ عمراں کو عصا دے یعقوبؑ کے شہزادے ہیں یوسفؑ کے نُخوادے

سر تا بہ قدم جلوۂ محبوبِ خدا ہے
اِک سایہ مگر احمدِؐ مرسل سے سوا ہے

۲۰

پنجے کو کہوں گر یدِ قدرت تو بجا ہے اللہ کے ہر کام کو انجام دیا ہے
ہاں خُمس کا طالب یہ پئے دستِ خدا ہے اُنگلی نہیں شمعِ لحدِ عقدہ کشا ہے

پرَ تو کبھی پڑ جائے جو انگشت کی ضو کا
پرویں کی گرہ کھولدے ناخن مہِ نو کا

۲۱

لو اخترِ مضموں کا ملا جلوۂ تائید ہے ناف کی تشبیہ گُلِ گلشنِ توحید
جب ناف کے تارے کی دَمِ سیر ہوئی دید گردابِ تحیر میں گھرا چشمۂ خورشید
تشبیہ نئی نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
۲۲ یہ ناف ہے یا غنچۂ اُمیدِ علیؑ ہے

یوں جنگ کے میدان میں پہنچا وہ غضنفر کُفّار کو جیسے خبرِ غزوۂ خیبر
نیت میں چھپی حرص طبیعت میں چھپا شر تارِ نظر آنکھوں میں چبھونے لگے نشتر
اپنے بھی تھے بیگانے یہ اعداء پہ بلا تھی
۲۳ خود آہِ کشیدہ بھی اُنہیں تیرِ قضا تھی

تھے دُرِّ سخن دُرجِ دہن سے جو نمایاں خود رفتہ تھے مردُم تو مسخر تھے بنی جاں
اعجاز نما تھا پسرِ خاتمِ دوراں ہر لفظ کے تھا زیرِ نگیں نقشِ سلیماں
چُپ شہرِ خموشاں کی طرح فوجِ شقی تھی
۲۴ مُہرِ خَتَم اللہ دہانوں پہ لگی تھی

نعرہ تھا کہ حاکم ہے کدھر ہاں ادھر آئے ہم مصحفِ اعجاز و کرامت کے ہیں آیے
قرآن میں ظاہر جو شرف ہم نے ہیں پائے ایسی کوئی دعوے کی سند ہم کو دکھائے
عالی نسب ایسا کوئی عالم میں نہیں ہے
۲۵ دادا کا شرف سورۂ یٰسین سے مبیں ہے

بابا وہ ہے خط لکھ کے جسے تم نے بلایا مہمانی کے بدلے اُسے غربت میں ستایا
عمو وہ ہے دریا پہ لہو جس کا بہایا ماں وہ ہے کہ صبر اُس نے نبیؐ زادی کا پایا
اِک اُن کا یہ خادم ہے جو میداں میں کھڑا ہے
اِک جھولے میں اِک خاک پہ بے ہوش پڑا ہے

۲۶

گو لُٹ چکی ہے پہلے بھی وہ بے کس و مضطر پر جب تو نہ تھی شاملِ ناموسِ پیمبرؐ
مظلوم کی زوجہ تھی نہ معصوم کی مادر اُس پر بھی مسلمانوں نے چھینا نہ تھا زیور

شاہی کا نہ آداب بُھلایا تھا کسی نے
۲۷ سر برہنہ در در نہ پھرایا تھا کسی نے

کام آگئے میدان میں آج اپنے پرائے اب دیکھئے گردوں اُنہیں کیا دَور دکھائے
وہ وقت مسلمانوں کو یاد آئے نہ آئے نادار سمجھ کر کوئی شاید نہ ستائے

انگشت نمائی سے جو ظالم نہ ڈریں گے
۲۸ زہراؑ کی بہو ہونے کا تو پاس کریں گے

چلائی سکینہؑ مرے بیرن اِدھر آؤ اتاں کو غش آیا ہے تم ہی آکے اٹھاؤ
کہتی ہیں کلیجہ پہ نہ تلوار پھراؤ مر جاؤں گی اے لال مرا دل نہ دُکھاؤ

بعد آپ کے جینے کا ارادہ نہیں بیٹا
۲۹ سر کھلنے کا غم تم سے زیادہ نہیں بیٹا

میں خوش ہوں کہ لشکر مجھے سر ننگے پھرائے پر خاک میں زہراؑ کی کمائی نہ ملائے
لیکن مجھے کیونکر کوئی اس غم سے بچائے ہے خواہشِ تقدیر کہ یہ ٹھوکریں کھائے

وارث سے بھی فرقت ہو بچھڑ جائے پسر بھی
۳۰ قسمت میں لِکھا ہے کہ جلے کوکھ بھی گھر بھی

ہر چند کہ دل ہل گیا خواہر کے سخن سے غیرت نے سرکنے نہ دیا شیر کو رن سے
اعدا سے مخاطب ہوئے یوں طرزِ حسنؑ سے گردوں ہے سرافراز ستاروں کے چمن سے

دن مہرِ جہاں تاب سے شب بدرِ دُجا سے
مُمتاز ہیں ہم زور شہؑ قلعہ کشا سے

۳۱

کیوں ہم سے مخالف ہو کہ حیدرؑ کے خلف ہیں ہم زینتِ اورنگِ سلیمان شرف ہیں
اِس بات پہ آیات اٹھانے کو حلف ہیں ہم مُہرِ نبوت کے لئے دُرِّ نجف ہیں

ہاں دین بھی خود لایا ہے ایمان ہمیں پر
حج طوف کے پردے میں ہے قربان ہمیں پر

۳۲

تعذیرِ عدو کا جو کریں دل میں ارادہ موذی کے لئے مار بنے ظلم کا جادہ
ہر نقش سے ہستی کا ورق ہو ابھی سادہ خیبر کی طرح سے ہو درِ فتح کشادہ

خالق نے کیا فرض اطاعت کو ہماری
خود خُمس و زکواۃ آئے ہیں بیعت کو ہماری

۳۳

یہ تیغِ یداللہ کا ہے دَور جہاں میں روشن ہے کہ بوڑی نہیں سورج کی سناں میں
پنجہ نہیں ثابت علمِ کاہکشاں میں خمیازہ کی خوکب ہے مہِ نو کی کماں میں

انسان تو کیا روحوں کو خود خوف ہے تن میں
چار آئینہ ہے چار عناصر کا بدن میں

۳۴

یہ سُنتے ہی لشکر سے برسنے جو لگے تیر تلوار کھنچی میان سے یا موت کی تصویر
رہوار پہ تن کر جو کیا نعرۂ تکبیر گِرد آپ کے پھر کر یہ پکارا فلکِ پیر

داوٗدؑ تجھے سوزِ خُدا ساز سے جانا
اللہ کو اکبرؑ تری آواز سے جانا

۳۵

کاٹھی سے جُدا یوں ہوئی تیغِ صفہانی جس طرح کہ موسیٰؑ کے لئے سنگ سے پانی
لشکر پہ چلی جھوم کے وہ دشمنِ جانی یا جوش پہ آئی کسی دلبر کی جوانی

اس طرح جھکی قتل پہ وہ اہلِ جفا کے
جس طرح کہ زاہد کوئی سجدے میں خُدا کے

۳۶

شہزادے نے آغاز جو کی رن میں لڑائی الحمد بھی خود فاتحہ پڑھتی ہوئی آئی
بسم اللہ بھی بسمل ہوئی وہ شان دکھائی کی سورۂ صف پڑھ کے ہر اک صف کی صفائی
در آتی تھی ہر دل میں وہ نیت کی طرح سے
جھکتی تھی لڑائی میں وہ رکعت کی طرح سے

۳۷

گل رنگ نہیں جوہرِ آئینۂ شمشیر شنجرفِ شفق سے ہے رقم آیہ تسخیر
یا مُصحفِ گل پر صفتِ آل ہے تحریر یا سہرِ بہشتی میں ہے یکجا عسل و شیر
مضمون نیا سُرخیٔ جوہر سے جلی ہے
ہاں شاہدِ نصرت نے حنا آج مَلی ہے

۳۸

اُس تیغ سے اس طرح پریشاں تھے وہ بدخو جس طرح کہ لیلیٰٔ شبِ قدر کے گیسو
یوں خون میں ڈوبی تھی دمِ جنگ وہ مہرو جیسے لبِ دریا شہِؑ ذیجاہ کا بازو
اس طرح خمیدہ تھی وہ افواجِ ستم میں
جس طرح کہ حضرت کی کمر بھائی کے غم میں

۳۹

آئینۂ قدرت ہے یہی تیغِ خداساز ہے جوہرِ شمشیر عدالت سے سرافراز
میداں میں قیامت کے جو دکھلائے یہ اعجاز دہشت سے پھرے صور کی نکلی ہوئی آواز
باطن میں بھی ہیں خوبیاں ظاہر کی طرح سے
سرخم ہے حبیب ابنِ مظاہرؑ کی طرح سے

۴۰

آئی ہوئی تھی فوج کے بیڑے پہ تباہی دکھلانے لگیں پُتلیاں مرقد کی سیاہی
خود سبزۂ جوہر یہی دیتا ہے گواہی ہاں بحرِ فنا میں ہے اسی خضرؑ کی شاہی
تھی ناب کی تنویر پہ تقریر یہ ضو کی
ہے چشمۂ خورشید میں کشتی مہِ نو کی

۴۱

قبضے میں وہ شمشیر ہے جو دم نہیں لیتی قبروں سے ہے ثابت کہ چھنا ہے دلِ گیتی
ارماں کو بھی یہ دل سے نکلنے نہیں دیتی یہ خون بہایا کہ ترائی ہوئی ریتی

یاں ڈر کے رکھا خودِ قمر سر پہ زمیں نے
۴۲ واں لی سپرِ ہفت فلک روحِ امیں نے

خاک ایک طرف اس سے اُڑا موت کا خاکا مشکل تھا اُترنا جو سرِ فوج جفا کا
اِک آن میں پُل بن گئی یہ بحرِ فنا کا تلوار سے کٹ کٹ کے اُڑا رنگ ہوا کا

اللہ رے اثر تیغِ دلاور کی چمک کا
۴۳ دو ٹکڑے ہے سُم آج تلک گاوِ فلک کا

اِس تیغ کے پانی سے جلی آب گہر میں اب تک ہے لپک خوفِ حرارت سے شرر میں
مثلِ دلِ عاشق تھی یہ معشوق کے بر میں آواز کی مانند گئی گوشِ سپر میں

سوفار نے لب اور نہ زباں تیر نے کھولی
۴۴ نیزے کی گرہ ناخنِ شمشیر نے کھولی

گر سہم کے تیر اپنا عطارد نہ چھپاتا پھر امن کا گوشہ کہیں عالم میں نہ پاتا
ڈرتا نہ اگر چرخ تو یوں چرخ نہ کھاتا اِس تیغ کے آگے جو بلِ ابرو پہ نہ آتا

انگشت نُما پھر مہِ نو کاہے کو ہوتا
۴۵ یوں شمع کی ہلتی ہوئی لَو کاہے کو ہوتا

نیزہ جو ستمگار نے سینے سے نکالا غش کھا کے گرا شاہ کے آغوش کا پالا
یاں عُن کے خبر لاش پہ آئے شہؑ والا زینبؑ کا وہاں غم سے ہوا دل تہہ و بالا

ہر چند کیا ضبط پہ دل کو نہ گل آئی
خیمے سے نبی زادی تڑپ کر نکل آئی

۴۶

بھائی کا رہا دھیان نہ پردے کا رہا ہوش یہ بھی نہ خبر تھی میں کھلے سر ہوں کہ روپوش
اکبرؑ سے گلے ملنے کو کھولے ہوئے آغوش دو مرتبہ زینبؑ کو یہ الفت کا ہوا جوش
حالت جو ہوئی میّتِ ہم شکلِ نبیؐ پر
۴۷ سر پیٹتی آئی تھی یونہی لاشِ اَخی پر

لکھا ہے کہ جب لُٹ گئی مظلوم کی سرکار زہراؑ کے کلیجے پہ پھری ظلم کی تلوار
بن بھائی کی زینبؑ ہوئی بن باپ کا بیمار سیدانیاں گھبرا کے تڑپنے لگیں اِک بار
پر زینبِ مضطر کو نہ خیمے میں کل آئی
۴۸ بچوں کو لئے ساتھ کھلے سر نکل آئی

رَن ہلتا تھا واں فتح کے باجوں کی صدا سے جنبش تھی اُدھر عرش کو زینبؑ کی بُکا سے
پیچھے کئی رانڈیں کئی بچّے تھے ذرا سے نوحہ تھا کہ ہے ہے مرے بے کس مرے پیاسے
میں آنے نہ پائی کہ سفر کر گئے بھیّا
۴۹ صد حیف کہ میں جیتی ہوں، تم مر گئے بھیّا

نکلی تھی ابھی گھر سے ید اللہ کی پیاری جو خیمے جلانے کو بڑھے فوج سے ناری
کُنبے کی عزادار یہ گھبرا کے پکاری اب بھی تمھیں رحم آیا نہ غُربت پہ ہماری
لِلّٰہ ترس کھاؤ کہ آفت کی گھڑی ہے
۵۰ اُلٹی ہوئی مسند مرے نانا کی پڑی ہے

دل ہِل گئے زینبؑ نے یہ کلمہ جو سُنایا اِس پر بھی مگر شمرِ لعیں باز نہ آیا
بے رحم نے گھر اپنے پیمبرؐ کا جلایا بن باپ کی بچّی کو ستمگر نے رُلایا
اب ضبط کا یارا ہے نہ قابو میں زباں ہے
منہ پیٹیں سب اپنا کہ طمانچے کا بیاں ہے

۵۱

لو مومنو! ہنگام ہے، سر کھولنے کا اب قیدی ہوئے سجادؑ چھنی چادرِ زینبؑ
کیوں آنکھ میں تاریک نہ ہو دن صفتِ شب زہراؑ و پیمبرؐ کا تبرک بھی لٹا سب

ہنگامِ سحر شام کے عازم جو شقی ہیں
اب لاشوں سے سیدانیاں رخصت کو چلی ہیں

۵۲

مقتل میں نبی زادیاں پہنچیں جو کھلے سر رونے لگیں سب پیاروں کے لاشوں سے لپٹ کر
گریاں تھی دلہن لاشۂ فرزندِ حسنؑ پر اکبرؑ کے گلے مل کے یہ چلّاتی تھی مادر

تم کو مرے پردے کا بہت دھیان تھا بیٹا
دیکھو مری قسمت میں یہ سامان تھا بیٹا

۵۳

اکبرؑ سے یہاں کہتی تھی یہ بانوئے سرورؑ تھی محوِ بکا لاشۂ شبیرؑ پہ خواہر
اس طرح بیاں کرتا ہے اِک راویِ مضطر ہر لاش پہ اِک پردہ نشیں پیٹتی تھی سر

مقتل میں ہر اِک سمت قیامت کا سماں تھا
دو لاشوں پہ لیکن نہ کوئی محوِ فغاں تھا

۵۴

فِضّہ کے قریب آ کے یہ اِک شخص نے پوچھا اِن بیبیوں میں کیا کوئی یگانا نہیں اِن کا
کس بی بی کے بچّے ہیں یہ دو بے کس و تنہا حیراں ہوں کہ اِن لاشوں پہ کوئی نہیں روتا

وہ بولی نہ رونے کا تعجب تجھے کیا ہے
یہ اُس کی کمائی ہے جو بھائی پہ فدا ہے

۵۵

داغ اُس کے کلیجے میں ہے شاہِؑ شہدا کا اِس وقت اُسے ہوش کہاں اِن کی عزا کا
بھائی سے زیادہ ہے اُسے نام خدا کا بیٹوں کا نہیں دھیان یہ ہے جوش وِلا کا

میں روؤں گی اِن کو یہ مرے لختِ جگر ہیں
بی بی کے نواسے ہیں خوزادی کے پسر ہیں

۵۶

کیا نام بتاؤں تجھے اُس کوکھ جلی کا زینبؑ ہے وہ ہمشیرِ شہِ بے کس و تنہا
ماں جائے کے غم میں نہیں بیٹوں کی بھی پروا زہراؑ کی طرح سبطِ پیمبرؐ کی ہے شیدا
ہر حال میں ہمراہ ہے غم ہو کہ محن ہو
شبّرؑ سا بھائی ہو تو زینبؑ سی بہن ہو

۵۷

اب تازہ قیامت یہ سُنیں عاشقِ سرورؑ لپٹی ہے یہاں لاشِ شبّرؑ سے خواہر
واں فوج سے ناقے لئے آئے ہیں ستمگر یہ کہتی ہے تنہا ہے یہاں لاشِ برادر
دکھلاؤں گی کیا حشر میں منہ بنتِ نبیؐ کو
جنگل میں اکیلا تو نہ چھوڑوں گی اخی کو

۵۸

بس رہنے دو لوگو مجھے یاں سے نہ اٹھاؤ بن بھائی کی تو کر چکے اب تو نہ ستاؤ
کیا مجھ سے غرض کوچ کرو اونٹ بڑھاؤ سر برہنہ در در مرے کنبے کو پھراؤ
فرقت کا الم تو نہ سہا ہے نہ سہوں گی
جس جا مرا بھائی ہے وہیں میں بھی رہوں گی

۵۹

گو پشت میں نیزوں کو چبھوتے تھے ستمگار مقتل سے نہ اُٹھتی تھیں مگر زینبؑ ناچار
سجادؑ حزیں کہتے تھے تنہا ہے یہ بیمار دُرّہ لئے ناگاہ بڑھا شمرِ جفا کار
کس منہ سے کہوں آہ کہ کیا بے ادبی کی
تھرّا کے اُٹھی لاش حسینؑ ابنِ علیؑ کی

۶۰

یہ کہہ کے اُٹھی خاک سے وہ ثانیٔ زہراؑ لو جاتی ہوں بھائی تمھیں اللہ کو سونپا
پھر بولی کہ بیووں کے قریب آئیں نہ اعدا اونٹوں پہ بٹھائے گی اُنہیں خود یہی تنہا
اعدا کو بھی غربت پہ رُلانے لگیں زینبؑ
ناقوں پہ اسیروں کو بٹھانے لگیں زینبؑ

۶۱

دل تھام کے یوں بیوۂ شبّرؑ کو پکاری بھابی ادھر آؤ کہ ہے تیار سواری
نوشاہ تو میدان میں سوتا ہے میں واری یہ خادمہ موجود ہے خدمت کو تمھاری
ہے پاس بڑے بھائی کا اس زار و حزیں کو
۶۲ ہاں پہلے میں ناقے پہ بٹھادوں گی تمھیں کو

پھر مادرِ اکبرؑ کو ندا دی یہ تڑپ کر لو تم بھی چڑھو اونٹ پہ اے بانوئے سرورؑ
اب سر پہ نہ شوہر ہے نہ پہلو میں ہے دلبر بھائی کے عوض ہاتھ کو تھامے گی یہ مضطر
چلتے ہوئے اکبرؑ کو بہت فکر تھی ماں کی
۶۳ تڑپے نہ کہیں روح مرے شیرِ جواں کی

یاں تک کہ کنیزوں کو بھی اونٹوں پہ چڑھایا تنہا جو رہیں آپ تو دل غم سے بھر آیا
قاسمؑ کو پکارا کبھی اکبرؑ کو بلایا مڑ کر سوئے دریا کبھی یہ شور مچایا
چھٹتی ہے بہن تم سے یہ آفت کی گھڑی ہے
۶۴ مل جاؤ سواری مری تیار کھڑی ہے

یہ کہہ کے چلی پھر طرفِ لاشۂ سرورؑ پاس آکے یہ چلائی وہ با حالتِ مُضطر
کیا خاک پہ یاں چین سے سوتے ہو برادر واری گئی ناقے پہ بٹھادو مجھے اُٹھ کر
اِس وقت بہن بے کس و ناچار ہے بھیّا
۶۵ سجّاد ہے باقی تو وہ بیمار ہے بھیّا

لکھا ہے کہ اس درد سے چلّائی وہ بے پر جنبش میں کئی مرتبہ آیا تنِ بے سر
آئی یہ ندا حلقِ بُریدہ سے کہ خواہر تنہا تمھیں چھوڑے گا نہ یہ بے کس و مضطر
مظلوم کو فرقت میں نہ چین آئے گا زینبؑ
ہمراہ تمھارے مرا سر جائے گا زینبؑ

مرثیہ:۲۱

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

جب علقمہ پہ فوجِ خُدا کا گُذر ہوا

تعدادِ بند: ۱۲۴

۱

جب علقمہ پہ فوجِ خُدا کا گذر ہوا استادہ خیمۂ شہِ جنّ و بشر ہوا
زیبِ کنارِ نہر علیؑ کا قمر ہوا غُل تھا کہ ختم سبطِ نبیؐ کا سفر ہوا
چھوڑا وطن بہشت میں جانے کے واسطے
۲ آئے ہیں کربلا کے بسانے کے واسطے

عصمت سرا کے در پہ بصد عزّ و احتشام کرسی پہ جلوہ گر تھے امامِ فلک مقام
تھے دست بستہ سامنے عباسؑ نیک نام ناگاہ دور سے نظر آئی سپاہِ شام
بادل کی طرح فوجِ ستم اُمڈی آتی تھی
۳ باجوں کا غُل یہ تھا کہ زمیں تھرتھراتی تھی

نقارے بج رہے تھے جلاجل کا شور تھا قرنا و طبل و بوق کی تھی جا بجا صدا
وہ جزر و مد و کرّ و فرِ فوجِ اشقیا کچھ تو سوار گھوڑوں پہ تھے کچھ پیادہ پا
دَل زنگیوں کے اور پرے شام و روم کے
۴ کالی گھٹا کی طرح بڑھے جھوم جھوم کے

ایک ایک کج سرشت کے تھا ابروؤں پہ بل مکّار و کینہ ساز و ستمگار و پُر دغل
تیغیں علم کئے ہوئے تھے فوجِ کیں میں یَل جوشِ بہادری سے دماغوں میں تھا خلل
کیا کیا تعلّیوں پہ سرِ پُر غرور تھے
۵ خانہ خراب بادۂ نخوت سے چور تھے

گمراہ و بد شعار و جفا کار و کینہ جو پیرو یزیدِ نحس کے، حیدرؑ کے تھے عدو
بھوکے تھے اس کے پیاسوں کا دم میں بہے لہو صرصر کی طرح گرم نفَس اور شُد خو
ناری تمام مستعدِ قتلِ شاہؑ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

۶

اس دھوم سے جو فوجِ ستم کا ہوا ورود عبّاسِ نامور سے یہ بولا وہ بحرِ جود
بھائی یقیں ہوا کہ یہ ہے لشکرِ حسود دو پیک سامنے سے ہوئے یک بہ یک نمود
دیکھا جو دور سے شہِ عالی مقام کو
مُجرا کیا حسینؑ علیہ السلام کو ۷

دونوں نے دست بستہ یہ باہم کیا کلام اے ابنِ بوترابؑ شہنشاہِ خاص و عام
بھیجا ہے ابنِ سعد نے حضرت کو یہ پیام دریا پہ شاہِ دیں کا مناسب نہیں قیام
صحرا میں لشکرِ شہِ عالی مکاں رہے
منظور ہے کہ فوج ہماری یہاں رہے ۸

تھوڑے سے ہیں حضور کے خویش و رفیق و یار اور اس طرف ہے کثرتِ افواج بے شمار
بگڑے ہوئے ہیں فوج کے پیدل بھی اور سوار حاکم کے سب مطیع ہیں کیا میرا اختیار
سیراب گر نہ لشکرِ ابنِ زیاد ہو
اغلب یہ ہے کہ پانی کے اوپر فساد ہو ۹

گرمی سے بے حواس ہیں سب زیست ہے وبال تکلیف میرِ شام کے لشکر کو ہے کمال
تکرار کیجئے گا تو اے شاہِ خوش خصال رُکنا پھر اس سپاہ کا ہوگا بہت محال
ہے مصلحت یہی کہ نہ مجتت ذرا کریں
خُدّامِ شاہ دشت میں خیمے بپا کریں ۱۰

جب یہ سُنا پیامِ بنِ سعدِ بے حیا دیکھا فلک کو اور کہا جو تری رضا
پھر قاصدوں سے بولے شہنشاہِ کربلا اچھا ہمیں قبول ہے اُس نے جو کچھ کہا
روشن ہے سب جو عزم ہے فوجِ جہول کا
ریتی پہ جا رہے گا نواسہ رسولؐ کا

۱۱

کیا کام ہم کو نہر سے آ کر کریں وہ چین ایذا سہے گا دھوپ کی زہراؑ کا نورِ عین
خوشنود ہر طرح سے ہے ابنِ شہِ حنین اپنی طرف سے شر نہ کرے گا کبھی حسینؑ

ہر حال میں یہاں تو خُدا پر نگاہ ہے
۱۲ ساحل سے کچھ غرض نہ ترائی کی چاہ ہے

کی سب نے زیرِ چرخِ پدر سے مرے بدی راحت مجھے کہاں تہِ چرخِ زبر جدی
ہے خُلد میں مرے لئے قصرِ زمردی کافی ہے بس مجھے کرمِ بحر سرمدی

ناحق کسی کا درپئے ایذا حسینؑ ہو
۱۳ میں خوش ہوں جس میں نانا کی امت کو چین ہو

عباسؑ بھی کھڑے ہوئے سُنتے تھے یہ پیام آقا سے کی یہ عرض کہ اے شاہِ خاص و عام
کرتے ہیں آپ عجز کے کس واسطے کلام تیغِ حیا سے دل میں کٹا جاتا ہے غلام

دشمن ہے وہ شقی خلفِ بُو ترابؑ کا
۱۴ میں تو اُکھڑنے دوں گا نہ خیمہ جناب کا

واقف نہیں کہ قہرِ خُدا ہے مرا غضب خود ہوں وہ بے ادب تو پھر اُمت کا کیا ادب
آخر ہمارے نہر سے اُٹھنے کا کچھ سبب دیکھیں تو نہر پر وہی رہتے ہیں یا ہم اب

خود ہم نے کب سفر کے یہ صدمے اُٹھائے ہیں
۱۵ جب اُس نے بار بار لکھا ہے تو آئے ہیں

آیا نہیں ہے آپ سے زہراؑ کا یادگار بھیجے ہیں اُس نے خط متواتر کئی ہزار
ہمراہ بھی ہیں میرے خطوط اُس کے بے شمار ہاں سامنے تو آئے کدھر ہے وہ نابکار

عباسؑ سا غلام ابھی ہے جہان میں
ایسے کلام قبلہ و کعبہ کی شان میں

۱۶

صفدر نہیں کہ غازی و جرار ہم نہیں یا لشکرِ خُدا کے علمدار ہم نہیں
یا شک ہے خادمِ شہِ ابرار ہم نہیں کہہ دے وہ ابنِ حیدرؑ کرار ہم نہیں
ممکن نہیں کہ جنگ سے اپنے قدم ہٹیں
بابا اگر کسی سے ہٹے ہوں تو ہم ہٹیں

۱۷

کیا اپنے دل میں سمجھا ہے وہ باغیٔ جفا آکر اُٹھا تو دے ہمیں اس نہر سے بھلا
غُربت زدہ سمجھ کے ڈراتا ہے بے حیا دبتے نہیں کسی سے جگر بندِ مُرتضیٰؑ
ہم کو اُٹھا سکے وہ لعیں کیا مجال ہے
شیروں کا اب ترائی سے ہٹنا محال ہے

۱۸

تھرّا کے دونوں پیک وہاں سے ہوئے رواں جا کر یہ ابنِ سعدِ لعیں سے کیا بیاں
دریا سے چاہتے ہیں کنارہ شہِ زماں بپھرا ہے دیر سے مگر ایک شیرِ نوجواں
غازی ہے صف شکن ہے شجاعت شعار ہے
چہرہ سے رعبِ شیرِ خُدا آشکار ہے

۱۹

سُن کر پیامِ پیک یہ بولا وہ بے حیا عباسؑ نامور ہے وہ فرزندِ مُرتضیٰؑ
یہ کہہ کے اپنی فوج کو ظالم نے دی صدا باگیں اُٹھاؤ گھوڑوں کی اب دیکھتے ہو کیا
ہرگز ادب کرو نہ شہِ مشرقین کا
جا کر گرادو نہر میں خیمہ حسینؑ کا

۲۰

حکمِ عمر یہ سُن کے بڑھی شام کی سپاہ آمد وہ قہر کی تھی کہ اللہ کی پناہ
عباسؑ نے جو کثرتِ لشکر پہ کی نگاہ بڑھ کر کہا جری نے کہ او فوجِ روسیاہ
بس بس وہیں ٹھہر کہ ادب کا مقام ہے
یہ بارگاہِ سبطِ رسولؐ انام ہے

۲۱

آگے قدم بڑھاؤ نہ او نا خدا شناس کچھ عترتِ رسولؐ کا تم کو نہیں ہے پاس
اب متصل ہے خیمۂ شاہِ فلک اساس میں سر بکف کھڑا ہوں نہیں جان کا ہراس
رستم بھی سامنے ہو تو ٹوکا نہ جائے گا
۲۲ جب تیغ کھنچ گئی مجھے روکا نہ جائے گا

یہ سُن کے بھی رُکے جو نہ اعدائے بدصفات ڈالا جری نے قبضۂ تیغِ خدا پہ ہاتھ
دیوڑھی سے دیکھتے تھے شہنشاہِ کائنات گھبرا کے دی صدا کہ مناسب نہیں یہ بات
لڑیو نہ اِن سے تم یہ ہیں اُمت رسولؐ کی
۲۳ بھائی تمہیں قسم ہے علیؑ و بتولؑ کی

نانا کے کلمہ گو ہیں مناسب ہے ان کا پاس کیوں کانپتے ہو غیض سے آؤ ہمارے پاس
اِن میں تمہارا کوئی نہیں مرتبہ شناس دیکھو بڑھے نہ جاؤ کہ دشمن ہیں بے قیاس
اعدا نے کیا کہا کہ ملال آگیا تمہیں
۲۴ کیوں شیرِ حق کی طرح جلال آگیا تمہیں

بھائی نثار تُم پہ یہ غصہ کی جا نہیں اِس دم علیؑ کی تیغ کا کھنچنا روا نہیں
ہم کو بھی تو کسی نے بُرا کچھ کہا نہیں کہتا ہے کون تم خلفِ مرتضیٰؑ نہیں
مجھ سے بھی منہ پھرا لیا اللہ بھائی جان
۲۵ غصہ سے تھرتھرانے لگے واہ بھائی جان

بھائی اگر فُرات پہ قبضہ کیا تو کیا ہر دم خُدا کا چاہئے بندے کو آسرا
مختار سلسبیل ہے، فرزندِ مُرتضیٰؑ پانی کے واسطے تمہیں لڑنا نہیں روا
نانا کے کلمہ گو کا دُعا گو حسینؑ ہے
راحت انہیں سمھوں کو ہو بس دل کو چین ہے

۲۶

یہ کہہ کے آئے حضرتِ عباسؑ کے قریں باہیں گلے میں ڈال کے چومے لب و جبیں
شرمندہ ہو کے واں سے ہٹا لشکرِ لعیں ساتھ اپنے لے کے بھائی کو آئے امامِ دیں

ریتی پہ یاں بپا ہوا خیمہ امام کا
قبضہ ہوا فُرات پہ افواجِ شام کا ۲۷

ہفتم سے پانی ہوگیا آلِ نبیؐ پہ بند خیمے میں العطش کی صدائیں ہوئیں بلند
دریا سے پانی پیتے تھے واں اشتر و سمند پیاسا تھا یاں رسولؐ کا فرزندِ ارجمند

سوکھے ہوئے تھے ہونٹ پیمبرؐ کی آل کے
بچے تڑپ رہے تھے شہِ خوش خصال کے ۲۸

تھا جامِ خشک ہاتھ میں دریا پہ تھی نظر بالی سکینہؑ کہتی تھی عموں گئے کدھر
کوسوں سے پانی لاتے تھے رستے میں دوڑ کر کیا آج سوکھے ہونٹ ہمارے نہ ہوں گے تر

میں پیاس میں تڑپتی ہوں کیا ہوگئے چچا
منزل پہ آکے مجھ سے خفا ہوگئے چچا ۲۹

جب نہر سے عدو نے اُٹھایا امام کو ریتی پہ جا ملی شہِ عالی مقام کو
ایذا بغیر آب تھی ہر تشنہ کام کو تشویش تھی حسین علیہ السلام کو

سوکھے ہوئے تھے ہونٹ محمدؐ کی آلؑ کے
بچے تڑپ رہے تھے شہِ خوش خصال کے ۳۰

گرمی یہ تھی کہ پیاس نہ اِک آن بھی تھمے بھولے ہوئے تھے دشت میں شیر اپنے ہمکے
پارہ تھے وحشیوں کے جگر کیا قدم جمے چشمے پہ جا کے آہوئے صحرا بھی تھے رمے

دبکے تھے شیر منہ کو ترائی میں ڈال کے
چیتے تڑپ رہے تھے زبانیں نکال کے

۳۱

باقی نہ طائرانِ ہوا میں بھی تھے حواس منقار کھولے بیٹھے تھے پانی کے آس پاس
تھے چہچہوں کے بدلے زباں پر صفیرِ یاس ہر چیز شورِ قُرب قیامت سے تھی اُداس
گرمی پہ تھا دماغ جو نار سعیر کا
بازار سرد تھا کُرۂ زمہریر کا

۳۲

تھا بحر و بر میں فرطِ تمازت سے اضطراب پانی میں مچھلیوں کے جگر ہوگئے کباب
چشمہ کا منزلوں نہ پتا تھا بجز سراب تر بھی نظر پڑا تو بس اِک دیدۂ حباب
ذرّوں کو بھی نہ تاب تھی گرمی کی تاب سے
جلتی تھی اُن دنوں میں زمیں آفتاب سے

۳۳

نالے جگر خراش تھے وحش اور طیر کے شاغل تھے اہلِ ظلم شکار اور سیر کے
شاداب ہورہا تھا کوئی پیر پیر کے اِک نہر بہہ رہی تھی سو قبضہ میں غیر کے
سیراب علقمہ سے ہر اِک بد خصال تھا
محتاجِ آب ساقیٔ کوثر کا لال تھا

۳۴

دو دن مسافروں نے جو کی پیاس میں بسر ناگہہ عیاں ہوئی شبِ عاشورہ کی سحر
اُٹھے ادائے فرض کو سلطانِ بحر و بر کی جستجوئے آب نہ پانی ملا مگر
غمگیں تھے سب امامِ حجازی کو دیکھ کر
شہ روتے تھے ہر ایک نمازی کو دیکھ کر

۳۵

پانی مُصلّیوں کو میسر نہ جب ہوا خاکِ شفا سے سب نے تیمم کئے ادا
بہرِ اذاں کھڑے ہوئے ہمشکلِ مصطفیٰؐ میداں میں غُل تھا اشہد ان لا الٰہ کا
تکبیر کی جو بعدِ اقامت امامؑ نے
سب مقتدی کھڑے ہوئے قبلہ کے سامنے

۳۶

تھے صف میں سب جری عقبِ سرورِ مبیں ابرار و حق پرست و سحر خیز و اہلِ دیں
شب زندہ دار و ذاکر و زہاد و مہ جبیں ایک ایک کی زباں پہ وَ اِیَّاکَ نستعین

پیشانیوں پہ سب کے جو گٹھے نمود تھے
۳۷ ظاہر یہ تھا کہ محورِ رکوع و سجود تھے

تھی حُسنِ یوسفی سے تجلّی زیادہ تر جل جائے یاں جو بے ادبانہ پڑے نظر
چہروں میں آب و تاب تھی کالشمس و القمر شرمندہ جن کے صبح پنا گوش سے سحر

غیرت سے رنگ روئے قمر کیوں نہ ماند ہو
۳۸ دس بیس آفتاب میں جب ایک چاند ہو

دیکھے نہیں جہان میں ایسے خُدا پرست خوف و رجا میں قلب سبھوں کے بُکا پرست
سمجھے ہمیشہ باغِ جہاں کو ہوا پرست شیریں زباں شگفتہ مزاج آشنا پرست

دل سوز ایسے قبلۂ عالم نے پائے تھے
۳۹ سب شمع بزمِ دیں کی طرف لَو لگائے تھے

ذکرِ خُدا سے سب کی زبانوں کو کام تھا نکلی جو بات منہ سے خُدا کا کلام تھا
سوکھے لبوں پہ ساقیِ کوثر کا نام تھا کرتے نہ کیوں وہ فخر کہ کیسا امام تھا

تھے سب کے دل عبادتِ حق پر تُلے ہوئے
۴۰ قرآں تھے رحلِ زیں پہ برابر کھلے ہوئے

ہر فرد آسمانِ بلاغت کا آفتاب لہجہ میں انتخاب، فصاحت میں لا جواب
بے فصل سب مدینۂ علمِ نبیؐ کے باب تعلیم کردۂ خلف الصّدق بوترابؑ

حامل ہر اِک حدیث رسالت مآب کا
حافظ ہر اِک جوان خدا کی کتاب کا

۴۱

ناصر نبیؐ کے لال کے اللہ کے ولی دو دن کی بھوک پیاس میں صدمہ نہ بے کلی
ہر شیر کی زبان پہ تھا نعرۂ علیؑ دردِ زباں تھا نادِ علیاً سیفعلی
تیغ و سنان و تیر سے گو جسم چھن گیا
اللہ رے حوصلہ نہ مگر بانکپن گیا ۴۲

حاصل بڑے تھے غازیوں کے کارِکشت کے مضموں کھلے ہوئے تھے خطِ سرنوشت کے
مشتاق سب تھے گلشنِ عنبر سرشت کے دکھلا دیئے تھے شاہ نے درجے بہشت کے
کوثر بنا تھا تشنہ دہانوں کے واسطے
حوروں کا تھا نکھار جوانوں کے واسطے ۴۳

حق بین وحق بیان وحق آئین وحق نیوش محفوظ منہیات سے چشم و زبان و گوش
شاغل مدام ذکرِ خفی کے زباں خموش سب غازی و مجاہد و جانباز و سر فروش
ہر وقت دل میں خوف تھا ربِّ ودود کا
گر عشق بھی رہا تو رکوع و سجود کا ۴۴

خوش وضع خوش بیان، خوش آئین وخوش خصال ذی فہم و ذی لیاقت و ذی جاہ و ذی کمال
با صبر و با کرامت و با حُسن و با جمال بے بغض بے عداوت و بے کینہ بے ملال
کیا حق پرست سرورِ غازی کے ساتھ تھے
کیا لوگ فاطمہ کے نمازی کے ساتھ تھے ۴۵

اللہ رے خضوع و خشوع و حُضورِ قلب آئینہ ہائے صدر سے روشن تھا نورِ قلب
ظاہر تھا قلبِ صاف پہ فسق و فجورِ قلب تھا بادۂ الست سے حاصل سُرورِ قلب
معبود کی رضا پہ رضامند سب کے سب
فاستعجلوا الصلوات کے پابند سب کے سب

۴۶

جس دم فریضۂ سحری کو ادا کیا آخر بلند شاہ نے دستِ دُعا کیا
سوکھے لبوں کو نُطق سے پھر آشنا کیا خالق سے عرضِ حال بہ آہ و بُکا کیا
پردے اُٹھے مُغائرتِ امتیاز کے
۴۷ کھلے شروع ہوگئے راز و نیاز کے

رو رو کے عرض کی یہ جنابِ الٰہ میں یارب حرم کو دیتا ہوں تیری پناہ میں
ثابت قدم حسینؑ رہے تیری راہ میں ہو خاتمہ بخیر مرا قتل گاہ میں
کچھ خواہشِ مدد نہیں مُجھ بھوکے پیاسے کو
۴۸ کافی ترا کرم ہے نبیؐ کے نواسے کو

عالم ہے تو کہ فوجِ ستم گر ہے بے شُمار اور ہیں قلیل سبطِ پیمبرؐ کے جاں نثار
دو دن کی بھوک پیاس سے سب ہیں نحیف وزار طاقت تُو اِن کو بخشیو ہنگامِ کارزار
اس بے کس و غریب کا دل شاد کیجیو
۴۹ یا رب مرے رفیقوں کی امداد کیجیو

تُو نے کیا خلیل پہ آتش کو باغ باغ تیرے کرم سے جسم کو پہنچا نہ ایک داغ
چاہے جو تو ہوا سے نہ گُل ہو سکے چراغ اُڑ جائے ایک پشہ سے نمرود کا دماغ
رستم کو تُو شکست دے زار و نحیف سے
۵۰ لے کام اژدہے کا عصائے ضعیف سے

تیرا اگر کرم نہ ہو اے ربِّ ذوالجلال میں اس جفا پہ صبر کروں کیا مری مجال
شدت سے آفتاب کی گو ہوں بہت نڈھال اس دھوپ میں ہے آب سے افزوں ترا اضلال
کیا غم جو تین روز سے پیاسا حسینؑ ہے
آخر ترے نبیؐ کا نواسہ حسینؑ ہے

۵۱

فارغ دُعا سے ہو کے اُٹھے شاہِ کربلا ناگاہ طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
رن کی طرف بڑھا جو دل و جانِ مرتضیٰؑ رخصت طلب ہوئے رفقائے شہ ہُدا

توسن پہ جلوہ گر جو امامِ زماں ہوئے
خویش و رفیق و یار جلو میں رواں ہوئے ۵۲

گھوڑوں پہ تھے سوار جوانانِ ہاشمی پڑ جائے جن کے رعب سے لشکر میں برہمی
گاہِ زمیں ثبات سے جن شیروں کے تھمی فاقے سے تھے مگر نہ شجاعت میں تھی کمی

ہر چند منہ میں پیاس سے اینٹھی زبان تھی
پر بانکپن وہی تھا وہی آن بان تھی ۵۳

تھا صدرِ زیں پہ جلوہ کناں بادشاہِ دیں حلقہ کئے تھے گِرد جوانانِ مہ جبیں
قاسمؑ سوئے یسار تھے اکبرؑ سوئے یمیں زینبؑ کے دونوں لال بھی ماموں کے تھے قریں

اللہ رے اوج فوجِ امامِ جلیل کا
سر پر لگا تھا چتر پرِ جبرئیل کا ۵۴

پہنچا جو رزم گاہ میں وہ سیدِ جلیل غازی خدا کی راہ میں ہونے لگے قتیل
کٹوا کے حلق مر گئے مُشتاقِ سلسبیل تا ظہر قتل ہو گیا سب لشکرِ قلیل

تھے گردوپیش پیاروں کے لاشے پڑے ہوئے
روتے تھے قتل گاہ میں حضرت کھڑے ہوئے ۵۵

فرطِ قلق سے تھا شہِ مظلوم کا یہ حال رُخ زرد رعشہ جسم میں رونے سے آنکھیں لال
ہونٹوں پہ آہ دل پہ ہجومِ غم و ملال عابدؑ کا رنج اہلِ حرم کا کبھی خیال

جاتے تھے گہہ پسر کے تنِ پاش پاش پر
روتے تھے گاہ آ کے برادر کی لاش پر

۵۶

فرماتے تھے کہ بھائی کا بھی کچھ خیال ہے ہم کو تمہارے ہجر میں جینا وبال ہے
دل جل رہا ہے پیاس کی شدت کمال ہے نرغہ میں دشمنوں کے محمدؐ کا لال ہے
ساماں یہ ہیں نبیؐ کے نواسے کے واسطے
تلواریں تیز ہوتی ہیں پیاسے کے واسطے ۵۷

یہ کہہ کے آئے شاہ قریبِ سپاہِ شام اِک اِک کے ساتھ سر کو جُھکا کر کیا کلام
مہماں ہے تم سبھوں کا یہ مظلوم و تشنہ کام واللہ میرے حال پہ ہے رحم کا مقام
پچھتاؤ گے جو حلق پہ خنجر پھراؤ گے
مجھ سا امام پھر نہ زمانے میں پاؤ گے ۵۸

وہ کہتے تھے مدد کو کسی کو بُلایئے اعجاز سے پھر ابنِ حسنؑ کو جلایئے
عباسؑ کو پکار کے پانی منگایئے ہاتھوں پہ رکھ کے اور کوئی طفل لایئے
ہم شکلِ مصطفیٰؐ نہ محمدؐ نہ عون ہے
ہاں آپ اب لڑیں تو لڑیں اور کون ہے ۵۹

اب دیر کیا ہے کیجئے تیغِ دو سر علم سُنتے تھے ضربتِ شہِ مرداں کی دھاک ہم
روتے ہو کس کے واسطے ہے کس جواں کا غم کیوں ہاتھ کانپتے ہیں کمر کس لے ہے خم
لڑ کر کوئی کمالِ صفاتی دکھایئے
تیغِ خُدا کے جوہرِ ذاتی دکھایئے ۶۰

حضرت نے مُسکرا کے کہا او سپاہِ شام یہ کیا گزاف ولاف ہے بس بس زباں کو تھام
ہے خیر جب تلک میں نہیں کھینچتا حسام ابنِ علیؑ کے سامنے یہ کبر کے کلام
بکتے ہو کیا ذرا تمہیں شرم و حیا نہیں
اے خود سرو غرور پسندِ خدا نہیں

۶۱

تنہا سمجھ کے مجھ کو ہوئے اس قدر دلیر عباسؑ کے تو قتل سے اتنے نہیں ہو شیر
انصاف کی جگہ ہے کرو اب سروں کو زیر اکبرؑ کو برچھی مار کے بھی تم ہوئے نہ سیر
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کو جو پالا ثمر یہ ہے
میرے سوا جہاں میں کسی کا جگر یہ ہے

۶۲

بھائی کے شانے کٹنے سے طاقت نہ گو رہی پر ہے ہمارے ہاتھ میں زورِ یدالٰہی
اب تک تو ہم نے صبر کیا اور جفا سہی تم جنگ چاہتے ہو تو اچھا یہی سہی
نازاں ہو تم اُجاڑ کے کھیتی بتولؑ کی
میں جانتا ہوں یہ کہ ہو اُمت رسولؐ کی

۶۳

میرے مطیعِ حکم ہیں عالم کے وحش و طیر میں ہوں عزیزِ خلق پہ تُم جانتے ہو غیر
واللہ کچھ حصول نہیں مجھ سے کر کے بیر شر کر کے مجھ سے چین ملے تم کو یہ بخیر
دشمن نبیؐ کی آلؑ کا خانہ خراب ہے
خونِ حسینؑ خونِ رسالتؐ مآب ہے

۶۴

پائے نہ فتح ایک جہاں، ہم ہیں وہ جری ہیں زیر جن کے نام سے کوفی و خیبری
بحرِ وغا کی ختم ہے ہم پر شناوری نکلے پرے سے ہو جسے دعوائے ہمسری
کان آشنا ہیں فوجِ ستم کے غریو سے
انساں کی کیا بساط لڑیں ہم تو دیو سے

۶۵

مشہور ہے جہاں میں ہمارا حسب نسب سیفِ خدا و دستِ خدا ہے مرا لقب
دشمن ہمارا نار میں ہے مثلِ بولہب اِستسمعوا الحدیث انا افصح العرب
واللہ نفسِ ناطقہ ہیں ہم کلیم کے
مفہوم ہیں کلامِ بذبحٍ عظیم کے

٦٦

ہے مجھ کو علمِ غائب و فی الحال و مَا مَضا سینہ ہے میرا مصدرِ اسرارِ کبریا
نانا محمدؐ عربی فخرِ انبیا باپ افضلِ الرجال ہے ماں اشرف النسا

بیٹا ہوں اُس کریم کے میں خانہ زاد کا
اُمّ القریٰ کو فخر ہے جس کی ولاد کا ٦٧

اخفا ہو کس طرح متواتر خبر بھلا پوشیدگی کی بات نہیں ہے یہ بر ملا
ردِّ سخن کرے یہ کسی کا نہ بس چلا اَشدّ کم علیؑ نے کہا بولے سب کہ لا

بس مختصر ہمارے سخن کی دلیل ہے
دیکھو کتاب میں یہ حدیثِ طویل ہے ٦٨

کافی ہے حُسنِ معنی و صورت کرو جو دید قسمِ مشابہات نہیں اِنّما یُرید
کس کی زباں ہے قُفلِ درِ علم کی کلید قرآں میں ذکر کرتا ہے کس کا خُدا مزید

کہہ دو کہ ابنِ حیدرؑ کرّار ہم نہیں
اتممتُ نعمتی کے سزاوار ہم نہیں ٦٩

آیا ہے کس کے واسطے و لنبلونکُم مصداقِ خوفِ جوع ہیں اس وقت ہم کہ تُم
جُو میرے نقصِ مال ہوا کس کا تا دُہم دیکھو ہوئے ہیں انفس و ثمرات کس کے گُم

مارا ہے جن کو تم نے وہ فرزند ہیں مرے
اثمار سے مُراد جگر بند ہیں مرے ٧٠

اللہ جانتا ہے جو ہے رتبۂ علیؑ انگشتری رکوع میں سائل کو کس نے دی
نفسِ رسول اِن کے سوا اور ہے کوئی نازل ہوا ہے کس کے لئے اِنّما ولی

کیوں افضل العباد وہ حق کا ولی نہیں
اعلیٰ ترین اُمّتِ احمدؐ علیؑ نہیں

۷۱

سائل کو تین روز جو کھانا کھلادیا رزّاقِ دو جہاں نے کیا ہل اتیٰ عطا
بحرین کیا ہیں فاطمہؑ و شاہِ لافتیٰ برزخ سے ہے کنایۂ محبوبؐ کبریا
دیکھو کہ جانِ سورۂ رحمان کون ہے
گر ہم نہیں تو لولوؤ مرجان کون ہے ۷۲

تفسیر سے ہے سورۂ مریم کی سینہ چاک ہے کافِ کربلا وہ یہی ہے زمینِ پاک
اور ہے خُدا گواہ کروگے مجھے ہلاک یاں مبتلائے یاس ہوں ی سے میں دردناک
ہے عین کاشفِ عطش اس نامُراد کا
شبّیرؑ صبر کر یہ اشارہ ہے صاد کا ۷۳

کچھ اپنی پیاس کا مجھے اس دم نہیں خیال اُس روز کا کمال مگر دل کو ہے ملال
مقدار جس کا ہوگیا خمسین الف سال اُس وقت ہوگا پیاس سے کس کا تباہ حال
یاں سُرخرو ہو حاکمِ باطل کے سامنے
واں کیا کہو گے خالقِ عادل کے سامنے ۷۴

رونے کی جا ہے کہہ نہ چکے تھے ابھی یہ شاہ بڑھ کر پرے سے کہنے لگا شمر روسیاہ
سچ ہے یہ سب مگر نہ ملے گی تمہیں پناہ خنجر ہے میرا اور محمدؐ کی بوسہ گاہ
جلدی ملے حکومتِ رے آرزو یہ ہے
پیاسا کروں شہید تمہیں آبرو یہ ہے ۷۵

حضرت نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا اب حکم کیا ہے نُجبتِ آخر ہوئی ادا
باز آئیں گے نہ قتل سے میرے یہ بے حیا آئی ندائے غیب مرے عبد مرحبا
دل سخت ہے بہت سپہ بد خصال کا
ہاں اب اثر دکھا غضبِ ذوالجلال کا

۷۶

سُن کر صدائے غیب امامِ اُمم بڑھے جولاں کیا فرس کو دکھا کر حشم بڑھے
اعدا اُدھر سے کھول کے کالے علم بڑھے قُدسی اِدھر جلو میں قدم با قدم بڑھے

عرصہ جو تنگ ہوگیا مارے ہجوم کے
کھینچا کمر سے تیغِ الٰہی کو چوم کے ۷۷

چمکا کے ذوالفقار جو شاہِ زماں جھکے بہرِ سلام فوجِ ستم کے نشاں جھکے
ترکش میں تیر سہم کے شکلِ کماں جھکے نیزے جو راست تھے صفتِ ناتواں جھکے

غُل ہر طرف تھا ضربِ شہِ نامدار کا
سکہ بٹھا رہا تھا چلن ذوالفقار کا ۷۸

ہل چل پڑی اُدھر جدھر اِک وار چل گیا گر کر سوار گھوڑے کے نیچے کچل گیا
جو منہ پہ آگیا وہ شراروں سے جل گیا شاید بچا جو بھاگ کے آگے سے ٹل گیا

وار اُس کا رد کسی کی سپر سے نہ ہو سکا
یاں کام جبرئیل کے پر سے نہ ہو سکا ۷۹

کیا گُل کھلا رہی تھی دمِ کارزار تیغ دکھلا رہی تھی فصلِ خزاں میں بہارِ تیغ
تھی خوں فشاں کہیں تو کہیں شعلہ بار تیغ جسموں کو کاٹ جاتی تھی مثلِ خیار تیغ

دم بند سرکشوں کے دمِ جنگ کر گئی
جو سامنے پڑا اُسے چو رنگ کر گئی ۸۰

ہر سُو پرے تھے فوج کے زیر و زبر اُدھر کٹ کٹ کے تن اِدھر کو گرے تھے تو سر اُدھر
ملتی نہ تھی کسی کو اِدھر کی خبر اُدھر شمشیرِ شاہ کوند رہی تھی اِدھر اُدھر

زوروں پہ تھی جو ہمّتِ عالی چڑھی ہوئی
تھی چرخ پر وہ تیغِ ہلالی چڑھی ہوئی

۸۱

دو اُنگلیاں تھیں موت کی تیغِ دو سر نہ تھی اِک دم میں دو نہ تھی کوئی ایسی سپر نہ تھی
کب پیش و پس نہ آئی کہ زیر و زبر نہ تھی سر اُڑ رہے تھے یوں کہ بدن کو خبر نہ تھی
قسمت کا روسیاہوں کی کیا پھیر ہو گیا
منہ پر سپر کے رُکتے ہی اندھیر ہوگیا

۸۲

ڈھالوں پہ گر کے پھولوں میں بستی چلی گئی جوں ابر ناریوں پہ برستی چلی گئی
اُتری جو اوج سے سوئے پستی چلی گئی ناگن کی طرح فوج کو ڈستی چلی گئی
بے فائدہ نہ پھرتی تھی کھولے دہانوں کو
چسکا پڑا تھا خونِ عدو کا زبانوں کو

۸۳

سَن سے جدھر وہ تیغ دو دَستی نکل گئی دم میں جلا کے خرمنِ ہستی نکل گئی
ابرِ بہار تھی کہ برستی نکل گئی لوہا بہت اصیل تھا گستی نکل گئی
دو تین ہاتھ سیلِ فنا سے بڑھی رہی
اُترا بھی سر بدن سے مگر یہ چڑھی رہی

۸۴

کافی تھی پیاس میں اُسے خوں کی فقط نمی بَرش میں تھا نہ فرق نہ تیزی میں تھی کمی
کڑیاں زرہ کی جھیلی ہوئی اور کسی دمی جس صف میں جا پڑی، ہوئی اُس صف میں برہمی
حال آئینہ تھا فوج میں منہ کی صفائی کا
دعویٰ تھا چار آئینوں سے رونمائی کا

۸۵

تھا سُرخ ذوالفقارِ شہِ لافتیٰ کا منہ چڑھتا جو منہ پہ تھا نہ کسی بے حیا کا منہ
غُل تھا دہانِ تیغ ہے یہ یا قضا کا منہ ضربت غضب کی قہر کی بَرش بلا کا منہ
پھل تیغ کے اُڑا دئے اور پھول ڈھال کے
قربان ذوالفقار تری چال ڈھال کے

۸۶

جس صف پہ تیغ تول کے شاہِ زمن چلے چلّائے جن نہ پھر کہیں جانوں پہ بن چلے
صحرا سے ڈر کے کوہ میں چھپنے ہرن چلے تھرّائے خوف سے جو بہادر تھے من چلے
آنکھوں کو بند کر کے ستمگر دہل گئے
کوندی جو برقِ تیغِ علیؑ دم نکل گئے ۸۷

چلتے تھے جب سپاہِ جفا کیش سے خدنگ تنکوں کی طرح کاٹتی تھی تیغِ بے درنگ
دہشت سے سامنے کوئی ٹھہرا نہ وقتِ جنگ رن میں عجیب ڈھنگ تھا اِس کا عجیب رنگ
فولاد و چوب و سنگ کہاں پر گری نہ تھی
کیا منہ بلا کا تھا کہ کہیں سے کری نہ تھی ۸۸

شمشیرِ برق وش کی نئی چال ڈھال تھی سمٹی تو بدر تھی جو بڑھی تو ہلال تھی
اعدائے دیں کے خون کے چھینٹوں سے لال تھی بالکل نمونۂ غضبِ ذوالجلال تھی
تھا شور چاشنی یہ نئی اس کے پھل کی ہے
شیرینیٔ حیات میں تلخی اجل کی ہے ۸۹

بڑھتی تھی جب کہ فوجِ ستم کر کے جزر و مد کہتی تھی ذوالفقارِ علیؑ یا علیؑ مدد
صحرا میں مثلِ سیل رواں تھی بشدّ و مد تیغِ ابوترابؑ کو تھی ناریوں سے کد
پی پی کے خون دشت میں چھڑکاؤ کر گئی
تیروں کو کاٹ کاٹ کے ستھراؤ کر گئی ۹۰

دم دیتی تھی سروں پہ کیا تھا وطن نیا ہر تختۂ بدن پہ کھلا تھا چمن نیا
زخموں کا بات کیلئے کھولا دہن نیا کس بل نیا تھا ٹھاٹھ نیا بانکپن نیا
تلواروں کو میان میں سیدھی نہ راہ تھی
ڈھالوں کو آسماں کے تلے کب پناہ تھی

۹۱

تکتی تھی موت تیغِ امامِ اُمم کی راہ دم کی طرح سے بند تھی اہلِ ستم کی راہ
ناگن جو طے کئے ہوئے تھی پیچ وخم کی راہ موذی کو اس کی تاب تھی سیدھی عدم کی راہ

مالک کھڑے تھے آگ لگانے کے واسطے
دوزخ بھڑک رہے تھے جلانے کے واسطے ۹۲

جاتی تھی خشک و تر پہ جو تیغِ شہِ اُمم وہ کون سی تھی شے کہ ہوئی ہو نہ جو قلم
دریا میں مچھلیوں کے گلے کٹ گئے بہم مینڈھے اُچھل کے کہتے تھے قربانِ شاہ ہم

ہر سُو یہ غُل تھا آج ہوا کیا بُری چلی
تلوار کیا چلی کہ گلے پر چُھری چلی ۹۳

ہنگامۂ وغا میں یہ تھا بادپا کا حال صرصر جھپٹ کے آگے نکل جائے کیا مجال
آندھی تھا جست وخیز میں وہ اسپ بے مثال دشمن تھے مثلِ سبزۂ بیگانہ پائمال

میداں میں رشکِ کبکِ دری بن گیا سمند
لینا تھا باگ کا کہ پری بن گیا سمند ۹۴

گلگوں قدم تھے خوں سے عجب تھی بہارِ اسپ لیتی تھی برق بھی قدمِ شعلہ بارِ اسپ
تھا شہسوارِ دوشِ محمدؐ سوارِ اسپ قربان فاطمہؑ کے پسر کے نثارِ اسپ

خوشبو عرق میں آتی تھی عطرِ سمن کی طرح
گھونگٹ اُٹھا کے چلتا تھا گھوڑا دلہن کی طرح ۹۵

گردن کو وقتِ جست اُٹھایا وہ جا پڑا سینے سے تھوتھنی کو ملایا وہ جا پڑا
اِک بار پتلیوں کو جمایا وہ جا پڑا چمکا، جما اُڑا اِدھر آیا وہ جا پڑا

ڈر تھا نہ بد لگامی سے کچھ راہوار کی
پٹری جمی تھی دوشِ نبیؐ کے سوار کی

۹۶

غُل تھا کہ اب سمند کو اے شہسوار روک سُرمہ ہیں استخوانِ بدن راہوار روک
اس ضرب کی جہاں میں نہیں زینہار روک مولا لبوں پہ دم ہے بس اب ذوالفقار روک

دیکھی بہادری دل و جانِ بتولؑ کی
۹۷ اُمّت پکارتی تھی دُہائی رسولؐ کی

لڑتے تھے اس حشم سے شہنشاہِ بحر و بر آیا قریب شاہ جو اِک مردِ خوش سیر
پہلے نگاہِ یاس سے دیکھا اِدھر اُدھر شبیرؑ کو سلام کیا پھر بہ چشمِ تر

ڈالے ہوئے تھا چہرے پہ دامن نقاب کا
۹۸ اور ہاتھ میں لئے ہوئے اِک جام آب کا

بولا اُلٹ کے چہرے سے اِک مرتبہ نقاب ہے مُضطرب فقیر کہ ہیں تشنہ لب جناب
سینے میں اس الم سے جگر ہے مرا کباب ٹھنڈا ہو دل مرا جو پئیں آپ جامِ آب

رکھ لیجے شرم بہرِ خُدا میری بات کی
۹۹ اے خضرِ دینِ حق قسم آب حیات کی

یہ مردِ پیر نے جو کیا شاہ سے کلام اُس کے بیان سے متعجب ہوئے امام
فرمایا اجر دے تجھے ربِّ ذوالکرام بھائی یہ آبِ سرد پیوں کیا میں تشنہ کام

دُنیا سے تشنہ لب علی اکبرؑ گزر گئے
۱۰۰ جو پیاس میں پلاتے تھے پانی وہ مر گئے

ہے خوب مجھ کو یاد یہ اِک دن کا ماجرا بابا سے اہلِ کوفہ نے آکر کیا گِلا
اس سال قحطِ آب ہے اے کُل کے مقتدا بیتاب و بے قرار ہے سب خلقتِ خُدا

تُم ہو امامِ عصر وصیِ رسولؐ ہو
مانگو دُعا کہ رحمتِ حق کا نزول ہو

۱۰۱

یہ سُن کے مجھ سے حیدر کرّار نے کہا شبیرؑ کر جنابِ الٰہی میں تُو دُعا
ارشاد سُن کے ہادیِ ایماں کا میں اُٹھا حمد و ثنا کے بعد یہ کی حق سے التجا
اصحابِ حق کی تشنہ دہانی کے واسطے
۱۰۲ برسا کہ خلق مرتی ہے پانی کے واسطے

تو واجب الوجود ہے مُستجمع الصّفات ما بینِ مُمکنات موثر ہے تیری ذات
ربِّ وحوش و طیر ہے اور نامی النبات بالیدہ تیرے ابرِ کرم سے ہیں ذی حیات
ہوں مُلتجی کہ دامنِ مقصد بھرا رہے
۱۰۳ ہر سال کھیت اُمّتِ جد کا ہرا رہے

یا رب ہوئی ہو گرچہ کسی عبد سے خطا اُس کے عوض قبول ہے تو مجھ کو دے سزا
میری ابھی تمام ہوئی تھی نہ یہ دُعا اعرابیوں نے آکے یہ ہر سمت سے کہا
معدوم قحطِ آب ہے شکلِ فتوح ہے
۱۰۴ صحرا میں آج جوششِ طوفانِ نوح ہے

اِک دن وہ تھا کہ ہوتے تھے سب مجھ سے بہرہ یاب اور آج ہے وہ دن کہ ہے خود مجھ پہ قحطِ آب
دریا سے پانی پیتے ہیں سب اشتر و ددواب میرے سوال کا کوئی دیتا نہیں جواب
قدغن ہے یہ رسولؐ کے جانی کے واسطے
۱۰۵ بچّے مِرے تڑپتے ہیں پانی کے واسطے

اِس وقت اِس غریب پہ تُو نے کیا کرم شاہد ہے حق کمال ہوئے تجھ سے شاد ہم
مثلِ حبابِ بحر ہیں دُنیا میں کوئی دم لے جلد گھر کی راہ بڑھا یاں سے تُو قدم
دعوت کا ہے عدو میں یہ ساماں مِرے لئے
رکھا ہے آبِ خنجرِ بُرّاں مِرے لئے

۱۰۶

مجھ تشنہ لب کو صبح سے گھیرے ہیں سب شریر اِک جانِ زار ہے مِری اور نرغۂ کثیر
آفت میں ہے پھنسا پسرِ شاہِ قلعہ گیر تو بے گناہ ہے کہیں برسیں نہ تجھ پہ تیر
مجھ سا جہاں سے اب کوئی پیاسا نہ جائے گا
۱۰۷ جا حال تجھ سے اب مِرا دیکھا نہ جائے گا

خیمے سے سُن رہی تھی یہ زینبؑ جگر فگار گھبرا کے دی یہ بھائی کو آواز ایک بار
بھیّا یہ کس سے کرتے ہو باتیں بہن نثار اس وقت کیا مدد کو کوئی آیا دوست دار
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
۱۰۸ کیوں لڑتے لڑتے روک لیا ذوالفقار کو

قربان ہو بہن یہ نہیں رحم کی ہے جا بھائی تمہارے دشمنِ جاں ہیں سب اشقیا
ہاں واری چین لینے نہ پائیں یہ بے حیا روکی جو ذوالفقارِ علیؑ کیا غضب کیا
آرام قاتلوں کا مجھے کب گوارا ہے
۱۰۹ بھیّا انہوں نے تو مِرے اکبرؑ کو مارا ہے

بولی بلائیں لے کے یہ پھر وہ جگر جلی اے تیغ ہے تجھے قسمِ مرتضیٰ علیؑ
زخموں کے گُل کھلا کہ ہے اب دل کو بے کلی دم میں لڑائی فتح ہوئی تو جہاں چلی
میں مضطرب ہوں فتح میں کیوں آج دیر ہے
۱۱۰ فوجِ ستم میں شیرِ الٰہی کا شیر ہے

شہ بولے اے بہن تری الفت کے میں نثار کیسی یہ باتیں یاس کی کرتی ہو بار بار
یاں ہے کوئی عزیز نہ یاور نہ غم گسار اِک سینۂ حسینؑ ہے اور تیر دس ہزار
کب ہاتھ میرے قتل سے اعدا اُٹھائیں گے
خیمے میں جاؤ تم کہ ہم اب سر کٹائیں گے

۱۱۱

سر پر اجل ہے عصر کی ساعت قریب ہے مشتاقِ مرگ آج یہ آفت نصیب ہے
اس دم ہماری پیاس سے حالت عجیب ہے دنیا سے اب وداعِ حسینؑ غریب ہے

اس سے زیادہ حال نہ اب غیر ہو مرا
۱۱۲ مانگو دُعا کہ خاتمہ بالخیر ہو مرا

غش سے مرے مریض کو چونکائیو بہن روئے بہت سکینہؑ تو بہلائیو بہن
چھینیں لعیں ردا تو نہ گھبرائیو بہن خیمے سے پیٹتی نہ نکل آئیو بہن

دیتا ہوں تم کو حفظ میں اماں بتولؑ کے
۱۱۳ اللہ کے سُپرد حوالے رسولؐ کے

یہ کہہ رہے تھے شاہ کہ یکجا ہوئے شریر پھر تو شہِ اُمم پہ چلے ہر طرف سے تیر
مرکب پہ جھومنے لگے شاہِ فلک سریر گھبرا گیا تب اسپ وفادار و بے نظیر

دیکھے جو زخم شہ کے تنِ چاک چاک پر
۱۱۴ گھٹنے جُھکا کے بیٹھ گیا روئے خاک پر

آہستہ اُترے گھوڑے سے شاہنشہِ اُمم دیکھا جو دور سے تو بڑھے بارِ ستم
بے ہوش تھے زمیں پہ شہنشاہِ با کرم گردن کئے تھے ضعف سے قبلے کی سمت خم

حالت تھی تشنگی سے یہ اُس حق شناس کی
۱۱۵ آتی تھی خشک لب سے صدا پیاس پیاس کی

پیاسے تھے تین دن سے جو سلطانِ انس وجاں لکھا ہے چند طائرِ ابیض ہوئے عیاں
پھر پھر کے گردِ شاہ کیا نالہ و فغاں دشتِ بلا سے جانبِ دریا ہوئے رواں

قطرے دہن میں لائے وہ آبِ فُرات کے
ٹپکائے رُخ پہ بادشہِ کائنات کے

۱۱۶

قطرے گرے جو پانی کے چہرے پہ جا بجا اِک بار غش سے چونک پڑے شاہِ کربلا
کھولی جو چشم پاک تو دیکھا یہ ماجرا پانی کے قطرے پھینکتے ہیں طائرِ ہوا
فرمایا رحم آیا انہیں میرے حال پر
لیکن اثر ہوا نہ کسی بد خصال پر

۱۱۷

ناگاہ شمر سینۂ شہ پر ہوا سوار چھاتی دبی تو ہوگئے شبّرؑ بے قرار
کہنے لگا امامؑ سے اُس دم وہ نابکار آتے نہیں بچانے کو اس دم رفیق و یار
بیٹا نہیں جو ساتھ گلے کو کٹائے گا
بتلاؤ اب مدد کے لئے کون آئے گا

۱۱۸

شہ نے کہا مدد نہیں درکار زینہار یہ سر خُدا کی راہ پہ کرتا ہوں میں نثار
بے کس تو مجھ کو جانتا ہے او ستم شعار آنکھوں کو بند کر لے تو ہو حال آشکار
آوازِ شیرِ حق کی سنا دوں ابھی تجھے
میں اپنے یاوروں کو دکھادوں ابھی تجھے

۱۱۹

اُس بے حیا نے آنکھوں کو تب بند کر لیا لب کو ہلا کے شاہ نے چپکے سے کچھ کہا
فرمایا کھول آنکھوں کو او دشمنِ خُدا لے غور کر کے دیکھ تو داہنی طرف ذرا
دیکھا جو شمر نے تو یہ ساماں نظر پڑا
حق کا رسولؐ با سرِ عریاں نظر پڑا

۱۲۰

کہنے لگے یہ اُس سے شہنشاہِ دیں پناہ ہاں او شریر بائیں طرف کو بھی کر نگاہ
دہشت سے تھرتھرانے لگا شمرِ رو سیاہ بائیں پہ کی نگاہ تو حالت ہوئی تباہ
شبّرؑ منہ اپنا پیٹ کے آنسو بہاتے تھے
شیرِ الٰہ سر پہ کھڑے خاک اُڑاتے تھے

۱۲۱

اِس معجزے سے بھی نہ ڈرا شمر بے حیا مظلوم کے گلے پہ رکھا خنجرِ جفا
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ کربلا اے شمر بہرِ خالقِ اکبر مجھے بتا

فریادِ وا اخی تو سناتا نہیں کوئی
سر پیٹتا تو خیمے سے آتا نہیں کوئی

۱۲۲

زینبؑ تو اس طرف نہیں آئی برہنہ سر لڑکی تو کوئی نکلی نہیں گھر سے نوحہ گر
کس کی صدا یہ ہے کہ میں ہوتی ہوں بے پدر ظالم کہیں سکینہؑ تو آتی نہیں اِدھر

ڈر ہے کہ وقتِ ذبح کہیں دھیان بٹ نہ جائے
خنجر سے آکے بالی سکینہؑ لپٹ نہ جائے

۱۲۳

قاتل سے کہتے تھے یہ بصد یاس شاہِ دیں خنجر پھرا کے حلق پہ ہنستا تھا وہ لعیں
منظور تھا کہ تڑپے محمدؐ کا مہ جبیں کہتا تھا خیمہ سے کوئی آتا تو ہے نہیں

آواز اُس کی صاف صدائے سکینہؑ ہے
اُنگلی بھی پکڑے ایک غریب و حزینہ ہے

۱۲۴

اے بزمؔ سُن کے یہ جو تڑپنے لگے امامؑ خنجر کو پھیرنے لگا وہ نُطفۂ حرام
لکھا ہے ضربِ یازدہم جب ہوئی تمام تن سے جُدا ہوا سرِ سُلطانِ خاص و عام

اُمّت کے بار سے جو سبکدوش ہوگئے
یا مصطفیٰؐ پکار کے خاموش ہوگئے

مرثیہ: ۲۲

درحال حضرت علی اصغر علیہ السلام

مطلع

ہر بزم میں جلوہ ہے مری شمعِ زباں کا

تعدادِ بند: ۹۱

غازی آباد--۵ ذیقعد ۱۳۳۶ھ

۱

ہر بزم میں جلوہ ہے مری شمعِ زباں کا ہر شہر میں شہرہ ہے مرے حُسنِ بیاں کا
ہر بیتِ سخن قطعہ ہے گلزارِ جناں کا لو چرخ سے جھک جھک کے وہ مضمون نے جھانکا
قُدسی پئے تائیدِ کلام آتے ہیں دیکھو
مضموں مرے سننے کو امامؑ آتے ہیں دیکھو

۲

آئینۂ تصویرِ معانی یہ سُخن ہے گویا سندِ سیف زبانی یہ سخن ہے
ہاں شاہدِ اعجاز بیانی یہ سُخن ہے تائیدِ الٰہی کی نشانی یہ سخن ہے
اس ماہ جبیں کو کسی کامل کی دُعا ہے
مقبلؔ کی طرح خلق میں مقبولِ خدا ہے

۳

اِس نظم کو سُن پائے تو سُن ہوئے نظامیؔ یوں سر کو دُھنے چور، ہو جامِ سرِ جامیؔ
سعدیؔ خطِ ریحاں سے لکھے خطِّ غلامی یہ لوگ غزل گو، میں شہِ دیں کا سلامی
سحبانؔ نے یہ نکتۂ صائب نہیں لکھے
صائبؔ نے کبھی ایسے مصائب نہیں لکھے

۴

گو بادِ بہاری نے مرے رنگ اُڑائے باندھی نہ ہوا روز گُلِ تازہ کِھلائے
شاخیں ہی نکلتی رہیں گو رنگ جمائے خو بو مری اوروں کو نہ آئی ہے نہ آئے
میں ایک روش پر نہیں آگاہ بشر ہیں
گُل کاریاں کیا مجھ میں ہزار اور ہُنر ہیں

۵

میں غیرِ سعادت کوئی عادت نہیں کرتا کس بند میں کس شعر میں صنعت نہیں کرتا
لکھتا ہوں بدائع کوئی بدعت نہیں کرتا دشمن مرے آگے کبھی حجّت نہیں کرتا
دم بازوں کے یاں بند ہیں دَم کچھ نہیں کہتے
کہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ہم کچھ نہیں کہتے

۶

اللہ رے عروسانِ مضامیں کی ادائیں لیلیٰ ابھی لے لے سرِ مژگاں سے بلائیں
ظاہر ہیں ہُنر اپنے مگر عیب سنائیں چشمک ہو تو لاکھوں میں نہ ہم آنکھ چرائیں

یہ کیسے کہیں نظم میں آمد نہیں ہوتی
کیا عیب ہے جاہل کی خوشامد نہیں ہوتی ۷

مذہب میں مرے کفر ہے جُہّال کی مِنّت اپنا یہی دیں ہے یہی مذہب یہی ملّت
پر کثرتِ ایماں کی سند مال کی قلّت قبضے میں اُسی کے ہے مگر عزت و ذلّت

قاروں کا بہت زر تھا مگر خاک ہوا وہ
بوذرؓ کے لئے خاک تھا زر پاک ہوا وہ ۸

کس وجہ سے بوذرؓ کو یہ عزت ہوئی حاصل یہ دولتِ ایماں کی بدولت ہوئی حاصل
قرآں کی تلاوت سے یہ صورت ہوئی حاصل حیدرؑ کی وِلا سے یہ ولایت ہوئی حاصل

گھر چھوڑ کے شیدائے علیؑ ہو گئے بوذرؓ
حیدرؑ کی ولایت میں ولی ہو گئے بوذرؓ ۹

کیا ہم کو وِلا ترک ولایت نہیں کرتے سامانِ سفر بہرِ زیارت نہیں کرتے
کچھ خوف نہیں موت کا رحلت نہیں کرتے رغبت ہے طبیعت کو پہ نیّت نہیں کرتے

سچ ہے یہ شرف اپنے مقدر میں کہاں ہیں
جو مردُمِ بینا ہیں وہ دن رات رواں ہیں ۱۰

اے خاکِ شفا جذبۂ اُلفت سے مجھے کھینچ ہاں اے کششِ آبِ محبت سے مجھے کھینچ
مظلوم تُو اعجازِ امامت سے مجھے کھینچ اے حبلِ متیں چاہِ مذلّت سے مجھے کھینچ

لے جائیں ابھی ثانیٔ الیاس کو بھیجو
یا شاہِ ہُدا حضرتِ عباسؑ کو بھیجو

۱۱

مداح ہوں کچھ تو مری محنت کا صلہ دو مولا مرے آئینۂ خاطر کو جلا دو
جنّت کی سند حیدرؑ صفدر سے دلادو لو اپنی ولایت کی مرے دل کو وِلا دو
گر روضۂ پُر نور میں داخل ہوا مولاؑ
۱۲ جو کچھ ہے خدائی میں وہ حاصل ہوا مولاؑ

لے چشمِ تمنّا ترا ارمان بر آیا سینے سے ملا صدر، وہ جلوہ نظر آیا
اے بختِ نظر، نجم ترا اوج پر آیا خورشید، مری منزلِ دل میں اُتر آیا
در پردہ زیارت ہوئی خالق کے ولی کی
۱۳ تصویر تصوّر میں پھری ابنِ علیؑ کی

سید کو قضا نے نئے سامان سے دیکھا تقدیر نے مولاؑ کو عجب شان سے دیکھا
اِک لاش کو لاتے ہوئے میدان سے دیکھا اِک بی بیؑ کو لپٹے ہوئے دامان سے دیکھا
اِس لاشۂ مجروح کی شیدائی ہے زینبؑ
۱۴ اکبرؑ کی محبت میں نکل آئی ہے زینبؑ

بالائے کمر لاشۂ فرزندِ جواں ہے آنکھوں کا یہ عالم ہے کہ تاریک جہاں ہے
پر ہاتھ کو تھامے ہوئے اِک سوختہ جاں ہے صدقہ ہے کہ بیکس صفتِ روحِ رواں ہے
شہؑ کہتے ہیں اب طاقتِ رفتار نہیں ہے
۱۵ وہ کہتی ہے صدقے گئی خیمہ بھی قریں ہے

زینبؑ بھی جو ہمراہ ہی حضرتؑ کے تھی آئی سر پیٹ کے باتو کو یہ تقریر سنائی
لے بھابی ترے لال کو میں بیاہ کے لائی وہ بولی کہ میں لُٹ گئی خالق کی دُہائی
دل جس کا تہہِ تیغِ جفا ہو وہی جانے
اس تن کا پسر جس کا موا ہو وہی جانے

۱۶

سب لاشۂ اکبرؑ کے قریں آنے نہ پائے جو حضرتِ اصغرؑ نے اُدھر ہوش اُڑائے
غافل ہوئے سب اُن سے اِنہیں دیکھنے آئے باتوؔ نے کہا مر گئے دونوں مرے جائے

یا فاطمہؑ لو میری خبر رنج و بلا میں
۱۷ لوٹی گئی حضرت کی بہو دشتِ جفا میں

سر پیٹ کے پھر ننھے سے شانے کو ہلایا رو کر کہا سوتے ہو مری جاں کہ غش آیا
پر چونک کے معصوم نے رُخ ماں سے پھرایا چلّائی کہ کس بات پہ روٹھا مرا جایا

ہم سے نہیں مِلتے تمھیں بہلاؤ سکینہؑ
۱۸ گہوارے کے نزدیک ہی آجاؤ سکینہؑ

سہلاتی ہیں تلووں کو اُدھر زینبؑ ناچار خاموش کھڑی تکتی ہے کُبریٰ بہ دلِ زار
گہوارے پہ منہ رکھے سکینہؑ جگر افگار کس درد کی آواز سے کہتی ہے یہ ہر بار

من جاؤ اُٹھو ساتھ مرے کھیلو برادر
۱۹ جو چیزیں مرے پاس ہیں سب لے لو برادر

بھیّا تمھیں لیں گود میں ہم کھول دو آنکھیں ہمشیر پہ فرماؤ کرم کھول دو آنکھیں
اماں کا نکل جائے گا دم کھول دو آنکھیں اصغر تمھیں صغراؑ کی قسم کھول دو آنکھیں

اے ننھے مسافر مری آغوش میں آجاؤ
۲۰ سب گھر کو حواس آئیں جو تم ہوش میں آجاؤ

غش میں علی اصغرؑ نے جو صغراؑ کا سُنا نام یوں چونک پڑا ہل گیا گہوارۂ ناکام
خود پھر گیا یثرب کی طرف کو رُخِ گلفام اِس تازہ قیامت پہ حرم میں ہوا کہرام

کیا عشق تھا صغراؑ سے شہِؑ دیں کے خَلف کو
پھیلا دیا ہاتھوں کو مدینے کی طرف کو

۲۱

صغرؑ کے تصوّر میں اشارے تھے یہ پیہم تم گود میں اپنی جو اُٹھاؤ تو اُٹھیں ہم
دل صاف ہو کس سے کوئی اپنا نہیں اِس دم پر سچ ہے کہ ہم بھائیوں سے قدر میں ہیں کم
کس طرح نہ تڑپے دلِ ناکام ہمارا
۲۲ شبّرؑ کے فدیوں میں نہ ہو نام ہمارا

اُمّت کے جوانوں پہ تصدق ہوئے اکبرؑ بن بیاہوں پہ قربان ہوئے قاسمؑ مضطر
اُمّت کے ضعیفوں پہ فدا ہیں شہِؑ صفدر رانڈوں کی مدد کے لئے ہیں بانوئے بے پر
اطفال کی بخشش کے نہ ساماں ہوئے افسوس
۲۳ ہم بچّوں پہ امت کے نہ قرباں ہوئے افسوس

باتو نے تب آغوش میں اصغرؑ کو اُٹھایا اور لا کے حضورِ شہِؑ دیں رو کے سنایا
اب تک دلِ بیتاب کے صدمے کو چھپایا پر دیکھئے ہاتھوں سے چلا اب مرا جایا
کیونکر میں کروں شکوۂ حق بے ادبی ہے
۲۴ اب اِن کو غش آتے ہیں غضب تشنہ لبی ہے

رو کر کہا سرورؑ نے کہ تشویش کی جا ہے بن بیاہے کا مُردہ بھی ابھی گھر میں پڑا ہے
کچھ فکر کفن کی ہے نہ تابوت بنا ہے زینبؑ نے کہا اِک مری کہنہ یہ ردا ہے
شہؑ بولے کہ یہ تاب نہیں میرے جگر کو
۲۵ زینبؑ میں کُھلا دیکھ سکوں گا ترے سر کو

المختصر اکبرؑ کے جنازے کو اُٹھایا اور لا کے انہیں گنجِ شہیداں میں لِٹایا
پھر خیمے میں آیا اسداللہ کا جایا یاں بانوئے بیکس نے وہی حال سُنایا
کہتے ہیں جسے وقت قیامت کا وہ اب ہے
آنکھیں بھی تو پتھرا گئیں یہ اور غضب ہے

۲۶

شہؑ بولے کے اے بانوئے مغموم و دل افگار کچھ بندے کا چارہ نہیں جو مرضیٔ غفار
پانی دیں اگر جان کے بدلے بھی یہ کفّار واللہ کہ پھر پیاس کا بجھنا نہیں دشوار
مل جائے تو ہر طرح سے لائیں ابھی پانی
۲۷ جاں بیچ کے ہم اِن کو پلائیں ابھی پانی

لو ہم لئے جاتے ہیں اِنہیں رن کی رضا دو پوشاک شہانہ مرے اصغرؑ کو پنہا دو
مطلب مرا یہ ہے انہیں نوشاہ بنا دو چھوٹی سی سپر ننھی سی تلوار لگادو
وہ سج ہو کہ اِک شور پڑے چرخِ کہن پر
۲۸ بیکس کا پسر پہلے پہل چڑھتا ہے رن پر

مشغول ہوئی زینتِ اصغرؑ میں وہ دکھیا پہنا دیا معصوم کو اُجلا سا شلوکا
فانوس پئے شمع بدن ہوگیا کُرتا جب ہنسلیاں پہنائیں گلا اور بھی چمکا
عمّامے کے پردے میں نظر گرد پھرا کی
۲۹ تعویذ کا جوشن تو سپر حفظِ خدا کی

ہنسلی مہِ نو اور مہِ کامل ہوئی گردن بازو پہ ستارا سا چمکنے لگا جوشن
ہیکل سے سرِ کاہکشاں جُھک گیا فوراً آنکھوں کی طرح حلقے کڑوں کے ہوئے روشن
پیار آگیا خود پوتے پہ خالق کے ولی کو
۳۰ گردن میں حمائل کیا جب نادِ علیؑ کو

سر پنجۂ مژگاں سے کیا زُلف میں شانہ جوشن کی جگہ حرزِ علیؑ بازو پہ باندھا
اور جائے سپر پُشت پہ یا فاطمہؑ لکھا چار آئینہ تھا نام فقط چار کُتب کا
یہ فکر تھی کیا چیز ہو ہتھیار کے بدلے
پنجے پہ علیؑ لکھ دیا تلوار کے بدلے

۳۱

وہ چاند سا منہ، پھول سے لب، بال جھنڈولے رُخ دیکھ کے پھر گُل کبھی رنگت پہ نہ پھولے
میلا ہو صبا اِس کو اگر خواب میں چھولے بھولی سی وہ صورت کہ فلک چاند کو بھولے

چھوٹا سا یہ نسخہ ہے کلامِ صمدی کا
۳۲ یا ایک صحیفہ ہے خلیلِ اَحدی کا

معصوم کی بینی الف اور صاد ہے اِک عین پر خال کے نقطے کے سبب عین دگر غین
اور صاف خطِ نسخ کی رِے ابروئے پُرزین اصغرؔ کے حروف آئے ہیں قرآن کے مابین

خاطر جو پریشاں ہے تو ہر حرف جُدا ہے
۳۳ اصغرؔ یہ مگر خالقِ اکبر نے لکھا ہے

باچھوں پہ جمے دودھ کے قطرے ہیں سراسر اللہ غنی غنچے کی مُٹھی میں ہیں گوہر
سوکھے ہوئے لب پھول سے نازک ہیں فزوں تر کیونکر لبِ نازک کے مضامیں ہوں میسّر

خاطر رگِ برگِ گُلِ سوسن پہ جُھکی ہے
۳۴ پر بار ہے اتنا کہ لبوں کی سُکی ہے

ہونٹوں کی یہ رنگت دہنِ ابنِ علیؑ میں باریک نسیں جیسے نظر آئیں کلی میں
مضمونِ خفی آنے لگے ذہنِ جلی میں کیا پہنچے خرد سرِّ شہِ لَم یَزَلی میں

مذکور دہن میں نہیں کچھ جائے سُخن ہے
۳۵ نقطہ جسے کہتے ہیں وہ گویا یہ دہن ہے

بچپن کے سبب مُٹھیوں کو بند کیا ہے کُھلتا نہیں کچھ حال کہ یہ ماجرا کیا ہے
ہاں نامِ علیؑ ماں نے ہتھیلی پہ لکھا ہے کہتے ہیں کہ یہ نام ہمیں تیغ کی جا ہے

قبضے میں جری رکھتے ہیں ہتھیار کو ہر دم
مضبوط نہ پکڑے رہیں تلوار کو ہر دم

۳۶

اِس شان سے معصوم کو میدان میں لائے جو دیکھ کے اعدا کے بھی آنسو نکل آئے
چلائی حیا لب پہ سوال آنے نہ پائے خاموش کھڑے رہ گئے گردن کو جھکائے

اتنا تو کہا چہرے سے دامن کو ہٹا کر
اِن کی بھی مدارات نہ کی گھر سے بُلا کر ۳۷

لو تم ہی کہو رحم کے قابل نہیں یہ ماہ نے دوست سے واقف ہے نہ بدخواہ سے آگاہ
اِس کا بھی نہیں دھیان کہ معصوم ہے یہ آہ ننھے سے مسافر کی ضیافت کرو لِلّٰہ

کیوں ساتھ ہمیں لائے ہیں خود پوچھ لو اِن سے
کس واسطے یاں آئے ہیں خود پوچھ لو اِن سے ۳۸

اِک جام میں ممکن نہیں نقصان تمھارا کم ہوگا نہ دریا کسی عنوان تمھارا
تا حشر نہ ہم بھولیں گے احسان تمھارا بچ جائے گا ننھا سا یہ مہمان تمھارا

یہ رحم کے قابل ہے کہ حیدرؑ کا ہے پوتا
پانی دو اِسے ساقیِ کوثر کا ہے پوتا ۳۹

بچے سے عداوت کوئی انساں نہ کرے گا کم سن ہے یہ لاشوں سے نہ میداں کو بھرے گا
گردن پہ کسی کی نہ یہ تلوار دھرے گا دیکھو تو یہ اِس دُکھ میں جئے گا کہ مرے گا

خود موت کا عالم ہے مرے نورِ نظر پر
ناحق کو تم الزام لئے لیتے ہو سر پر ۴۰

ہشیار ہو ہشیار کہ درپیش سفر ہے کیوں بھائیو کچھ منزلِ اوّل کی خبر ہے
مرنے سے چھٹی جان تو مرقد کا خطر ہے ویران وہ گھر پاس نہ بیٹا نہ پدر ہے

ہلتا ہے دلِ زار نکیرین کے آگے
چلتا نہیں انکار نکیرین کے آگے

۴۱

اِن مرحلوں کے بعد وہ مرقد کا فشار آہ وہ وقت عجب سخت ہے آگاہ ہو آگاہ
مل جائے گی باہم لحد اے فرقۂ گمراہ یہ ناخنِ پا مغز میں گڑ جائیں گے واللہ

وہ وقت جب آتا ہے تو خود آتے ہیں حیدرؑ
مومن کو اذیّت سے بچا جاتے ہیں حیدرؑ

۴۲

مومن پہ نظر لُطف کی فرماتے ہیں حیدرؑ پہلے ملک الموت سے آجاتے ہیں حیدرؑ
فردوس کا اِک پھول لئے آتے ہیں حیدرؑ مومن کو دمِ نزع وہ دکھلاتے ہیں حیدرؑ

اُس پھول کو سونگھا جو ذرا وجہِ حُسن سے
خوشبو کی طرح روح جُدا ہوگئی تن سے

۴۳

تا روزِ سوئم رہتی ہے مُردوں پہ یہ تکلیف سر پر تو عذاب، آگ میں تن، ضعف کی تضعیف
لیکن پئے احبابِ علیؑ کچھ نہیں تخویف ہفتاد مراتب شہِؑ دیں لاتے ہیں تشریف

غم ہوتا ہے مومن پہ تو غم کھاتے ہیں حیدرؑ
جب سانپ لپٹتے ہیں بچا جاتے ہیں حیدرؑ

۴۴

ممتاز ہو جو پیشِ خداوندِ یگانہ یاں اُس کے پسر کے لئے ہے آب نہ دانہ
افسوس ہے کیوں بھول گیا حق کو زمانہ آیا کبھی اِس دارِ فنا سے نہیں جانا

گر منہ مرا پانی کا سزاوار نہیں ہے
یہ طفل تو حاکم کا گناہگار نہیں ہے

۴۵

اِس درد سے اظہار کیا درد کئی بار منہ پھیر کے خود رونے لگا شمرِ ستمگار
پر چرخِ بد اطوار ہوا در پئے آزار گوشے سے کماں لے کے بڑھا ایک خطا کار

وہ تیر لگایا کہ چھدا آپ کا بازو
زخمی ہوا بچّے کا گلا باپ کا بازو

۴۶

وہ لال سی جاں اور یہ ستم ہائے غش آیا یوں سہم گیا لب بھی نہ بچّے نے ہلایا
رو رو کے یہ شبّرؑ نے اعدا کو سنایا کیا خوب ضیافت ہوئی فریاد خدایا
معصوم کا حلقوم نہ تھا شِیر کے قابل
۴۷ افسوس یہ ننھا سا گلا تیر کے قابل

ناداں کو پکارے مِرے پیارے علی اصغرؑ قربان گلے پر میں تمھارے علی اصغرؑ
سوتے ہو کہ جنّت کو سدھارے علی اصغرؑ پیاسے ہی چلے گھر سے ہمارے علی اصغرؑ
دادی سے نہ بابا کا گلہ کیجیو بیٹا
۴۸ زہراؑ سے مِرا حال چھپا لیجیو بیٹا

پھر گردنِ بے شِیر کا خوں ہاتھ میں لے کر چاہا تھا کہ پھینکیں اسے مقتل کی زمیں پر
تھرّا کے زمیں بولی یہ کیا کرتے ہو سرورؑ مجھ پر نہ کہیں پھینکنا خونِ علی اصغرؑ
قطرہ بھی گرا مجھ پہ تو لرزہ نہ تھمے گا
۴۹ تا حشر کبھی گھاس کا تنکا نہ جمے گا

یہ عُن کے سوئے چرخِ بریں شاہؑ نے دیکھا گردوں نے لرز کر کہا العفو خدایا
چلّایا یہ خوں مجھ پہ نہ پھینکو مرے مولاؑ قطرہ بھی زمیں پر کبھی برسے گا نہ حاشا
یہ سنتے ہی غم چھا گیا قلبِ شہِؑ دیں پر
۵۰ بچّے کا لہو ملنے لگے اپنی جبیں پر

اصغرؑ کا لہو چہرۂ اقدس پہ لگایا اور سوئے فلک دیکھ کے بولے کہ خُدایا
اِس فرقۂ بے دین نے مہماں کو ستایا پانی کے عوض خوں مِرے بچّے کا بہایا
تُو اِس کے عوض مجھ کو صلہ دیجیو یارب
اُمت کو جہنم سے بچا دیجیو یارب

۵۱

آئی یہ ندا ہوگئی اُمت کی رہائی بندے تجھے حق نے کیا مختارِ خدائی
ہم خوش ہیں ترے خُلق سے خالق کے فدائی یکتا کی مشیّت ہے کہ مچ جائے دُہائی

ہاں گردنِ بے شیر سے یہ تیر نکالو
محشر ابھی ہو جائے گا شمشیر نکالو ۵۲

بچّے کو رکھا قبر میں اور فوج پر آئے پھر حشر کو سامانِ قیامت نظر آئے
خود فتح پکاری مرے ارمان بر آئے شہؑ رن پہ چڑھے چرخ سے قدسی اُتر آئے

چاؤش کی جا حضرتِ جبریل رواں تھے
قرنا لئے ہمراہ سرافیل رواں تھے ۵۳

عالم میں ہوئی دھوم شہنشاہِ غیور آئے افلاک کو وجد آئے فرشتوں کو سُرور آئے
یہ حال ہوا خاک میں خود اہلِ غرور آئے غُل تھا کہ امام آئے، جناب آئے، حضور آئے

ہر سمت تھا یا حضرتِ شبیرؑ کا نعرہ
ناقوس سے پیدا ہوا تکبیر کا نعرہ ۵۴

بھائی کا نہ بھائی نہ پسر باپ کا پیارا اغلب ہے کہ دُر بحر سے کر جائیں کنارہ
ثابت ہے کہ گردوں پہ نہیں کوئی ستارہ افلاک نے صدقے میں ستاروں کو اُتارا

گردوں سُم توسن کے شراروں سے بھرا ہے
سب غاشیے کا حاشیہ تاروں سے بھرا ہے ۵۵

پر دستِ شہؑ پاک میں شمشیرِ برہنہ کہتی ہے اجل سے کہ مرے سامنے رہنا
مہرو جو چلی پہنے ہوئے چاند سا گہنا بر میں کفنِ آبِ رواں ابر نے پہنا

ہیبت سے چڑھا خود فلکِ زال کو لرزہ
دوزخ کو تپ آنے لگی بھونچال کو لرزہ

۵۶

اِک حشر اُٹھا جب سرِ لشکر پہ جُھکی تیغ دشمن سے، نہ آہن سے، نہ جوشن سے رُکی تیغ
بے دم رہے جب تک کہ لہو پی نہ چکی تیغ دیکھا جو کوئی سُور بہت جَر میں پھنکی تیغ
کہتی تھی میں کب چھوڑتی ہوں خیرہ سروں کو
اِک ضرب میں توڑوں گی جمانے دو پروں کو ۵۷

بے دم تھی قضا دیکھ کے ناگن کی ادائیں سر اُس کے قدم لیتے ہیں اور زلف بلائیں
غُل تھا کہ جن اِس پر نہ کہیں جان گنوائیں وہ ناز و کرشمہ کہ فلک ظلم کا ڈھائیں
یوں دشت میں پھرتے ہوئے اعدا نظر آئے
جس طرح کوئی خواب میں مُردہ نظر آئے ۵۸

ہر سُو یہ تلاطم، کہ یہ بے جان وہ بے سر پھیلائی تھی زردی نے سرِ چرخ پہ کیسر
چار آئینہ ناچار، شش و پنج میں سیسر خود پاؤں پہ گر گر کے بدن بولے، کہ لے سر
سب خاک پہ بدمست شرابور پڑے تھے
بہرام کے ہم نام لپ گور پڑے تھے ۵۹

ہے آب میں وہ تاب کہ خود آب کلیجہ اور تاب میں وہ آب کہ بیتاب کلیجہ
ہر ناب کے دیدار سے خوں ناب کلیجہ دل کہتے تھے ہاتھوں سے ذرا داب کلیجہ
کہتی تھی ارے تم کو دباؤں گی لحد میں
تھم جاؤ تھپک کر میں سُلاؤں گی لحد میں ۶۰

بسمل ہوا یہ غول تو غارت ہوا وہ غول نیچے ہوئے یوں فوج کے سر جیسے بڑا بول
یہ موت کے بازار میں گاہک ہوئے بے مول سودا کیا کیا خوب کہ بے مول فقط تول
یہ گرم ہوا موت کا بازار بُھنے سب
اِک اِک درمِ زخم کو دینار بُھنے سب

۶۱

وہ تیغ پری زاد ہر اِک فرق میں پیری تن آئینہ اور دھوپ سے پوشاک سنہری
جی ڈوب گئے چاہ میں رنگت تھی وہ گہری منہ دیکھ کے توسن کو بھی آتی تھی پھریری
لیکن دُمِ مشکیں دَمِ رفتار چنور ہے
۶۲ پیشانی پہ بھونری ہے نہ کاوے میں بھنور ہے

آنکھوں کے ہر انداز پہ وحشی ہیں چکارے گردن میں ہے وہ لہر کہ طاؤس کو مارے
کیلیں نہیں ثابت، ہیں یہ سیّار ستارے گر دیکھ لے تاروں کو فلک صدقے اُتارے
میخیں نہ کہو چال ہے رخشِ شہِؑ دیں کی
۶۳ باندھی ہیں گرہ دے کے طنابیں یہ زمیں کی

غصے میں جو حملے کئے شہؑ نے کئی باری سب زخمِ بدن پھٹ کے بنے چشمۂ جاری
تھرّانے لگا ضعف سے وہ خاصۂ باری تلوار کو روکا تھا کہ غش ہو گیا طاری
زخمی میں بھلا طاقتِ پیکار کہاں تھی
۶۴ اتنی بھی فقط معجزے کی تاب و تواں تھی

تلوار کا رُکنا کہ بڑھی فوج چلے تیر برچھوں کو لئے آگے بڑھے ظالمِ بے پیر
پھر پاس سے پڑنے لگی شمشیر پہ شمشیر تکتے تھے ہر اِک شخص کا منہ حضرت شبّیرؑ
ناوک تو کرن مہرِ مبیں بن گیا سینہ
۶۵ نیزوں سے جگر تیروں سے سب چھن گیا سینہ

اِک شوم نے قبرِ اسدؑاللہ کو ہلایا اِس ظلم کا نیزہ شہِؑ بیکس پہ لگایا
ریتی پہ گرا احمدِؐ مختار کا جایا گرنے پہ بھی بے رحموں کو کچھ چین نہ آیا
تلواریں لگاتے تھے سرِ سرورِؑ دیں پر
کٹ کٹ کے گرے پنجۂ عمامے کے زمیں پر

۶۶

ریتی پہ گرے شاہؑ ہدا درد کے مارے نکلے درِ خیمہ سے یہاں تین ستارے
ننھے سے بدن زیورِ جنگی سے سنوارے دو آئینہ پیکرِ حسنؑ پاک کے پیارے

اِک شیر تھا حیدرؑ کے برادر کا نبیرہ
۶۷ تیار ہوا مرنے پہ جعفر کا نبیرہ

میدان کو دوڑے ہوئے آتے تھے وہ مضطر دو بیبیاں ہمراہ مگر کھولے ہوئے سر
چلّاتی ہیں پھر آؤ خدارا مرے دلبر کس پر یہ ہٹیں کرتے ہو مارے گئے سرورؑ

عمّوں تو سوئے خُلد سدھارے مرے پیارو
۶۸ سینوں پہ کوئی تیر نہ مارے مرے پیارو

وہ کہتے ہیں ہم شیروں کی گودی میں پلے ہیں کیا ضبط ہو دل آتشِ حسرت سے جلے ہیں
مشتاقِ دمِ تیغ یہ ننھے سے گلے ہیں سیّد کے مسافر کے بچانے کو چلے ہیں

شیروں کے پسر خنجر و شمشیر سے ڈر جائیں
۶۹ اصغر سے تو کم سن نہیں جو تیر سے ڈر جائیں

معصوموں نے یہ قہر کی باتیں جو سنائیں بیبیوں کے جگر ہلنے لگے تاب نہ لائیں
پیٹا یہ سروں کو ہمہ تن خوں میں نہائیں سیدانیاں پردے سے تڑپ کر نکل آئیں

ہمجولیوں سے مِل کے نہ ہٹتی تھی سکینہؑ
۷۰ پھر پھر کے ہر اِک بار لپٹتی تھی سکینہؑ

القصّہ چلے جنگ کو وہ گیسوؤں والے ماں بولی کہ بچپن کی شہادت کے حوالے
شیرانہ چلے نیچے ہاتھوں میں سنبھالے ہر دم یہ دعا تھی کہ خدا شہؑ کو بچا لے

واں پہنچے تو دیکھا شہِؑ دیں غش میں پڑے ہیں
تیغیں لئے جلّاد پئے ذبح کھڑے ہیں

۷۱

سر پیٹ کے بچّوں نے کہا ہائے چچا جان غش میں تھے مگر چونک اُٹھے سیدِ ذیشان
رو کر کہا کیوں گھر سے نکل آئے مری جان کیا قہر کیا جلد پلٹ جاؤ میں قربان
ڈر جاؤ گے تم اب مرا سر تن سے کٹے گا
تم یاں نہ کھڑے ہو کہ مرا دھیان بٹے گا ۷۲

یہ سنتے ہی تھرّا گئے وہ یوسفِ ثانی لپٹے شہؑ والا سے بصد اشک فشانی
شہؑ بولے کہ کیا مانگتے ہو تم مرے جانی بچوں نے کہا ہائے جگر جلتا ہے پانی
صدقے پسرِ فاطمہؑ زہراؑ کی حیا کے
آخر تھے سخی رہ گئے گردن کو جُھکا کے ۷۳

ناگاہ بڑھے تیغ بکف ظالمِ خونخوار پر مشورہ یہ تھا کہ سب اِک ساتھ کریں وار
شبّر کی طرح پُرزے ہو شہؑ کا دل افگار غیظ آگیا جس دم یہ سُنی قہر کی گفتار
گھبرا کے اِدھر اور اُدھر ہوگئے بچّے
مظلوم چچا جاں کی سپر ہوگئے بچّے ۷۴

کہتے تھے یہ شبّر کے پسر تیغیں سنبھالے دیکھیں تو بھلا شہؑ کے کوئی پاس تو آلے
کیا خوب یہ نکلے ہیں بڑے مارنے والے یاں آپ ہیں سینے سے رواں خون کے تھالے
آگے نہ بڑھو جاؤ ہٹو دور ہو سر کو
ہم اپنے چچا جاں کو لئے جاتے ہیں گھر کو ۷۵

ناگاہ قریں آگئے وہ ظالمِ غدّار شبّرؑ کے جگر بند ہوئے عازمِ پیکار
دو ننھی سی تیغوں کے جو اِک ساتھ چلے وار جوان سے دو چار آکے ہوئے صاف ہوئے چار
اُس ڈھال کے پُرزے کئے اُس فرق کے ٹکڑے
پھرتے تھے چمکتے ہوئے دو برق کے ٹکڑے

۷۶

چھوٹے سے بڑے نے کہا ہشیار برادر پھرتی سے چلے ساتھ ہر اِک وار برادر
دم بھر کہیں رُک جائے نہ تلوار برادر کرّار کے دلبند ہو جرّار برادر
لڑکے ہو مگر جان پہ اب کھیلو برادر
۷۷ نوشاہ برادر کا عوض لے لو برادر

جعفر کے نبیرے نے یہ تقریر سنائی اب دیکھئے خادم کے بھی ہاتھوں کی صفائی
یہ بولے کہ تنہا ہیں شہِ کرب و بلائی تم مُصحفِ ناطق کی حفاظت کرو بھائی
یہ کہہ کہ جو حملہ کیا سرداروں کو مارا
۷۸ یہ گُل تھے پیادہ مگر اسواروں کو مارا

ہر فرد کو یہ نیچے دو صاف کر آئے یہ چمکے وہ دمکے وہ چھپے وہ نظر آئے
ہر سر پہ بہم صورتِ تیغِ دو سر آئے پنہاں تھے پرِ طائرِ دل پر کتر آئے
یوں زخموں کی چاہوں سے پھرے جاہ و حشم سے
۷۹ یوسف چھِنے کنعاں سے علیؑ بیر اَلم سے

ہر بار وہی ہاتھ وہی ڈھنگ برابر باہم وہی پیکار وہی جنگ برابر
تیغوں کے وہی روپ وہی رنگ برابر ہر ہاتھ میں دو دو ہوئے چورنگ برابر
خود فتح یداللہ کی طرح جھوم رہی تھی
۸۰ زہرہ کی طرح ہاتھ ظفر چوم رہی تھی

تیغ اُس کی اُڑائی تو سپر اُس کی اُڑائی دیکھا کوئی خود بیں تو نظر اُس کی اُڑائی
بالا جو ہوا قد میں کمر اُس کی اُڑائی غائب جو ہوا کوئی خبر اُس کی اُڑائی
حاضر کی طرف اُڑتے تھے تیروں کی طرح سے
غائب پہ وہ پھرتے تھے ضمیروں کی طرح سے

۸۱

تیغوں کا چلن کون سے گلفام میں آیا جوہر سے ستاروں کا سماں شام میں آیا
یہ بل نہ کسی زلفِ دل آرام میں آیا اونچے جو ہوئے مہر مبیں دام میں آیا
بچوں کو مِلا کھیل یہ تائیدِ خدا ہے
کیا سونے کا طائر انہیں بے دام ملا ہے ۸۲

ناگاہ فراہم ہوا سب لشکرِ بے پیر شبّر کے جگر گوشوں پہ برسانے لگے تیر
دَم رُکنے لگے چل گئی شمشیر پہ شمشیر بسمل سے تڑپنے لگے یاں حضرتِ شبّرؑ
دو تیر نیا حشر بپا کر گئے ہے ہے
لو سہم کے معصوم قضا کر گئے ہے ہے ۸۳

گو سن میں تفاوت تھا شرف پائے برابر تیر ایک کی گردن پہ لگا ایک کے دل پر
اِک فدویِ اکبرؑ ہوا اِک فدیہِ اصغرؑ منہ پیٹ کے رونے لگا تب دلبرِ جعفر
کہتا تھا کہ رستے میں مرا ہاتھ نہ چھوڑو
ہمراہیو لِلّٰہ مرا ساتھ نہ چھوڑو ۸۴

جب تیغ اُٹھاتے ہیں سرِ شہؑ پہ ستمگر ہاتھوں سے چھپا لیتا ہے بچہ سرِ سرورؑ
پہلو کی طرف تیر لگاتے ہیں جو اکفر تب سہم کے پہلو سے لپٹتا ہے وہ دلبر
کھینچے ہوئے خنجر جو کوئی آتا ہے آگے
تب دوڑ کے پہلو سے یہ آجاتا ہے آگے ۸۵

اِک بار جو دو تیغیں چلیں شہؑ پہ برابر قہر آگیا کٹ کٹ کے گرے ہاتھ زمیں پر
تھرّانے لگا لاشۂ عباسؑ دلاور مچھلی سا تڑپ کر ہوا بے جان وہ دلبر
شہؑ نے کہا رو کر ترے شانوں کے تصدق
اے دلبرِ جعفرؑ ترے شانوں کے تصدق

۸۶

ڈھیوڑی سے نظر کرتی تھی ماں غم کی ستائی سر پیٹ کے چلّائی دُہائی ہے دُہائی
ہے ہے مرے معصوم تری نرم کلائی اے بیبیو لوٹی گئی بیکس کی کمائی
بچّے کو مرے کشتۂ بیداد کیا ہے
لوگو مجھے کس جُرم پہ برباد کیا ہے

۸۷

اے جعفرِ ثانی میں ترے ہاتھوں کے واری سر پیٹ کے مر جائے گی ماں درد کی ماری
کس طرح سے پاس آؤں کہ واں گرد ہیں ناری لو دور سے لیتی ہوں بلائیں میں تمھاری
ارمان ملے خاک میں سارے مرے پیارے
اصغرؑ کی غلامی میں سدھارے مرے پیارے

۸۸

ناگاہ فلک کو بنِ اشعث نے ہلایا اِک تیرِ جفا بوسۂ پیشانی کو آیا
ہم لوگوں کی تقدیر سے یہ صدمہ اُٹھایا منہ سُرخ ہوا ضعف نے وہ رنگ دکھایا
ہونٹوں پہ رُکی جان کہ بے دم ہوئے سرورؑ
سجدے کو اُسی حال سے پرخم ہوئے سرورؑ

۸۹

اِک تیر کے باعث نہ جبیں پہنچی زمیں پر سجدے سے ہوئی یاس تو رونے لگے سرورؑ
پھر شوقِ عبادت میں جھکے یوں شہِؑ صفدر یہ بھی نہ خبر تھی کہ کہاں تیر کہاں سر
افسوس کسی نے بھی نہ اُس تیر کو کھینچا
قاتل نے فقط ظلم کی شمشیر کو کھینچا

۹۰

آگے جو ستم ہے وہ نہیں قابلِ اظہار کافی ہیں کنایات صراحت نہیں درکار
سر پیٹ کے مر جائیں گے مولاؑ کے عزادار کس جا تھے قدم شمر کے اے چرخِ ستمگار
کس طرح نگاہِ فلکِ پیر پھری آہ
موزے کہاں پہنچے کہاں شمشیر پھری

۹۱

اے بزمؔ یہاں احمدِؐ مختار ہیں حاضر سر پیٹ کے رو بہرِ شہؑ صابر و شاکر
اب مرثیہ بھی ختم ہے مجلس بھی ہے آخر افسوس کہ جنّت کو گیا دین کا ناصر
لشکر نہ نشانِ شہؑ ناکام ہے باقی
شبّیرؑ کا رونے کو بس اِک نام ہے باقی

مرثیہ: ۲۳

درحال سفرِ مدینہ حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

کوچ یثرب سے جو سُلطانِ زماں کرتے ہیں

تعداد بند: ۹۲

غازی آباد-- ۱۲ جنوری ۱۹۲۴ء

۱

کوچ یثرب سے جو سلطانِ زماں کرتے ہیں غم سے احبابِ وطن آہ و فغاں کرتے ہیں
شور برپا ہے سفر یاں سے کہاں کرتے ہیں کیا ضرورت ہے وہاں عزم جہاں کرتے ہیں
دیکھئے پیشِ نظر کب وہ زمانہ ہوگا
۲ قرۃُ العینِ محمدؐ کا جب آنا ہوگا

بخدا ہے ہمیں مولاؑ کی جدائی جانکاہ پھر سلامت انہیں یاں پھیر کے لائے اللہ
جس کا سلطاں نہیں کشور ہے وہ دنیا میں تباہ یہ وہ یوسف ہیں کہ جن کی ہے ہر اِک شخص کو چاہ
حشمتِ یثرب و بطحا ہے شہِ عالم سے
۳ رونقِ روضۂ احمدؐ ہے انہیں کے دم سے

گُلِ رخسار کی خوشبو سے زمانہ ہے چمن اِس روش کے تو ہزاروں میں نہیں غنچہ دہن
بہرِ گل گشت جہاں جائیں شہنشاہِ زمن واں کے خاروں سے مقابل ہوں نہ گلہائے عدن
اوجِ حشمت کا نہ ممکن ہو تو ساماں ہو جائے
۴ وحشت آگیں ہو وہ صحرا تو گلستاں ہو جائے

یہ وہ بندے ہیں خدائی میں نہیں جن کی نظیر ان کو کیا جانے کوئی خلق میں جُو حیِّ قدیر
ہیں انہیں کے تو جگر بند جنابِ شبّرؑ رُک سکی پر یہ ملک کے بھی نہ جن کی شمشیر
ہاں کچھ امید پھر آنے کی بھی ہے یاس بھی ہے
۵ پر نہیں خوف کہ وہ تیغِ دو دم پاس بھی ہے

جز خدا ڈر انہیں کس کا ہے سفر ہو کہ حضر شیر جنگل کے رکھیں گے قدمِ شاہؑ پہ سر
شور ہوگا یہ غزالوں میں کہ دیکھو چل کر جلوہ فرما ہوا ہے شیرِ الٰہی کا پسر
جو زمیں بہرِ مقام آپؑ کو بھا جائے گی
صاف کرنے اُسے جنّت کی ہوا آئے گی

٦

پاسبانی کے لئے جنّ و ملک آئیں گے چین سو طرح کا واں شام و سحر پائیں گے
نذریں ہر مُلک کے ذی قدر بشر لائیں گے مِلک میں اِن کی ہے وہ مُلک جہاں جائیں گے

آج یہ اِن کے سوا کس نے شرف پایا ہے
شور ہوگا کہ محمدؐ کا پسر آیا ہے

٧

ہاں مگر فصل نہ اچھی ہے نہ بہتر ایّام صبح اِن روزوں کی تفریح کے لائق ہے نہ شام
سخت مشکل ہے کہ ہوگا جو پہاڑوں میں مقام مضمحل ہوئیں گے گرمی سے سب اطفالِ امامؑ

چین کیونکر ہو بڑا داغ دئے جاتے ہیں
ننھے بچوں کو بھی ہمراہ لئے جاتے ہیں

٨

غم کچھ ایسا ہے کہ جینے کے ہیں سب کو لالے دم بہ دم چلتے ہیں آہوں کے دلوں پر بھالے
شور ہے جاتے ہیں امداد کے کرنے والے کیا قیامت ہے جسے گود میں زہراؑ پالے

اُس سے اِس موسمِ گرما میں وطن چھٹتا ہے
ہائے کس فصل میں بُلبُل سے چمن چھٹتا ہے

٩

باغ وہ گھر ہے خزاں کا کہ نہ ہو جس میں بہار چھوٹ جائے جو مکیں سے تو مکاں ہے بیکار
ہیں مہ و مہر تو روشن ہے جہاں لیل و نہار جن گلوں سے تھا گلستانِ مدینہ کا وقار

یاں سے وہ کون سی بستی کے بسانے کو چلے
ایسے موسم میں کہاں چھاؤنی چھانے کو چلے

١٠

سوزشِ داغِ دلِ زار دکھائیں کس کو بے قراری کا جو باعث ہے بتائیں کس کو
کون اِس وقت میں آتا ہے بُلائیں کس کو غم سے خود رفتہ جو ہوں ڈھونڈنے جائیں کس کو

نہ علیؑ ہیں نہ محمدؐ ہیں نہ زہراؑ ہے ہے
کون ہے شاہؑ کا اب روکنے والا ہے ہے

۱۱

جب کبھی ختمِ رسالتؐ ہمیں یاد آتے تھے شاد اکبرؑ کی ملاقات سے ہوجاتے تھے
فرقتِ شیرِ الٰہی کا جو غم کھاتے تھے پئے تسکین زباں پر یہ سخن لاتے تھے
فاتحِ بدر و اُحد جب ہمیں یاد آئیں گے
خدمتِ حضرتِ عباسؑ میں ہم جائیں گے

۱۲

دیکھتے ہیں جو سوئے راحتِ جانِ حیدرؑ نظر آجاتی ہے سب شوکت و شانِ حیدرؑ
کیوں نہ اُس شیر پہ سب کو ہو گمانِ حیدرؑ جس کی شوکت سے ہویدا ہو نشانِ حیدرؑ
نخل اعلیٰ ہو تو اعلیٰ ہی ثمر ملتا ہے
باپ اچھا ہو تو اچھا ہی پسر ملتا ہے

۱۳

ہر طرف تھی یہ جوانانِ مدینہ کی پکار شہر سے جاتے ہیں ہم شکلِ رسولِؐ مختار
دوست کا دوست سُنے حال تو مشکل ہے قرار جو ابھی آئے نہ تھے وہ بھی جب آئے غمخوار
دیکھنے والے تڑپ جاتے تھے دل ہلتے تھے
جب وہ رو کر علیؑ اکبرؑ سے گلے ملتے تھے

۱۴

شور تھا اب یہ زیارت نہ میسّر ہوگی ہائے آنکھوں سے نہاں شکلِ پیمبرؐ ہوگی
داغِ فرقت کی تپش سب کے دلوں پر ہوگی پھر ملاقات یہاں دیکھئے کیونکر ہوگی
کس زباں سے کہیں کیا لُطف و کرم کرتے تھے
ہم غریبوں پہ بڑا لطف و کرم کرتے تھے

۱۵

کہتے تھے رو کے دل و جانِ حسنؑ کے ہم سن دل نہ بہلیں گے کسی طرح یہاں آپؑ کے بن
شب قیامت کی ہر اِک ہوگی ہر اِک حشر کا دن غم تو یہ ہے نہ ہوئے آپؑ کے سائے میں مُسن
کبھی اُس طرح نہ ماں باپ کی خدمت کرتے
جس طرح آٹھ پہر آپؑ کی خدمت کرتے

۱۶

ہم ہیں ناچیز غلام، آپؑ ہیں فرزندِ امامؑ آپؑ سا ایک نہیں ہم سے ہزاروں ناکام
آپؑ چاہیں تو ہو دن عید کا ہر صبح کی شام شام ہر روز کی ہو شامِ شبِ ماہِ صیام
سب ہی اعلیٰ ہیں شہؑ عقدہ کشا کے گھر کے
۱۷ دیں کے سردار ہیں مالک ہیں خدا کے گھر کے

کہتے تھے عونؑ و محمدؑ سے یہ لڑکے رو کر یہ تو فرمایئے ہے یا کہ نہیں قصدِ سفر
اُن سے ارشاد یہ فرماتے تھے وہ رشکِ قمر وہیں ہم ہوں گے جہاں ہوں گے شہِ جنؑ و بشر
جان دے دیتے ہیں جو عاشق و فرزانہ ہیں
۱۸ ہم تو شمعِ رُخِ پُر نور کا پروانہ ہیں

وہ تردُّد وہ شہؑ دیں کی پریشاں حالی غُل تھا تقدیر نے کیسی یہ مُصیبت ڈالی
اب ہوا نورِ الٰہی سے مدینہ خالی کوچ اُس کا ہے جو ہے سارے جہاں کا والی
خاک اُڑتی ہے پریشان ہوا آتی ہے
۱۹ آہ و نالہ کی ہر اِک گھر سے صدا آتی ہے

بند ہیں کوچہ و بازار کی سب دُکانیں ہیں فروشندوں کی صدمے سے لبوں پر جانیں
دل جو مضطر ہوں بھلا صبر کو کیونکر مانیں شور ہے خاک بھی گر سارے جہاں کی چھانیں
غم کے اسباب بہر طور نظر آئیں گے
۲۰ کہیں ایسے دُرِ نایاب نہ ہم پائیں گے

جن سے دُنیا تھی منور وہ حسیں جاتے ہیں قصرِ نورانیٔ زہراؑ کے مکیں جاتے ہیں
نجمِ افلاک شرف، نیّرِ دیں جاتے ہیں سالکِ جادۂ ایمان و یقیں جاتے ہیں
وجہ کیا تھی جو ہر اِک دل کو پریشانی تھی
قتلِ سادات کی اِک روز خبر آنی تھی

۲۱

شہر میں نالہ و فریاد کا غُل تھا ہر سُو سب کو تھا رنج و غمِ فرقتِ مولاؑ ہر سُو
شورِ فریاد سے اِک حشر تھا برپا ہر سُو غم کی صورت تھی ہر اِک شکل سے پیدا ہر سُو
ہر طرف لوگ تھے مصروفِ فغاں یثرب کے
قصرِ اندوہ و مصیبت تھے مکاں یثرب کے

۲۲

کیفیت حُزن کی اپنی جو دکھاتی تھی ہوا اُسکے جھوکوں سے بھی صاف آتی تھی ہے ہے کی صدا
شور ہوتا تھا جو رہ رہ کے غبار اٹھتا تھا خاک اُڑاتی تھی مدینے کی زمیں واویلا
جس طرف دیکھئے اِک غم کی گھٹا چھائی تھی
وہ بھی دنیا میں کس آفت کی گھڑی آئی تھی

۲۳

تھا پریشان ہر اِک بُلبُل و گلزار کا حال تھا نشمین انہیں گویا قفسِ رنج و ملال
آب و دانہ کی نہ کچھ فکر نہ گلشن کا خیال تھی صدا غنچہ چٹکنے کی انہیں تیر کی بھال
ایک سا جانتی تھیں پھولوں کو اور خاروں کو
چُپ لگی تھی کہ نہ وا کرتی تھیں منقاروں کو

۲۴

جُھک کے ہر بار سر اپنے جو پٹکتے تھے شجر خاک میں ملنے کو گر پڑتے تھے شاخوں سے ثمر
رنگ یہ تھا کہ حنا پی رہی تھی خونِ جگر باغباں کی نہ کسی پھول پہ پڑتی تھی نظر
کوچ یثرب سے جو تھا فاطمہؑ کے پیاروں کا
دل بھر آتا تھا نہروں کے بھی فوّاروں کا

۲۵

تھا بہت شہؑ کے وطن والوں پہ صدمہ طاری جوشِ رقت سے زمیں کانپ رہی تھی ساری
چشمِ مردُم سے جو تھے خون کے آنسو جاری مثلِ بسمل وہ پھڑک جاتے تھے باری باری
غُل تھا یثرب سے نہیں شاہؑ ہدا جاتے ہیں
آج دنیا سے یہ محبوبِ خدا جاتے ہیں

۲۶

بیبیوں میں تھا جو عوراتِ محلّہ کا ہجوم اُن سے ملتی تھیں گلے زینبؑ و اُمِّ کلثوم
وہ اُدھر روتی تھیں ہوتی تھیں اِدھر یہ مغموم حالِ آئندہ تھا اصلا نہ کسی کو معلوم
دردوغم کے کبھی سب مل کے بیاں کرتی تھیں
ہچکیاں لے کے کسی وقت فغاں کرتی تھیں

۲۷

کیوں سفر کرتے ہیں مولاؑ جو کسی نے پوچھا رو کے اُن بیبیوں سے حضرتِ زینبؑ نے کہا
دشمنوں نے انہیں اِس شہر میں رہنے نہ دیا آگے جو ہونا ہے آگاہ ہے اُس سے تو خدا
دلِ محزوں میں سناں غم کی گڑی ہے لوگو
اس سفر سے مجھے تشویش بڑی ہے لوگو

۲۸

میرے مانجائے کا دشمن ہے ہر اِک اہلِ عناد اب تو آرام بہت کم ہے اذیت ہے زیاد
یہ دعا کرتی ہوں ہر وقت کہ اے ربِّ عباد شہؑ کے دم سے رہے یثرب کا گلستاں آباد
عیش سو رنگ کا ہو اور گُلِ زہراؑ ہو
سب رہیں خیر سے غربت میں نہ شر پیدا ہو

۲۹

یہ تو گرمی یہ پہاڑوں کا سفر ہائے غضب کہیں ہوجائے نہ جانوں کا ضرر ہائے غضب
ساتھ بچے ہیں یہ ہے خوف وخطر ہائے غضب ابنِ زہراؑ کو میں لے جاؤں کدھر ہائے غضب
کیا بنے گی یہ بیاں ویسے کیا کرتی ہوں
روز چُھپ چُھپ کے سبھوں سے میں بُکا کرتی ہوں

۳۰

ماں کی تُربت پہ جو کل شب کو گئی میں دل گیر صاف آتی تھی یہ آواز کہ ہے ہے شبیرؑ
وہ صدا درد کی تھی میرے جگر کے لئے تیر ہو نہ جانا تو نکلتی نہیں ایسی تدبیر
زندگی تلخ ہے مجبور ہوں ناچار ہوں میں
کیا کروں سخت مصیبت میں گرفتار ہوں میں

۳۱

خواب جو دیکھا ہے حال اُس کا میں تم سے کہوں کیا سر پہ اناں کے کسی دشت کی تھی خاکِ عزا
میں نے گھبرا کے سبب اس کا جو اُن سے پوچھا ڈال کر باہیں گلے میں مرے اناں نے کہا

دم مرا قبر کے رہنے سے خفا ہوتا ہے
میرا مظلوم پسر مجھ سے جُدا ہوتا ہے

۳۲

ظلمِ اعدا سے وطن چھوڑتا ہے میرا حسینؑ گھر بصد رنج و محن چھوڑتا ہے میرا حسینؑ
تربتِ پاکِ حسنؑ چھوڑتا ہے میرا حسینؑ اب مدینے کا چمن چھوڑتا ہے میرا حسینؑ

گلشنِ خُلد میں محبوبِ خدا روتے ہیں
ساتھ اُن کے ملکِ عرشِ علا روتے ہیں

۳۳

پاس بابا کے گئی میں تو یہ ارشاد کیا اب نہیں بچنے کا شبیرؑ ترا اے زہراؑ
سارے عالم میں نہ پائے گا کہیں امن کی جا خانہ حق میں بھی رہنا نہ ملے گا اصلا

میرا سید مرا مظلوم جہاں جائے گا
ہے یہ قسمت میں کہ راحت نہ کہیں پائے گا

۳۴

سب غریبوں کا مددگار پرستار چلا چھوڑ کر قبرِ محمدؐ وہ دل افگار چلا
دشمنوں میں خلفِ احمدِؐ مختار چلا میرا مظلوم مرا بیکس و ناچار چلا

کوئی اُمت میں نہ شبیرؑ کا رُتبہ سمجھا
نہ اُسے کوئی محمدؐ کا نواسہ سمجھا

۳۵

خط تو کیا، آئے ہیں پیغام زبانی کیا کیا قتل کی فکر میں ہیں دشمنِ جانی کیا کیا
دیں گے آزار اُسے ظلم کے بانی کیا کیا روح تڑپے گی دمِ تشنہ دہانی کیا کیا

میرے صابر سے بہت دور نہ دریا ہوگا
تشنہ لب ذبح مگر میرا نواسہ ہوگا

۳۶

خواب کا حال جو زینبؑ نے کیا اُن سے بیاں بیبیاں جتنی تھیں دل کھول کے کی سب نے فغاں
غُل یہ عُن عُن کے جو گھبرائے امامِ دو جہاں اُٹھ کے ارشاد یہ فرمایا کہ اکبرؑ ہیں کہاں

تپ میں صدمہ کوئی تازہ اُسے پہنچا شاید
بے ملے مجھ سے قضا کر گئی صغراؑ شاید

۳۷

دل اُلٹتا ہے پدر کا علی اکبرؑ آؤ غش ہوا جاتا ہوں اے قاسمؑ مضطر آؤ
تھامنے بھائی کو عباسِؑ دلاور آؤ میرے عاشق، مرے شیدا مرے صفدر آؤ

حشر کیسا ہے بپا گھر میں تو جاؤ بھائی
جلد صغراؑ کی خبر پوچھ کے آؤ بھائی

۳۸

پاس پردے کے کھڑی تھی جو کنیزِ زہراؑ شہؑ کو چلائی کہ وسواس نہ کیجئے مولاؑ
بیبیاں بیبیوں سے ملتی ہیں با آہ و بکا تپ کی ایذا سے تو بے ہوش پڑی ہیں صغراؑ

کوچ کی شہؑ کے خبر ٹھیک جو عُن پائی ہے
صبح سے کچھ نہ دوا پی نہ غذا کھائی ہے

۳۹

سرِ پُر نور ہلا کر شہِؑ والا نے کہا اِس مرض سے اُسے دے شافیِ مطلق ہی شفا
کس کی اُلفت ہے بھلا باپ کی اُلفت سے سوا اکبرؑ و قاسمؑ و عباسؑ سے ارشاد کیا

بے تشفی کئے اُس کی جو چلے جائیں گے
پھر کے آئے بھی تو صغراؑ کو نہ ہم پائیں گے

۴۰

جلوہ فرما ہوئے یوں قصرِ معلّٰی میں جناب داخلِ بُرجِ شرف ہوتا ہے جیسے مہتاب
مثلِ بسمل دلِ اقدس تھا جو بر میں بیتاب اشک ٹپکا کے کیا بانوئے عالم سے خطاب

کس لئے روتی ہو جلدی ادھر آؤ صاحب
حال کیا ہے مری صغراؑ کا بتاؤ صاحب

۴۱

صاف کہنا اُسے جیسی ہو طبیعت اُس کی عرض کی یا شہِؑ دیں غیر ہے حالت اُس کی
جا چکی اُس کے تنِ زار سے طاقت اُس کی خوب سمجھا ہوں کہ دشوار ہے صحت اُس کی
ضعف کے زور سے کروٹ نہیں لی جاتی ہے
کئی دن سے تو دوا بھی نہیں پی جاتی ہے ۴۲

مرض الموت ہے اُس کے لئے فرقت شہؑ کی اُس کو ہم سب سے سوا ہے تو محبت شہؑ کی
ہوگی صحت جو میسّر تو بدولت شہؑ کی باعثِ فرحتِ دل ہوگی زیارت شہؑ کی
آپ ہوں گے تو بہر طور گزر جائے گی
پھر نہ اے عیسیٰ عالم اُسے تپ آئے گی ۴۳

یوں تو ہے عابدِ رنجور بھی شدت سے علیل کر دیا ہے اُسے تکلیفِ مرض نے تحلیل
میری خاطر سے دوا پی ہے تو کچھ قدرِ قلیل ساتھ اُس کو بھی تو لے جائیں گے سلطانِ جلیل
دخل اُس میں کسے تجویز جو کچھ شاہؑ کی ہے
شہؑ نے فرمایا کہ مرضی یہی اللہ کی ہے ۴۴

تم پہ کُھل جائے گا دسویں کو محرم کی یہ حال مجھ کو تڑپائے گا صغراؑ کی جدائی کا خیال
لئے جاتا ہوں جو عابدؑ کو بصد رنج و ملال فضلِ معبودِ حقیقی سے ہے نیک اُس کا مآل
سب تو سہہ جائیں گے جو راہ میں ایذا ہوگی
متحمل نہ مگر فاطمہ صغراؑ ہوگی ۴۵

خوب روئے حرمِ پاکِ رسول الثقلینؐ تپ سے غافل تھی مگر ہو گئی صغراؑ بے چین
پوچھا زینبؑ سے کہ سب کرتے ہیں کیوں شیون و شین کہا ملنے کے لئے آئے ہیں بی بی سے حسینؑ
پاؤ طاقت تو عصا ٹیک کے اُٹھو صغراؑ
وہ تمھیں دیکھ لیں اور تم انہیں دیکھو صغراؑ

۴۶

باپ کے پاس وہ خود آتی یہ طاقت تھی کہاں خود چلے آئے وہاں بادشہِ کون و مکاں
اور یہ لپٹا کے گلے سے کہا اے راحتِ جاں رہنے پاتا نہیں یہ بیکس و مظلوم یہاں

ناتواں ہو غمِ فرقت نہ اٹھانا بی بی
اچھی ہو لو تو مرے پاس تم آنا بی بی

۴۷

دن یہ ایسے ہیں کہ ایذا ہے سبھی پر صغراؑ چین لیتا نہیں دم بھر دلِ مضطر صغراؑ
کس قدر گرم ہوا چلتی ہے دن بھر صغراؑ تمہیں کہہ دو تمہیں لے جاؤں میں کیونکر صغراؑ

جا بجا سے تمھیں خط لکھ کے نہ کیا بھیجوں گا
کچھ بدل جائے یہ موسم تو بلا بھی لوں گا

۴۸

اِن دنوں پاؤں کا رکھنا ہے زمیں پر دشوار خود بخود سینۂ گیتی سے نکلتا ہے بخار
آب پاشی سے بھی سبزی نہیں لاتے اشجار آگ کی طرح تپاں رہتے ہیں دن بھر کہسار

اُن پہاڑوں سے اگر کاٹنی منزل ہوگی
سخت بیتاب ہر اِک صاحبِ محمل ہوگی

۴۹

مصلحت کچھ یہ فقط میری نہیں ہے صغراؑ اُس کی مرضی ہے یہی جو کہ ہے خالق سب کا
یہ قوی وجہ نہ ہوتی تو تمھیں لے چلتا منصفی شرط ہے بندے کا بھلا زور ہے کیا

محل ایسا ہو تو مصروفِ دُعا ہوتے ہیں
کیا وہ ملتے نہیں جو لوگ جُدا ہوتے ہیں

۵۰

زندگی شرط ہے انسان کی اے رشکِ قمر باپ جائے کہیں یا بھائی سدھارے کہ پسر
دن گزر جاتے ہیں فرقت کے جب اے جانِ پدر فضلِ خالق سے سب آجاتے ہیں گھر میں پھر کر

شق جگر ہوتا ہے بابا کا نہ روؤ صغراؑ
ہم تمھیں تم ہمیں اللہ کو سونپو صغراؑ

۵۱

علی اکبرؑ نے بھی یہ مصلحتاً فرمایا شہؑ کو پہنچا کے ضرور آؤں گا میں اے صغراؑ
تھام کر ہاتھوں سے دل فاطمہ صغراؑ نے کہا میں فدا دھیان رہے وعدہ وفائی کا ذرا
چھٹ کے سب کنبے سے صحت میں نہیں پانے کی
کہیں بے آپؑ کے آئے نہیں تپ جانے کی

۵۲

شہؑ نے بیٹی پہ دُعا پڑھ کے خدا کو سونپا بڑھ کے عباسؑ نے زہراؑ کی ضمانت میں دیا
کی گلے مل کے جو ہم شکلِ پیمبرؐ نے بُکا آہ و فریاد کا اِک شور اُسی طرح ہوا
تھا جو کچھ احمدؐ و حیدرؑ کے قضا کرنے میں
جس طرح روئے تھے سب فاطمہؑ کے مرنے میں

۵۳

رو کے مادر سے وہ بیمار یہ کرتی تھی بیاں آپ بھی چھوڑے چلی جاتی ہیں مجھ کو اماں
اشک ٹپکا کے کہا ماں نے کہ اے راحتِ جاں سب کے ہیں مالک و مختار امامؑ دو جہاں
میری قسمت میں تو فریاد بھی ہے آہ بھی ہے
جو رضا حق کی وہی مصلحتِ شاہؑ بھی ہے

۵۴

ماں سے لے کر علی اصغرؑ کو یہ بولی وہ حزیں سب سدھاریں یہ مری گود سے جائے نہ کہیں
نہیں کُڑھنے کا بہل جائے گا یہ ماہ جبیں بولی تقدیر کہ صغراؑ یہ مقدر میں نہیں
شہؑ فدا راہِ الٰہی میں جہاں ہوئیں گے
آبِ پیکاں سے یہ سیراب وہاں ہوئیں گے

۵۵

آہ اِک کھینچ کے اُمِ سلمہؑ نے یہ کہا بھائی کو دودھ پلاؤ گی کہاں سے صغراؑ
حق میں اِس چھوٹے مسافر کے یہ لازم ہے دُعا گھر میں پھر خیر سے آئے یہ مع شاہؑ ہدا
میں تو ہوں کس لئے تم آہ و بُکا کرتی ہو
تپ نہ بڑھ جائے زیادہ کہیں کیا کرتی ہو

۵۶

دل ہی اُمڈا ہو تو کس طرح تھمیں اشک بھلا نگہ یاس سے اصغرؑ نے بہن کو دیکھا
نور دیدہ تو اُسی کا تھا وہ بچہ تھا تو کیا عالمِ علمِ الٰہی تھا جو شاہِ دوسرا
تھا یہ مطلب کہ بس اب شکل نہ دکھلائیں گے
ہم تو دسویں کو محرم کی گزر جائیں گے

۵۷

ساتھ لے جاتے نہ ہم کو کبھی مظلوم پدر بے تردُّد ہمیں یاں چھوڑ کے جاتیں مادر
شائقِ قبر ہیں رہنا ہو ہمارا کیونکر روزِ عاشور ہے دنیا سے ہمارا بھی سفر
جو ستم ہوگا رہِ حق میں گوارا ہوگا
چھ مہینے سے سوا سن نہ ہمارا ہوگا

۵۸

سب کے سمجھانے سے مایوس ہوئی جب صغراؑ شہؑ نے دروازے پہ لے جا کے یہ فضہ سے کہا
میری جانب سے ذرا بنتِ علیؑ سے کہہ آ دن بہت چڑھتا ہے اے دخترِ پاکِ زہراؑ
خونِ دل دیر تک آنکھوں سے بہانا ہوگا
قبرِ زہراؑ و نبیؐ پر ابھی جانا ہوگا

۵۹

آ کے فضہ نے کیا حضرت زینبؑ سے بیاں ہے بہت دیر سے تیار سفر کا ساماں
انتظار آپؑ کا کرتے ہیں امامِ ذیشاں کیجئے دیر نہ اے فاطمہؑ کی راحتِ جاں
دیکھئے آج کی شب کون سی جا ہوئے گی
فصل گرمی کی ہے تکلیف سوا ہوئے گی

۶۰

ماں پکاری کہ خُدا حافظ و ناصر صُغراؑ اب نہ رونا مری اے صابر و شاکر صُغراؑ
خوب اِس ماں کی محبت سے ہو ماہر صغراؑ ضعف جیسا ہے تمھیں وہ بھی ہے ظاہر صغراؑ
اپنی دُوری کا نہ صدمہ تمھیں دے جاتی میں
تپ نہ ہوتی تو تمھیں ساتھ ہی لے جاتی میں

۶۱

آئے ڈیوڑھی پہ جو ناموسِ حبیبِ داور پردہ کرنے کو بڑھے آپؑ شہِ جنّ و بشر
اِک طرف تھا گُلِ گلزارِ جنابِ شبّرؑ تھے کہیں عونؑ و محمدؑ تو کسی جا اکبرؑ

دونوں مسلم کے پسر آپ کے ہمراہ بھی تھے
مہتمم حضرتِ عباسؑ فلک جاہ بھی تھے

۶۲

ہوئے جن بیبیوں کا خلق میں یہ عزو وقار قہر کیسا تھا یہ کیوں اے فلک ناہنجار
کیا نہ تھا کوئی وہاں اُن کا شناسا زنہار بعد قتلِ شہؑ دیں ہائے وہی سینہ فگار

ہو کے محبوس کس آفت میں گرفتار ہوئیں
طرفِ شام رواں مثلِ گنہگار ہوئیں

۶۳

بے کجاوہ وہ شُتر وہ حرمِ شاہِ زمن وہ قلق اور وہ صدمے وہ غم و رنج و محن
وہ اسیروں کے گلے اور وہ آفت کی رسن وہ ستم فوج کے وہ آلِ شہؑ قلعہ شکن

خوف سے روح سکینہؑ کی جو گھبراتی تھی
دم بہ دم وا اَبتا کہہ کے وہ چلّاتی تھی

۶۴

آلِ اطہارؑ کہاں اور کہاں فوجِ ستم وہ تماشائی کہاں اور کہاں شہؑ کے حرم
بے ردائی کا جو غم کھاتی تھیں رانڈیں پیہم رو کے کہتی تھیں کہ دشوار ہے جینا اِک دم

راہ میں دھیان اِدھر اور نہ اُدھر ایک کا تھا
ایک کی پشت پہ نہوڑا ہوا سر ایک کا تھا

۶۵

ہو کہ روضے سے محمدؐ کے جنابِ شبّیرؑ قبرِ زہراؑ کی طرف آئے بحالِ تغیر
طول ہوگا جو کروں حال وہاں کا تحریر ماں کی تُربت سے بھی جب لے چلی شہؑ کو تقدیر

لوگ یثرب کے جو سر پیٹ کے چلّاتے تھے
شاہؑ سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے

٦٦

وہ تجمل وہ شکوہِ خلفِ شیرِ الٰہ ملکِ عرش تھے سلطانِ اُمم کے ہمراہ
وہ حشم شہؑ کی سواری کا وہ اقبال وہ جاہ گرد پھر پھر کے فلک کہتا تھا ماشااللہ

رفقاء یوں تھے شہِ جنّ و بشر کے ہمراہ
٦٧ چرخ پر جیسے کواکب ہوں قمر کے ہمراہ

جلوہ افروز تھا کیا نیّرِ اقبالِ امامؑ چترِ خورشید تھا بالائے سرِ شاہِ انام
تھا خدم شہؑ کے غلاموں کے بھی خادم کا غلام راہرو کرتے تھے جُھک جُھک کے ادب سے جو سلام

کیا عدالت تھی کہ دل اُن کے بڑھا دیتے تھے
٦٨ ہاتھ بالائے جبیں آپ بھی رکھ لیتے تھے

شرفِ کون و مکاں قبلہِ دیں شاہِؑ ہُدا جانِ زہراؑ و علیؑ بادشہِ ہر دوسرا
دُرِ دریائے عطا ابرِ کرم کانِ سخا گھر میں اللہ کے جس روز ہوئے جلوہ نما

اہلِ دیں بہرِ قدم بوسیِ شہؑ آنے لگے
٦٩ شوکتِ ختمِ رسالت کا مزہ پانے لگے

ناز کعبے کو بھی تھا قبلہِ دیں آئے ہیں شور برپا تھا شہؑ عرش نشیں آئے ہیں
لِلّٰہُ الحمد مدینے کے مکیں آئے ہیں سب یہ مقبولِ خدا اہلِ یقیں آئے ہیں

کیا خوش آئین و خوش اسلوب جماعت ہوگی
٧٠ فضلِ معبود سے کیا خوب جماعت ہوگی

روح خوش ہوگی سنیں گے علی اکبرؑ کی اذاں کیسی مقبول ہے اُس خاصہِ داور کی اذاں
کیا ہی خوش لحن ہے لختِ دلِ سرورؑ کی اذاں کس فصاحت سے ادا ہوتی ہے صفدر کی اذاں

اِن کی تکبیر کی ہر گُل کو صدا بھاتی ہے
روح بُلبُل کے ترانے کا مزا پاتی ہے

۷۱

اب ہے مدّاح کا یہ ساقیِ کوثر سے خطاب آپ ہیں قبلۂ ایمان و یقیں فیض مآب
ہو مناسب تو ادھر بھی متوجہ ہوں جناب مدعا یہ ہے کہ کعبے میں اُڑے آج شراب
ساتھ شارع کا ہے بے حجّت و تکرار پئیں
آبِ زمزم میں ملا کر اسے دیں دار پئیں

۷۲

ہو رہا ہے در و دیوار سے رحمت کا ظہور کیا عجب لے کے ملک آئیں جو پیمانۂ نور
مست و مدہوش ہوں میخوار نہیں یہ منظور گھر یہ خالق کا ہے یاں چاہئے ہلکا سا سرور
قاضیِ شرع کی بھی بات نہ مانی جائے
آج تو جامۂ احرام میں چھانی جائے

۷۳

یہ ستم اور یہ تعدی یہ عداوت یہ جفا حج بھی کرنا نہ محمدؐ کے نواسے کو ملا
ہے غضب باندھ کے احرام بھی شہؑ نے کھولا حج کو عمرہ سے بدل سرورِ عالم نے کیا
واں سے راہی نہ اگر سیدِ والا ہوتے
فدیہ راہِ خُدا آپ اُسی جا ہوتے

۷۴

تین سو آئے تھے حج کے جو بہانے سے لعیں مستعد قتل پہ تھے شاہؑ کے وہ دشمنِ دیں
گو سمجھتے تھے کہ ہیں دوشِ محمدؐ کے مکیں کون ہے اِن کے سوا رازِ الٰہی کا امیں
اِن کی باتوں سے بڑا دل کو مزا ملتا ہے
اِن ہی کے ملنے سے بندے کو خُدا ملتا ہے

۷۵

یہ سمجھ کر بھی ہوئے مستعدِ جور و جفا یہی شورا تھا کرو قتل سبھوں کو اسی جا
کس طرح کا وہ زمانہ تھا کہ انصاف نہ تھا کون تھے سیدِ کونین وہ گھر تھا کس کا
دخل جس میں نہ کسی خاطیِ و گمراہ کا تھا
کہ یہ اللہ کے پیارے، وہ گھر اللہ کا تھا

۷۶

مولدِ پاک تھا اُن کا یہ پسر جن کے تھے تھے وہ ہمنامِ خدا نورِ نظر جن کے تھے
اسدؑ اللہ وہ تھے لختِ جگر جن کے تھے انتہا یہ ہے کہ جد خیرِ بشرؐ جن کے تھے

ہے غضب سرورِؑ دلگیر کو رہنے نہ دیا
گھر میں اللہ کے، شبیرؑ کو رہنے نہ دیا ۷۷

ہوئے جس گھر کے لئے خلق کو یہ حکمِ خدا ہاں خبردار نہ پہنچے کو یہاں ہو ایذا
ہو جو مجرم بھی تو لازم نہیں یاں اُس کی سزا سجدہ گاہِ ملکِ عرش ہے یاں کی ہر جا

جو مشرف ہوا اُس گھر سے حق آگاہ ہے وہ
خلق میں جلوہ گہہِ قدرتِ اللہ ہے وہ ۷۸

جان سے جس کو سوا پیار محمدؐ نے کیا جس نواسے کو کبھی آپؐ نے رونے نہ دیا
صورتِ مُہرِ نبوت جسے کاندھے پہ لیا دودھ جس ہادیِ کونین نے زہراؑ کا پیا

خانہ حق سے وہی مضطر و مغموم چلا
اپنے مقتل کی طرف حج سے بھی محروم چلا ۷۹

غم یہ کعبے کو بھی تھا قبلہِ دیں جاتے ہیں ہو کے مایوس شہِ عرش نشیں جاتے ہیں
بلکہ روتے ہوئے با قلبِ حزیں جاتے ہیں خاک قسمت میں جہاں کی ہے وہیں جاتے ہیں

آہ کے ساتھ سخن یاس کے فرماتے ہیں
یادِ مولاؑ کو جو حج کے حسنات آتے ہیں ۸۰

تھیں مدینے کے ستاروں سے جو روشن راہیں جادۂ نور کا دکھلاتی تھیں جو بن راہیں
تھیں مہک سے گلِ رخسار کے گلشن راہیں صاف تھیں رشکِ دہِ وادیِ ایمن راہیں

عشقِ باری میں عجب اُن سے مزا ملتا تھا
اُنہیں راہوں سے تو جنّت کا پتہ ملتا تھا

۸۱

جلوہ گر مہر تھا یا روئے شہِ جنّ و ملک مثلِ آئینہ منور تھی زمیں دور تلک
ذرّے دکھلا رہے تھے نیّرِ تاباں کی جھلک دیکھ کر حُسنِ زمیں چرخ میں تھی عقلِ فلک
جس طرف چاند محمدؐ کا رواں ہوتا تھا
۸۲ کہکشاں کا اُسی جادے پہ گماں ہوتا تھا

کبھی صحرا میں ہوا گاہ پہاڑوں میں مقام شیر جب ہونکتے تھے ڈرتے تھے اطفالِ امامؑ
کسی بستی میں ہوئی صبح کسی دشت میں شام داب و اقبال و حشم کرتے تھے جُھک جُھک کے سلام
خبرِ آمدِ شبّیرؑ جو سُن پاتے تھے
۸۳ شیر جنگل کے، زیارت کے لئے آتے تھے

شور تھا خاصۂ باری کی سواری دیکھو قُلزمِ نورِ خدا دشت میں جاری دیکھو
رنگ لائی ہے نیا بادِ بہاری دیکھو ہے یہ صحرا کہ چمن قدرت باری دیکھو
یاں کی خوشبو سے نہ بو خُلد کی بہتر ہوگی
۸۴ سیر ایسی تو نہ رضواں کو میسّر ہوگی

تھی وہ گرمی کہ پَنہ مانگتی تھی جس سے زمیں لُو وہ چلتی تھی کہ سایہ بھی نہ تھمتا تھا کہیں
آگ پر چرخ میں سیماب تھا یا چرخِ بریں اپنی سوزش سے پُھکا جاتا تھا خود مہرِ مبیں
آپ سے آپ ہر اِک جا سے دھواں اُٹھتا تھا
۸۵ حد یہ ہے برف کے دریا سے دھواں اُٹھتا تھا

دم کی راحت بھی ہر اِک شہ کے لئے تھی نایاب نام کو تھا کسی چشمے میں نہ اِک قطرۂ آب
تھا نیا سوز کہ جھونکے تھے ہوا کے بیتاب تھی وہ سختی کہ پہاڑوں کا بھی تھا حال خراب
تپشِ قلب کی شدت سے جو گھبراتی تھی
دامنِ ابر میں بجلی بھی تڑپ جاتی تھی

۸۶

تھا حبابِ لبِ دریا پہ بھی چھالے کا گماں گوہرِ آب تھے گھڑیال مگر سب تھے تپاں
شور کرتا تھا یہ پانی بھی چھپوں میں تو کہاں تھی نہ محرور مزاجوں میں بھی کچھ تاب و تواں
تھا یہ لرزہ کہ نہ شعلوں کو قرار آتا تھا
دلِ سمندر کا بھی جل جل کے پُھکا جاتا تھا

۸۷

تھا نہ مولاؑ کو مگر اپنی صعوبت کا ملال کبھی گھبرا کے نہ لی چہرۂ پُرنور پہ ڈھال
یادِ حق میں یہ بشاشت تھی کہ چہرہ تھا بحال کچھ اگر تھا تو بس انجام کا مولاؑ کو خیال
عشقِ باری ہو تو دُکھ میں بھی مزا ملتا ہے
ہاتھ یہ صبر جب آئے تو خدا ملتا ہے

۸۸

ثعلبیہ سے بھی جس روز بڑھے شاہِ ہُدا تھا یہی دھیان کہ اب دیکھئے ہوتا ہے کیا
ذکر جب مُسلمِ بیکس کی شہادت کا سُنا رو کے فرمایا کہ اب تاب نہیں ہے اصلا
ضبط سے جانِ حزیں جسم میں گھبرانے لگی
ہائے مسلمؑ کی دلِ شہؑ سے صدا آنے لگی

۸۹

تھم گئے آپ حرم میں جو ہوئی آہ و بُکا غیظ سے کانپ کے عباسؑ علیؑ نے یہ کہا
ننھے بچوں پہ مصیبت کا فلک ٹوٹ پڑا دیں اگر آج مجھے سرورِ کونین رضا
جو نہ بھولے کبھی وہ سخت سزا دوں جا کر
کوفیوں سے میں برادر کا عوض لوں جا کر

۹۰

آج تک قبر مُسافر کو ملی ہے نہ کفن لاش کھنچوائی گئی باندھ کے پاؤں میں رسن
بھانجے ہو گئے بن باپ کے اور رانڈ بہن اُن کے سر توڑتا قبضہ سے جو ہیں عہد شکن
قتل کے بعد بھی مظلوم کا یہ حال کیا
لاشِ مجروح کو دل کھول کے پامال کیا

۹۱

چھاتیاں پیٹ کے چلّاتے تھے مسلمؑ کے پسر کیوں ہمیں چھوڑ گئے ہائے پدر ہائے پدر
جلد پاس اپنے بلا لو کہ پھڑکتے ہیں جگر دم نہ نکلے کہ سُنی آپ کے مرنے کی خبر
ہائے کٹوا کے گلے جان نہ کھونے پائے
آپ کی لاش پہ بھی ہم تو نہ رونے پائے

۹۲

دیں کچھ اناں کو تشفی کہ بہن کو سمجھائیں گرد آلود یہ چہرے کسے جا کر دکھلائیں
کون سی راہ سے سر پیٹتے پاس آپ کے آئیں دھیان اس کا ہے کہ اناں کو کہاں چھوڑ کے جائیں
دم اُلجھتے ہیں بس اب جینے سے دل ہٹتا ہے
ننگے سر دیکھ کے اُن کو تو جگر پھٹتا ہے

مرثیہ: ۲۴

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

کمال واَوج مجھے اے خُدائے بَرتَر دے

تعدادِ بند: ۱۰۰

۱

کمال و اوج مجھے اے خدائے برتر دے جہاں میں جس سے کہ ہو آبرو وہ گوہر دے
عوض میں خار کے اِس باغ سے گُلِ تر دے غنی ہے تُو مِرے خالق مجھے غنی کر دے

طلب کے واسطے کیوں سوئے اغنیا جاؤں
۲ ترا ہوں بندہ کہاں میں ترے سوا جاؤں

دیا جو تُو نے ہمیشہ وہ بے سوال دیا سوا خیال سے بھی میرے ذوالجلال دیا
عطا علوم کئے نظم میں کمال دیا کیا قصور تو رحمت سے اپنی ٹال دیا

تو وہ کریم ہے بگڑوں کو ہے بنا دیتا
۳ گناہ کرنے پہ بھی کچھ نہیں سزا دیتا

رحیم و راحم و رحمان و عادل و ستار مُعینِ ہر دوسرا رازقِ صغار و کبار
کسی طرح سے بھی ممکن نہیں کرم کا شمار عجیب ذاتِ مقدس ہے تیری اے غفار

ہر ایک بندے کی مشکل میں کام آتا ہے
۴ گناہ بخشتا ہے نعمتیں کھلاتا ہے

مکین تیرے، مکاں تیرے، لامکاں تیرا زمین تیری، زماں تیرا، آسماں تیرا
جہان والے بھی سب تیرے ہیں جہاں تیرا کریں جو غور تو جلوہ نہیں کہاں تیرا

وہ کون شے ہے جو دل سے فدا نہیں تجھ پر
۵ یہ بزمؔ صدقے ہوا ے عرش کے مکیں تجھ پر

فریبِ نفس سے پہنچے عجب ملال مجھے وفورِ رنج سے ہے زندگی وبال مجھے
بہت ہے اپنے گناہوں سے انفعال مجھے کریم بحرِ ضلالت سے اب نکال مجھے

تری جناب میں جو عذر ہو وہ تھوڑا ہے
گنہ کے بار نے میری کمر کو توڑا ہے

۶

نہ کوئی دوست ہے اپنا نہ آشنا یارب نہیں غریب کا کوئی ترے سوا یارب
بیان کس سے کروں دل کا مدعا یارب کہ اِک جہان ہے مجھ سے پھرا ہوا یارب
نحیف و زار ہوں افلاک کا ستایا ہوں
۷ بھٹک کے چار طرف تیرے در پہ آیا ہوں

عجیب شکل سے حاضر ہوا ہوں تیرے حضور خجل خطاؤں سے، دل پر غم و الم کا وفور
مرے کریم یہ تیرے کرم سے کچھ نہیں دور بجل کرے جو ابھی ایک دم میں سارے قصور
پلک نواز ہے تو، ساتر العیوب ہے تو
۸ گناہ گار ہوں میں، غافر الذنوب ہے تو

کریم تیرے کرم پر ہزار جاں سے نثار وہ شفقتیں ہیں کہ ممکن نہیں ہے جن کا شمار
اب آرزو یہی دل کی ہے اے مرے غفار سوا ترے نہ کسی سے رہے مجھے سروکار
ہر ایک حال میں تیرا ہی دم بھروں مولا
۹ ترا ہی نام لبوں پر ہو جب مروں مولا

ہر ایک امر میں مالک دعا تجھی سے کروں تجھی سے عرض کروں، التجا تجھی سے کروں
رجوع میں دمِ رنج و بلا، تجھی سے کروں جو التماس کروں اے خدا، تجھی سے کروں
بوقتِ نزع بھی یہ مستمند شاد رہے
۱۰ لبوں پہ نام رہے دل میں تیری یاد رہے

دیا الم مجھے کیا کچھ نہ شادمانی نے دکھایا جلوۂ پیری شبِ جوانی نے
بنایا ہمچداں میری نکتہ دانی نے کیا ہے گنگ مجھے میری خوش بیانی نے
ریاضِ دہر میں گرچہ برنگِ خار ہوں میں
رؤف، پر تری رحمت کا خواستگار ہوں میں

۱۱

مدد کا وقت ہے اب یا اللہ خُذ بیدی مرے کریم مرے بادشاہ خذ بیدی
کسے دکھاؤں یہ حالِ تباہ خذ بیدی ہو اِس طرف بھی کرم کی نگاہ خُذ بیدی
جو چاہے تُو تو ابھی دور سب مرا غم ہے
مرے قدیر تو ہی دستگیرِ عالم ہے

۱۲

ریاضِ مدحِ شہِ دیں کہاں، یہ خار کہاں یہ بے نوا کہاں اور شاہِ تاجدار کہاں
یہ مُشتِ خاک کہاں، نورِ کردگار کہاں متاعِ نظم کہاں اور یہ بے وقار کہاں
اب اس مقام سے میں اے کریم بڑھتا ہوں
ترے رسولؐ کے دلبر کا حال پڑھتا ہوں

۱۳

وغا کے واسطے شاہوں کے شاہ آتے ہیں غضب میں دلبرِ شیرِ الٰہ آتے ہیں
لئے جلو میں فلک کی سپاہ آتے ہیں پڑھو درود رسالت پناہ آتے ہیں
بسانِ برق ابھی بار بار چمکے گی
خدا کی بھیجی ہوئی ذوالفقار چمکے گی

۱۴

سپاہِ شام ہے بے دم، عجب تلاطم ہے ہر اِک ہے محوِ غم و ہم، عجب تلاطم ہے
نشاں درست، نہ پرچم، عجب تلاطم ہے عیاں ہے حشر کا عالم، عجب تلاطم ہے
اِک انقلاب کا نقشہ ہے بحر میں بر میں
زمین کانپتی ہے آسماں ہے چکّر میں

۱۵

غضب کا غیظ ہے حضرت کو مصطفیٰؐ کی پناہ لرز کے کہتے ہیں جبریل مرتضیٰؑ کی پناہ
قضا پکار رہی ہے شہِ ہُدا کی پناہ بتوں کا غُل ہے یہی دہر میں خدا کی پناہ
تڑپ تڑپ کے عدو اس جہاں سے جائیں گے
سوا عدم کے یہاں دم میں کچھ نہ پائیں گے

۱۶

چلو چلو شہِ عالی وقار آ پہنچے ہٹو ہٹو کہ پئے گیر و دار آ پہنچے
بچو بچو وہ لئے ذوالفقار آ پہنچے بڑھو بڑھو اسدِ کردگار آ پہنچے

بزن بزن کی صدائیں کے جان جائے گی
اماں اماں کی اب آواز رن سے آئے گی ۱۷

شہِ انام عجب دبدبے سے آتے ہیں زمین ہلتی ہے افلاک تھرتھراتے ہیں
اکیلے لاکھوں سے گو بہرِ جنگ جاتے ہیں مگر ہراس نہیں خوش ہیں مسکراتے ہیں

صدا یہ بنتِ نبیؐ کی عقب سے آتی ہے
کہاں حسینؑ سواری تمھاری جاتی ہے ۱۸

اَٹے ہیں گرد سے گیسوئے عنبریں بیٹا ہوئی پسینے میں تر چاند سی جبیں بیٹا
غم و ملال بھی ہے دل بھی ہے حزیں بیٹا غضب کی دھوپ ہے ٹھہرو ذرا کہیں بیٹا

نبیؐ کے گھر کا مری جاں تو ہی اُجالا ہے
تجھے تو میں نے بڑی محنتوں سے پالا ہے ۱۹

زہے نہیب و جلال و شکوہ و شانِ امامؑ کمر میں تیغِ علیؑ سر پہ ظلِ رَبِّ انام
درود پڑھتے ہیں باہم مَلَک فلک پہ تمام انہیں کے حُسن کا یوسف ہے بندۂ بے دام

یہ شور تھا رُخِ انور کے نور کو دیکھو
جہاں میں قدرتِ حق کے ظہور کو دیکھو ۲۰

ریاضِ خُلد فدا جس پہ وہ گُلِ رُخسار ہلال شرم سے خم ہے وہ ابروئے خمدار
وہ آنکھیں نرگسِ باغِ جناں بھی جس پہ نثار خجل ہوئے دُرِ دنداں سے گوہرِ شہوار

وہ بوئے زلف فدا جس پہ مشک و عنبر ہیں
وہ لال لب کہ جو لختِ دلِ پیمبرؐ ہیں

۲۱

نہ کیوں ہو زور یداللہ کے ہاتھ پائے ہیں وہ نقشِ پا کہ فلک سر جہاں جھکائے ہیں
وہ صدرِ رازِ خدا جس میں سب در آئے ہیں وہ دوشِ بار شفاعت کا جو اُٹھائے ہیں

خجل ضیائے رُخِ شہ سے چاند ہے دیکھو
جبیں کے نور سے خورشید ماند ہے دیکھو

۲۲

زہے تجمل و رعب و جلالِ شاہِ جمیل عقب میں ساتھ تھے سرکھولے انبیائے جلیل
کہیں تھے حضرتِ موسیٰ کہیں تھے نوح و خلیل رکاب تھامے ہوئے جبرئیل و اسرافیل

بہار آخری زہراؑ کے پھول کی دیکھو
شکوہ راکبِ دوشِ رسولؐ کی دیکھو

۲۳

فرس رسولؐ کا ہے لاجواب ہو کہ نہ ہو خفیف تیز روی میں سحاب ہو کہ نہ ہو
جمالِ شہ سے خجل آفتاب ہو کہ نہ ہو بہار شیب پہ صدقے شباب ہو کہ نہ ہو

خجل نہ شمس ہو کیوں رنگِ زعفرانی سے
سوا ہے جلوۂ پیری کہیں جوانی سے

۲۴

ثنائے رخشِ فلک سیر میں ہے گنگ زباں وہ حُسن ہے کہ براقِ رسولؐ کی ہے جاں
وہ نعل جس کی چمک سے ہلال ہو حیراں وہ پتلیاں ہیں کہ حوروں کی آنکھیں ہو قرباں

جو وصف کیجئے اس رخش کا وہ تھوڑا ہے
وہ تیزیاں ہیں کہ تچی کا ذکر کوڑا ہے

۲۵

وہ چال جس سے کہ ہو منفعل نسیمِ بہار وہ جست و خیز کہ شرمندہ آہوئے تاتار
سُبک لجام و فلک سیر و تیز رو طرّار فلک بھی دیکھتا تھا جھک کے شان کو ہر بار

یہ ناز تھا کہ فزوں کیوں نہ ہو وقار مرا
سوارِ دوشِ پیمبرؐ ہے شہسوار مرا

۲۶

وہ فیضِ شاہؒ سے جنگل میں بوستاں کی فضا وہ بلبلوں کے چہکنے کی دلنواز صدا
ہر اِک نہال بھی پہنے ہوئے تھا سبز قبا ریاضِ خُلدِ بریں کی وہ دشتِ کیں میں ہوا
بشر ہی کچھ نہ یہاں کی بہار دیکھتے تھے
ملک بھی چرخ سے یہ سبزہ زار دیکھتے تھے ۲۷

وہ جھومنا شجروں کا وہ گلشنوں کی بہار ہر ایک پھول پہ سو جان سے فدا تھے ہزار
وہ سبزہ زار پہ شبنم کے گوہرِ شہوار ہرے ہرے وہ شجر اور وہ سرخ سرخ اثمار
خوشی خوشی نہ فقط حق پرست پھرتے تھے
عجب ہوا تھی کہ طاؤس مست پھرتے تھے ۲۸

فضا وہ باغِ ارم کی ہر اِک گلستاں میں وہ نزہتیں جو نہ آئیں خیالِ رضواں میں
وہ تر زبانیں عنادل کی وصفِ ریحاں میں مہکنا وہ گُلِ خود رو کا خود بیاباں میں
دلِ عروس کی صورت کھلے ہوئے غنچے
قبا میں عطرِ حِنا کا مَلے ہوئے غنچے ۲۹

عروسِ صبح کا انداز و ناز سے آنا فلک پہ تاروں کا پیہم وہ ڈوبتے جانا
وہ شاہِ شرق کا رعب و جلال دکھلانا بہار دیکھ کے وہ بوئے گُل کا اترانا
وہاں کی دید کا شائق ریاضِ رضواں تھا
عجیب وقت سہانا عجب بیاباں تھا ۳۰

بڑھی ہوئی تھی دلوں کی اُمنگ وقتِ سحر ہوئی تھی بادِ صبا شوخ و شنگ وقتِ سحر
وہ سبزہ زار وہ پھولوں کا رنگ وقتِ سحر وہ نغمہ سنجیٔ بلبل کا ڈھنگ وقتِ سحر
وہاں تو زمزمہ پر برگ برگ ہلتا تھا
یہاں دلوں کو مزا ارغنوں کا ملتا تھا

۳۱

ہر ایک بار جو جھونکے ہوا کے آتے تھے نہال جھومتے تھے پھول کھلتے جاتے تھے
زہے نشاط کہ غنچے بھی مسکراتے تھے پروں کو کھول کے طائر بھی چہچہاتے تھے
اثر سے نغموں کے عالی دماغ وجد میں تھے
۳۲ وہ زمزمے تھے کہ سبزانِ باغ وجد میں تھے

پر اب نشان خرابی کے ہیں عیاں سارے لرز رہے ہیں ستمگار خوف کے مارے
جو پہلواں تھے قوی دل، وہ ہمتیں ہارے یقیں ہے دن کو نظر آئیں خوف سے تارے
کچھ ایسی شان سے حضرت وغا کو آتے ہیں
۳۳ کہ پاؤں گاؤزمیں کے بھی کانپے جاتے ہیں

پہنچ کے رن میں پکارے حسینؑ ابنِ علیؑ کہ میرے جد ہیں حبیبِ خدائے لم یزلی
انہیں کے رُتبے ہیں والشمس والضحیٰ سے جلی پدر وہ ہیں کہ جنھیں ذوالفقار حق سے ملی
انہیں کی تیغ نے گلزارِ کفر اُجاڑا ہے
۳۴ انہیں نے قلعۂ خیبر کا در اُکھاڑا ہے

ہوئے ہیں کس کو مراتب یہ دو جہاں میں حصول امینِ رازِ خدا، دیں پناہ، نفسِ رسولؐ
امامؑ کاشفِ اسرارِ غیبؑ، زوجِ بتولؑ مُعینِ شرعِ نبیؐ، عالمِ فروع و اُصول
علیؑ سا خلق میں عالی وقار اور بھی ہے
۳۵ جہاں میں کوئی شہِ ذوالفقار اور بھی ہے

امامِ جنّ و بشرؑ، بادشاہِ کون و مکاں بہارِ باغِ ارمؑ، رونقِ زمین و زماں
چراغِ راہِ ہدایتؑ، معینِ ہر دو جہاں وصیِّ احمدؐ، ذیقدرؑ، محبِّ یزداں
علیؑ کا مرتبہ اعلیٰ سمجھ لیا سب نے
نبیؐ سے لہجۂ حیدر میں بات کی رب نے

۳۶

خدیوِ مملکتِ دوسرا و شاہِ نجف امیرِ کشورِ دیں فخرِ انبیائے سلف
چراغِ یثرب و مہرِ سپہرِ عزّ و شرف حق اُن کی سمت ہے واللہ اور یہ حق کی طرف

ہوا جو کام علیؑ سے وہ کس بشر سے ہوا
فروغِ صاحبِ والشمس اس قمر سے ہوا ۳۷

قسیمِ بادۂ خُمِ غدیر ہیں حیدرؑ نشاطِ طبعِ صغیر و کبیر ہیں حیدرؑ
قمر رکاب میں، گردوں سریر ہیں حیدرؑ ولیِ حق ہیں، جنابِ امیر ہیں حیدرؑ

وقارِ عرش ہیں یہ، مالک الرقاب ہیں یہ
زمانا جس سے ہے روشن وہ آفتاب ہیں یہ ۳۸

ابوالآئمہ و معصوم و ساقیِ کوثر امین و جامعِ قرآن و زینتِ منبر
قسیمِ نار و جناں، مُقتدائے جن و بشر جری و قاتلِ کُفّار و ضیغمِ داور

جو پُر جگر تھے اُنہیں کے دلوں کو چاک کیا
خدا کے گھر کو انہوں نے بتوں سے پاک کیا ۳۹

اُسی دلیر کا قائم مقام ہوں میں بھی ڈرو کہ قہرِ خدائے انام ہوں میں بھی
علیؑ کی طرح جری لاکلام ہوں میں بھی خدا گواہ تمھارا امام ہوں میں بھی

اگر جفا و ستم سے نہ باز آؤ گے
علیؑ کی تیغ سے ہرگز اماں نہ پاؤ گے ۴۰

جو حوصلہ ہے تو ہاں آئے پہلواں کوئی بڑھے صفوں سے لئے گُرز بے اماں کوئی
اُڑا کے رخش مقابل تو ہو جواں کوئی کرے ضعیف کی قوت کا امتحاں کوئی

غریب گو کہ مصیبت میں انتشار میں ہے
علیؑ کا زور مگر دستِ رعشہ دار میں ہے

۴۱

جسے ہو زعمِ شجاعت وہ بدشعار بڑھے وہیں سے کھینچے ہوئے تیغِ آبدار بڑھے
سنبھالے ہاتھوں میں بھالا ہر اک سوار بڑھے مدد کو خود عمرِ سعدِ نابکار بڑھے
بہار دیکھو مری تیغ آزمائی کی
۴۲ رہے گی دھوم تہہِ چرخ اس لڑائی کی

علیؑ کی تیغ کے جوہر تمھیں دکھاؤں گا فرات تک میں ابھی نہرِ خوں بہاؤں گا
کھڑے کھڑے میں تمھیں شام تک بھگاؤں گا میں ایک حملے میں کوفے کے در پہ جاؤں گا
جہاں میں قہرِ الٰہی کی میں نشانی ہوں
۴۳ علیؑ کا لختِ جگر ہوں نبیؐ کا جانی ہوں

نہ پھولے اس چمنِ روزگار پر انساں خیالِ گردشِ گردونِ دو رہے ہر آں
سُنو بحسنِ سماعت اگر کھلے ہوں کاں عیاں کتاب سے ہے کُلُّ من علیہا فاں
رہیں گے خلق میں سلطاں نہ یہ گدا باقی
۴۴ ہر ایک چیز ہے فانی فقط خدا باقی

نہ وہ عروجِ فریدوں نہ طاقِ کسریٰ ہے نہ کیقباد ہے دنیا میں اب نہ دارا ہے
نہ تخت وطبل وعلم ہے نہ وہ خزانہ ہے کدھر وہ جاہ وحشم ہے کہاں وہ غرّا ہے
کفن لباس ہے تن میں مکان تربت ہے
۴۵ نہ ملک و مال نہ وہ نشۂ حکومت ہے

ہمیشہ دارِ فنا میں نہیں کسی کو بقا ہے اس سرا میں بشر میہماں کوئی دم کا
جو آج کوچ تمھارا تو کل سفر اپنا تہہِ زمیں ہیں برابر تمام شاہ و گدا
مدام اشکِ ندامت سے منہ کو دھوتے ہیں
کفن سے چہرہ چھپائے لحد میں سوتے ہیں

۴۶

جو گلبدن تھے چلے اُن پہ ظلم کے بھالے لحد میں زخمِ جگر غمزدوں کے ہیں آلے
جو خندہ زن تھے اُنہیں کے لبوں پہ ہیں نالے کدھر ہیں مسندِ زریں کے بیٹھنے والے

فقط کتابوں میں تحریر یہ فسانے ہیں
کہاں مزاروں پہ شاہوں کے شامیانے ہیں ۴۷

جو فخرِ قیصر و فغفور تھے وہ خاک ہوئے مکان کیسے خود اُن کے مکیں ہلاک ہوئے
نہ مدتوں کبھی دل جن کے درد ناک ہوئے اُنہیں کے غم سے گریبان چاک چاک ہوئے

فقط سکندر و جمشید کا فسانا رہا
مٹے کچھ ایسے کہ قبروں کا بھی پتہ نہ رہا ۴۸

وہ ذی وقار کہ جو خلق میں تھے صاحبِ تاج وہ اب میانِ لحد فاتحہ کے ہیں محتاج
وہ بادشاہ جو لیتے تھے اِک جہاں کا خراج اُنہیں کی قبروں کا ملتا نہیں نشاں کہیں آج

اسی روش پہ زمانے کا کارخانہ ہے
جہاں میں آج جو آیا وہ کل روانہ ہے ۴۹

مدام رہتے تھے احباب جمع جن کے پاس نہیں انہیں کے مقابر پہ اب کوئی جز یاس
ہمیشہ جو کہ پہناتے رہے ہر اِک کو لباس کفن سے منہ کو چھپائے وہی پڑے ہیں اداس

پیامِ مرگ یہ دو دن کی زندگانی ہے
بقا خدا کے لئے ہے ہر ایک فانی ہے ۵۰

جو اہلِ سیف و قلم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو یہ جن کے جاہ و حشم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو
جو صاحبانِ کرم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو جو شاہِ روم و عجم تھے وہ کیا ہوئے دیکھو

نہ وہ شکوہ نہ وہ تخت و تاج باقی ہے
لحد میں ہڈیوں کا ڈھیر آج باقی ہے

۵۱

وہ کیا ہوئے کہ جنہیں نشۂ حکومت تھا کدھر گئے وہ جنہیں زعمِ مال و دولت تھا
وہ اب کہاں ہیں جنہیں دعویٔ شجاعت تھا کہیں نہ اُن کا ٹھکانہ سوائے تربت تھا

نہ اب جلالتِ دارا نہ سام باقی ہے
۵۲ جہاں میں آج فقط اُن کا نام باقی ہے

ابھی ہوئے نہ تھے خاموش شاہِ ہر دوسرا جو مستعد ہوئے لڑنے پہ وہ عدوئے خدا
نشان کُھل گئے میداں میں طبلِ جنگ بجا صدائے بوق و جلاجل سے چرخ تھرّایا

کمانیں تیروں کو جوڑے ستم شعار بڑھے
۵۳ ہر ایک سمت سے نیزے لئے سوار بڑھے

یہاں بھی گھوڑے پہ سنبھلے امامِ جنّ و بشر علیؑ کے لال نے کی سوئے تیغ مُڑ کے نظر
قضا پکاری مبارک ہو شامیوں کو سقر سمیٹے خوف سے سدرہ پہ جبرئیل نے پر

یہ شور تھا شہِ دیں کو جلال آیا ہے
۵۴ غضب میں شیفتۂ ذوالجلال آیا ہے

کہاں ہے ساقیٔ مہوش پلا شراب مجھے عطا ہوں جام پہ جام آج بے حساب مجھے
دوائے دردِ دلِ زار دے شتاب مجھے دکھا دے دہر میں تُو رنگِ انقلاب مجھے

عروج پر یہ ترا میکدہ مدام رہے
۵۵ وہ مے پلا کہ زمانے میں تیرا نام رہے

وہ مے پلا جسے اہلِ کمال پیتے ہیں بشر جسے پئے حُسنِ مآل پیتے ہیں
بہشت میں جسے یوسف جمال پیتے ہیں مدام شیفتۂ ذوالجلال پیتے ہیں

حرام چیز سے رہتا ہے اجتناب مجھے
پلا کھنچی ہوئی فردوس کی شراب مجھے

۵۶

بڑھے جہاد کو شاہِ انام ظلّ اللہ کھنچی وہ تیغ تو بولے فرشتے بسم اللہ
عجب شکوہ عجب آن بان تھی واللہ زبانِ کفر پہ تھا لا الٰہ الّا اللہ

نہیبِ شاہ سے دونوں جہان ہلتے تھے
زمیں کی اصل ہے کیا آسمان ہلتے تھے ۵۷

ہوا وہ حشر بپا لو وہ ذوالفقار چلی صفوں کو کرتی ہوئی صاف ایک بار چلی
عجیب رنگ سے یہ برق شعلہ بار چلی تمام فوجِ ستمگار سوئے نار چلی

زیادہ قتل جو وہ بد نہاد ہونے لگے
تو اور بھی ملک الموت شاد ہونے لگے ۵۸

چلی جو تیغ تو ہلنے لگی زمیں ساری وہ اُس کی دھار تھی یا نہرِ قہرِ حق جاری
ہوئی یہ سنگدلوں کو بھی زندگی بھاری کمر کسے تھے عدم جانے کی تھی تیاری

اجل کے آنے سے پہلے لعین مرتے تھے
خود اپنی موت کی وہ پیشوائی کرتے تھے ۵۹

زیادہ جنگ میں برہم ہوئے جو شاہِ عرب سپاہِ شام پہ نازل ہوا خدا کا غضب
پچھاڑیں کھاتے تھے ڈر ڈر کے راکب و مرکب دمِ مصاف دو عالم میں تہلکہ تھا عجب

مکیں سکوت میں تھے سب مکاں لرزتے تھے
زمین ہلتی تھی اور آسماں لرزتے تھے ۶۰

زہے نہیب صفوں سے جواں نہ بڑھتے تھے یہ خوف تیغ کا تھا پہلواں نہ بڑھتے تھے
سپاہِ شام کے نامی نشاں نہ بڑھتے تھے جو پُر جگر تھے وہ پیلِ دماں نہ بڑھتے تھے

مقابلے کی نہ طاقت جری سے پاتے تھے
نظر چُرائے ہوئے پیچھے ہٹتے جاتے تھے

۶۱

کبھی گرادیا بڑھ بڑھ کے نیزہ داروں کو کنوئیں جھنکائے کبھی آزمودہ کاروں کو
پڑے تھے جان کے لالے ستم شعاروں کو ملایا خاک میں تلوار نے ہزاروں کو
علیؑ کا شیر جو تھا آستیں چڑھائے ہوئے
قضا کھڑی تھی الگ ڈر سے منہ چھپائے ہوئے ۶۲

کبھی صفوں پہ یہ چمکی کبھی رسالوں پر صفائی کر کے پھری جب چلی یہ بھالوں پر
نزولِ قہرِ الٰہی تھا بد خصالوں پر سحر سے آگ برستی تھی شام والوں پر
کمالِ غیظ میں شبیرؑ لب چباتے ہیں
یہ منہ پھرائے ہوئے ان سے بھاگے جاتے ہیں ۶۳

وہ زورِ دستِ غضنفر وہ ذوالفقار کے وار اماں اماں کی لعینوں میں ہر طرف تھی پکار
تباہ تھے کہیں پیدل کہیں فنا اسوار ہوا تھا خون کا چھڑکاؤ تا اُٹھے نہ غبار
جلال میں تھے جو شاہِ انام آئے ہوئے
تھے جبرئیلِ امیں اپنے پر بچھائے ہوئے ۶۴

سپاہِ شام میں غُل ہے ہٹو سرک جاؤ اسد کا سامنا ہے بزدلو سرک جاؤ
علیؑ کی تیغ چلی راہ دو سرک جاؤ جنوں میں شور ہے یاں دم نہ لو سرک جاؤ
یہ تہلکہ ہے کہ افلاک تھرتھراتے ہیں
فرشتے عرش کے پائے سے لپٹے جاتے ہیں ۶۵

بجا حواس نہیں کارزار کون کرے کہاں ہے بازوؤں میں زور وار کون کرے
گھٹی سپاہ میں گنتی شمار کون کرے شکایتِ فلکِ کج مدار کون کرے
محال ہے کہ جو اس شیر سے اماں پائیں
اجل کے منہ میں ہیں اب بھاگ کر کہاں جائیں

۶۶

حسینؑ فوج میں مثلِ نگاہ پھرتے تھے حواس باختہ سب کینہ خواہ پھرتے تھے
سپر کو منہ پہ لئے رو سیاہ پھرتے تھے ہر ایک سمت بحالِ تباہ پھرتے تھے

یہ شور تھا کہ غضب میں دلیر ہے بھاگو
۶۷ جلال میں اسدِ حق کا شیر ہے بھاگو

غضب میں شاہ چڑھاتے ہیں آستینوں کو جگہ فرار کی ملتی نہیں لعینوں کو
فلک پہ چین نہ تھا چرخ کے مکینوں کو طبق لرزتے تھے یہ خوف تھا زمینوں کو

یہ غل تھا آج زمانہ اُلٹ ہی جائے گا
۶۸ قیامت آئے گی اب چرخ پھٹ ہی جائے گا

قضا پکار رہی تھی کہ غافلو ہشیار علیؑ کے لال سے آساں نہیں ہے کچھ پیکار
اگرچہ ہجرِ برادر سے اُس کا دل ہے فگار مگر ہے فرد شجاعت میں یہ خجستہ شعار

علیؑ کی طرح دلیروں میں یہ بھی یکتا ہے
۶۹ جہاں میں زورِ یداللہ اس کو پہنچا ہے

نہ کیوں دلیر ہو حیدرؑ کا نورِ عین ہے یہ امامِ دہر ہے سُلطانِ مشرقین ہے یہ
حسنؑ کا بھائی ہے زہراؑ کے دل کا چین ہے یہ جو ہے نبیؐ کا نواسہ وہی حسینؑ ہے یہ

ہے اِس دلیر میں زہراؑ کے شیر کی طاقت
۷۰ اِسے ملی ہے شہِ قلعہ گیر کی طاقت

عدو پکارتے تھے آج ہم جہاں سے چلے عدم کی سیر کو ہستی کے بوستاں سے چلے
پھڑک کے طائرِ جاں اپنے آشیاں سے چلے پروں کو دیکھتے جبریل آسماں سے چلے

وفورِ خوف سے مُضطر ہوئی جو گھبرا کر
تو سات پردوں میں گاوِ زمیں چھپی جا کر

۷۱

ملائک و پری و حور و دیو و جنّ و بشر عطارد و زحل و مشتری و شمس و قمر
دیار و دشت و جبال و بحار و سنگ و شجر وحوش و طیر و چرند و پرند و ضیغمِ نر
کسی کو امن کی صورت نظر نہ آتی تھی
۷۲ یہ برق سب کے سروں پر چمک کے جاتی تھی

سپاہِ شام میں کس کس کو انتظار نہ تھا جری وہ کون سا تھا جو جگر فگار نہ تھا
تباہ کون نہ تھا کون بے قرار نہ تھا رسالے والے نہ تھے یا رسالہ دار نہ تھا
علیؑ کے لال نے غارت کیا ہزاروں کو
۷۳ بھگا بھگا دیا رن سے ستم شعاروں کو

پسر نے سعد کے لشکر کا جب یہ دیکھا حال بُلا کے شمر کو گویا ہوا وہ بد افعال
ذرا بھی فوج کا اپنی نہیں ہے تجھ کو خیال علیؑ کے لال نے میداں لہو سے کر دیا لال
پئے مقابلہ بصری کو یا کہ شامی کو
۷۴ بلا کے بھیج کسی پہلوانِ نامی کو

کہا یہ شمر نے سُن کر کہ ہے مری بھی یہ رائے زباں سے نام بھی لیکن امیر ہی فرمائے
کہا یہ اُس نے کہ مشکل ہے فتح کوئی بھی پائے یہ مرتضیٰؑ کا قمر ہے ہلال جنگ کو جائے
چمک دمک جو یہ تلوار کی دکھا دے گا
۷۵ یقیں ہے معرکۂ جنگ سے بھگا دے گا

غرض کہ شمر نے بھیجا اُسے برائے وغا فرس پہ چڑھ کے وہ جب شہؑ کے سامنے آیا
تو بڑھ کے آپؑ نے پوچھا کہ نام ہے ترا کیا کہا ہلال ہوں میں پہلوان مغرب کا
جو فنِ جنگ میں کامل ہیں خوف کھاتے ہیں
میں جب نکلتا ہوں لوگ انگلیاں اُٹھاتے ہیں

۷۶

کہا یہ آپؑ نے ہم کو نہیں ہے کچھ ترا ڈر کہ ہم ہیں فاتحِ بدر و اُحد کے رشکِ قمر
کمال تیغِ ہلالی کا ہم دکھائیں اگر تو صاف دو ابھی خورشیدِ چرخ کی ہو سپر
سمجھ لے خوب کوئی دم میں جان کھوئے گا
ہلال تُو ہے تو غائب نظر سے ہوئے گا ۷۷

یہ چاندنی فقط اِک دو گھڑی کی ہے ناداں زوالِ عمر کا وقت آگیا عروج کہاں
کہیں تلاش سے پائیں گے جب نہ تیرانشاں خفیف ہوں گے یہ سب شامیانِ بے ایماں
جو بڑھ کے چلتے ہیں دنیا میں منہ کی کھاتے ہیں
ملیں گے ہاتھ جو لوگ انگلیاں اُٹھاتے ہیں ۷۸

یہ عُن کے سر بہ گریباں ہوا جو وہ غدّار علیؑ کے لختِ جگر نے صدا یہ دی ہشیار
سنبھل کے نیزے کا پہلے کیا شقی نے وار جھکائی دے کے جو حضرت نے ماری اِک تلوار
لعین بھول گیا اپنی ساری مشاقی
سناں تو کٹ کے گری ڈانڈ رہ گئی باقی ۷۹

صدا حسینؑ نے دی واہ واہ کیا کہنا زبانِ نیزہ کئی بات اب بنے گی کیا
پٹک کے ڈانڈ کو بے شرم نے یہ شہ سے کہا جری ہیں آپ تو اِک تیر روکئے میرا
حریف زد پہ اگر ہو بچا نہیں کرتا
کماں سے چھُٹ کے کبھی یہ خطا نہیں کرتا ۸۰

کہا یہ آپ نے گر ہاتھ ہی خطا کر جائے تو پھر نشانے کے اوپر خدنگ کیونکر آئے
یہ عُن کے غیظ میں آیا وہ سرکش و خود رائے مثال مار کے موذی نے پھر کئی بل کھائے
غرض کہ سینۂ شاہِ ہدا نشانہ کیا
کماں میں جوڑ کے اِک تیر کو روانہ کیا

۸۱

کیا تھا طے نہ ابھی مرغِ تیر نہ رستا کہ شہ نے تیغ سے پر قینچ کر کے ڈالدیا
یہ رنگ دیکھ کے ظالم نے لفظِ ہائے کہا تو شاہِ دیں یہ پکارے کہ زور سے چلّا
یہ کیا کہ صرف دہن ہی میں بس زباں ہل جائے
وہ دھوم دھام تو ہو خانۂ کماں ہل جائے ۸۲

ہلالِ نحس نے یہ گفتگو جو شہ کی سُنی ہر ایک بات کلیجے میں مثلِ تیر لگی
خموش رہ گیا کچھ بے حیا سے بن نہ سکی کماں کی طرح سے خم کھا کے تیغ میان سے لی
خیال تھا کہیں اُلٹا نہ خوں میں بھر جاؤں
یہ سوچتا تھا کہ موقع سے وار کر جاؤں ۸۳

یہ حال دیکھ کے لی شاہِ دیں نے بھی تلوار پر اِس خیال سے ٹھہرے کہ ہو اُدھر سے وار
یہ دیکھنے کو کہ کرتا ہے مکر کیا مکّار کہ اتنی دیر میں سر کاٹ کے ہاتھ اِک بار
لعین چاہتا تھا اِک کمر پہ وار کروں
علیؑ کے پارۂ دل کا جگر فگار کروں ۸۴

بلند ہو کے شقی کا جو نیچے ہاتھ اُترا پسر نے شیر کے بھنڈارہ اُس کا کھول دیا
فرس سے ہو کے جو بے جاں زمین پر وہ گرا کسی نے شامیوں کی فوج میں سے دی یہ صدا
علیؑ کے رشکِ قمر نے عجب کمال کیا
ہلالِ نحس کو کیا بے چھری حلال کیا ۸۵

بڑے غرور و تکبّر سے لڑنے آیا تھا عروج تن کے بہت ہیز نے دکھایا تھا
علیؑ کے ماہ کو کچھ دھیان میں نہ لایا تھا گرا بھی منہ کے ہی بل جیسا سر اُٹھایا تھا
شکست پا کے موا بد دماغ خوب ہوا
چمک ہلال کی جاتی رہی غروب ہوا

۸۶

یہ رنگ دیکھ کے بھاگے تمام بانیٔ شر پکارے روک کے شمشیر شاہِ جن و بشر
وہ فوج کیا ہوئی او ابنِ سعدِ بد اختر سپاہ کا اسی جرات پہ تو بنا افسر
کھنچی جو تیغِ دو دم روسیاہ رُک نہ سکا
۸۷ دمِ نبرد قشونِ سپاہ رُک نہ سکا

بتا حسینؑ کی جرات کو تُو نے دیکھ لیا ہمارے ہاتھوں کی قوت کو تُو نے دیکھ لیا
اِس انتشار میں ہمت کو تُو نے دیکھ لیا علیؑ کے گھر کی شجاعت کو تُو نے دیکھ لیا
ہمارے سامنے سرخودسروں کے جھکتے ہیں
۸۸ کسی سے شیرِ الٰہی کے شیر رُکتے ہیں

یہ کہہ رہے تھے ابھی بادشاہِ ہر دو سرا کہ آئی شیرِ الٰہی کی ناگہاں یہ صدا
حسینؑ تیری شجاعت کے مرتضیٰؑ ہو فدا نہ اب لڑو کہ یہ وقتِ نماز ہے بیٹا
خوشی سے وعدۂ طفلی وفا کرو شبّیرؑ
۸۹ بس اب فریضۂ آخر ادا کرو شبّیرؑ

یہ سُن کے روک لی حیدرؑ کے شیر نے تلوار کہا پدر سے یہ مُڑ کر بدیدۂ خوں بار
حضور آپ ہوں میں اپنی جان سے بیزار نہ ہے عزیزوں کا مجمع نہ کثرتِ انصار
ہر ایک سمت سے گھیرے ہے فوجِ غم مجھ کو
۹۰ پیامِ مرگ ہے عباسؑ کا اَلم مجھ کو

ابھی خموش ہوئے تھے نہ شاہِ عرش مقام جو بہرِ جنگ بڑھا پھر ہر ایک بد انجام
سپاہ چاروں طرف بیچ میں تھے شاہِ اَنام چلے غریب پہ اِک بار گرزو تیر و حسام
جنابِ فاطمہؑ کا لال ظلم سہنے لگا
رسولؐ زادے کا خوں چار سمت بہنے لگا

۹۱

وہ پھول سا تنِ نازک وہ تیرؑ ہائے ستم سہے یہ ظلم جہاں کا امیرؑ ہائے ستم
تمام ٹوٹ پڑے ہیں شریرؑ ہائے ستم ہے کس بلا میں علیؑ کا وزیرؑ ہائے ستم

نہ پیدلوں کو نہ اسواروں کو تامل ہے
گراؤ گھوڑے سے رن میں یہ چارسُو غل ہے ۹۲

نہ یار ہے نہ کوئی غمگسار پہلو میں پسر کو ڈھونڈتے ہیں بار بار پہلو میں
جگر ہے نشترِ غم سے فگار پہلو میں تڑپ رہا ہے دلِ بے قرار پہلو میں

خدا ہی جانے کہ غش میں غریب ہے کب سے
علیؑ کا لال گرا چاہتا ہے مرکب سے ۹۳

گھرا ہے فاطمہؑ کا ماہ فوجِ دشمن میں خبر غریب کی لیتا نہیں کوئی رن میں
رسولؐ نے نہ رُلایا ہو جس کو بچپن میں گڑے ہیں سینکڑوں تیر اُس غریب کے تن میں

جگر فگار کو پیاسے کو دیکھنے آئیں
کہو نبیؐ سے نواسے کو دیکھنے آئیں ۹۴

اُدھر سے چلتے تھے سَن سَن جو رن میں تیرِ قضا صدا تھی حضرتِ زینبؑ کی یہ بہن ہو فدا
مدد کو آئے ہیں کیا جبرئیل اے بھیّا ملائکہ کا تو آیا نہیں فلک سے پرا

ہر ایک آپ کی امداد کو ترستا ہے
پکارے شاہؑ کے تیروں کا مینہ برستا ہے ۹۵

یہ کہتے کہتے ہوئے غش فرس پہ شاہِ ہدا لجامِ اسپ کا تسمہ بھی ہاتھ سے چھوٹا
ہوئے رکاب سے پائے امامِ پاک جدا چلی بہشت سے سر پیٹتی ہوئی زہراؑ

فرس بھی روتا ہے میداں میں سر جھکائے ہوئے
زمیں پہ شاہؑ گرے خون میں نہائے ہوئے

۹۶

بیاں ہو شمر کی بدعت کا حال اب کیونکر کہاں وہ موزہ کہاں سینۂ شہِ اطہر
بُکا کے واسطے یہ بات بس ہے تا محشر رسولؐ زادے کو ظالم نے کردیا بے سر

بتولؑ پیٹتی ہیں بوترابؑ روتے ہیں
جگر کو تھامے رسالتمآبؐ روتے ہیں ۹۷

سیاہ و زرد اُٹھیں رن میں آندھیاں پیہم ہر اِک نگاہ میں ظلمات کا ہوا عالم
گہن میں مہر تھا ہر شے تھی محوِ رنج و الم ملائکہ میں فغاں تھی، جنوں میں تھا ماتم

سحابِ حسرت و غم چار سو برستا تھا
زمیں پہ چرخ سے تازہ لہو برستا تھا ۹۸

پکارتی تھی یہ زہراؑ کدھر گئے بیٹا زمیں پہ غش میں ہو تم یا گزر گئے بیٹا
لہو میں چاند سے رخسار بھر گئے بیٹا یہ کس زباں سے کہے ماں کہ مر گئے بیٹا

ہمیشہ خاک اُڑانے یہاں میں آؤں گی
نہ اب لحد میں بھی تا حشر چین پاؤں گی ۹۹

نظر میں پھرتی ہیں اس دم شجاعتیں تیری رہیں گی شہرۂ آفاق ہمتیں تیری
پسند دل سے تھیں اے جان عادتیں تیری نہ تھیں رسولؐ سے کچھ کم عبادتیں تیری

فزوں ہر ایک سے شوقِ نماز تھا تیرا
عجب کریم سے راز و نیاز تھا تیرا ۱۰۰

وہ ظلم بعدِ فنا بزمؔ اشقیا نے کیا جلایا ناریوں نے خیمۂ شہِ والا
عجیب طرح سے گھر آلِ مصطفیٰؐ کا لُٹا کسی نے زینبؑ بے کس کے سر سے کھینچی ردا

کوئی لئے ہوئے بستر مریضِ زار کا تھا
کسی کے ہاتھ میں گہوارہ شیر خوار کا تھا

مرثیہ:۲۵

درحال عروسیٔ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا

مطلع

لَیلَۃُ القَدر کی غَیبَت ہے حجابِ زہراؑ

تعدادِ بند:۹۵

۱

لیلۃ القدر کی غیبت ہے حجابِ زہراؑ دامنِ عصمتِ مریمؑ ہے نقابِ زہراؑ
حرمِ کعبۂ حرمت ہیں جنابِ زہراؑ ہدیۂ آسیہ سائی ہے شبابِ زہراؑ

ہر سحر مشغلۂ طاعتِ یزداں بھی رہا
۲ گردشِ آسیہ میں دورۂ قرآں بھی رہا

آسیۂ خلق میں ہے آسیہ سائے زہراؑ پردۂ دیدۂ مریمؑ ہے ردائے زہراؑ
خود عبادت کو ہے مرغوب ادائے زہراؑ مردِ دانا کو ہے تسبیحِ ثنائے زہراؑ

سورۂ حمد سدا مدح و ثنا کرتی ہے
۳ قُل ہواللہ خود اخلاص کا دم بھرتی ہے

باپ بے مثل، پسر مہدی و شوہر ہادی جس سے خود خانۂ خالق کی ہوئی آبادی
بندگی وہ کہ زمانے کے لئے آزادی عرش پر عقد ہوا اور جہاں میں شادی

زیبِ تازہ سے نہ فردوس کی آبادی ہو
۴ حق کرے بیاہ کا ساماں تو نہ کیوں شادی ہو

آج ہر حور میں اندازِ عروسانہ ہے شاد اپنوں سے سوا سبزۂ بیگانہ ہے
لا مکاں جوشِ تجلّی سے جلو خانہ ہے مئے کوثر سے ملبّب ہے جو پیمانہ ہے

آبِ تسنیم کو رہ رہ کے یہ وجد آتا ہے
۵ جوشِ فرحت سے ہر اِک بار اُچھل جاتا ہے

عرشِ اعظم پہ فراہم ہوئے سُکّانِ فلک مثلِ انجم کے ہوئے انجمنِ حورو ملک
ماہ و خورشید سے وہ چند ہر اِک رخ کی چمک سُرخ پوشاک کی کلیوں میں وہ پھولوں کی مہک

گھر کے گھر عطرِ عروسی سے بسے جاتے ہیں
اپنی بو باس پہ محبوب خود اتراتے ہیں

۶

چاند شرمندہ ہے تاروں نے سجا وہ گہنا ہار گرداب کا ہر نہرِ جناں نے پہنا
وہ خوش آئند پرندوں کی صدا کیا کہنا کھولیں منقاریں تو گویا کہ بجائے شہنا

حکمِ باری ہے نیا رنگ ہو گل کاری میں
۷ نہ قصور آئے کسی قصر کی تیاری میں

جھوم کر شاخیں اچھلتی ہیں خوشی سے ہر بار ہر طرف صلِ علیٰ صلِ علیٰ کی ہے پکار
رُخ وہ سبزانِ چمن کے وہ نئے اُن کے سنگھار گُل کے جوبن کا وہ رنگ اور وہ جوانی پہ بہار

چاند کو چاندنی کے پھول پہ وارے گردوں
۸ پھل وہ روشن کہ ستاروں کو اُتارے گردوں

عرشِ اعظم پہ مُہیّا ہوا اِک منبرِ نور دور میں اُس کے فراہم ہوئے سب قدسی و حور
زیبِ منبر ہوا راحیل جماعت کے حضور یوں پڑھا عقد کا خطبہ کہ ہوا جوشِ سُرور

نغمۂ حمد میں ہر گُل صفتِ بُلبُل تھا
۹ ہر طرف طوبا لہُم طوبا لہُم کا غُل تھا

آبِ انگور کا ہوں کب سے میں پیاسا ساقی دُخترِ رَز کے لئے مُضطر ہے کلیجا ساقی
تیرے ہی سر تو پلانے کا ہے سہرا ساقی دے کوئی جام مجھے پھول سے ہلکا ساقی

چشم پوشی نہ کرے تُو تو مزا مل جائے
۱۰ یہ دُلہن آئے جو پہلو میں تو گُل کھل جائے

اُسی جانب کو مری آنکھ لگی رہتی ہے سُرخ پوشاک میں جو لال پری رہتی ہے
اُس کو پی لیتا ہوں جب طبع ہری رہتی ہے توبہ تو طاق کے اوپر ہی دھری رہتی ہے

کچھ کہے اِس میں جو زاہد یہ جواب ہے اپنا
اور کچھ دیر کا مہمان شباب ہے اپنا

۱۱

وقت تھوڑا سا مزے کا ہے یہ کیوں ہاتھ سے دوں کل ہو کیا جانئے کیا آج تو ڈٹ کر پی لوں
لاکھ تقریر کرے کوئی کسی کی نہ سنوں منہ سے ساغر کو لگائے رہوں جب تک بھی جیوں

اِس کا ہر گھونٹ نیا مجھ کو مزا دیتا ہے
شیشہ قُل قُل نہیں کہتا ہے دعا دیتا ہے ۱۲

بُخل ہے تجھ کو پلانے میں تو اچھا نہ پلا تیری اِس مے کی مجھے بھی نہیں خواہش اصلا
بے قراری میں زباں سے تھا یہ کلمہ نکلا ورنہ میں والہ و شیدا ہوں مے جنّت کا

سُبکی اِس میں ہے جو اور کسی سے مانگوں
دولہا خود ساقیِ کوثر ہے اُسی سے مانگوں ۱۳

اے مرے ساقیِ گُل پیرہن و گُل اندام خُلد کے بادہ پرستوں میں رقم کر مرا نام
اپنے مداح کو شادی میں نہ رکھنا ناکام دستِ نازک سے پلا کوئی چھلکتا ہوا جام

ایسی مے ہو کہ مجھے نشّے میں بھی ہوش رہے
پہنچوں جب تک لبِ کوثر پہ وہی جوش رہے ۱۴

حکم طوبیٰ کو ہوا، پہنے قبائے جوہر لائے وہ بار کہ اُمّت کی ہو الفت کا ثمر
نام ہر ایک کا ہو پھل میں مع نامِ پدر لوٹ لیں حوریں دُلہن کا یہ تصدّق یکسر

ہر مسلماں کا ہے حصہ کہ ولی کی ہے برات
کیوں بری ہوئیں نہ مومن کہ علیؑ کی ہے برات ۱۵

دولہا حُرمت میں ہے روزہ تو بنی شب کی نماز صورت و معنیٔ مصحف کی ہے شان اور انداز
وہ ہے نو روز کا مژدہ یہ شبِ قدر کا راز وہ ہے اللہ کی قدرت یہ نبیؐ کا اعجاز

غُل ہے اعجاز و کرامت کی جماعت ہوئی آج
ظاہر اسلام سے ایمان کی ملّت ہوئی آج

۱۶

شاہِ مرداں ہے بنا اور بنی خیرِ نسا قاسمِ خُلد وہ یہ شافعۂ روزِ جزا
نور میں طور وہ یہ پردے میں ہے اَو اَدنیٰ بدر کا چاند علیؑ طالعِ زہراؑ زُہرہ

صبحِ نوروز بنا ہے، شبِ معراج بنی
۱۷ واں تہی دست ہے دولہا یہاں محتاج بنی

مہر میں مہرِ خُدا نجم و قمر ارض و فلک باغ و گُل نخل و ثمر شہد و شکر آب و نمک
مال و زر لعل و گُہر نارو سقر حور و مَلک حق نے بندوں کو غلامی میں دیا محشر تک

مہر میں خُلق سلامی میں امامت بخشی
۱۸ پر دُلہن کا یہ تصدّق تھا کہ اُمّت بخشی

غور کی جا ہے غُلامانِ شہِ عرش مقام مہرِ زہراؑ ہو زمین و فلک و آب تمام
حیف ہے اُس کے جگر بند رہیں تشنہ کام کیوں فلک کیا اُنہیں مٹّی کا بھی دینا تھا حرام

کب تلک خاک میں پنہاں تنِ بے سر نہ ہوا
۱۹ مالِ دنیا سے کفن تک بھی میسّر نہ ہوا

ذکرِ شادی میں کروں کیا الم و غم کا بیاں آج اُس عرش کی صحبت کا زمیں پر ہے سماں
نسبتِ عقد پیام آیا ہے مثلِ قرآں شادیانہ درِ حیدرؑ پہ بجاتی ہے اذاں

یاں ہیں جبریل و سرافیل جلو داری میں
۲۰ حمزہؓ و جعفرؓ اُدھر بزم کی تیاری میں

جامۂ علم ہے یاں فتح کا سہرا سر پر حلم پوشاک ہے واں صبر و قناعت زیور
غازۂ زُہد سے چہرہ یہاں ماہِ انور واں ہے سجدے کا نشاں چاند سے منہ پر جھومر

واں جو کنگنے کے عوض ہاتھ مُناجات میں ہے
یاں بھی تسبیح علی بند کی جا ہاتھ میں ہے

۲۱

مثلِ آیات و دُعا عرشیوں کی آمد و رفت لال حُوروں کے وہ لب پاں بھی ہے جن سے کُلفت
ساز شادی کا وہ نارنج قبائیں زر بفت چھکّے بالقیس کے چھُٹ جائیں وہ شانِ ہر ہفت

چشمِ ناری میں جو تھا چشمۂ خوں جذب ہوا
۲۲ چند عرصہ کو عذابِ ابدی عذب ہوا

سورۂ قدر و برات آئی کہ ہاں آئے برات ساتھ پیغام برأت کا مگر لائے برات
صورتِ وحیِ خدا پیشِ نبیؐ جائے برات نار سے ہو کے بری حق سے ہر اِک پائے برات

نائبِ شاہؑ ہو نوشاہ نبیؐ قاضی ہو
۲۳ اور ایجاب ہے پھر کیا جو خُدا راضی ہو

لے کے کعبے میں برات آئے جنابِ حیدرؑ جائے راحیل پیمبرؑ ہوئے زیبِ منبر
کس فصاحت سے پڑھا خطبۂ حمدِ داور فاتحہ وِرد جو کی کُھل گئے عُقدے یکسر

خوب شادی تھی کہ معبود کی خُرسندی تھی
۲۴ عقد کا باندھنا خود شرع کی پابندی تھی

آخرش بنتِ پیمبرؐ کا جہیز آنے لگا اِیک مشکیزہ جو آخر میں سکینہؑ سے ملا
ایک وہ پوست کا بستر تھا جو عابدؑ سے چھنا پاس زینبؑ کے جو تھی دشتِ بلا میں وہ ردا

سر پہ کُبریٰ کے جو ڈالا تھا دوپٹا وہ تھا
۲۵ زہر شبّرؑ نے پیا جس میں کٹورا وہ تھا

تھی دُلہن کی تو خواصی کے لئے حورِ سحر سبز مخمل لئے حاضر ہوا گردوں در پر
شہر میں چاند کی رخصت کا ہوا غُل گھر گھر یعنی بن ماں کی دُلہن ہوتی ہے منزل سے بدر

لوگ کنبے کے جو مِل مِل کے جُدا ہونے لگے
گو کہ صابر تھے نبیؐ پھیر کے منہ رونے لگے

۲۶

بیٹی عفت کے محافہ میں نبیؐ کی دختر ہر طرف آیۂ تطہیر نے روکی چادر
کلمہ پڑھتی ہوئی ہمشیرِ کلیمِ داور آسیہؑ آگے چلی کاندھے پہ چکّی رکھ کر
حق نے مریمؑ کو خواصی کے لئے بھیجا ہے
عطرِ عنبر کے چھڑکنے کے لئے سارہؑ ہے

۲۷

باغِ جنّت سے ہوا کرنے کو حوّا آئی صندلِ خُلد لئے مادرِ عیسیٰؑ آئی
آسیہؑ آس میں دہلی کی جبیں سا آئی سارا گھر ہوگیا فردوس جو سارہؑ آئی
بڑھ کے حیدرؑ سے کہا آل میں شامل ہوئے اب
یہ سلامی ہے کہ صلوات کے قابل ہوئے سب

۲۸

اے فلک ساتھ ہو پیدل کے سواری آئی بولے عمارؓ کہ لو سُرخ عماری آئی
چترِ سر بن کے اُدھر رحمتِ باری آئی پردہ کرنے کے لئے آنکھ کی باری آئی
اے قمر ڈھانپ لے منہ بنتِ رسولؐ آتی ہیں
کان کو چاہئے پردہ کہ بتولؑ آتی ہیں

۲۹

پردہ داری کے لئے صاحبِ او ادنیٰ ہیں وہ بھی ادنیٰ ہیں یہاں عرش سے جو اعلیٰ ہیں
تیغِ ہندی کا الف کھینچے ہوئے حمزہؓ ہیں وجہِ جعفرؓ سے بنی اور بھی بے پروا ہیں
صُحنۂ صور لئے ساتھ سرافیل چلے
تُرقو کہتے ہوئے حضرتِ جبریل چلے

۳۰

چار تسبیح کو پڑھتی ہوئی حوروں کی قطار اِک فرشتوں کا بیاں ہے کہ میں ہفتاد ہزار
سارباں حضرتِ سلمانؑ سلیمان وقار دستِ خورشید میں جس طرح کرن کی ہو مہار
پاسِ آداب سے پر جلد نہیں چلتے تھے
جس طرح ضعف سے سجّادِ حزیں چلتے تھے

۳۱

بعد مادر کے خوزادی کی سواری دیکھو کس کے ناقے پہ نہیں نامِ عماری دیکھو
ننگے سر جاتی ہے کس بی بی کی پیاری دیکھو کہتی ہے بھائی ذرا شان ہماری دیکھو

کیا جلوس آج ہے ہمشیر کی اسواری میں
ہیں کئی لاکھ شتی اپنی جلو داری میں

۳۲

آخرش شادیِ حیدرؑ سے خدا شاد ہوا خوش ہوا کعبے کا مولود گھر آباد ہوا
گو کہ زہراؑ پہ بہت نرغۂ بیداد ہوا اُس کی تابع رہیں مالک کا جو ارشاد ہوا

شب کو تسبیح و عبادت میں سحر کرتی تھیں
دن کو چکّی کے سہارے سے بسر کرتی تھیں

۳۳

ایک دن احمدِ مُرسل نے یہ زہراؑ سے کہا اپنی خاطر تو ہر اِک وقت ہے تسبیح و دُعا
بہرِ احباب بھی کچھ رکعتیں پڑھتی ہو بھلا عرض کی اُن کی تو تسبیح ہے زہراؑ کو سدا

بہرِ اُمّت ہے مری محنت و کُلفت کا ثواب
اِن ہی کو بخشتی ہوں شب کی عبادت کا ثواب

۳۴

بولے احمدؐ کہ ہے اُمّت کا بڑا ہم کو خیال حشر ہوئے گا جو محشر کو تُلیں گے اعمال
ہنس کے زہراؑ نے ندا دی کہ شہِ عرش جلال جس کے پلّے میں ہوں میں پھر اُسے کیا خوف وملال

روزِ حشر آپ کی اُمّت پہ نہ ہوگا بھاری
اپنے اعمال سے کردوں گی میں پلّہ بھاری

۳۵

گرم بازارِ محشر جو کرے گی میزاں ساتھ اعمال کے رکھ دوں گی میں اِک جنسِ گراں
بولے شہ جنسِ گراں کیا ہے بتادو مری جاں بولی اِک قلزمِ اعجاز کے دُرِّ دنداں

پوچھا پھر بھی سکی ہوئے تو کیا ہوئے گا
عرض کی پاس سرِ شیرِ خُدا ہوئے گا

۳۶

پوچھا اِس پر بھی برابر نہ ہو پلّہ تو کیا عرض کی دوڑ کے رکھ دوں گی جگر شبّرؑ کا
پوچھا پھر بھی نہ مساوی ہو تو رو کر یہ کہا ٹکڑے قاسمؑ کے بدن کے میں رکھوں گی بابا

پوچھا پھر سسکی ہوئے تو کیا باقی ہے
۳۷ رو کے چلّائی کہ زینبؑ کی ردا باقی ہے

پوچھا اِس سے نہ چلا کام تو بولی رو کر بابا جاں دوڑ کے رکھ دوں گی سکینہؑ کے گہر
رو کے فرمایا کہ پھر بولی نہ پوچھو سرورؑ پھر تو میں حشر میں دکھلاؤں گی تازہ محشر

دیکھوں اِس پر تو نہ پلّہ ہو برابر بابا
۳۸ رکھ دوں گی پیاسے کا میں خون بھرا سر بابا

واہ اے فاطمہؑ شافعہ روحی بفداک کیوں نہ ہو اہلِ ہُمم دخترِ شاہِ لولاک
خاص مریمؑ کا مصلّیٰ ہے ترا دامنِ پاک یہ عبادت کی ادا خَلق سے یہ خُلق و تپاک

جو کہ احمدؐ کے خوارق ہیں وہ عادت تیری
۳۹ دہر میں منزلِ اخلاص ہے صورت تیری

روز مرّہ ہوا یہ بنتِ نبیؐ کا دستور ذکر مسجد کا اُسے پوچھنا حیدرؑ سے ضرور
آج کیا وعظ عنا ہم سے بیاں کیجے حضور تھا کوئی رنج کا مضموں کہ خوشی کا مذکور

آبرو کی ہوئی جو بات گرہ میں باندھی
۴۰ بات پردے کی مگر سات گرہ میں باندھی

ایک دن وعظ کا مضموں جو علیؑ سے پوچھا ذکر ایسا تھا کہ خاموش رہے شیرِؑ خدا
جب ہوئیں حد سے مُصر سر کو جھکا کر یہ کہا آج کا وعظ کوئی آپؑ کے سننے کا نہ تھا

بولیں ایسی ہیں رسولؐ دوسرا کی باتیں
گو پیمبرؐ ہیں پہ کرتے ہیں خدا کی باتیں

۴۱

آج وہ بات نبیؐ کی ہے کہ کیا کہنا ہے وحی سے خالی نہیں آپ کا جو نکتہ ہے
ایسی باتیں رہیں مخفی یہ بھلا زیبا ہے بولے شہؑ آج چھپانے ہی میں اِک پردا ہے
وعظ وہ صاحبِ قرآن نے فرمایا تھا
جس میں کچھ بنتِ سلیماں کا بھی ذکر آیا تھا

۴۲

بولی مخدومہ وہ فرماؤ جو فرمایا تھا سر جھکا کر کہا کچھ ذکرِ جہیز آیا تھا
بعد دریافت کے زیور کو بھی بتلایا تھا پر غرض یہ تھی کہ طاعت سے شرف پایا تھا
سُن کے یہ لب پہ کوئی بات پھر آئی نہ کبھی
یہ حیا آئی کہ پھر آنکھ ملائی نہ کبھی

۴۳

اوجِ ظاہر کے بیاں سے جو ہوئی شرم کمال تھا دمِ خوابِ اجل بھی یہی زہراؑ کو خیال
جبکہ فردوس میں داخل ہوئی وہ نیک مآل بانوئے حشر کے دل پر تھا قیامت کا ملال
ویسے کہتی تھیں حیا اپنی مٹاؤں کیونکر
اپنے دولہا کو جہیز اپنا دکھاؤں کیونکر

۴۴

خواب میں طالعِ بیدار علیؑ نے دیکھا اِک نئے رنگ کا گلزار علیؑ نے دیکھا
گلشنِ قدرتِ غفّار علیؑ نے دیکھا ایک اِک گل کو کئی بار علیؑ نے دیکھا
کھل گیا اوج درِ علم نے جب در دیکھا
آستانے کی طرح سر پہ بھی حیدرؑ دیکھا

۴۵

اے قلم سیرِ گلستانِ جناں دکھلادے بیت میں قطعہ گلشن کا سماں دکھلادے
بحر میں آبروئے مہرِ رواں دکھلادے عصمتِ حور کو مضمونِ نہاں دکھلادے
نقش میں صورتِ معنیٔ نگار آجائے
بے بھی اُس باغ کی لکھ دوں تو بہار آجائے

۴۶

کششیں کھینچ لیں دل صفحہ بنے باغ و بہار خطِ جدول بھی جو کھینچوں تو ہو شانِ گلزار
دائرے مرکزِ دل جن پہ قمر خود پرکار حرف مٹی کے بھی آئیں تو بنیں خطِ غبار

باغ کے وصف میں صفحے کا یہ عالم ہوجائے
تختۂ خُلد سے مل کر خطِ تو اَم ہو جائے

۴۷

حرفِ سبزانِ جناں باغِ سخن میں آئیں اکڑیں شمشاد کی صورت یہ الف اترائیں
بائیں مانندِ بروبار دلوں کو بھائیں جعفری جیم کے جوبن کی طرف جُھک جائیں

دال رے مِل کے ہوڑ سین سے سبزہ ہوجائے
شین اِس شان سے آئے کہ شگوفہ ہوجائے

۴۸

حُسن ہو صادصنوبر میں کہ آنکھیں کھولے تارِ طاؤس سے اِس باغ کا طوطی بولے
مدعی بحر سے حرفوں کے جواہر رولے گُل سُبک ہوئیں جو کانٹا بھی نظر سے تولے

عین سے سارا جہاں گلشنِ عنبر ہوجائے
فے سے فردوس ہو دل قاف سے قنبرؑ ہوجائے

۴۹

کاف سے کوزۂ کوثر ملے اور گاف سے گُل لام سے لعلِ جناں لب کو ملے میم سے مُل
ورد کا واؤ ہو اور ہائے ہوائے بُلبُل لام الف لالۂ بے داغ دکھائے بالکل

دائرہ کھینچوں تو بینا کو ہو کوثر معلوم
یائے مجہول ہو بیلے کے برابر معلوم

۵۰

چار در دیکھے احاطے کے مگر شان جُدا بابِ رحمت ہے عموماً پئے خاصانِ خُدا
صبر اور شُکر کے دو باب میں اِک بابِ بلا حالِ در کھولنا کیا، آپؑ ہیں خود عقدہ کشا

دونوں دروازوں میں حصہ ہے خوش اعمالوں کا
ہے مگر بابِ بلا کرب و بلا والوں کا

۵۱

صبر کے در کو درِ علم نے کھولا بڑھ کر اُس کے کھلتے ہی صدا آئی کہ حیدرؑ حیدرؑ
چٹکی بھر خاک نہ مخلوق کا سارا عنبر سونے والوں کے لئے دیکھے طلائی واں گھر

در پہ دل سے کہا حیدرؑ یہ تماشا کیا ہے
چاندی سونے کے شجر میں یہ شگوفہ کیا ہے ۵۲

گو کہ ہیں ایک احاطہ پہ کئی ہیں گلزار خُلد و فردوس و نعیم و ارم و دارِ قرار
دیکھا پھر عدن کے ہیں تحت میں جس کے انہار فیضِ باری سے ہے کافر کے چمن پر بھی بہار

چار سُو غُل تھا یہ سب فیضِ امامِ دیں ہے
یاعلیؑ تیرا وہ گلشن ہے جو علیں ہے ۵۳

نخل ایسے کہ کبھی عرض نہ ہو اُن کا طول دین کی طرح قوی اُن کے فروع اور اصول
کہیں ہیرے کی ہیں کلیاں کہیں یاقوت کے پھول سُرخرو روبروئے حق صفتِ آلِ رسولؐ

ہے زمیں جن سے کہ روپوش گھنے ایسے ہیں
دُلہنیں جن پہ تصدّق ہوں بنے ایسے ہیں ۵۴

بارِ نزہت سے زمیں بوس ہیں کچھ واں کے نہال پر وہ شفاف اُدھر دیکھ لو اُس سمت کا حال
پھل میں نے تخم نہ ریشہ نہ کسی نخل پہ چھال غنچے موتی کے تو یاقوت کی شاخیں اِک ڈال

جس کے طالب ہو ہمایوں بھی طلبگار ہے وہ
کہئے جس طیر کو خود آنے کو تیار ہے وہ ۵۵

رنگ وہ بو قلموں اور وہ خوش آوازی وہ ترانے کہ ہو زُہرہ کی غمِ دم سازی
گرد ہر کھیل پہ طاؤسِ فلک کی بازی ذہنِ شاعر کی طرح شوقِ فلک پردازی

پاس مردم کے مثالِ نظرِ حور ہیں وہ
پر پلک کا بھی جو کھٹکا ہو تو کافور ہیں وہ

۵۶

گر کلی پر کی چٹک جائے قیامت ہوجائے ہوش کی طرح سے اُڑ جائیں کہ حیرت ہوجائے
جو کوئی دیکھے پری زادوں سے نفرت ہوجائے طوطیاں دیکھ کے آئینہ کی صورت ہوجائے

سنگ دانوں میں چمک ہے دُرِ یکتا سے سوا
۵۷ صاف پیٹوں میں تجلّی یدِ بیضا سے سوا

مہ جبینوں کے وہ ابرو کہ مہِ عید ہلال اُس پہ پھر تیرہ کی باتیں نہیں دیکھو یہ کمال
لب وہ شیریں ہیں کہ عنّاب کی خود ٹپکے رال گُل پڑے رُخ پہ جو ہو خواب میں بوسے کا خیال

نور سو پردوں سے چھن جاتا ہے گورے ایسے
۵۸ مہر کٹنے لگے ہاتھوں میں کٹورے ایسے

شہد کی نہر میں بُرّاق وہ آبِ دل جو جیسے مہندی میں عیاں ماہیِ دستِ مہرو
شِیر وہ صاف طباشیر کرے جس سے وضو عطرِ خس خاک ہو مٹّی میں وہ سوندھی خوشبو

ذکر سردی کا جہنّم جو سُنے تھرّا جائے
۵۹ ایک ہی چھینٹے میں سورج کو پُھریری آجائے

چھت پہ گُل کاریاں ہیں فرش پہ ہے پُھلواری نازنیں گُل جنہیں خود بارِ نزاکت بھاری
نشۂ حُسن میں وہ جھومنا باری باری ہوش اُڑاتی ہے گُلِ جعفری کی طیّاری

صف بہ صف نخل ہیں یا جنگ کی تیاری ہے
۶۰ گُلِ عباسؓ کے حصے میں علمداری ہے

باغباں خندہ جبیں ماہِ لقا گُل اندام نام کہتا ہے کہ ہے صرف رضا جوئی سے کام
بہرِ خدمت ہیں وہ غلماں کہ ہیں بے دام غلام جا بجا صحن میں ہے فرش تمامی کا تمام

واں جو داخل ہوئے شاہی کا وہ دم بھرتے ہیں
تخت پر بیٹھے ہوئے سلطنتیں کرتے ہیں

۶۱

تاکا جو خوشہ اُسے منہ میں ٹپکتے دیکھا کھایا سو بار تو پھر اُس کو چپکتے دیکھا
بُھن کے تیار تھا جو طیر اُچکتے دیکھا کھا لیا پھر وہیں بُلبُل سا چہکتے دیکھا

اِک ثمر کتنے مزے سوف نہیں خار نہیں
۶۲ لاکھ پھل کھایئے جی سیر نہیں بار نہیں

ہر گُل اندام میں اِک تازہ دُلہن کا تھا بناؤ چشمِ غرفہ سے ہے مہماں کو یہ چشمک اِدھر آؤ
یاں جھروکے میں ہے خود حوض پیو کھاؤ نہاؤ سیر کھڑکی سے کرو بیٹھ کے یاں لُطف اُٹھاؤ

غُل ہے اِک قصر میں منزل کو ہماری دیکھو
۶۳ عرش سے کرتی ہے باتیں مِری کُرسی دیکھو

ناز البیلے تو انداز نرالے دیکھے دل پریشاں ہو جو وہ گیسوؤں والے دیکھے
ہو چکا چوند قمر کو وہ پیالے دیکھے جی کے خار اور نہ وہاں جان کے لالے دیکھے

سُرخ اِک قصر کہ مدحت میں جہاں قاصر ہے
۶۴ اُس میں اِک تخت کہ چوکی کو جہاں حاضر ہے

قصرِ یاقوت میں وہ تختِ جواہر کی بہار فاطمہؑ خواب میں ہے صورتِ بختِ بیدار
طبقِ زر لئے اِک مہر لقا بہرِ نثار رشکِ مرجاں ہے وہ پنجہ جو ہمیشہ تھا نگار

جس کو داغوں سے سدا باغِ جراحت دیکھا
۶۵ اس کو واں نور سے ہم پہلوئے۔۔۔۔ دیکھا

اپنے طالع کی طرح شہ نے جگایا تو کہا کب سے مشتاق تھی میں آیئے اے شیرِ خدا
یاد ہے وعظ کا مضموں وہ شہِ ہر دوسرا یہ وہی بنتِ سلیماں ہے اسے دیکھو ذرا

حق نے مامور کیا خدمتِ بے پر کے لئے
طبقِ زر لئے رہتی ہے نچھاور کے لئے

٦٦

جس کی خدمت کو نبی زادیاں ہوں ہائے غضب اُس کی پوتی کو کرے خلق کنیزی میں طلب
اُس کی بیٹی پہ یہ بلوے میں ہوں دُرّوں کا تعب جس کے صدقے میں زرِ خُلد لٹائے خود رب
اُس کے فرزند کی پوشاک لئے مقتل میں
٦٧ پھول سے جسم پہ یوں جھپٹے تپے جنگل میں

سُن چکے اہلِ عزا منقبتِ بنتِ رسولؐ اب پڑھوں ذکرِ مصائب کہ یہ ہے اصلِ اصول
آہ و زاری سے ہو ظاہر اثرِ حُبِّ بتولؑ رونے کی وجہ سے ہر اِک حسنہ ہے مقبول
رؤو اے اہلِ عزا فاطمہؑ جاں کھوتی ہیں
٦٨ رات دن ہائے نبیؐ کہتی ہیں اور روتی ہیں

کبھی نوحہ ہے کہ حج ہو چکا اے قبلہِ دیں اب کی معراج یہ کیسی ہے کہ پھرتے ہی نہیں
بدر میں ہے کہ اُحد میں ہے مرا ماہِ مبیں پھر کسی گوہرِ دنداں پہ نہ ضرب آئے کہیں
شغل کیا ہے کہ نگاہوں سے ہو پنہاں بابا
٦٩ جمع کرتے ہو کہیں آیہِ قرآں بابا

رات اور دن ہیں وہی اور وہی شمس و قمر باغ اور گل ہیں وہی اور وہی نخل و ثمر
کوہ دریا ہیں وہی اور وہی لعل و گہر ہے وہی شہرِ مدینہ، وہی میں اور وہی گھر
پر خدا جانئے کیا شے ہے نہاں آنکھوں سے
٧٠ خونِ دل ایک طرف دم ہے رواں آنکھوں سے

گھر میں گہہ پیٹتی گہہ قبر پہ کرتی نالے خواب سے اُٹھ مری تعظیم کو اُٹھنے والے
کون دیکھے جو کلیجے پہ چلے ہیں بھالے پیٹتے پیٹتے ہاتھوں میں پڑے ہیں چھالے
اوروں پر قہر یہ ہوتے تو غضب ہو جاتے
یہ بلا پڑتی دنوں پر تو وہ شب ہو جاتے

۷۱

کم نہ تھا وقتِ شہادت سے کوئی وقتِ اذاں سُن کے تکبیر کا غُل ذبح تھی خاتونِ جناں
باپ کے نام پہ غش تھی وہ محمدؐ کی جاں ذکرِ صلواۃ سُنا اور ہوئے اشک رواں

لوگ کہتے تھے عجب غم ہے خدا خیر کرے
یہ نئے رنگ کا ماتم ہے خدا خیر کرے

۷۲

کبھی ماتم، کبھی شیون، تو کبھی غش طاری بڑھتے بڑھتے مرضِ موت ہوئی بیماری
اُس پہ غُسرت کا الم سب ستموں سے بھاری فاقے ہوتے ہیں دوا پائے کہاں بیچاری

لاغری سے تھا عجب رنگ کہ شکلِ بو تھی
کروٹیں لیتی ہوئی موت سے ہم پہلو تھی

۷۳

ایک دن غش میں یکا یک یہ پکاریں زہراؑ السلام اے شرفِ روحِ امیں اے بابا
رو کے شبیرؑ سے یہ زینبؑ مضطر نے کہا لو فرشتے نظر آنے لگے کیا ہو بھیّا

ہائے مجبور ہیں ہم نے کوئی خدمت بھی نہ کی
آئی کیا جلد قضا کوئی وصیّت بھی نہ کی

۷۴

غش سے چونکایا تو بولی کہ مٹا رنج و تعب میرے لینے کے لئے آئے ہیں خود شاہِ عربؐ
اپنے بچوں کو تجھے سونپتی ہوں اے زینبؑ بولی وہ اور نئی بات سُنو ہائے غضب

اماں کیا کہتی ہو اِن باتوں کے میرے دن ہیں
سوچ کر کہیئے میں چھوٹی ہوں کہ وہ کم سن ہیں

۷۵

بھائیوں کو مجھے سونپو تو بجا ہے اماں رو کے وہ بولی میں بے ہوش نہیں راحتِ جاں
خوب واقف ہوں جو اُلفت ہے تجھے اے ناداں کیا اُنہیں سونپوں کہ خود ہیں کوئی دن کے مہماں

تو ہے دونوں کے لئے جان کی کھونے والی
تیرے صدقے مرے مظلوموں کی رونے والی

۷۶

پھر یہ فرمایا کہ لوگو کوئی اسما کو بلاؤ پاس وہ آئیں تو فرمایا کہ تکلیف اُٹھاؤ
جس میں پردہ رہے ایسا کوئی تابوت بناؤ جیتے جی ہو مجھے تسکین ابھی لا کے دکھاؤ

لا کے دکھلا دیا تابوت کو تب چین آیا
دیکھ کر پردے کا ساماں کہا اب چین آیا

۷۷

بولیں اُمِ سلمہ دے کے دعا لے کے بلائیں دل ہے بے کل کہ کوئی آپ وصیت فرمائیں
بولی لازم ہے مجھے آپ دُعا سے نہ بُھلائیں شیشۂ خاک جو رکھا ہے مرے سامنے لائیں

دیدۂ قلب سے نظارۂ تُربت کرلوں
پھر ذرا خاکِ شفا کی میں زیارت کرلوں

۷۸

اُمِ ایمن سے کہا شیرِ الٰہی کو بلاؤ آئے حیدرؑ تو پکاریں ہمیں رخصت فرماؤ
رو کے وہ بولے کہ صاحب کوئی حسرت ہے بتاؤ عرض کی میری خطا بخشو عذابوں سے بچاؤ

پیٹ کر سینہ کہا آپؑ یہ فرماتی ہو
دیکھو معصومہ خطاوار کو شرماتی ہو

۷۹

عُذر میں کرتا ہوں خود بخشئے حیدرؑ کی خطا میرے گھر آن کے تم کو نہ کوئی عیش ہوا
چکّیاں آپ سے پسوائیں ہیں میں نے زہراؑ مجھ سے خدمت نہ ہوئی پر نہ کیا تم نے گِلا

روزہ رکھتی رہیں روزی جو علیؑ کو نہ ملی
ایسی بی بی کسی مرسل کو نبی کو نہ ملی

۸۰

خیر فرمایئے کچھ اور بھی ہے دل کی مراد رو کے بولیں کہ امامہ ہے مری خواہر زاد
میرے بچوں سے اُسے عشق ہے مثلِ اولاد وہ کنیزی میں رہے جب ہو یہ لونڈی آزاد

غیر آئے گی تو بچوں کی تباہی ہوگی
چاہے گی اپنی مُرادیں نئی بیاہی ہوگی

۸۱

دوسری میری وصیت ہے یہ اے شاہِ زمنؑ اپنے ہاتھوں سے مجھے دیجیو تم غسل و کفن
پر مجھے غسل جو دینا تو مع جامۂ تن ہے یہ مطلب کہ پسِ مرگ نہ کھل جائے بدن

اپنے محرم سے بھی جس کو یہ حیا ہو افسوس
اُس کی ہی جائی کے سر پر نہ ردا ہو افسوس ۸۲

تیسرے شب میں مرا دفن ہو یا شاہِ اُممؑ یعنی تابوت کو دیکھے نہ کوئی نا محرم
چوتھے مرقد پہ دُعا پڑھنے کو آنا پیہم آپ قرآں جو پڑھیں گے تو سنیں گے اُسے ہم

پاؤں پھیلا کے کہا لو وہ ملک آتے ہیں
الوداع اے اسدؔاللہ کہ ہم جاتے ہیں ۸۳

شہؑ سے دیکھا نہ گیا جانبِ مسجد پھر آئے فاطمہؑ چونک کے پھر بولیں کہ بقچہ کوئی لائے
پہنی بقچے سے قبا لے کے تو گیسو سلجھائے پھر وضو کر کے کہا کوئی مُصلّے پہ بٹھائے

سجدے کرتی ہوئی جنّت کو سدھاریں زہراؑ
غیرِ معبود کسی کو نہ پکاریں زہراؑ ۸۴

قبرِ احمدؐ پہ گئے تھے جو پسر بہرِ دُعا آ کے ڈیوڑھی پہ یہ دی زینبِ بیکس نے ندا
ارے دوڑو مرے ماں جاؤ ہوا حشر بپا فاطمہؑ روٹھ چلیں آ کے مناؤ بھیّا

زندگی میں کوئی حسرت نہ نکالی میری
ہائے ڈھونڈوں میں کہا چاہنے والی میری ۸۵

پیٹتے سر کو اِدھر حضرت حیدرؑ آئے سب کا منہ تکتے ہوئے دونوں برادر آئے
پردہ یوں آئے کہ جس طرح سے محشر آئے غش پہ غش دیکھنے والوں کو برابر آئے

منہ سے یہ کوئی نہ کہتا تھا کہ شیدائے حسینؑ
شور تھا چار طرف ہائے حسنؑ ہائے حسینؑ

۸۶

ماں کے لاشے سے لپٹ کر کئے بیٹوں نے یہ بین آپ کے ساتھ گیا مغنوں والوں کا بھی چین
بولو اماں کہ مناتے ہیں تمھارے حسنینؑ ہائے کس قلب سے تم سُنتی ہو یہ شیون و شین

جیتے جی آپ نے ہم کو کبھی رونے نہ دیا
آپ جاگیں پہ ہمیں خاک پہ سونے نہ دیا

۸۷

آخرش حسبِ وصیت ہوا غُسل اور کفن بڑھ کے اُمِ سلمہ نے کیا رو کر یہ سُخن
آؤ لوگو مِری شہزادی بنیں آج دُلہن مل چکے سب تو ملے آ کے حسینؑ اور حسنؑ

کلمۂ یاس جنازے کے دہن سے نکلے
دونوں تھرّاتے ہوئے ہاتھ کفن سے نکلے

۸۸

مِل کے بیٹوں سے جو روئیں تو ہوا حشر بپا آئی آواز چُھڑا دو انہیں یا شیرِ خُدا
عرش ہلتا ہے فرشتوں میں ہے فریاد و بُکا مِل کے بیٹوں سے بقیعہ کو چلیں خیرِ نسا

بیٹیاں پیٹ کے چلائیں کہ منہ موڑ چلیں
کہتی جاؤ کہ ہمیں کس پہ یہاں چھوڑ چلیں

۸۹

کس کی شادی میں چلیں کس نے بلایا مہماں پھر کے کب آؤ گی اتنا تو بتا دو اماں
ساتھ فضّہ بھی نہیں کون ہے خدمت کو وہاں ہائے تم رات میں گھر چھوڑ کے جاتی ہو کہاں

مومنو! مہر نے بھی جس کا نہ لاشہ دیکھا
اُس کی عترت کا زمانے نے تماشا دیکھا

۹۰

صدقہ اُس قبر کا جس کا ہے کئی جا پہ نشاں صدقہ اُن ہاتھوں کا مرقد سے ہوئے تھے جو عیاں
صدقہ اُس شخص کا در پردہ جو تھا، محوِ فغاں صدقہ اُس پنجہ کا مر کر بھی جو تھا خوں افشاں

صدقہ اُس منہ کا جو تختہ پہ برہنہ نہ ہوا
صدقہ اُس تن کا کفن بھی جسے گہنا نہ ہوا

۹۱

واسطہ اُن کا جو بے ہوش تھے مرقد کے قریں صدقہ اُن کا جنہیں تم پال کے بے آس ہوئیں
واسطہ اُس کا نہ تھی جس کے مقدر میں زمیں صدقہ اُس گھر کا جسے آگ لگا آئے لعیں

صدقہ اُس کا مرے ہمراہ جو ہے سر اناں
۹۲ بھیج دو اپنے کفن کی مجھے چادر اناں

رات کو آپ نے اُٹھوایا جنازہ ہے ہے دن دھاڑے مجھے یوں خلق نے دیکھا ہے ہے
آپ نے جس کے لئے بخشا تھا مالا ہے ہے حال اُسی گردنِ نازک کا ہے کیسا ہے ہے

ننگے سر بھیڑ میں ہوں آ کے تماشا دیکھو
۹۳ کیسا پہنا ہے بڑھاپے میں یہ گہنا دیکھو

ہائے وہ شام کا بازار، وہ مضطر زینبؑ ---تو یہ اسی زہراؑ کی ہے دختر زینبؑ
وہ ستمگاروں کا بلوا وہ کھلے سر زینبؑ ہے کوئی اور کہ شبیرؑ کی خواہر زینبؑ

شمر کے خوف سے رونے بھی نہیں پاتی ہے
۹۴ یاس سے بھائی کا منہ تکتی چلی جاتی ہے

نالہ کرتی تھی، کہ اے فاطمہؑ امداد کو آؤ وقت آخر جو بندھا تھا وہ قصاص دے جاؤ
آپ کے پوٹ کی چادر ہے کہاں مجھ کو اُڑھاؤ پردے والا جو وہ تابوت بنایا تھا سو لاؤ

لٹ گئی ہوں مری حرمت کو بچا لو اناں
۹۵ اپنے تاب وت میں بیٹی کو چھپا لو اناں

بزمؔ بس اب یہ دُعا مانگ کہ خاتونِ جناں کیجئے سعی کہ ہو لُطفِ خُداوندِ جہاں
مدعا مدعی دل ہے دعا داعیِ جاں عالمِ یاس میں سیفی ہے یہاں سیفِ رواں

بابِ ایجاب کھلے عقدہ کشائی ہو جائے
صدقہ عابدؑ کا ثنا خواں کی رہائی ہو جائے

مرثیہ: ۲۶

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

ہر ماہ کو بے مہریٔ دُنیا سے گِلہ ہے

تعدادِ بند: ۹۳

غازی آباد-- ۱۱ اکتوبر ۱۹۱۴ء

۱

ہر ماہ کو بے مہریٔ دُنیا سے گِلا ہے سوزش کی بلا میں ہے اگر بوئے وِلا ہے
پھولوں سے بسا تھا جو مکاں خود وہ کھلا ہے بخشے یہاں خلعت تو کفن اُس کا صلا ہے
جو خار ہیں دُنیا میں یہ باغ اُن کے لئے ہے
جو ماہ ہیں کامل یہاں داغ اُن کے لئے ہے

۲

کچھ سیم بدن ہیں، انہیں زیور نہیں پیدا کچھ غنچہ دہن ہیں، کہ اُنہیں زر نہیں پیدا
ہر فن میں جو ہیں طاق، انہیں گوہر نہیں پیدا جز فرشِ زمیں، خاک بھی بستر نہیں پیدا
جو سروِ رواں تھے وہ ندامت سے گڑے ہیں
مسند پہ جو رہتے تھے وہ تکفیں میں پڑے ہیں

۳

شاہی کو ثبات اور نہ گدائی کو بقا ہے پر یادِ بقا، خاک کا سر پر طبقہ ہے
افسر جسے روزی ہے زمیں کا نقطہ ہے کاہش کو کہاں درد، کہ یہ ماہ لقا ہے
کچھ پاسِ جوانی نہیں کمبخت اجل کو
یہ تاک کے لیتی ہے اُبھرتے ہوئے پھل کو

۴

ہر صور کا دم موت نے کھینچا صفتِ سد ہنگامِ سفر خواب ہوئی شادیِ آمد
لمبے ہوئے خوش قد بھی، اکڑ کے سوئے مرقد قبر اُن کی شکستہ ہوئی، خوش خط تھے جو بے حد
ہر نام مٹا ہے کہ نشاں تھا کفِ پا کا
جو ہر تھے ہمایوں وہ اذوقہ ہیں ہُما کا

۵

شاہوں کے یہ ساماں یہ حشم بھی نہ رہیں گے بُلبُل پہ گلوں کے یہ ستم بھی نہ رہیں گے
شادی رہے یک سو یہاں غم بھی نہ رہیں گے غم بھی نہ رہیں گے کبھی ہم بھی نہ رہیں گے
شبنم کی روش دیکھے، یہ ساماں یہاں آ کے
روتے ہوئے آئے، گئے اوروں کو رُلا کے

۶

گویا ہے یہ فرمانِ وزیرِ شہِ لولاک عبرت کا محل ہے تمہیں جانا ہے تہِ خاک
اے اہلِ محل اَوجِ مکاں پر ہو فرح ناک ہر صبح منادی ہے فرشتہ تہِ افلاک
ہر کس و محل بیخ اُکھڑنے کو بنا ہو
۷ ----------اُجڑنے کو بنا ہو

کتنے ہیں کہ آرامِ وطن بھی نہیں پاتے کچھ آتے ہی جاتے ہیں محن بھی نہیں پاتے
کچھ مُہلتِ گفتار و سخن بھی نہیں پاتے اکثر ہیں کہ مرنے پہ کفن بھی نہیں پاتے
اس خاک پہ کتنے فقط آئے ہیں پئے چرخ
۸ گر خاک میں مل جائیں تو مٹی بھی نہ دے چرخ

اے فکرِ رسا شمسہِ ایوانِ سخن ہو اے طبعِ رواں خضرِ بیابانِ سخن ہو
اے مصرعِ نو یوسفِؑ کنعانِ سخن ہو اے کبکِ قلم بُلبلِ بُستانِ سخن ہو
ہو شورِ ثنا بُلبلِ سدرہ کی زباں پر
۹ داؤدؑ بھی تحسین کریں حُسنِ بیاں پر

میں اُس کا ثنا خواں ہوں جو خود علم کا ہے در اُس بحر کا قطرہ ہوں جو ہے آب میں کوثر
اُس ماہ کا تارا ہوں جو ہے عرش کا اختر دم بھرتا ہوں اُس دم کا ہے جو نفسِ پیمبرؐ
دخل اپنے عقیدے میں نہیں شرک و ریا کا
۱۰ سو جان سے بندہ ہوں نُصیری کے خدا کا

اے شیرِ خدا داد طلب ہے یہ جگر ریش آمادہ ہیں اب نیش زنی کے لئے بدکیش
یہ معرکہ ہو فتح کہ تشدید ہے در پیش طُرفہ ہے، ہُنر عیب سمجھتے ہیں بد اندیش
ساکن ہوں نجف میں یہی اب مدِّ نظر ہے
تشویش کرو رفع کہ دل زیر و زبر ہے

۱۱

جو صاحبِ انصاف ہیں اُن سے ہے یہ شکوا کی قدر مِری اور نہ ہُنر کو مِرے دیکھا
راحت ہے یہاں کم مجھے اور رنج زیادا پچھتائیں گے جس وقت میں عالم میں نہ ہوں گا

پائیں گے نہ ایسا کوئی اب فرد جہاں میں
۱۲ میں قافلہِ رفتہ کی ہوں گرد جہاں میں

ہم مدح سراجب سے ہوئے ناک میں دم ہے کہتا نہیں کوئی کہ یہ نایاب رقم ہے
پھر حرف زنی اُس پہ ہے یہ اور ستم ہے انصاف نہیں اہلِ نظر کرتے یہ غم ہے

اِک لفظ بھی مجلس میں ثنا کا نہیں کہتے
۱۳ اچھا بھی کہے کوئی تو اچھا نہیں کہتے

اِس چرخِ ستمگار کو کچھ ظلم کی خو ہے ہر عاشقِ جانباز کا یہ دل سے عدو ہے
حیران و پریشان ہر اِک آئینہ رُو ہے ہر گُل کو پئے چاکِ جگر فکرِ رفو ہے

شکوہ نہیں ہم پر جو فلک رنج کے ٹوٹے
۱۴ خاصانِ خدا اِس کے ستم سے تو نہ چھوٹے

آدم کے لئے خار جدائی جناں ہے لُکنت کو بھی موسیٰؑ کا بیاں نوکِ زباں ہے
یعقوبؑ کی پُتلی غمِ یوسفؑ میں کنواں ہے یحییٰؑ کا لہو چاہ کی چشموں سے رواں ہے

دل تذکرۂ صدمہِ ایوبؑ سے شق ہو
۱۵ پر ذکرِ خلیلؑ آگ لگائے وہ قلق ہو

کس رنگ سے روضے میں رقم ہے یہ روایت کیا خلق میں بانیٔ حرم کی ہوئی محرمت
اِک رات کو تھے زیب دہِ بسترِ راحت سونا وہ ہوا دولتِ بیداریِ قسمت

الہام ہوا نذر میں دو نورِ نظر کو
اللہ پہ قربان کرو لختِ جگر کو

۱۶

عاشق کو بشارت ہوا وہ نور کا فرماں پھر کوششِ ہمت ہوئی اور جوششِ عرفاں
ظاہر کیا فرزند سے وہ مژدۂ پنہاں قربانِ خدا ہوتے ہو میں آپ کے قرباں

وہ بولے سر آنکھوں پہ اگر اُس کا پیام آئے
قربان کی وہ جان جو خالق کے نہ کام آئے ۱۷

باہر سے محل میں گیا یہ مژدۂ رنگیں زوجہ سے کہا لال کو دو خلعتِ تحسیں
زلفیں یہ سنوارو کہ ہر اِک چیں ہو بلا چیں ہو آئینہ رُخ صورتِ آئینہ خوش آئیں

سُرمے سے نہ محروم رکھو نورِ نظر کو
نوشاہ بنادو مرے ناشاد پسر کو ۱۸

سُن سُن کے یہ فرمان ہوئی زوجہ مخاطب ٹھہری کہاں شادی جو یہ سامان ہے صاحب
فرمایا کہ خوشنودئ محبوب ہے واجب سوچو تو ذرا ردِّ ضیافت ہے مُناسب

اِک دوست نے بندے پہ یہ احسان کیا ہے
قربان میں اِن کے اِنہیں مہمان کیا ہے ۱۹

یہ ہجر ہوا ہاجرۂ نیک کو آفت فرزند کے جانے کو سُنا ہائے مُصیبت
گہہ نالہ، گہے غش، گہے ماتم، گہے رقّت سُہرام پہ کہرام قیامت پہ قیامت

اے مومنیں صد آفریں باتو کے جگر کو
کس شان سے مرنے کے لئے بھیجا پسر کو ۲۰

واں ہاجرہؑ بیٹے کو کھلائے رُطَبِ تر اور تیسرے فاقے سے ہو یاں شاہؑ کا دلبر
جُز خونِ جگر کچھ نہ مُہیّا نہ میسّر اور اُس پہ غضب پیاس سے بسمل علی اصغرؑ

واں ہاجرہ کو پھولوں کا سہرا نظر آیا
یاں خوں میں بھرا چاند سا چہرا نظر آیا

۲۱

پر حکمِ پیمبرؐ کا جو بے آس کو تھا پاس نہلانے لگے اپنے گُلِ تر کو بصد یاس
بدرہ ہوا مہتابِ فلک مہرِ مبیں طاس سر دھویا تو چلّائے ملک لائے خدا راس
شملہ پہ بلا گرد تھا اقبال قمر کا
خورشید کا تکمہ تھا گریبانِ سحر کا

۲۲

سینے سے لگا کر کہا اماں ترے قرباں کچھ بوئے فراق آتی ہے تن سے ترے اِس آں
فرزندِ جگر بند نے کی عرض کہ اماں صبر آپ کو لازم ہے نہ جاں کیجئے ہلکاں
فدوی کا کہیں خون بہا دیتا ہے کوئی
مہمان کو تکلیف بھلا دیتا ہے کوئی

۲۳

انصاف سے بتلائیں مجھے صاحبِ ایماں ایسی بھی زمانے میں ہوئی خاطرِ مہماں
پیاسے کی ضیافت کو مہیّا ہیں یہ ساماں شمشیروں کے پھل آبِ دمِ خنجرِ بزّاں
غربت میں مسافر کو یہ راحت نہ ہوئی تھی
ایسی کسی مہماں کی ضیافت نہ ہوئی تھی

۲۴

القصہ خلیل الفتِ حق میں ہوئے بیتاب زوجہ سے کہا لایئے اِک کاردِ پُر آب
بندش کو رسن بھی ہو کہ عالم پہ کھلے خواب بیتاب ہوئی وہ صفتِ ماہیِ بے آب
چلّائی کہ حیرت میں یہ ناکام ہے صاحب
مہمانی میں اِن چیزوں کا کیا کام ہے صاحب

۲۵

وہ بولے کہ شاید ہو کہیں ذبح کی حاجت حیرت تھی کہ سکتہ ہوا آئینہ کی صورت
آخر کیا فرزندِ جگر بند کو رخصت پر سلسلہ جُنباں ہوا یاں شوقِ شہادت
کس شوق سے بیٹے نے کہا اپنے پدر سے
اب چشمِ تماشہ نہ رکھو نورِ نظر سے

۲۶

حسرت ہے کہ گردن سے کہیں خون ہو جاری جاں تن سے رواں ہوئے پئے خالقِ باری
عاشق کے لئے عیش ہے سختی ہو کہ خواری واجب ہو ملائک پہ مری تعزیہ داری
حق نے کہا حصہ ہے یہ خالق کے ولی کا
ماتم ہے فرشتوں کے لئے ابنِ علیؑ کا ۲۷

پھر بولے خلیل اے مرے آرام دل و جاں لو کرتے ہیں تم کو رہِ معبود میں قرباں
کر لیجے وصیت کہ نہ باقی رہے ارماں وہ بولے کہ ہاں کہنا ہے کچھ اے شہِ ذیشاں
گھر پر مرے ہمجولیوں کے جائیو بابا
ہر دوست سے مجرا مرا کہہ آئیو بابا ۲۸

کہنا مری جانب سے یہ ہر یار کو پیغام بندے نے جو صہبائے شہادت کا پیا جام
مرتے ہوئے یاد آگئے وہ عشرت و آرام وہ کھیل وہ یاروں کا تماشا سحر و شام
اب قبر میں بھی شاد ہمیں کیجیو یارو
اور کھیل میں بھی یاد ہمیں کیجیو یارو ۲۹

پر سخت ہے اکبر کی وصیت کا فسانہ چلتے ہوئے رو رو کے یہ باتو کو سنانا
اے والدہ جب تم سوئے یثرب ہو روانہ سارے مرے ہمجولیوں کو پاس بلانا
کہنا کہ مرے حق کو ادا کیجیو پیارو
پانی پہ مرا فاتحہ تم دیجیو پیارو ۳۰

کہنا کہ مری تشنہ دہانی کو نہ بھولیں جب نذر کا ساماں کریں پانی کو نہ بھولیں
درد و قلقِ احمدؐ ثانی کو نہ بھولیں بن بیاہے کی حسرت کو جوانی کو نہ بھولیں
شادی کے عوض میری عزا کیجیو پیارو
مجلس مرے ماتم کی بپا کیجیو پیارو

۳۱

صغراؑ کے تصور میں کبھی رو کے سناتے فرصت جو اجل دیتی تمھیں لینے کو آتے
پر ہائے قریں ہم تمھیں اس دم نہیں پاتے تم پاس اگر ہوتیں تو حال اپنا دکھاتے
تُم تَپ میں گرفتار ہو یاں دردِ جگر ہے
۳۲ کیا ہم پہ گزرتی ہے یہ کیا تم کو خبر ہے

فارغ جو وصیت سے ہوا ہاجرہ کا لال چاہا یہ پدر نے کہ کریں خوں سے زمیں لال
الفت کے تقاضے سے مگر غیر ہوا حال دیکھا نہ گیا باندھ لیا آنکھوں پہ رومال
کھٹکا تھا کہ تڑپیں گے یہ اندوہ و محن سے
۳۳ فرزندِ جگر بند کو باندھا تھا رسن سے

پر واہ رے صبرِ پسرِ فاتحِ خیبر دیکھا کئے آنکھوں سے تڑپتے رہے اکبرؑ
ہونٹوں پہ زباں، دل میں سناں، تیر جبیں پر ہاتھوں پہ رہی لاشِ پسر شکر سے لب تر
کہنے کو تو ایوبؑ نے بھی صبر کیا ہے
۳۴ شبّیرؑ سا صابر کوئی ہوگا نہ ہوا ہے

ایوبؑ کو پھر حق نے دکھائی وہی فرحت اِک دم میں شفا پائی حدیثوں سے ہے صحت
زندہ ہوا فرزند پھرا موسمِ راحت پر حال پہ شہؑ کے ہے یہ گردوں سے شکایت
ایسا کوئی گھر خلق میں برباد نہ ہو گا
۳۵ ویراں کیا ایسا کہ پھر آباد نہ ہوگا

لکھا ہے یہ ذبحِ پسرِ ہاجرہ کا حال گردن پہ چھری رکھتے ہی دل ہو گیا پامال
چکرائی زمیں چرخ کا سینہ ہوا غربال دُنبہ لئے حاضر ہوئے جبریلِ خوش اقبال
شہزادے کے بچنے کی ہوئی عید جہاں میں
ہفتوں رہا نوروز کا دن ہشت جناں میں

۳۶

ذبحِ پسرِ فاطمہؑ کا حال ہے جانکاہ جب قتل کے میداں میں گیا ابنِ یداللہ
لاکھوں تبر و تیر تھے اور اک جگر آہ دلسوز فقط دھوپ تھی اور لُو تھی ہوا خواہ

کہتا تھا کہ اے ناریو پابندِ محن ہوں
۳۷ سیّد ہوں، نبی زادہ ہوں، آوارہ وطن ہوں

میں وہ ہوں جسے دوش پہ احمدؐ نے چڑھایا میں وہ ہوں جسے عرش پہ خالق نے بلایا
قرآن کا حامل مرے لینے کو خود آیا جب پاؤں نہ تھے مرتبہ معراج کا پایا

کھیلا ہوں سدا بال و پرِ روحِ امیں پر
۳۸ میں گھٹنیوں بچپن میں چلا عرشِ بریں پر

کچھ بھی نہ سہی صاحبِ ایمان تو ہوں میں اِس پر نہیں قائل ہو تو انسان تو ہوں میں
سیّد نہ کہو خیر مسلمان تو ہوں میں اے بھائیو تم لوگوں کا مہمان تو ہوں میں

مظلوموں کی فریاد و بُکا سے نہیں ڈرتے
۳۹ کس طرح کے بندے ہو، خُدا سے نہیں ڈرتے

کس طرح کا منحوس ہے اُو سعد کے فرزند کُھلتا نہیں کچھ کیوں ہوا تُو کُفر کا پابند
رے کی جو ملے مِلک، تجھے شام سے دہ چند گر ہم کو دیا غم تو نہ ہوگا کبھی خُرسند

قبلے سے کبھی منہ کو پھرانا نہیں اچھا
۴۰ یہ جان لے سیّد کا ستانا نہیں اچھا

آگاہ ہے خالق کہ خطا وار نہیں میں اِس ظلم کا بے جُرم سزاوار نہیں میں
لے تو ہی بتا سیّدِ ابرارؐ نہیں میں لختِ جگرِ احمدِؐ مختار نہیں میں

کیوں بھول گیا قولِ شہنشاہِ عربؐ کو
کیا کہہ گئے تھے آل کو اور مصحفِ رب کو

۴۱

کیا عمرِ دو روزہ پہ گماں موت ہے اِک دن آخر ہے اجل لاکھ برس کا ہو اگر سن
خود خلق سے راہی ہوئے شاہِ بشر و جن دنیا میں فقط نام نِکو رہ گیا لیکن
زینت کو نہ دولت کو نہ آرام کو سوچے
۴۲ اوّل یہ عبادت ہے کہ انجام کو سوچے

محشر ہے گزر حشر کے میداں میں بشر کا تُو کیا ہے رسولوں کا بھی وہ وقت ہے ڈر کا
یہ حشر میں عالم ہے رسولوں کے جگر کا نام اپنا یہ سمجھیں گے کہ ہے نام پسر کا
نفسی کا سبق ہوئے گا ہر ایک نبی کو
۴۳ اُمّت کا فقط دھیان رسولِ عربیؐ کو

وہ گرمیِ خورشید کہ العظمتُ لِلّٰہ دوزخ کا وہ غصّہ وہ حرارت وہ پھُکن آہ
وہ توڑ کے زنجیریں تمھیں گھیرنا ناگاہ اُس وقت کہاں پاؤ گے دلسوز و ہوا خواہ
جن شخصوں کے دم نکلیں گے حیدرؑ کی وِلا میں
۴۴ خاتونِ قیامت اُنہیں ڈھانپیں گی ردا میں

او موذیِ مُختار جہنم میں ہے اِک مار ہم نامِ شدید آنکھ ہر اِک کوہِ گراں بار
تن زہر، نگہہ قہر، صدا صور، زباں نار اِک قطرۂ زہر اُس کا کرے خلق کو مسمار
حیدرؑ کے مخالف کے لئے قہر ہے اُس کا
۴۵ ہر دشمنِ زہراؑ کے لئے زہر ہے اُس کا

منہ پھیر کے ظالم نے کہا ہاں شہِ دیں ہو کچھ صاحبِ دولت ہو نہ تم تخت نشیں ہو
شہ اپنا یزید آج ہے تم کچھ بھی نہیں ہو نادیدہ سُخن اُس سے کہو جس کو یقیں ہو
مضموں یہ پُرانے ہوئے عالم نے سُنے ہیں
یہ حشر کے قصّے تو بہت ہم نے سُنے ہیں

۴۶

یہ سُنتے ہی جرار کے دل کو نہ رہی کل قبضے پہ رکھا ہاتھ گرجنے لگے بادل
پھر سانس کی صورت ہوئی جانوں کی چلا چل مردم تو ہیں کیا شیر ہوئے آنکھ سے اوجھل
مظلوم نے دیکھا جو ذرا ترچھی نظر سے
خوں چھوٹ پڑا کوہِ بدخشاں کے جگر سے

۴۷

ناگاہ چلے تیر، بجا طبل، ہلا چرخ لشکر پہ بڑھا شیر، گری برق، جُھکا چرخ
غُل تھا کہ اُٹھا درد، بڑھا قہر، گرا چرخ بھاگو کہ گئی جان، چلی تیغ، پھرا چرخ
واں بھی نہ کسی کی صفِ لشکر میں چلی تھی
لو، کھنچ گئی وہ تیغ جو خیبر میں چلی تھی

۴۸

اِک دم میں نہ اب چرخ کا ایواں ہے نہ کیواں زُہرہ صفتِ دیدۂ ہاروت ہے حیراں
پر رشتۂ اُلفت کا قضا نے کیا ساماں پشتِ فلکِ پیر میں دُنبل ہوا سرطاں
صف بستہ ملائک پئے تسلیم بڑھے ہیں
سلطانِ عرب شاہؑ ہُدا رن پہ چڑھے ہیں

۴۹

ہر آس ہوئی یاس تو ارماں ہوئے حرماں سُنبل کی روش گلشنِ ہستی ہے پریشاں
بہرام و فلاطوں یہ لبِ گور وہ بے جاں بُقراط کو ہے دشتِ جنوں خطۂ یوناں
ہر اہلِ خرد ورطۂ تخئیل میں ڈوبا
موسیٰؑ کے تصور سے فلک نیل میں ڈوبا

۵۰

زندوں کے لہو خشک ہیں مُردوں کے کفن تر پیرا تنِ مرحب کے لہو میں سرِ عنتر
کیا خاک کے چھینٹوں سے ہوا چرخِ کہن تر عقرب کے پسینے سے ہے ہر سانپ کا من تر
کیا موذیوں کی جان ستم جھیل رہی ہے
ہر سانپ کی صورت پہ قضا کھیل رہی ہے

۵۱

محشر ہے سُنو نامِ پسر باپ کو بھولا بارے گُلِ تازہ چمنِ دہر میں پھولا
بچوں کی طرح پیرِ فلک مہد میں جھولا گردوں کی طرح گرد پھری بن کے بگولا
بدلے گئے رستے یہ زمیں رن کی بلی ہے
۵۲ مُردوں کو بھی مر مر کے رہِ گور ملی ہے

اژدر تو مہیّا ہیں کہ چل دیجے دروں سے آمادہ ہیں روحیں کہ نکل جائیں گھروں سے
ہر صف میں ہے یہ شور کہ ہشیار سروں سے چلّائے فرشتے کہ خبردار پروں سے
جس وقت کہ یہ حشر اُٹھانے کو جُھکیں گے
۵۳ پھر صُور بجا، یا تو سرافیل پُھکیں گے

یہ عزمِ صفِ رزم جو فرمائے ہوئے ہیں شب دیز فلکِ سیر کو گرمائے ہوئے ہیں
پر نقشِ قدم چاند کو شرمائے ہوئے ہیں کیلیں دلِ سیّار کو برمائے ہوئے ہیں
چلتے ہوئے دیکھا نہ فرس جنّ و ملک نے
۵۴ پایا نہ جوانی کی طرح پیرِ فلک نے

معشوق کو پیار آتا ہے رہوار کے اوپر سیماب تڑپ جاتا ہے رفتار کے اوپر
پانی کی طرح پھرتا ہے تلوار کے اوپر مچھلی کی طرح تیرتا ہے دھار کے اوپر
پُتلی کو نہ آزار ہو رفتارِ فرس سے
۵۵ لچکے نہ ذرا تارِ نظر بارِ فرس سے

سُرعت کے مضامیں میں مجھے فکر تھی بارے بے ساختہ سدرہ سے یہ جبریل پکارے
اِک چوٹی کا مضموں ہے خزانے میں ہمارے پھر کرنے لگے سوئے مہِ نو یہ اشارے
اب قطعِ مسافت کا الم کیا ہے فلک کو
یہ نعل اُڑائے ہوئے پھرتا ہے فلک کو

۵۶

دو گام اِسے راہِ فنا راہِ بقا ہے رے کی نہ ہو تکرار، تو رہوار ہوا ہے
سائے کی بھی آہٹ اُسے اُکہر کی صدا ہے کیا راکب و مرکب کو شہادت کی ہوا ہے

رخش آتا ہے گلشن میں نگا رآتا ہے جیسے
شہ آتے ہیں معشوق پہ پیار آتا ہے جیسے

۵۷

انداز میں پرواز میں جرّہ سے زیادہ جلوہ مہِ پیشانی میں غرّہ سے زیادہ
کلغی میں جلا مہر کے طرّہ سے زیادہ آواز کا مد اُس کو ہے دُرّہ سے زیادہ

کس حُسن سے جینے کی ثنا آج بندھی ہے
ہے سب کو اچنبا وہ ہوا آج بندھی ہے

۵۸

جنت کی ہوا میں جو یکا یک ہوا جولاں رہوار پری بن گیا زیں تختِ سلیماں
صرصر نے قدم چوم کے کتنا کہا ہاں ہاں بن بن کے ہوا خواہ ہوا بولی میں قرباں

پر کُھل گئی اِک جست میں سب سلسلہ بندی
نے عرض تھا، نے طول، نہ پستی نہ بلندی

۵۹

عکس اُن کا پڑا مہرِ درخشاں کی جبیں پر یا برق گری خرمنِ خورشیدِ مبیں پر
یا چھائی گھٹا نور کی افلاکِ بریں پر بوندوں کے عوض تاروں کا مینہہ برساز میں پر

یہ حرف لبِ شوکت و اجلال سے نکلا
خوشید دوئم مشرقِ اقبال سے نکلا

۶۰

اِک مرتبہ ہیبت سے یہ لاغر ہوئے اعدا غنچہ میں گلستانِ جناں ذرّہ میں دنیا
در آیا ستاروں میں فلک قطرہ میں دریا جیسے بہ مثل ایک دل اور لاکھ تمنا

دیکھا جونہی اُس مالکِ شمشیر کا پنجہ
نے گرگ کے دنداں رہے نے شیر کا پنجہ

۶۱

طبل و دُہل و بوق کو سکتہ ہوا ڈر سے اور تاج اُڑے مثلِ ہُما شاہوں کے سر سے
خنجر گرے گھل گھل کے شجاعوں کی کمر سے ثابت ہوئے مزیخ و زحل فتنہ و شر سے
خورشید و مہِ نو نے کہا چرخِ بریں پر
اب کھول کے رکھ دو سپر و تیغ زمیں پر ۶۲

انساں ہمہ تن چشم بنے بہرِ تماشا رن میں اُتر آئے ملکِ عالمِ بالا
حاضر کہیں یوسفؑ کہیں عیسیٰؑ کہیں موسیٰؑ موجود کہیں ہاجرہؑ و مریمؑ و حواؑ
استادہ تھی بلقیس سلیمانؑ کے پیچھے
جنت بھی چلی آتی تھی رضوان کے پیچھے ۶۳

جنّات میں غُل تھا یہ سلیمانؑ ہے سلیمانؑ قسمیہ تھے رومی کہ ہے اسکندرِ دوراں
مصری یہ جھگڑتے تھے کہ ہے یوسفِؑ کنعاں کہتے تھے یہودی کہ یہ ہے موسیٰؑ عمراں
عیسائی دھرے دستِ سلام اپنی جبیں پر
کہتے تھے مسیحا اُتر آیا ہے زمیں پر ۶۴

یاں تازیِ غازی سے ظفر بولی سنبھل جا اور اژدرِ نیزہ سے کہا سب کو نگل جا
دی ماہیِ شمشیر کو آواز اُچھل جا فتنے سے کہا تُو کہیں اِس وقت نکل جا
جبریل پکارے ترے صدقے میں خوزادے
ہاں معرکہ بدر کا رنگ آج دکھا دے ۶۵

تلوار تھی جرّاح تو مجنون وہ بد خو سودا کے لئے کھولتی تھی فصدِ سرِ دو
بُحران کی مانند غُل اور شور تھا ہر سُو صفرا کے لئے تیغِ تُرش رو ہوئی دارُو
دق ہونے سے دل ضیق میں تھے فوجِ عدو کے
صفرا کو بھی سودا ہوا جلنے سے لہو کے

۶۶

ہر زخمِ عدو بن گیا طوفان کا تنور یہ کشتیِ دریائے عدم تھی ہمہ تن نور
طُرفہ تھا یہ شاخِ شجرِ طُور کا دستور پانی کو تو آگ اُس نے کیا آگ کو کافور

وہ اہلِ قلم ہے کہ قلمرو میں جہاں ہے
منہ کھولے تو چاقو سے سوا چاق زباں ہے ۶۷

جو گُل ہے ہوا خواہ بہار اُس کے لئے ہے جو نقشِ وفا سمجھے نگار اُس کے لئے ہے
جو باغیوں میں جیتا ہے ہار اُس کے لئے ہے پانی پہ جو قابض ہے یہ نار اُس کے لئے ہے

چلّائے گہر ہائے جلے پانی میں توبہ
ترتے ہوئے کہتے ہیں گلے پانی میں توبہ ۶۸

داغی ہیں جگر جیسے کلیجے سپروں کے تالاب نظر آتے ہیں اعدا کے گھروں کے
ہاتھوں کے ہیں انبار ذخیرے جگروں کے کُشتوں کے اِدھر پُشتے اُدھر ڈھیر سروں کے

رستہ جو نہ تھا ہونٹوں پہ ہی جان رُکی تھی
ملتی جو کہیں راہ قضا بھاگ چکی تھی ۶۹

بھولے تھے فریب و حسد و مکر کو کیدی خود موت کے پنجے میں گرفتار تھے صیدی
مُرغانِ مہ و مہر عدم میں ہوئے قیدی تھی چرخ کے بیضہ میں نہ زردی نہ سپیدی

پھرتی تھی فقط مہر کے بدلے نظر اُس کی
شہروں میں پھری چاند کی صورت خبر اُس کی ۷۰

جُھکنے میں اصالت ہے چمکنے میں تحلّا خَم خُم میں مہِ عید سے جھکتا ہوا پلّہ
یوں اُنگلی کو لپٹے کہ ہو ہر دل کو تولّا جس طرح کہ پیارا کسی معشوق کا چھلّا

یہ گھاٹ تھا اُس میں کہ عجب خوف بڑھا تھا
دن چرخ پہ سورج کی چمک لے کے چڑھا تھا

۷۱

بہکی میں نہ آئی وہ بہکتی ہوئی آئی موت آئی تو بے شک، پہ دبکتی ہوئی آئی
جان آئی لبوں پر پہ جھجکتی ہوئی آئی ہچکی بھی جو آئی تو ہچکتی ہوئی آئی

کافی ہے صدا روک کی اور ٹوک کی خاطر
پھرتی ہے زبانوں پہ فقط نوک کی خاطر

۷۲

کیوں منزلت اس کی ہو نہ قرآں کی طرح سے جبریلِ امیں لائے ہیں ایماں کی طرح سے
آجائے جدھر ترچھی نظر بانکی طرح سے فوجوں کو اُلٹ دے صفِ مژگاں کی طرح سے

اِس حُسن پہ پھر خُلق و تواضع کی دھنی ہے
حیدرؑ سے جواں مرد کی خاطر یہ بنی ہے

۷۳

تیغ آئی قضا پر کہ دہن میں بھی تھی گویا ہر سُو تھا یہی غُل اِسے کھایا اُسے کھویا
گر خواب میں بھی دیکھ لی یہ تیغ تو رویا آئینہ ہوا یوں رُخِ اسلام کو دھویا

کہنے کو تو بل کھاتی ہے خوں پیتی ہے تلوار
کھائے نہ پیئے دیکھ کے رن جیتی ہے تلوار

۷۴

ناگاہ اُٹھا شور کہ سرورؑ کی دہائی مارا ہمیں اِس تیغ نے حیدرؑ کی دہائی
اُمت ہوئی برباد پیمبرؐ کی دہائی بندے ہوئے ہم خالقِ اکبر کی دہائی

بخشو ہمیں اکبرؑ کی جوانی کا تصدّق
معصوم کی خوشکیدہ زبانی کا تصدّق

۷۵

بے رحموں پہ رحم آگیا شاہِؑ دوسرا کو طاعت کا خیال آیا شہِؑ کرب و بلا کو
کاٹھی میں رکھا چوم کے شمشیرِ خدا کو فرمایا کہ اب نکلے گی تُو روزِ جزا کو

دنیا سے گئے خُلد کو سب صاحبِ شمشیر
اِس گھر میں نہ ہوگا کوئی اب صاحبِ شمشیر

۷۶

ناگاہ بڑھے چاروں طرف سے ستم اطوار برچھیت چپ و راس پس و پیش کماں دار
تیغوں کا اُٹھا ابر، ہوئی تیروں کی بوچھار گویا دہنِ زخم سے پیدا تھا ہر اِک بار
مرجائیں گے خود نیزہ و شمشیر نہ مارو
۷۷ دم لینے دو اِک ساتھ تو سو تیر نہ مارو

زخمی تھا جگر قلب تھا تیروں کا نشانہ تکتے تھے ہر اِک شخص کا منہ شاہِؑ یگانہ
بازو پہ لگی تیغ جدا ہو گیا شانہ غش کھا کے ہوئے زیبِ زمیں شاہِؑ زمانہ
گرتے ہی لگا وار قفائے شہِؑ دیں پر
۷۸ سجدے کے لئے جھک گئے مقتل کی زمیں پر

یاں قبلہِ معبود تھے اور یادِ الٰہی بالیں پہ پئے ذبح فراہم تھے سپاہی
منظور تھی سادات کے بیڑے کی تباہی پر تیر لگانے میں توقف کی مناہی
ہلتے تھے جگر رعبِ شہنشاہِ عرب سے
۷۹ نزدیک نہ آتا تھا کوئی پاسِ ادب سے

اُس غول میں تھا ایک جواں مرد نمودار بصرے سے چلا تھا پئے قتلِ شہِؑ ابرار
دولت کی ہوا میں تھا جہنم کا طلبگار کس شوق سے بڑھنے لگا وہ تول کے تلوار
اِک دم میں مگر خادمِ دیرینہ ہوا وہ
۸۰ صورت پہ نظر کرتے ہی آئینہ ہوا وہ

کس درد کی آواز سے بولے شہِؑ عادل بھائی تُو مرے خون میں کیوں ہوتا ہے شامل
یاں آپ کوئی دم ہے کہ بے جاں ہے یہ بسمل اِس یاس کی باتوں پہ جگر ہوگیا گھائل
نعلین کے بوسے تھے کبھی پاؤں پہ سر تھا
گردوں کی طرح دم میں بِلا گرد قمر تھا

۸۱

دل نورِ تولاّ سے ہوا وادیِ ایمن ہر طرح کیا دولتِ ایمان نے ایمن
سب داغِ گنہہ دھوگئی چمکا رُخِ روشن ابرِ کرم و لطف ہوا خضر کا دامن
اِک دم میں کدھر لے گئی تقدیر کدھر سے
فردوس میں داخل ہوا وہ راہِ سقر سے

۸۲

بولا مرے سیّد مجھے ذلّت سے بچا دے اے موت کے عاشق مجھے مرنے کی رضا دے
اے خضر کے رہبر مجھے رستے سے لگا دے شہؑ بولے کہ بھائی یہ گماں ویسے بھلا دے
باہر تری خدمت سے یہ ناکام نہیں ہے
پر کیا کریں محضر میں ترا نام نہیں ہے

۸۳

اس دشت، پُر آشوب سے تُو جلد ہو راہی نزدیک ہے احمدؐ کے سفینے کی تباہی
ہے خوفِ نزولِ غضب و قہرِ الٰہی تڑپیں گے کوئی دم میں برابر مہ و ماہی
فریاد کو سُن کر جو نہ امداد کریں گے
مرجانے پہ یہ وقت بہت یاد کریں گے

۸۴

پر دیکھئے اعجازِ عطائے شہؑ والا وہ خون بھرا ہاتھ گریبان میں ڈالا
پردے سے چمکتا ہوا یاقوت نکالا فرمایا کہ اے بندۂ اللہ تعالیٰ
حالِ دمِ رخصت نہ تجھے یاد رہا تھا
کہہ چلتے ہوئے کیا تری دختر نے کہا تھا

۸۵

لے ہم تری دختر کے لئے دیتے ہیں سوغات پر جلد خبر لے کہ تڑپتی ہے وہ دن رات
ہیں سخت ترے ہجر میں بچّی پہ صعوبات میں دردرسیدہ ہوں مجھے شاق ہے یہ بات
ہے داغ تری طرح ہمارے بھی جگر پر
اِک دُخترِ بیمار کو چھوڑ آئے ہیں گھر پر

۸۶

بیمار تھی شدّت سے وہ گردوں کی ستائی کیا جانئے عُسرت میں دوا پائی نہ پائی
مدّت ہوئی اب تو کہ خبر بھی نہیں آئی شاید کہ مرے ہجر میں جاں اُس نے گنوائی
رو رو کے مرے غم میں قضا کر گئی صغراؑ
اُٹھا نہ جدائی کا قلق مر گئی صغراؑ

۸۷

یہ کہتے تھے جو شمر بڑھا کھینچ کے تلوار اور سجدۂ آخر میں جھکے سیّدِ ابرارؑ
آگے جو ہوا ظلم نہیں قابلِ اظہار ڈر ہے کہ نہ بے ہوش ہوں حضرتؑ کے عزادار
سُن لے وہ جفائیں یہ کہاں تاب بشر میں
کافی ہے یہ مضموں کہ اُٹھا درد جگر میں

۸۸

زینبؑ یہ بیاں کرتی تھی بکھرائے ہوئے بال در پیش ہے ذبحِ پسرِ ہاجرہؑ کا حال
وہ ہاجرہؑ کا لال تھا یہ صابرہؑ کا لال پر فرق ہے اتنا یہاں قاتل ہے بد افعال
اے عرشیو سیّد کو بچانے نہیں آتے
جبریلِ امیں خُلد سے دُنبہ نہیں لاتے

۸۹

قاتل نے اِدھر سر تنِ سرورؑ سے اُتارا جابر نے عمامہ سرِ اطہر سے اُتارا
مالک نے زرہ جامہ کو پیکر سے اُتارا اسحاقؑ نے کُرتا تنِ بے سر سے اُتارا
لاشہ جو سلیمان کا تھا دیووں کے بس میں
اُنگلی بھی ہوئی قطع انگوٹھی کی ہوس میں

۹۰

تھی زینبؑ بیکس کی دُہائی مرے بھائی پردیس میں یوں آنکھ پھرائی مرے بھائی
تم سو گئے میں آنے نہ پائی مرے بھائی اُٹھو مرے بھائی، مرے بھائی، مرے بھائی
یہ گُل سا بدن خاک پہ مُرجھائے گا بھائی
خیمے میں چلو دھوپ میں غش آئے گا بھائی

۹۱

صدقے گئی خواہر کے کھلے سر کو تو دیکھو اے بھائی ذرا جلتے ہوئے گھر کو تو دیکھو
زخمِ کمرِ عابدؑ مضطر کو تو دیکھو منہ سُرخ ہے سجادؑ کے دلبر کو تو دیکھو
لو جاتی ہوں رُکنے کی اجازت نہیں بھائی
ہے ہے مجھے رونے کی بھی مہلت نہیں بھائی ۹۲

اے خاک اِسے نرم بچھونے پہ سُلانا اے مہرِ مبیں دھوپ میں تُو چتر لگانا
اے بادِ صبا لاشے پہ رومال ہلانا اے بے کفنی جسمِ برہنہ کو چھپانا
اے یاس محمدؐ کے نواسے سے خبردار
اے نہر کئی روز کے پیاسے سے خبردار ۹۳

بس بزمؔ حزیں احمدؐ و زہراؑ ہوئے بے ہوش ہلتا ہے عزا خانہ یہ رقّت کا ہوا جوش
زہراؑ کو غش آیا ارے خاموش ہو خاموش آقا سے ہوئے سُرخرو یہ مردِ سیہ پوش
دُنیا میں نصیب اِن کو یہ ملبوسِ حرم ہے
اور روزِ جزا سایۂ دامانِ حرم ہے

مرثیہ: ۲۷

درحال حضرت عباس علمدار علیہ السلام

مطلع

غَیرَتِ ساغرِ جمشید ہوا جامِ سُخن

تعدادِ بند: ۹۲

۱

غیرتِ ساغرِ جمشید ہوا جامِ سُخن عرشِ مضموں جسے کہتے ہیں وہ ہے بامِ سُخن
سحرِ خُلد نہ کس طرح بنے شامِ سُخن نظر آنے لگا آغاز میں انجامِ سخن
طبع اِس رنگ کی دنیا میں کہاں ہوتی ہے
مشق پیری کی جوانی میں عیاں ہوتی ہے

۲

باغبانِ چمنِ مدحِ امامؑ دوسرا صدفِ گوہرِ توصیفِ شہنشاہِ ہُدا
قمرِ بُرجِ سُخن آئینۂ دل کی ضیا شمعِ بزمِ فصحا نُزہتِ باغِ شعرا
یہ شرف میرے سوا اور نے کب پائے ہیں
ہاں مِری طبعِ رسا نے یہ لقب پائے ہیں

۳

رشکِ فغفور ہوں غیرت دہِ دارا ہوں میں مُلک ہے مِلکِ معانی سخن آرا ہوں میں
آتشِ الفتِ سرورؑ کا شرارا ہوں میں عرشِ مضموں کا، چمکتا ہوا تارا ہوں میں
شمع ساں کیوں نہ جلیں خَلق میں دشمن مجھ سے
آفتابِ فلکِ نظم ہے روشن مجھ سے

۴

ہم زباں مونس و دمساز مجھے کہتے ہیں خوش بیاں صاحبِ اعجاز مجھے کہتے ہیں
مدح خواں ہمدم و ہمراز مجھے کہتے ہیں ہمہ داں بُلبُلِ شیراز مجھے کہتے ہیں
وجہِ شادابیِ گُلزارِ معانی ہوں میں
جوہرِ آئینۂ سحر بیانی ہوں میں

۵

ہاں قلم حملۂ ضرغامِ الٰہی دکھلا غول پر غول سپاہی پہ سپاہی دکھلا
فوجیں برباد ہوں وہ رن میں تباہی دکھلا لشکرِ شام کو پھر سطوتِ شاہی دکھلا
رقصِ بسمل کا تماشا نظر آئے سب کو
دشت میں لاشے پہ لاشہ نظر آئے سب کو

۶

خسروِ ذہنِ رسا کی یہ منادی ہوئی عام فوجِ معنی و مضامیں ہو کمر بستہ تمام
حُسنِ بندش کی صفیں بندھ کہ کریں رن میں وہ کام جس سے بیکار ہو سب نظمِ نظامی کا نظام

عہدہ تفویض بلاغت کو ہو سالاری کا
کام انجام فصاحت دے علمداری کا

۷

لو ہوئے آمدِ لشکر کے یکایک ساماں نیزہ بازی کے لئے کِلک نے گاڑا وہ نشاں
اُمڈی ہر سمت سے مضمون کی وہ فوجِ گراں نظر آنے لگا دریائے سُخن میں طوفاں

مورچے بندھنے لگے کُھل گئے لنگر ہر سُو
دشتِ کاغذ میں ہے رنگِ صفِ محشر ہر سُو

۸

مورچے لشکرِ اغلاط کے ہیں زیر و زبر بڑھ کے کیوں صحتِ لفظی نہ کہے پیشِ نظر
ہیں جگر چاک تشدّد ہے یہ تشدیدوں پر جزم کی ہیبتِ مُو، کب سے خمیدہ ہے کمر

صفیں استادہ ہیں سطروں پہ گماں ہوتا ہے
مد سے پرچم کا نشاں صاف عیاں ہوتا ہے

۹

بند کاغذ پہ ہے یا فوج کا اِک دستہ ہے صفِ لشکر سے سِوا مصرعہ برجستہ ہے
لفظِ عاطف ہے کہ سرہنگ کمر بستہ ہے آمدِ تُرک مضامیں سے چمن رستہ ہے

جا بجا نقطے ہیں انداختہ سنگوں کی طرح
مرکزِ کاف بھی ہیں لَیس خدنگوں کی طرح

۱۰

مثلِ خنجر کے کشیدہ ہیں الف آپ تمام شین سے صاف عیاں ہوتی ہے شکلِ صمصام
میم ہیں گُرز نہیں اِس میں سُخنور کو کلام دائرے نون کے ہیں لَیس کہ دیں قوس کا کام

کِلکِ راقم کی صریریں جو صدا دیتی ہیں
دم بہ دم دادِ شجاعت بخُدا دیتی ہیں

۱۱

شام کی فوجوں کے بادل ہیں تہہِ چرخِ کہن تیرگی میں شبِ تاریک کا ہم رنگ ہے رن
صورت بحر لبِ جُو ہے، سپاہِ دشمن گھاٹ پر نوحؑ کا طوفاں ہے بپا ہلتا ہے بَن
شور ہے چار طرف لاشوں سے رَن پاٹیں گے
۱۲ تیغِ پُرآب سے پیاسوں کے گلے کاٹیں گے

ایسے بودوں کے لئے چاہئیں حربیں وہ شدید سرکشی جن کے مقابل نہ کرے دیوِ مرید
سرنگوں جنگ میں ہوں حارث و مرحب سے پلید ایک ہی حملے میں تر بھر ہو ابھی فوجِ یزید
ہاتھ اُٹھے جو یداللہ غضنفر کی طرح
۱۳ شام کے در کو اُکھاڑیں درِ خیبر کی طرح

ایسے غزووں کے لئے چاہئے ایسا ضرغام جس کی دہشت سے ہرن رن میں ہوں روباہ تمام
ہو وہ سیّاف کہ مشہور ہو جس کی صمصام جس کی ہیبت سے ہو خم دشت میں ہر ایک حُسام
نہیں ممکن کہ انہیں شیرِ ژیاں زیر کرے
۱۴ ثانیٔ حیدرؑ صفدر ہو تو ہاں زیر کرے

اے ہزبرِ اسدؑ اللہ شجاعت دکھلا آج پھر فاتحِ خیبر کی جلالت دکھلا
اسدؑاللہ سے جرار کی شوکت دکھلا پھر قلم ہوں پرِ جبریل وہ ضربت دکھلا
چھین لے آکے ترائی سپہِ اعدا سے
۱۵ خوں کی وہ نہر بہادے جو ملے دریا سے

خلق میں تجھ سا نہیں کوئی دلاور زنہار دہر میں شہرۂ آفاق ہے تیری پیکار
نام لے کر ترا لیتے ہیں تہمتن تلوار تیری ہیبت سے لرزتے ہیں زمین و کہسار
تیغ زن خوف سے کب جنگ میں دَم لیتے ہیں
دبدبہ دیکھ کے سرکش بھی قدم لیتے ہیں

۱۶

لو سُنو آمدِ ضرغام کی ہیبت کا بیاں متزلزل ہے زمیں فوجِ عدو ہے لرزاں
مضطرب پھرتی ہے ہر سمت ہوا بھی حیراں ہوش کی طرح سے اُڑتا ہے غبارِ میداں
آسماں تک تُتقِ گرد نظر آتا ہے
۱۷ خاک کے پردے میں گردوں بھی چھپا جاتا ہے

ہے صبا مُضطرب الحال پریشاں ہیں طیور اُڑتے پھرتے ہیں ہر اک سمت ہوا میں عُصفور
کوہ کاہیدہ ہوئے جاتے ہیں غم کا ہے وفور آمدِ قہرِ الٰہی کا ہے میداں میں ظہور
شاخیں یوں کانپتی ہیں برگِ شجر جھڑتے ہیں
۱۸ ہے پہاڑوں کا یہ عالم کہ بھکے پڑتے ہیں

متزلزل ہے زمیں دشت کی ہلتے ہیں جبال چشمِ حیرت سے کھڑے دیکھتے ہیں سارے غزال
آمدِ شیر کی دہشت سے ہوا ہے یہ حال کوئی سرہنگ بڑھے آگے نہیں اتنی مجال
تیغ زن کہتے ہیں وہ صاحبِ صمصام آیا
۱۹ بزدلو بھاگو کہ بپھرا ہوا ضرغام آیا

صورتِ دار نظر آتے ہیں نخلِ شمشاد نکہتِ گُل ہے پریشاں تو صبا ہے برباد
عندلیبوں کو گُلستاں کی حکایت نہیں یاد طوق کی قید سے قمری بھی نہیں ہے آزاد
نخلِ گُل بید کی مانند جو تھرّاتا ہے
۲۰ رنگ پھولوں کا دھواں بن کے اُڑا جاتا ہے

واہ رے رُعبِ علمدارِ امامِؑ ابرار برگ گرتے ہیں لرزتے ہیں نہالِ گلزار
خود پریشان ہے سُنبل کی بھی زُلفِ خمدار بھاگی جاتی ہے ہر اک باغ سے گھبرا کے بہار
گلشنِ دہر میں بند امن کا دروازہ ہے
غنچے خاموش ہیں گویا کہ اَلم تازہ ہے

۲۱

اثرِ آمدِ غازی ہے سُخن میں بھی عیاں ڈر سے جنبش میں ہیں سب بیتِ سُخن کے ارکاں
رُکن سالم رہیں کیا بحر میں جب ہو طوفاں قافیہ تنگ ہے دہشت سے روی کی ہر آں
اپنے قابو میں یہاں دخل سُخن رس کا نہیں
۲۲ قید خانہ ہے ہر اِک بند مسدّس کا نہیں

خوف سے نظم میں بھی رنگِ شگرف آیا ہے جہاں مصدر کا ہے موقع وہاں ظرف آیا ہے
صرفِ اندوہ ہے جو صیغۂ صرف آیا ہے بے دلی کے سبب الفاظ پہ حرف آیا ہے
اثرِ آمدِ ہم رتبۂ حمزہ دیکھو
۲۳ مُنحنی ہو کے خمیدہ ہوئی ہمزہ دیکھو

ذکر کیا لفظوں کا جب زیر و زبر خود ہوں نقاط مستعد ہے الف و نوں پہ بلائے اسقاط
حرف اِس خوف میں تحریف سے گو ہیں محتاط پر ہر اِک رُکن میں مخلوط ہے مثلِ اخلاط
کمریں باندھ کے موجود ہیں ناصر کی طرح
۲۴ چاروں ارکان فراہم ہیں عناصر کی طرح

نحو خود محو ہے کیونکر رہے شانِ ترکیب حرفِ علّت ہوئے اعراب یہ ہے رنگِ عجیب
مثلِ غائب کے نہاں ہو گئے الفاظِ غریب حالتِ کرب میں ماضی ہے گزرنے کے قریب
رنگِ آمد جو زبانوں پہ عیاں ہو گئے ہیں
۲۵ حال و آئندہ مضارع میں نہاں ہو گئے ہیں

نصب ہے قلبِ نواصب میں سنانِ غم و ہم جار سے کھنچتا ہے مجرور کا دل صورتِ دَم
حرف ظاہر جو ہیں وہ مُچھنے پہ عازم ہیں بہم لام اور میم رقم ہو کے بنا نفی کا لَم
دیکھنے کے لئے جُملے ہیں پہ وہ بات نہیں
نفی تو نفی کہ مُثبت کو بھی اثبات نہیں

۲۶

کر کے تسلیم شہِ دیں کو ہٹا وہ صفدر باندھی جرار نے مرنے کے لئے چست کمر
اسپ ضرغام جو حاضر تھا درِ دولت پر یا علیؑ کہہ کے چڑھا رخش پہ وہ نیک سیر
باگ لی شیر نے رہوار سُبک تاز اُڑا
۲۷ طائروں میں یہ ہوا شور وہ شہباز اُڑا

دیکھ کر آمدِ فرزندِ شہِ قلعہ کشا دی یہ جاسوسوں نے افواجِ ستمگر کو صدا
ہاں سرانِ سپہِ شام یہ ہے وقتِ وغا نہر پر آنے کو ہے ضیغمِ ضرغامِ خدا
جستجو پانی کی ہے تیغ بکف آتا ہے
۲۸ ایک مشکیزہ بھی وہ بحرِ کرم لاتا ہے

واہ رے حُسنِ علمدارِ شہنشاہِ غیور روئے روشن کے مقابل ہوئی گُل مشعلِ طور
رُخِ تاباں کی ضیا سے ہوا صحرا پُر نور ذرّہ ذرّہ سے ہوا مہرِ تجلّا کا ظہور
شور تھا ماہِ یدّاللہ نظر آتا ہے
۲۹ باندھ کر تیغِ ہلالی وہ قمر آتا ہے

وہ جلال و حشم و رعبِ علمدارِ جواں زہرہ پانی ہوا ابھی دیکھ لے گر شیرِ ژیاں
بدر پیشانیٔ عباسؑ سے روشن ہے جہاں نور میں ہے یہ جبیں غیرتِ ماہِ تاباں
کیوں نہ شرمندہ رہیں شمس و قمر گردوں پر
۳۰ چہرے دونوں کے ہیں فق شام و سحر گردوں پر

وہ نشاں سجدۂ باری کا وہ ماتھے کی ضیا بدر کے پاس سہیلِ یمنی ہے گویا
مہِ کامل یہ جبیں اور وہ کلف ہے بخدا چمنِ خُلد میں سُوسن کا ہے یا پھول کھلا
یہ نشانِ کرم و لُطفِ شہِؑ والا ہے
چوم کر آپؑ نے ماتھے پہ نشاں ڈالا ہے

۳۱

پیاری وہ آنکھ پڑے جس پہ غزالوں کی نظر دلِ دشمن پہ چلیں سینکڑوں تیر و خنجر
دیکھ کر موئے مژہ کہتے ہیں اربابِ بصر ذوالفقارِ اسدُاللہ کے ہیں یہ جوہر
جب کوئی اہلِ ستم منہ پہ سپر لیتا ہے
کام نیزے کا ہر اِک موئے مژہ دیتا ہے

۳۲

تازگیِ گُلِ عارض کی ثنا جب ہو رقم شاخِ طوبیٰ کا قلم خُلد سے لے آئیں قلم
وہ ہر اِک رنگ کے قرطاس پہ ہوں پھول بہم تختہ کاغذ کا بنے تختۂ گلزارِ اِرم
نکہت اِس باغ کی یوں تا بہ فلک جانے لگے
کہ بہارِ چمنِ خُلد بھی شرمانے لگے

۳۳

مُشک سے بڑھ کے ہیں خوشبو و معنبر گیسو سُنبلِ گُلشنِ جنّت سے ہیں بہتر گیسو
دل کو ہوتا ہے گماں دیکھ کے رُخ پر گیسو ہیں یہ آئینۂ رُخسار کے جوہر گیسو
رُخِ انور کے قریں کاکُلِ خمدار بھی ہے
کیا تماشا ہے کہ دن بھی ہے شبِ تار بھی ہے

۳۴

ہاں دہن کی کوئی تشبیہ نہ کوئی ہے مثال کیوں نہ ہر اہلِ سُخن کی ہو زباں مدح میں لال
لب ہیں یا ہیں فلکِ حُسن کے تابندہ ہلال نطق ہے بند فصیحوں کو نہیں تابِ مقال
باتیں ایسی ہیں کہ سب جان فدا کرتے ہیں
خود مسیحا بھی انہی ہونٹوں کا دَم بھرتے ہیں

۳۵

ہو قیامت کہوں قامت کو اگر میں شمشاد گر لکھوں سرو تو ہوں قمریاں محوِ فریاد
گر ثباتِ قدمِ شیر کی لکھوں روداد جم کہ رہ جائے سرِ صفحہ رواں ہو نہ مِداد
آگے مطلق نہ بڑھے شق ہو جگر خامے کا
ہو قلم جوش میں ہر مرتبہ سر خامے کا

۳۶

فوجِ اللہ و پیمبرؐ کا ہے کاندھے پہ نشاں شان کو دیکھ کے سو جاں سے ہے طوبیٰ قرباں
ہاتھ آیا علمِ بادشہِ کون و مکاں ہمسرِ جعفرِ طیار ہوا شیرِ ژیاں

پنجہ خورشیدِ درخشاں کی طرح تاباں ہے
سبز رایت ہے کہ نخلِ چمنِ رضواں ہے ۳۷

شان وہ رایتِ حیدرؑ کی وہ صفدر کا جمال دشت میں پیشِ نظر ہے شہِ مرداں کا جلال
ہے نشانِ شہِ ذیشاں کا یہ ادنیٰ سا کمال کُھل گیا جب سرِ میداں تو ہوئی فتح جدال

اہلِ جنّت اِسے ایماں کا شجر کہتے ہیں
مدعی نخلِ گلستانِ ظفر کہتے ہیں ۳۸

مشک ہمراہ لئے آتا ہے سقائے حرم پہلوئے شیر میں یا دودِ جگر ہے یہ بہم
شور کرتی ہے لبِ نہر سپاہِ اظلم جُستجو پانی کی رکھتا ہے یہ دریائے کرم

بھائیو یاں سے نہ لے جائے یہ سقّہ پانی
لبِ قُلزوم پہ ہے مشکِ حرم کا پانی ۳۹

اب فُغاں لے کی نہ فریادِ جلاجل کا ہے شور دم بخود خوف سے بہرام سا ئیل ہے تہہِ گور
اژدر و مار بھی پوشیدہ ہوئے صورتِ مور خون کے ساتھ دلیروں کا گھٹا جاتا ہے زور

غُل ہوا دشت میں وہ بادِ بہاری آئی
پسرِ صاحبِ دُلدُل کی سواری آئی ۴۰

لو وہ میدان میں آیا شہِ عادل کا پسر دور ظُلمت ہوئی ضو سے تو جُدا خیر سے شر
کُفر آفاق سے، بُت دَیر سے، دولت سے ضرر باغ سے بادِ خزاں، ریگِ رواں سے صرصر

موت جانوں سے تو امراض بدن سے ہیں جُدا
داغ لالے سے الگ پھول چمن سے ہیں جُدا

۴۱

ناگہاں رن میں رجز خواں جو ہوا وہ ضرغام گور میں کانپ گیا خوف سے جسمِ بہرام
غیظ میں کی جو دلاور نے نظر سوئے حسام بید کی طرح سے تھرّانے لگے ہم سرِ سام
غیظ میں زُلفِ علمدار جو بَل کھانے لگی
قلعۂ چرخ کی بنیاد بھی تھرّانے لگی ۴۲

نعرہ زن رن میں ہوا یوں اسدِ شیرِ خدا میں ہوں بازوئے جگر بند شہِ قلعہ کشا
آب ہوتا ہے مرے ڈر سے اسد کا زُہرا کیا جچے میری نگاہوں میں جنودِ اعدا
شہرۂ دستِ خدا ماہ سے تا ماہی ہے
میرے ہاتھوں میں وہی زورِ یداللّٰہی ہے ۴۳

جنگِ خیبر کی زمانے میں نہیں کس کو خبر بابِ علمِ شہِ ذیشاں نے اُکھاڑا وہ در
جب ہوا برسرِ پُرخاش جنوں کا لشکر باندھ کر چُست کمر کھول دیا بابِ ظفر
شُعلۂ تیغِ شرر دم نے جلائے ناری
آتشی ہو کے بھی ٹھنڈے نظر آئے ناری ۴۴

کیوں نہ ہو ضیغمِ رب فارسِ میدانِ ظفر رائجِ دینِ نبیؐ مالکِ شمشیرِ دو سر
صدفِ بحرِ جلالت کا دُرخشندہ گُہر زینتِ ارض و سما نوردہِ شمس و قمر
دہاک تا چرخِ بریں تیغِ یداللہ کی ہے
روشنی عالمِ امکاں میں اِسی ماہ کی ہے ۴۵

خسروِ مُلکِ عرب، ہاشمی و مطّلبی ذی شرف جوہرِ آئینۂ عالی نسبی
شیرِ حق قوتِ بازوئے رسولِ عربی قاسمِ خُلد بہارِ چمنِ شرعِ نبیؐ
وقتِ پیکار لڑے بڑھ کے سپاہِ جن سے
آج تک گلشنِ اسلام ہے تازہ اِن سے

۴۶

حاملِ رایتِ دیں خالقِ اکبر کے ولی قاہلِ لشکرِ کفّار شجاعِ ازلی
اِن کی تلوار سرِ حارث و مرحب پہ چلی کیوں نہ ہو رُتبہ حیدرؑ پہ سند نادِ علیؑ

جُو علیؑ کس کو ملا رُتبہِ اعلیٰ ایسا
۴۷ اور بھی کوئی خدائی میں ہے بندہ ایسا

ناگہاں دی عمرِسعد نے بڑھ کر یہ صدا آپ ہیں شیرِ نیستانِ نجفِ سیفِ خدا
ہم کو جنگ آپ سے منظور نہیں ہے حاشا یہی بہتر ہے نہ ہوں آپ بھی سرگرمِ وغا

الفتِ سیّدِ مظلوم میں کیا رکھا ہے
۴۸ آپ کی نذر کو یاں سیم و طلا رکھا ہے

ہو کے برہم یہ کہا شیر نے او سگ خاموش نشۂ دولتِ دنیا سے ہے ایسا مدہوش
بے پئے حد سے زیادہ نہ بہک او مے نوش الفتِ کفر کا بے دین ترے دل میں ہے جوش

عشقِ دینار تجھے نار میں لے جائے گا
۴۹ داغِ دل حشر میں درہم کے عوض پائے گا

مردِ حق بیں نہیں کرتے ہیں کبھی زر پہ نظر زر میں ہے صورتِ آزار کریں کیوں نہ حذر
اس جفا کار کی الفت میں نہ کیونکر ہو ضرر سینکڑوں خاک ہوئے زیرِ زمیں صاحبِ زر

پائے چادر جو کفن کی تو غنیمت سمجھے
۵۰ گوشہِ قبر کو وہ گنجِ قناعت سمجھے

زعم جس کا ہے تجھے دہر میں اے ناہنجار دارِ فانی میں بقا اُس کو ہے کب او غدّار
وہ سلاطین ملا جن کو سُلیماں کا وقار مٹ گئے ایسے کہ باقی نہ رہے اُن کے مزار

جن کو دعوے تھے زمانے میں صف آرائی کے
صدمے سہتے ہیں وہی قبر کی تنہائی کے

۵۱

تُو تو کیا دھوم تھی جن شاہوں کی زیرِ افلاک بصد اندوہ و الم آج ہیں پنہاں تہہِ خاک
جم و اسکندر و فغفور و قباد و ضحاک گنجِ تاریک لحد میں ہیں خموش و غمناک
باغِ عالم میں ملا خارِ الم گل گوں کو
۵۲ خاک میں دفن خزانوں نے کیا قاروں کو

ٹھوکریں کھاتے ہیں سر اُن کے جو تھے صاحبِ تاج دانے دانے کو ترستے ہیں جو لیتے تھے خراج
صاحبِ طبل جو تھے اُن کی یہ نوبت ہوئی آج در بدر پھرتے ہیں وہ نانِ جویں کو محتاج
بادشاہوں نے سہے رنج و محن تُربت میں
۵۳ جامہ زیبوں کے ہوئے خاک کفن تُربت میں

اُن کے مرقد پہ ہیں کانٹے کہ جو تھے مالکِ باغ شمع روشن تھی جہاں واں نہیں جلتا ہے چراغ
بھر گیا عمر کا جمشید کے آخر کو ایاغ راہ بتلاتے تھے جو اُن کا نہیں آج سُراغ
رہ گیا نام و نشاں رایت و لشکر نہ رہا
۵۴ کیوں نہ ہو آئینہ حیراں کہ سکندر نہ رہا

او خطا کار عطا پاش ہیں سُلطانِ اَنام چاہئے خلق میں انساں کو خیالِ انجام
رگِ جاں کے لئے ہے تیز اجل کی صمصام جائے عبرت ہے یہ دنیا نہیں عشرت کا مقام
باز آ ظلم کا انجام بُرا ہے ظالم
۵۵ پُر خطر معرکہِ روزِ جزا ہے ظالم

ہو کے برہم یہ پُکارا وہ لعیں ناہنجار وقتِ پیکار ہے یہ پندو نصیحت بیکار
حاکمِ شام کے ہم لوگ ہیں فرماں بردار ہوں اگر خسروِ کونین ہیں شاہِ ابرار
دل سے جویائے رضا مندیِ شاہی ہیں ہم
ہم کو عقبیٰ سے ہے کیا کام سپاہی ہیں ہم

۵۶

عُن کے یہ شیرِ دلاور نے علم کی تلوار باگ لیتے ہی بنا برقِ جہندہ رہوار
رن میں شمشیرِ شرر بار جو چمکی اِک بار اُڑ گئے ہوش ستم گار نے لی راہِ فرار
اُکھڑے بُزدل کے قدم کانپ کے خود سر بھاگا
۵۷ مطلع جنگ زاغ شہباز کے پنجے سے نکل کر بھاگا

ہاں پھر اے رخشِ قلم اپنا طرارہ دکھلا نہر کی فوج کو دوزخ کا کنارا دکھلا
رُعبِ شیرِ اسد اللہ خدارا دکھلا معرکہ خیبر و خندق کا دوبارہ دکھلا
جان بچتی نہیں اب فوجِ جفا کی رن میں
۵۸ ہو چکی تیغ علم سیفِ خدا کی رن میں

عینِ عباسؑ یہ کہتا ہے علمدار ہوں میں با یہ کہتی ہے کہ برہم کُنِ کفّار ہوں میں
قول الف کا ہے کہ آمادۂ پیکار ہوں میں سین سے ہے یہ عیاں سیفِ گرانبار ہوں میں
کس کو یہ جاہ و حشم خلق میں ہاتھ آیا ہے
۵۹ ساقی نامہ واہ کیا اسمِ مطہّر نے شرف پایا ہے

ساقیا رند کو پھر آج کوئی جام پلا دردِ دل دور ہو جس سے وہ دل آرام پلا
یوں گلابی میں ہمیں بادۂ گلفام پلا شام سے صبح تلک صبح سے تا شام پلا
جو نہ اُترے کبھی وہ نشّہ مے چڑھنے لگے
۶۰ طبل کی عُن کے صدا جوشِ وغا بڑھنے لگے

ساقیا چاہئے مجھ رند کو وہ بادۂ ناب چاہ میں جس کی ہے زاہد کا کلیجہ بھی کباب
جو ہے لاثانی و بے مثل و نفیس و نایاب جس کو سب اہلِ جہاں کہتے ہیں کوثر کی شراب
شاد ہو ہو کے جسے حور و ملک پیتے ہیں
انبیاء بھی جسے بالائے فلک پیتے ہیں

۶۱

لو وفائے پسرِ حیدرِ کرّار سُنو ذکرِ جانبازیِ عباسِ علمدار سُنو
انتشارِ سپہِ حاکمِ مے خوار سُنو نعرۂ شیر سُنو تیغ کی جھنکار سُنو
فدیہِ شاہؑ کے ہاتھوں کی صفائی دیکھو
۶۲ اسدِ ضیغمِ داور کی لڑائی دیکھو

لو اُٹھا حشر ہوئی تیغِ علمدار علم لو ہوئی طبعِ شجاعِ ازلی کی برہم
کھنچتے ہی اُس نے دکھایا مہِ نُو کا چم خم سرگرے، ہوش اُڑے، اُٹھ گئے اعدا کے قدم
طُرفہ ہلچل ہوئی لشکر کے زرہ پوشوں میں
۶۳ قدَر انداز بھی ڈر ڈر کے چھپے گوشوں میں

تفرقہ پڑ گیا ہر ایک سر و گردن میں ربط باقی تھا نہ اعضاء میں نہ جان وتن میں
چل گئی بادِ خزاں باغیوں کے گلشن میں خون سے ہوگیا گلزار کا عالم بَن میں
موسمِ گُل کا سماں تیغ نے دکھلایا تھا
۶۴ پھول زخموں کے کِھلانے کو یہ پھل آیا تھا

جان دو فقروں میں لیتی ہے سخن ساز ایسی کھنچتی ہے ہاتھ سے مالک کے بھی طناز ایسی
قبضے کا حال دلِ آئینہ ہے ہم راز ایسی متفرق ہے سپہ تفرقہ پرداز ایسی
آنکھ کے ملتے ہی تھے تارِ نظر دو ٹکڑے
۶۵ سر سے گزری تو ہوئے قلب وجگر دو ٹکڑے

رنگ دکھلادیا ہر بار نیا ایک سے ایک ہوگئے عاشق ومعشوق جُدا ایک سے ایک
کوئی اندازِ ستم بھی نہ ملا ایک سے ایک تیز فقرہ تھا ہر اِک بار سوا ایک سے ایک
پھول جھڑتے تھے جو وہ شعلہ فشاں چلتی تھی
گُل کترتی تھی کہ قینچی سی زباں چلتی تھی

٦٦

دیکھ لو صورتِ تقدیر اِس آئینے میں شکلِ خورشید ہے تنویر اِس آئینے میں
نقش جوہر سے ہے تسخیر اِس آئینے میں صاف ہے فتح کی تصویر اِس آئینے میں
سامنے اِس کے سرِ کفر فروہی دیکھا
جو مقابل ہوا اِس کے اُسے دو ہی دیکھا ٦٧

رن میں عاری کیا اِس تیغ نے تلواروں کو خوں رُلانے لگی میدان میں خونخواروں کو
بھاگے رہوار بھی سب پھینک کے اسواروں کو قتل چُن چُن کے کیا اُس نے ستمگاروں کو
شور تھا جلوۂ تیغِ صفہانی دیکھو
منزلوں خون کے دریا کی روانی دیکھو ٦٨

کبھی اسوار کو کاٹا کبھی توسن پہ گری کبھی بجلی کی طرح لشکرِ دشمن پہ گری
اُڑ گیا کاسۂ سر صاف جو گردن پہ گری کردیا پیس کے سُرمہ جو یہ آہن پہ گری
ضرب کا حال ہے ہر کوہِ گراں جانے ہوئے
اِس کے لوہے کو ہے فولاد کا دل مانے ہوئے ٦٩

گر کے بے جان ہوا غازی نے جسے للکارا خوفِ ضیغم سے کلیجہ ہوا پارہ پارا
تیغ کا جب کبھی اِک ہاتھ جھپٹ کر مارا مثل گہوارے کے ہلنے لگا میداں سارا
کہیں چُھپنے کا ٹھکانہ جو نہیں پاتی تھی
گرد بھی خوف سے گردوں پہ چڑھی جاتی تھی ٧٠

کس زباں سے ہو بیاں توسنِ غازیؑ کی ثنا جس کے سائے کو کبھی دوڑ کے پائے نہ ہوا
تیز رو بادیہ پیما نہیں دیکھا ایسا شوخیاں وہ کہ زمانے کے حسیں جس پہ فدا
کبک و طاؤس و ہُما آکے قدم لیتے ہیں
حُسنِ رفتار پہ معشوق بھی جاں دیتے ہیں

۷۱

توسنِ مہر فلک تیز قدم ہے جو کمال اُس نے سیکھی ہے علمدار کے رہوار سے چال
آج میدانِ جہاں میں یہ ہویدا ہوا حال آفتاب اس کا ہے شاگرد زہے عزّ و جلال
تیز پردازی میں ہو جبکہ یہ عالم اُس کا
کیوں نہ پھر ابلقِ ایام بھرے دَم اُس کا

۷۲

آئینہ مہر کا بس ایک ہے اس چرخ کے پاس اس کی ہیکل کے لئے چاہئیں خورشید پچاس
نعل بندِ فلکِ پیر کے مُختل ہیں حواس چار چاند آئیں کہاں سے اُسے کیوں ہو نہ ہراس
کیا ثنا کر سکیں آفاق میں مردُم اِس کی
عکس ہے کاہکشاں جس کا وہ ہے دُم اِس کی

۷۳

علمِ فوجِ پیمبرؐ جو قضارا چمکا صاف ذرّوں نے کہا بخت ہمارا چمکا
دھوپ میں پنجۂ پُر نور جو سارا چمکا غُل ہوا زیرِ فلک عرش کا تارا چمکا
شعلۂ طور بھی ضو دیکھ کے شرماتا تھا
آئینہ مہر کا بے نُور نظر آتا تھا

۷۴

چمنِ خُلد کی ہے سبز پھریرے میں بہار چرخ اخضر تو ہے کیا خضر ہے سو جاں سے نثار
عکس اُس کا جو پڑا دشت میں ہر سو اِک بار دشت کے ذرّوں کو ہاتھ آیا زمرّد کا وقار
سرو قد اِس کی فزا دیکھ کے شرماتے تھے
باغ میں شرم سے شمشاد گرے جاتے تھے

۷۵

پھینک کر تیغوں کو جب بھاگ گئے بانیٔ شر بڑھ کے نعرہ کیا او سعد کے منحوس پسر
جس پہ مغرور تھا وہ برچھیوں والے ہیں کدھر تیرے روکے سے بھی رُکتا نہیں تیرا لشکر
کیوں کمر باندھی تھی اس فوج کی سالاری پر
تُف ترے زعم پہ ہو اور تری سرداری پر

۷۶

حوصلہ اب بھی اگر ہو تو ستمگار بڑھیں کہہ دے تو لے ہوئے تلواروں کو جرار بڑھیں
پھر سنبھالے ہوئے بھالوں کو جفا کار بڑھیں پہلواں پھر صفِ لشکر سے سب اِک بار بڑھیں
کمریں باندھ لیں پھر سیر وغا کی دیکھیں
۷۷ پھر لڑائی پسرِ شیرِ خدا کی دیکھیں

کہہ کے یہ نہر کی جانب جو بڑھایا رہوار شیر کی طرح سے پہنچا لبِ دریا جرار
جوش میں آکے یہ الیاس پکارے اِک بار دلبرِ ساقیِ کوثر تری ہمّت کے نثار
ناز ہے جس پہ شجاعت کو وہ صفدر ہے تو
۷۸ کیوں نہ ہو لختِ دلِ فاتحِ خیبر ہے تو

الغرض شیر نے دریا سے بھرا مشکیزہ رکھ کے کاندھے پہ چلا سوئے امامِ دوسرا
فوج نے راہ میں پھر چار طرف سے گھیرا تیر غازی کو لگانے لگے سب اہلِ جفا
باجے بجنے لگے نامرد پھر اِک بار بڑھے
۷۹ پہلواں فوج کے کھینچے ہوئے تلوار بڑھے

شور تھا بچ کے یہ جرار نہ جانے پائے شاہؑ والا کا مددگار نہ جانے پائے
طرفِ خیمہ یہ زنہار نہ جانے پائے زندہ اب یاں سے علمدار نہ جانے پائے
اُلفتِ سبطِؐ پیمبرؐ کا صلہ دو اس کو
۸۰ مل کے سب گھوڑے سے ہاں جلد گرا دو اس کو

چار جانب سے بہادر پہ چلے تیرِ جفا کوئی تلوار لگاتا ہے تو کوئی نیزہ
لو قیامت ہوئی روتے ہیں کھڑے شیرِ خدا چل گئے وار ہوئے ہاتھ بھی شانوں سے جدا
سر کو پیٹو کہ عجب حشر نمودار ہوا
لو وہ ٹھنڈا علمِ احمدِؐ مختار ہوا

۸۱

تیر سینے پہ لگے تیغوں سے تن چُور ہوا نیزے یوں چلنے لگے چھن گیا تن غازیؑ کا
اب نہیں رخش پہ جرار سے سنبھلا جاتا پس کوئی دم کا ہے مہماں پسرِ شیرِ خدا

ہاں کرو آہ و بُکا خاک پہ جرار گرا
رخش سے فوجِ حسینی کا علمدار گرا ۸۲

گرتے گرتے یہ شہِ دیں کو صدا دی اِک بار السلام اے جگر و جانِ رسولِ مختار
آخری ہے مرا مجرا یہ شہِ عرش وقار تیرا خادم ہوا مولاؑ ترے قدموں پہ نثار

اِس الم میں اُسے آنسو نہ بہانے دینا
میرے لاشے پہ سکینہؑ کو نہ آنے دینا ۸۳

یہ صدا سُنتے ہی مجروح ہوا قلبِ امامؑ دوڑے میداں کی طرف روتے ہوئے شاہِؑ انام
لب پہ نوحہ تھا یہی ہائے علیؑ کے گلفام تیرے لُٹ جانے پہ جاتا رہا میرا آرام

صدمہِ ہجر سے دل ہے تہہ و بالا میرا
کون غربت میں ہے اب چاہنے والا میرا ۸۴

اب سنبھل جائیں عزادارِ امامؑ دوسرا پہنچے ہیں شیر کی بالیں پہ شہنشاہِؑ ہدا
رو کے کہتے ہیں کہ کچھ منہ سے تو بولو میں فدا ہائے کس وقت میں مظلوم سے ہوتے ہو جدا

جاں بلب سبطِ رسولؐ الثقلین آیا ہے
کھول دو آنکھوں کو بھیّا کہ حسینؑ آیا ہے ۸۵

قلب مجروح ہے اے شیرِ دلاور اٹھو خاک پر سوؤ نہ اے ثانیٔ حیدرؑ اٹھو
لُطف جینے کا تمھیں سے ہے برادر اٹھو مرے شیدا، مرے حمزہؑ، مرے جعفرؑ اٹھو

منہ کو ہر مرتبہ آتا ہے کلیجہ غم سے
کون سی بات پہ آزردہ ہوئے ہو ہم سے

۸۶

اے مرے شیرِ ژیاں تیری شجاعت کے نثار جانِ زہراؑ تری جانبازی و جرات کے نثار
اس محبت کے تصدق اس اطاعت کے نثار سرو سے قد کے فدا چاند سی صورت کے نثار
فاطمہؑ لیتی ہیں شفقت سے بلائیں تیری
مجھ کو مر کر بھی نہ بھولیں گی وفائیں تیری

۸۷

چونک کر غش سے پکارے یہ جنابِ عباسؑ تجھ پہ سو جان سے قربان میں اے رُتبہ شناس
اب نہیں جان کے جانے کا مجھے کچھ بھی ہراس للہ الحمد کہ ہے میرا مسیحا مرے پاس
شُکر صد شُکر کہ اب خلق میں مُمتاز ہوا
آپؑ آئے میں زیارت سے سرافراز ہوا

۸۸

آپؑ کے صدقے میں پایا عجب اعزاز اے شاہؑ فاطمہؑ رکھیں ہیں سر گود میں اللہ اللہ
خُلد سے لینے کو آئے ہیں رسولؐ ذی جاہ کہتے ہیں حیدرؑ صفدر یہی با حالِ تباہ
حبّذا اوج عجب بختِ رسا پایا ہے
پیشوائی کو تری حق کا حبیبؐ آیا ہے

۸۹

درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں منتظر تیری سواری کے ہیں حور و غلماں
ہر طرف خُلد میں ہے قدرتِ اللہ عیاں لبِ جبریلؑ پہ ہیں تیری وفاؤں کے بیاں
گُل ہر اِک گلشنِ جنّت کا کِھلا جاتا ہے
شور کوثر پہ ہے سقائے حرم آتا ہے

۹۰

باتیں کرتا تھا شہؑ دیں سے ابھی وہ جرار ناگہاں ہوگیا خاموش علیؑ کا دلدار
ہچکیاں آئیں ہوئے موت کے ظاہر آثار یاس سے چہرۂ شبیرؑ کو دیکھا اِک بار
جسم تھرّایا عیاں حشر کے آثار ہوئے
راہیِ گلشنِ فردوس علمدارؑ ہوئے

۹۱

پیٹ کر سر کو یہ چلّائے امامؑ دوسرا چھوڑ کر ہم کو سوئے خُلد سدھارے بھیّا
اب کوئی خلق میں غمخوار ہمارا نہ رہا کس جگہ ڈھونڈنے جاؤں تجھے اے ماہِ لقا
کس طرح سے دلِ بیتاب کو سمجھاؤں گا
۹۲ باوفا تجھ سا زمانے میں کہاں پاؤں گا

ہوش مجلس کو نہیں بزمؔ کر اب ختم کلام جاں بلب غم سے ہیں سب عاشقِ سُلطانِ انام
عرض کر شہؑ سے کہ اے بادشہِ عرش مقام روز و شب ہے ترے خادم پہ ہجومِ آلام
جس کا طالب ہوں مجھے اب وہ عطا کر دیجے
قیدِ اندوہ و مصیبت سے رہا کر دیجے

نعتیہ مسدس میلاد شریف: ۱

درحال معراج

مطلع

ساقی کسی زاہد کے نہ بہکانے میں آنا

تعداد بند: ۱۲۴

۱

ساقی کسی زاہد کے نہ بہکانے میں آنا پہچان کے مجھ سے بھی ذرا آنکھ ملانا
میں بھی ترے میخانے کا میکش ہوں پُرانا پیتے ہوئے گذرا، اِسی بھٹی پہ زمانا
میخواروں کا جھمگٹ ہے درِ میکدہ وا ہے
اب مے کے پلانے میں تامل تجھے کیا ہے

۲

سنوا دے صُراحی کے گلے کی مجھے آواز پیمانے کی بھی رقص کا، دکھلا کوئی انداز
ضمناً ہے یہ مطلب ہی جو تقدیر ہو دم ساز دیکھوں بط مے کھولے جب اپنے پر پرواز
گلنار ہر اک پر کی کلی ہوتی ہے معلوم
اڑتی ہوئی کچھ دل کو بھلی ہوتی ہے معلوم

۳

سب صحبتِ سابق کا سماں زیر نظر ہے راحت کی وہ شب عیش کا سامان کدھر ہے
دل مردہ تو بیشک ہوں مگر مجھ کو خبر ہے قُل قُل کی صدا میں لب عیسیٰ کا اثر ہے
کیا تجھ کو خبردار کروں اس کے مزے سے
جی جاؤنگا جس وقت یہ اُترے گی گلے سے

۴

اوراب تو یہ حالت ہے کہ مردہ ہوں نہ زندہ دل پیاس سے بیتاب ہے جلتا ہے کلیجا
مجھ کو چمن خلد کی کھینچی ہوئی پلوا حقدار ہوں، ہے ساقیٔ کوثر میرا آقا
یوں پھول کی صورت نہ کلی دل کی کھلے گی
اس وقت بہار آئے گی مے جب یہ ملے گی

۵

گر مست نہ ہوں، حالتِ معراج لکھوں کیا جب دور کی سوجھے تو مضامیں بھی ہوں اعلا
لیکن ترے بس کی یہ نہیں، فکر نہ کرنا مانگی تھی جو تجھ سے، وہ پلا بھی گئے مولا
خاموش بھی رہ سکتا تھا نشہ میں بھلا میں
جو کچھ مجھے لکھنا تھا وہ سب لکھ ہی چکا میں

٦

ذِکرِ شبِ معراجِ شہہ ہر دوسرا ہے رحمت نے جسے شام ہی سے گھیر لیا ہے
مہتاب نے ایک پیرہنِ نور سیا ہے زیور پئے تزئین، ستاروں کی قبا ہے
پرویں کے جو طُرّہ نے سوا شوکتِ شان کی
بدہی بھی فلک نے اُسے دی، کاہکشاں کی ۷

یہ عاشق و معشوق کے ملجانے کی شب ہے یہ حسرتوں امیدوں کے برآنے کی شب ہے
یہ رات محبت کی ہے یارانے کی شب ہے سب ایک طرف، دیکھنے دکھلانے کی شب ہے
خلوت میں رسول آئیں گے اٹھ جائے گا پردہ
آنکھوں ہی کا کہنے کو نظر آئے گا پردہ ۸

عالَم یہ اُسی رات کی خاطر تو بنا ہے دنیا میں شبِ قدر سے قدر اس کی سوا ہے
گیسوئے محمدؐ کا جو رنگ اس نے لیا ہے دَیں کعبہ کے پردہ سے جو تشبیہ بجا ہے
عیدین کا یہ مرتبہ کونین میں کب ہے
دنیا میں یہ شب، باعثِ خوشنودی رَب ہے ۹

محبوب کو افلاک کی جب سیر دکھائی خلاق نے تب نور کی یہ رات بنائی
پھر ماہ کی مشعل سے ضیا اور بڑھائی فردوس کی ہر شے، ید قدرت نے سجائی
آمد تھی مدینہ کے جو اک بانکے جواں کی
ہر حور دولہن بن گئی، گلزارِ جناں کی ۱۰

یوسف ہے یہاں خواب میں، واں بخت ہے بیدار جبریل سے فرماتا ہے یوں ایزد غفار
منظور یہ ہے آج کی شب آئے وہ دلدار مدت سے ہیں محبوب کے سب طالبِ دیدار
شوق ان کو محمد کی حضوری کے بڑے ہیں
اَبنوہ فرشتوں کے سرِ راہ کھڑے ہیں

۱۱

رضواں نے بھی فردوسِ معلیٰ کو سجا ہے حورانِ بہشتی نے سنگھار آج کیا ہے
شادی کا ترانہ ہے کہ بلبل کی نوا ہے ہر پھول مسرت کے سبب پھول رہا ہے
استادہ ہر اک نخل ہے تعظیم کے خاطر
۱۲ ہر شاخ جھکی پڑتی ہے تسلیم کی خاطر

کوثر کو بھی ہے جوش ولا موجیں ہیں بیتاب ہے پنجۂ مرجاں میں لئے گوہرِ خوش آب
گردوں کی طرح رقص میں مصروف ہیں گرداب پانی ہے صفائی میں، بہ از چادرِ مہتاب
ساغر جو کناروں پہ جوہر کے دھرے ہیں
۱۳ سب بادۂ توحید و نبوت سے بھرے ہیں

لوح و قلم و عرش و فلک، پردۂ اسرار ہیں موسیٰ عمراں کی طرح طالبِ دیدار
ہر چیز سے ہے رنگ مسرت کا نمودار غل ہے کہ اب آتے ہیں فلک پر شہ ابرار
اک سمت ملائیک پئے دیدار کھڑے ہیں
۱۴ اک سمت رسولانِ خوش اطوار کھڑے ہیں

جا جلد سوئے خدمتِ، سردار حسنیاں کہہ دست ادب باندہ کے، اے سرورِ ذیشاں
فرماتا ہے یہ بعد سلام آپ سے رحماں ہوتے نہیں اک شب بھی ہمارے کبھی مہماں
اک عمر سے حضرت کا ہے الطاف زمیں پر
۱۵ کیا ہو جو قدم رنجہ۔۔کرو عرش بریں پر

پر خواب میں محبوب ہے، جلدی نہ جگانا رتبہ نہ کہیں دل سے، محمدؐ کا بھلانا
ہمراہ فرشتوں کا پرا، لے کے نہ جانا چلا کے صدا دینا، نہ شانے کو ہلانا
دیکھو کہیں تیوری پہ ذرا سا بھی نہ بل آئے
مطلوب کی راحت میں نہ زنہار خلل آئے

۱۶

جاگیں تو یہ کہنا کہ بس اب آیئے حضرت فرقت مین شب و روز نہ تڑپایئے حضرت
وہ چاند سا چہرہ کہیں و کہلایئے حضرت مدہوش یہاں سب کو بنا جایئے حضرت
کہہ دینا کہ خلوت میں اب اسرار کھلیں گے
جو کچھ ہمیں کہنا ہے وہ سب آج کہیں گے

۱۷

تم کو بھی جو منظور ہو کرنا اسے اظہار جس شے کی طلب ہوگی، وہ دیں گے تمہیں دلدار
پیارے سے کسی بات کا ہوسکتا ہے انکار پیارا بھی وہ پیارا کہ جو کونین کا مختار
کی جائے جو محبوب کی خاطر وہ بجا ہے
عالم یہ تمہارے ہی لئے خلق کیا ہے

۱۸

ہاں لے کے براق ایک مگر خلد سے جانا خورشید رسالت کو یہاں دھوم سے لانا
چیزیں جو دکھانے کے ہوں قابل وہ دکھانا جو کچھ لبِ اعجاز سے پوچھیں، وہ بتانا
وہ کون ہے جو طالب دیدار نہیں ہے
فردوس بھی مشتاقِ لقائے شہِ دیں ہے

۱۹

کی عرض یہ جبریل نے اے خالقِ یکتا تھی خدمت حضرت کی بہت دن سے تمنا
حسرت مری نکلی، مرا ارمان بر آیا آنکھوں سے یہ سب حکم بجا لائیگا بندہ
منظور ہے اس درجہ اطاعت شہِ دیں کی
صدقے کرے، کام آئے جو جاں روح امیں کی

۲۰

یہ کہہ کے روانہ ہوا وہ خادمِ مولا آیا جو سوئے قصر محمدؐ تو یہ دیکھا
آرام سے سوتے ہیں شہِ یثرب و بطحا پاؤں سے ملے گال بصد شوق و تمنا
جاگے تو کہا، مرتبہ حضرت کا بڑا ہے
یاد آپ کو خالق نے سر عرش کیا ہے

۲۱

گویا ہوئے اس مژدہ کو سُن کر شہِ اطہر اس بندہ نوازی کا کروں شکر میں کیونکر
کس طرح بجا لاوں نہ یہ حکم برادر وہ خالقِ کونین ہیں اک بندۂ احقر
گو ختم رسل، سرورِ کُل، شاہ ہُدا ہوں
۲۲ پر اُسکی حضوری میں اک ادنا سا گدا ہوں

یہ کہہ کے اٹھے اپنی جگہ پر شہہ والا جیسے رہ خالق میں کبھی ہاتھ سخی کا
جب غسل کی خاطر ہوئی پانی کی تمنا رضوان جناں دوڑ کے فردوس سے لایا
میکال تو پہنانے کو پوشاک لئے تھے
۲۳ اور طاس سرافیل لئے پاس کھڑے تھے

جس وقت نہانے لگے شاہنشہِ دوراں پر نور ہو چہرۂ روشن سے وہ ایواں
پانی کا ہر اک قطرہ بنا نجمِ درخشاں ہم شان فلک اُتنی زمیں کا ہوا داماں
قطرے نہیں گرتے تھے دمِ غسل زمیں پر
۲۴ ہوتی تھی یہ تاروں کی نچھاور مہ دیں پر

فارغ ہوئے جس وقت نہا کر شہِ اطہر اور زیبِ بدن کرنے لگے خلعتِ انور
خود جامہ، مسرت سے ہوا جامہ سے باہر کلیاں ہوئیں پوشاک کی کِھل کِھل کے گُلِ تر
عمامہ پہ غنچے گُلِ جنت کے فدا تھے
۲۵ دامانِ عبا، پردۂ اسرارِ خدا تھے

کُرتا تو ہوا آپ کا اس بات پہ نازاں مس میں نے ہی پہلے کیا، جسم شہِ ذیشاں
بوسے لئے گردن کے، یہ کہتا تھا گریباں چادر نے کہا دوش پہ رہتی ہوں مَیں ہر آں
بولا یہ عصا دستِ شہِ دیں میں رہا ہوں
تھا قول یہ پٹکے کا کہ میں گرد پھرا ہوں

۲۶

جس وقت نبی کپڑے پہن کر ہوئے تیار جبریل نے کی عرض کہ اے واقفِ اسرار
حاضر ہے سواری بھی، کریں دیر نہ سرکار یہ سن کے بڑھے در کی طرف سیّدِ ابرار
یوں سرورِ کونین نکل آئے مکاں سے
جیسے کلمہ خیر کا مومن کی زباں سے

۲۷

ساقی کا بھلا، مے کا کوئی جام ادھر بھی بے نشہ یہ عالم ہے کہ اٹھتا نہیں سر بھی
اور پیاس کی شدت سے تڑپتا ہے جگر بھی گر پھول پلائے گا تو پائے گا ثمر بھی
عالم میں سخی خلقِ خدا تجھ کو کہے گی
بھٹی تری گلزارِ خزاں میں بھی رہے گی

۲۸

مے پینے کا ساماں بھی مگر ہوشربا ہو گلشن کوئی شاداب ہو، نہریں ہوں، ہوا ہو
دلکش ہو کوئی ساز، تو پُر سوز صدا ہو پھولوں کا بھی شیشے کے قریں ڈھیر لگا ہو
چلتی ہو ہر اک کشتی مے اپنے عمل میں
اور شاہدِ مضموں سا ہو معشوق بغل میں

۲۹

لیکن تری مے پر نہیں زنہار فدا ہوں اب تک تو نجس چیز سے بے لاگ بچا ہوں
کیا جانے تو رتبہ مرا، میں کون ہوں کیا ہوں کس میکدہ کا رند ہوں کس، در کا گدا ہوں
آغازِ جوانی سے یہ ہی فکر رہا کی
مے حُبِ علیؑ کی ہو، گزک شکرِ خدا کی

۳۰

میں چھیڑتا تھا تجھ کو تو ناراض نہ ہونا آپس میں سبھی ہنستے ہیں، ہوتا ہی ہے ایسا
ہوں مستِ ازل مے کی نہیں کچھ مجھے پروا جس نشہ میں سرشار ہوں، کیف اس کا کہوں کیا
رہتا ہے جو اس ماہ کا ہالہ، وہی جانے
مرشد کا پیا جس نے پیالہ، وہی جانے

۳۱

انگور کی مے اور ہے، یہ اور قلم ہے پیتے ہیں ملائک بھی جسے یہ وہ رقم ہے
شیریں ہے پئے دوست عدو کے لئے سم ہے پی لی ہے اگر آج، تو کل کا نہیں غم ہے
مے نوش کو اس کی کوئی کلفت نہیں رہتی
حد یہ ہے کہ پھر فکر قیامت نہیں رہتی ۳۲

کیا چیز ہے ہر مومنِ کامل کو خدا دے غفلت کا جو آنکھوں پہ ہے پردا وہ اٹھا دے
حجت نہیں کرتے، ہمیں کم دے کہ سوا دے شیشے ہی کے پردہ سے جھلک صرف دکھا دے
اپنے لئے آساں رہِ دشوار تو کر لیں
پی لیں گے کبھی پھر ابھی دیدار تو کر لیں ۳۳

یوں سوئے براق آئے شہنشاہ رسالت جس طرح کہ معشوق پہ عاشق کی طبیعت
یا دیدۂ یعقوب میں انوار بصیرت یا حُر طرفِ لشکرِ ایماں پئے نصرت
جب آپ بڑھے، شاخِ گل تر کی طرح سے
پھولا وہ گل اندام بھی شادی و فرح سے ۳۴

توصیفِ براقِ شہِ ذی جاہ کروں کیا چلتا نہیں کچھ زور یہاں ذہن رسا کا
حیراں ہے مری عقل تو ہے کلک کو سکتا الماس کے پَر، مُشک کی دُم، لال کا سینا
بے مثل جو راکب ہے تو یکتا یہ فرس ہے
حضرت کی سواری میں ہے ایسا یہ فرس ہے ۳۵

گردن ہے شتر کی پہ شتر کہہ نہیں سکتے سُم گاؤ کے ہیں گاؤ مگر کہہ نہیں سکتے
اُڑتا ہے، پری بھی اِسے پَر کہہ نہیں سکتے صورت ہے بشر کی پر بشر کہہ نہیں سکتے
حیواں نہ فرشتہ، نہ بشر ہے نہ پری ہے
ہاں قدرتِ خالق کی یہ سب جلوہ گری ہے

۳۶

کیا چیز ہے محبوب کی خاطر سے سنواری گویا کہ یہ جاندار جواہر کی ہے پتلی
صنعت کوئی ایسی نہ سنی اور نہ دیکھی اعجاز پیمبر کا ہے، قدرت ہے خدا کی
تعریف کرے کیسے زباں ہو نہیں سکتی
۳۷ وہ تیز پری ہے کہ بیاں ہو نہیں سکتی

یوں زین اعزاز بڑھا شاہ ہدا سے جیسے شرف ایمان کا، حیدرؑ کی ولا سے
یا رونقِ اسمِ نبوی، صلِ علیٰ سے یا مرتبۂ ابن علیؑ، صبر و رضا سے
کیا راکب و مرکب کا جلال اور حشم تھا
۳۸ یہ نور الٰہی تھے، تو وہ عرشِ کرم تھا

موقع ہے یہ صلوٰۃ کا اے بزم کے خضّار دربار الٰہی میں چلے احمدؐ مختار
آپس میں فرشتوں کی یہ گردوں پہ ہے گفتار اللہ کے محبوب کی آمد ہے خبردار
ملحوظ ادب بھی رہے، نرمی بھی سخن میں
۳۹ ہے رنگ نزاکت، بہت اُس غنچہ دہن میں

سر پٹ جو نہایت فرسِ فکرِ رواں ہے اب تیزی رفتار کا منظور بیاں ہے
ہمتائے براق نبویؐ، چرخ کہاں ہے وہ سُست ہے یہ چُست وہ پیر اور یہ جواں ہے
باہر نہیں جاتا وہ احاطہ سے زمیں کے
۴۰ یہ چاہے تو سو پھیرے کرے چرخِ بریں کے

انداز جو یہ تیزیٔ رفتار کا دکھلائے گر ساتھ فرشتہ بھی اُڑے پیچھے ہی رہ جائے
کوشش سے بھی ممکن نہیں یہ ذہن کو ہاتھ آئے ہاں قدرت خالق ہی جو ڈھونڈے تو اسے پائے
ہرگز نہ ملے گرد، اگر خاک بھی چھانے
حال اُس کا جو اُسوار ہو اُس پر وہی جانے

۴۱

اس شوکت و حشمت سے رواں تھے شہ والا آگے یدِ قدرت لئے اک نور کا جھنڈا
دم کرتے ہوئے، سورۂ واللیل مسیحا شمعِ یدِ بیضا کو دکھاتے ہوئے موسیٰ
تھی ساتھ رواں انجم افلاک کی ضو یہی
۴۲ تیغ اپنی پئے حفظ لئے تھا مہِ نو بھی

چاؤشِ ادب بولتا تھا آتے ہیں سرکار ہر بار صدا رعب یہ دیتا تھا خبردار
تھی منزلت و جاہ و حشم مہتمِ کار اور چتر کی جا سایۂ فگن رحمتِ غفار
گلدستہ لئے ہاتھ میں رضوانِ جناں تھا
۴۳ طاؤس فلک رقص کناں آگے رواں تھا

خوش ہو کے پڑھیں صلِّ علیٰ عاشق حضرت اس شان سے جاتے ہیں شہنشاہِ رسالت
یثرب میں توقف کیا پہلے پئے طاعت وارد ہو پھر طور پہ وہ قلزمِ رحمت
آئی یہ صدا کوہ سے اب رحم کی جا ہے
۴۴ پتھر کا کلیجہ تری فرقت میں ہوا ہے

کیا کیا ترے سوزِ غمِ دوری نے جلایا پھر پیس کے سرمہ مجھے خلقت نے بنایا
لیکن ترا دیدار مَیسر نہیں آیا موسیٰ نے بھی شعلہ مرے دل کا نہ بجھایا
حضرت کے نظارے سے کلی دل کی کھلی ہے
۴۵ مدت میں مجھے دولت دیدار ملی ہے

دو رکعتیں شکرانہ کی پڑھ کر بہ تمنّا تسبیح میں تا دیر رہا، محو وہ دانا
پھر بیتِ مقدس میں گئے سرورِ بطحا مشغولِ عبادت ہوئے واں بھی شہِ والا
پھر مسجد اقصیٰ میں عجب شان دکھائی
حاضر تھے نبی جتنے، نماز اُن کو پڑھائی

۴۶

جب پہلے فلک پر گیا وہ خلق کا رہبر تاروں نے کیا آپ کو حضرت پہ نچھاور
مہتاب ہوا شمع دکھانے پہ مقرر اور عقدِ ثریانے دیا نذر میں جوہر
اک غل تھا کہ روحانیوں کے بخت ہیں جاگے
۴۷ کہتا ہوا کڑکے کو رواں، رعد تھا آگے

ہاتھ آیا رکابوں کا، سردست جو نقشا ابرو اسے خم ہو کے مہِ نو نے بنایا
سر اس کے رہا خدمتِ حضرت کا جو سہرا پیکون میں اس وقت لکھا چہرہ قمر کا
ہالہ نہیں بے وجہ شہ دیں نے دیا ہے
۴۸ گردن میں یہ طوق ان کی غلامی کا پڑا ہے

جب حضرتِ آدم سے ملے سید والا مجرا کیا اور بڑھ کے مزاج آپ نے پوچھا
فرمایا یہ آدم نے کہ اے بندۂ یکتا پیدا جو ترے نور کو اللہ نہ کرتا
پھر کتم عدم سے مرا اظہار نہ ہوتا
۴۹ اور خلق یہ عالم بھی تو زنہار نہ ہوتا

پھر دوسرے گردوں پہ گیا ماہِ رسالت ایوانِ طلائی کی چمکنے لگی قسمت
ممتاز ہوا وہ شہِ بو ذر کی بدولت سونے میں سہاگہ ہوئی حضرت کی عنایت
گر اس سے سپہر حرخ کی زینت نہیں ہوتی
۵۰ سونے کی زمانے میں یہ قیمت نہیں ہوتی

جب واں سے ہوئے چند قدم آگے روانا مدحت میں عطارد نے کیا پیش قصیدا
حضرت نے صلہ مدح سرای کا یہ بخشا یعنی کہ قلمدانِ وزارت اُسے سونپا
تحریر کا کام اس کو ملا رحمتِ رب سے
مشہور ہوا مُنشئ گردوں کے لقب سے

۵۱

جب تیسرے گردوں پہ گئے شاہِ زمانا مُجرے کے لئے حاضرِ خدمت ہوئی زُہرہ
شاہنشاہ لولاک کو خورسند جو پایا گایا دفِ مہتاب پہ آمد کا ترانا

بزمِ طرب افزا میں عجب رنگ جما تھا
ناہیدِ فلک رقص میں تھی، دور نیا تھا ۵۲

پہنچے جو سرِ چرخِ چہارُم شہ والا دم کرنے بڑھے سورۂ والشمس مسیحا
جلوہ نظر آیا جو اسے ماہِ عرب کا خورشید نے خود فرشِ زری آ کے بچھایا

قُل تھا کہ عجب لطف ہے معراج کی شب میں
باہم مہ و خورشید ہوئے آج کی شب میں ۵۳

کیا عرض کروں بخششِ شاہنشہِ والا سورج نے یبوست کا کیا اپنی جو شکوہ
اس کے لئے تجویز کیا شہ نے یہ نسخا یعنی کہ دیا اُس کو، عرَقِ شیرِ سحر کا

جب ذکر حرارت کا سنا شاہِ ہدا نے
کافور بھی شبنم کا دیا شاہِ ہدا نے ۵۴

جب پانچویں گردوں پہ گئے سرورِ ذیشاں مریخ نے کی عرض کہ اے فخرِ سلیماں
میں اُن کا کُشندہ ہوں جو ہیں دشمنِ ایماں مجھ کو بھی عطا کوئی تبرک ہو، میں قرباں

کیا اُس پہ عنایت ہوئی شاہِ دوسرا کی
شمشیر بھی جلّادی کی خدمت بھی عطا کی ۵۵

جب چرخِ ششم پر گئے شاہنشہِ دوراں رُخ دیکھ کے تھی مُشتَرئ سعد بھی حیراں
کہتی تھی کہ خود جس کا خریدار ہو یزداں اُس یوسفِ معبود کا سودا نہیں آساں

جو کچھ ہے وہ خاطر سے اِسی کے تو بنا ہے
کونین بھی قیمت میں کوئی دے تو وہ کیا ہے

۵۶

پھر مائل پرواز مری فکرِ رسا ہے پھر عرشِ مضامیں مرا دل ڈھونڈ رہا ہے
ذکرِ شبِ معراجِ شہِ ہر دو سرا ہے چوٹی کی جو ہر بیت لکھی جائے، بجا ہے

معبود کا ارشاد بجا لاتے ہیں حضرت
۵۷ اب منزلِ ہفتم کی طرف جاتے ہیں حضرت

قربان میں ساقی ترے کیا خوب پلائی سب پی چکے لیکن میری نوبت نہیں آئی
گویا لبِ ساغر نے بھی سوکھی ہی سنائی اک میں ہی گنہگار ہوں، میں نے ہی نہ پائی

ممکن نہیں اس صدمۂ جانکاہ کو سہ جاؤں
۵۸ میخانہ لٹے اور میں محروم ہی رہ جاوں

شدت کی جو ہے پیاس تو ضبط اس کا ہے دشوار اچھی نہیں اس میکشِ دیرینہ سے تکرار
اک جام کے دینے میں اگر تجھ کو ہے انکار تو ہم کو بھی ضد ہو گئی مانیں گے نہ زنہار

پی لیں گے صوحی بھی تو ہم جائیں گے گہر تک
۵۹ اب کیا درِ میخانہ سے اٹھتے ہیں سحر تک

اب سنگ در میکدہ ہے اور یہ سر ہے اور مشغلہ منظور یہ ہی آٹھ پہر ہے
شیشہ پہ نظر ہے کبھی ساغر پہ نظر ہے مفتی سے نہ کچھ خوف، نہ قاضی سے خطر ہے

حیدرؑ کے مریدوں میں ہیں، سمجھا ہمیں کیا ہے
۶۰ ان دونوں کے آگے ہی پئیں، جب تو مزا ہے

تنہا نہ پئیں، بلکہ انہیں ساتھ پلائیں اس رنگ میں رنگ ان کو حقیقت کا دکھائیں
مطلب یہ نہیں ہے کہ فقط راہ پہ لائیں جائز ہے یہ شے، بلکہ یہ تحریر لکھائیں

اور اس پہ یہ دیں رائے جو پوچھے کوئی ہم سے
فتویٰ بھی لکھیں مے کا تو مے کے ہی قلم سے

۶۱

مے ریش پہ دونوں کے بہے اس کا مزا ہے ساقی کا ہر ایک جبر سہے اس کا مزا ہے
میکش انہیں سب خلق کہے اسکا مزا ہے دستار سروں پر نہ رہے اس کا مزا ہے

دامن میں کوئی چیز چھپاتے ہوئے دیکھوں
۶۲ منہ ڈھانک کے میخانے سے جاتے ہوئے دیکھوں

لیکن مجھے یہ خوف بڑا ہو گیا ساقی غصہ سے ترا حال یہ کیا ہو گیا ساقی
کچھ رنگ ہی اس وقت نیا ہو گیا ساقی کیا تو میری باتوں سے خفا ہو گیا ساقی

پینے کا نہ تھا قصد جو غم دل پہ سَہوں گا
۶۳ میں چھیڑنے کو کہتا تھا، اب کچھ نہ کہوں گا

جس پر کہ دل آیا ہے وہ شے اور ہی کچھ ہے نشہ میں جو اعلا ہے وہ شے اور ہی کچھ ہے
ہاں میرا جو منشا ہے، وہ شے اور ہی کچھ ہے جس مے کو تو سمجھا ہے، وہ شے اور ہی کچھ ہے

ہر ایک کو وہ چیز میسر نہیں ہوتی
۶۴ بے جس کے پیئے طاعتِ داور نہیں ہوتی

پہنچے جو وہاں خالقِ اکبر کے کرم سے پھیلی برکت شاہِ دو عالم کے قدم سے
بے چین زُحل تھا جو نحوست کے الم سے فرمایا زبوں حال ہیں دشمن ترے دم سے

ناراض نہیں ہم تری اس طرز جفا سے
۶۵ ذلّت انہیں دیتا ہے تو فرمان خدا سے

آئے جو شہ دیں طرفِ خانۂ معمور یاقوت کے ایوان میں پھیلا تَحقِ نور
دیواروں کے آئینہ تھے، ہم شکلِ رُخ حُور اور صحن میں ہر نخل تھا رشکِ شجرِ طور

واں اور بھی توقیر بڑھی شاہِ ہدا کی
خطبہ بھی پڑھا، طاعتِ داور بھی ادا کی

٦٦

جب ختم کیا آپ نے خطبہ سرِ ممبر اور سورۂ قرآں کی طرح اُترے پیمبر
نزدیک سے رونے کی صدا آئی مکرر جبریل سے فرمایا یہ شہ نے کہ برادر
یہ گریہ کناں کون ہے بتلایئے مجھ کو
٦٧ لے چلنے کا موقعہ ہو، تو دکھلایئے مجھ کو

جبریل نے کی عرض کہ اے دین کے سلطاں یہ اہلِ سَقَر روتے ہیں، میں آپ کے قرباں
فرمایا یہ حضرت نے کہ لے چلئے مجھے واں دکھلایئے ان لوگوں کا سب حالِ پریشاں
کی عرض کہ ہرگز نہ وہاں جایئے مولا
٦٨ مرضی ہو، تو ہاں دور سے دیکھ آئے مولا

یہ کہہ کے لیا آپ کو جبریل نے ہمراہ پہنچے تھے ابھی دور، نہ سلطان حق آگاہ
کی عرض کہ اب بائیں طرف دیکھئے یا شاہ دیکھا تو یہ فرمایا یہ ہی ہے وہ جگہ آہ
جلتے ہیں حرارت سے، پر مُرغِ نظر بھی
٦٩ آتش کی ہیں دیواریں بھی، ایوان بھی، در بھی

جس سمت نظر کیجئے ہے شعلہ و آتش ہیں بیچ میں عاصی اِدھر آتش اُدھر آتش
بازو و برو سینہ و قلب و جگر آتش زیرِ قدم آتش ہے تو بالائے سر آتش
آواز یہ دیتے ہیں گنہگار جلے ہم
٧٠ چلاتے ہیں بھی یہ بربار جلے ہم

گیسوئے بتاں سے جنھیں رہتا تھا سروکار زنجیروں کے بدلے اُنہیں لپٹے ہوئے ہیں مار
جو لوگ کہ تھے عشقِ مجازی میں گرفتار وہ آگ کے پہنے ہوئے ہیں طوق گرانبار
لٹکے ہوئے بدکار ہیں، معکوس دھوئیں میں
تھی چاہ ذَقن کی جنہیں ہیں بند کنویں میں

۷۱ روایت

حالت ہو بیاں اس کی تب و تاب سے کیونکر آتش ہے وہاں کی غضبِ خالقِ اکبر
دے کون سی شے سے اسے تشبیہ سخنور دنیا کی نہ سب آگ نہ دوزخ کا اک اخگر
جلنے کی وہ شے ہے مگر اُس کو بھی نہ تاب آئے
سمجھے کہ جلی اب جو وہاں شمع پہنچ جائے

۷۲

جو سود سے کرتے تھے بہم خلق میں دولت نقارہ سا پھولا ہے شکم، یہ ہوئی نوبت
ہیں روپے کی جنہیں دنیا میں بھی الفت لال اُن کی زبانیں ہوئیں کرتے تھے جو غیبت
مے پینے کا سودا تھا جن اشراروں کے سر میں
جل جل کے ہوئے ہیں وہ کباب آپ سفر میں

۷۳

کچھ لوگوں کو اس شکل سے بھی آپ نے دیکھا انسان کے اعضا ہیں مگر خوک کا چہرا
یہ کون ہیں جبریل سے حضرت نے جو پوچھا کی عرض یہ خائن بھی ہیں غاصب بھی ہیں مولا
یہ دیکھ کے تادیر تحیر میں رہے آپ
ایسے ہوئے غمگیں کہ کبھی پھر نہ ہنسے آپ

۷۴

توفیق اگر ساقیٔ گلفام خدا دے ساغر میں گل تر مے ہوش ربا دے
جو دل کو بھی حظ آئے زباں بھی مزا دے شیشے کی پری کا مجھے دیوانہ بنا دے
مضمون تصور میں ہر اک بن کے نگار آئے
سرسبز مری فکر کا گلشن ہو، بہار آئے

۷۵

وہ جام دے پیتے ہی جسے قلب پھڑک جائے آئے وہ سرور، آتشِ شوق اور بھڑک جائے
ہے درد کی مدت سے جو دل میں وہ چمک جائے ایسی ہو معطر کہ جہاں سارا مہک جائے
گھر بیٹھے کروں سیر گلستانِ جناں کی
نشہ میں حقیقت مجھے لکھنی ہے وہاں کی

۷۶

اس کی نہیں پروا مے رنگیں ہو کہ سادہ ہوں مست جسے دیکھ کے، دے مجھ کو وہ بادہ
ہے آج سبو مُنہ سے لگانے کا ارادہ نیت نہ بھرے اس سے بھی کچھ ہو جو زیادہ

پی جاؤں گا جتنی بھی عنایت سے تو دے گا
میکش کوئی مجھ سے بھی نہ دنیا میں ملے گا ۷۷

لیکن ترے میخانہ پہ کیا آئی تباہی پائی نہیں جس قسم کی مے جس نے بھی چاہی
وہ کیا ہوئے ساغر، جو تھے یاں نامتناہی وہ چار بھی میکش نہیں توبہ ہے الٰہی

یاں عیش گذشتہ کا نشاں بھی تو نہیں ہے
یہ خیر سے ماہِ رمضاں بھی تو نہیں ہے ۷۸

یہ کیا کہ نہ شیشہ نہ صُراحی نہ سُبو ہے ساز طرب افزا ہیں، نہ وہ بزم نکو ہے
اُجڑا چمنِ میکدہ، وہ پھول نہ بو ہے ہو حق ہے نہ قل قل ہے جدھر دیکھئے ہو ہے

لازم ہے کہ میخانہ کو جلد اپنے سجا لے
ڈر ہے کہیں واعظ نہ دُکاں اپنی جما لے ۷۹

وہ یاد ہے اقرار جو کچھ ہم سے ہوا تھا یعنی تجھے دیں گے جو طلب ہم سے کرے گا
کب سے مے گلرنگ کا یہ رند ہے پیاسا بوتل کوئی اس وقت خدا کے لئے دلوا

وسواس نہ کر نقد ہی قیمت ابھی دیں گے
ہم نے تو کبھی قرض نہ پی ہے نہ پئیں گے ۸۰

دینا ہمیں وہ بادۂ پاکیزۂ و خوش تر پیتے ہیں بصد شوق جسے خاصۂ داور
مُن ہو گیا کس واسطے اس نام کو سن کر کیا تو مے انگور کا دیتا ہمیں ساغر

گر یہ ہے تو باز آئے ہم اس تیرے کرم سے
کیا وعدہ اسی مے کا کیا کرتا تھا ہم سے

۸۱

نادان ہم اس مے کے طلبگار نہیں ہیں مومن ہیں نجس شے کے سزاوار نہیں ہیں
زردے کے پیا کرتے ہیں، ناچار نہیں ہیں پر اِس کے تو، قطرے کے خریدار نہیں ہیں

کیوں دیدہ و دانستہ گنہگار بنیں ہم
سب اپنی دوکاں مفت بھی گر دے تو نہ لیں ہم ۸۲

کیا سمجھا، تجھے کوئی نہ دیوانہ بتا دے ساقی ہیں علیؑ جس کے، وہ میخانہ بتا دے
جو شرع پہ چلتا ہے وہ پیمانہ بتا دے جس مے میں کہ ہے جلوۂ جانانہ بتا دے

گر تو نہیں واقف ہے تو یہ اس کا پتہ ہے
موسیٰ نے جسے آنکھوں کے چشموں سے پیا ہے ۸۳

پھرتی تھی یہی مے تو سلیماں کو اُڑاے داؤد اسی مے سے ہوئے مست جو گائے
عیسیٰ نے جو پی، چوتھے فلک پر نظر آئے یہ پھول وہ ہے باغ ہزاروں جو کِھلائے

آتے ہیں جسے پیتے ہی اوسان یہی ہے
جس چیز سے تازہ رہے ایمان یہی ہے ۸۴

یہ چیز نہ ہوتی تو پھر ایمان کہاں تھا بے اس کے پیئے کوئی مسلمان کہاں تھا
طے عشق کی منزل ہو یہ سامان کہاں تھا جو کام کہ مشکل ہے وہ آسان کہاں تھا

حال اپنا یہ ہے دیکھ کے بس جیتے ہیں اس کو
ایماں بھی جب آتا ہے کہ جب پیتے ہیں اس کو ۸۵

جب خلد میں پہنچا وہ گلِ باغِ نبوت خوشبوئے نبیؐ سونگھ کے اِترا گئی جنت
صدقے کے لئے اُڑنے لگی پھولوں کی رنگت بٹنے لگا زر، لُٹنے لگی باغ کی دولت

چٹ چٹ کی جو ہر بار صدا دیتے تھے غنچے
احمد کی بلائیں بخدا لیتے تھے غنچے

۸۶

پرتو سے بنا صحنِ چمن نور کا دامن خوبانِ جناں تن کے دکھانے لگے جوبن
شمعِ رُخِ انور سے چمن ہو گیا روشن اور زلف کی خوشبو سے معطر ہوا گلشن
شاخیں جھکیں مجرے کو اِدھر اور اُدھر سے
دیکھا گلِ نرگس نے بھی الفت کی نظر سے ۸۷

گُل چاندنی میں روئے محمدؐ کی ادا تھی اور شان بھی شمشاد میں سب قدِّ علا کی
کلیاں رُخِ زہراؑ کی طرح سے تھیں گلابی شاخیں حَسنی سب تھیں تو گل سارے حُسینی
اشجار و گل و برگ کو ہی ان کی ہوا ہے
خالی کوئی ان پانچ تنوں سے نہیں جائے ہے ۸۸

گھیرے ہوئے اِس باغ کو تھی رحمتِ داور تھے نقرۂ خالص کے شجر ایک روش پر
اور نخلِ مُطلا کی قطار اُس کے برابر جن میں کہ بھرا تھا زر ایماں وہ گلِ تر
دل خلد میں ہر مومنِ کامل کا کھلے گا
سونا جب اُنہیں نخلوں کے سایہ میں ملے گا ۸۹

ہے آل محمدؐ کی طرح سرخرو ہر پھول کیا پیاری چمن بندی ہے کیا کیاریاں معقول
قرآنِ الٰہی میں صفت جن کی ہے منقول ایسے ہی ہیں کچھ نخل کہ عرض اُن کا نہ ہو طول
روپوش زمیں جن سے ہے اس درجہ گھنے ہیں
ہیں جن پہ تصدق دُلہنیں، ایسے بنے ہیں ۹۰

ہر طائرِ جنت ہے پری زاد و خوش آواز وہ بولیاں اُن کی کہ بجے جیسے کوئی ساز
پیارا ہے پلٹنے کا بھی جانے کا بھی انداز تا عرش پہنچ جائیں کریں گر کبھی پرواز
تیز ایسے تحمل نہیں غنچہ کی چٹک کا
کافور ہوں فوراً ہی جو کھٹکا ہو پلک کا

۹۱

پَر کی بھی کلی چٹکے، تو برپا ہو قیامت پرواز سوئے عرش کریں ہوش کی صورت
آ جائے اگر طوطیوں کی دید کی نوبت بن جائے بشر صورت آئینۂ حیرت

ہر آنکھ چمن میں در یکتا سے سوا ہے
پیٹوں میں تجلی ید بیضا سے سوا ہے ۹۲

حوروں کے وہ ابرو کہ مہِ عید بھی شرمائے چہرے وہ، کہ جو ایک نظر دیکھ لے غش آئے
شیریں ہیں لب ایسے، کہ شکر رشک سے سَم کھائے میلا ہو بدن دست تصور بھی جو چھو جائے

جوبن ہے کچھ اس طور کا خودسر، نہیں چھپتا
حُسن ایسا، کہ سو پردوں کے اندر نہیں چھپتا ۹۳

آنکھوں میں سپیدی و سیاہی کا وہ منظر گویا سحر و شام ہیں بادام کے اندر
سرخی کے جو ڈوروں پہ کریں غور سخنور پھولی ہے شفق، صاف گماں ہوتا ہے ان پر

کس کس کی کریں مدح ہر اک عضو حسین ہے
ابرو جو مہِ نو ہیں تو، خورشید جبیں ہے ۹۴

دل لینے کو کچھ کم تھی نہ زیور کی سجاوٹ پھر ناز و کرشمہ کی ادا اس پہ قیامت
انداز نرالے تھے انوکھی تھی بناوٹ تھی حشر بپا کرنے کو تیار لگاوٹ

جادو کی جگہ سرمۂ اعجاز نظر میں
نازک سی نگاہیں جو اتر جائیں جگر میں ۹۵

زلفیں تو ہیں ناگن سی، پہ ڈسنا نہیں آتا تلوار سے ابرو ہیں، پہ کسنا نہیں آتا
گو ہیں بُتِ ترسا، پہ ترسنا نہیں آتا دل پھانسنے آتے ہیں، پہ پھنسنا نہیں آتا

ہیں رشک پری زادوں پہ سایہ نہیں رکھتے
گو چاند سے چہرے ہیں پہ دھبا نہیں رکھتے

۹۶

بجلی سے چمکتے تھے سب ایوان ضیا بار ہیرے تھے کہیں نصب کسی جا دُرِ شہوار
رکھے تھے جواہر کے ہر اک طاق میں اشجار محرابیں مُطلا تھیں منقش در و دیوار
جو ان کے نگہبان تھے سب نیک عمل تھے
۹۷ چاندی کی چھتیں تھیں زر خالص کے محل تھے

کوثر کے کنارے پہ جو پہنچے شہِ جمہور دیکھا کہ دو طرفہ ہیں رکھے ساغر بلور
پر تو سے بنی چادر آب آئینۂ نور ہر ایک حباب آیا نظر قمقمۂ طور
ہر موج تھی بے چین کہ چومے قدم آ کر
۹۸ رہ جاتا تھا مرجان بھی ہاتھ اپنا بڑھا کر

آگے جو قدم قبلۂ عالم نے بڑھایا طوبیٰ کا شجر سرورِ دیں کو نظر آیا
شاخوں نے تو مل کر سر شہ پر کیا سایا پھولوں نے مگر غنچۂ خاطر کو کھلایا
خوش آمدِ حضرت سے شجر ایسا ہوا تھا
۹۹ خود برگ کے ہاتھوں سے دعا مانگ رہا تھا

سدرہ پہ جو پہنچے، تو امیں یہ ہوئے گویا مدت سے میں تھا منتظر اس وقتِ نکو کا
لائیں کبھی تشریف یہاں بھی مرے مولا سُویم نگہِ لطف بینداز خدارا
جبریل کی خاطر کی یہ اُس بحرِ کرم نے
۱۰۰ کچھ دیر توقف کیا واں شاہِ اُمم نے

جبریل نے کی عرض بڑھے واں سے بھی جو شاہ حد مری یہیں تک تھی اب اے خاصۂ اللہ
آگے نہیں جا سکتا غلام آپ کے ہمرا رخصت انہیں کر کے جو بڑھا اور وہ زیجاہ
گویا ہوا اس وقت براق اپنی زباں میں
حضرت کا بڑا مرتبہ ہے کون و مکاں میں

۱۰۱

اب مری بھی اتنی نہیں قدرت شہ والا جو اک سرِ مو آگے یہاں سے ہوں روانا
وہ بھی ہوا رخصت تو شہ دیں نے یہ دیکھا رفرف نے قدم آ کے لئے اور ہوا گویا
لے جاؤں میں حضرت کو یہ حکم اَحدی ہے
اس جا سے یہ خدمت مجھے تفویض ہوئی ہے

۱۰۲

کچھ دور گئے پشت پہ اس کی شہِ والا پھر حضرت میکال نے کاندھے پہ بٹھایا
آگے جو بڑھے شور فرشتوں میں یہ اٹھا ہے دوش مشیت پہ رواں رحمتِ دنیا
فردوس مکاں عرش مقام آتے ہیں دیکھو
تسبیحِ نبوت کے امام آتے ہیں دیکھو

۱۰۳

عاجز ہوا میکال سا بھی جبکہ فرشتہ پھر آیا سرافیل پئے خدمتِ مولا
جس وقت کہ وہ منزلت قرب پہ لایا نعلین اتاری تو صدا یہ ہوئی پیدا
یوں اور کئی آئے اگر، بے ادبی ہے
ہاں تم معہ کفش آؤ، ہماری یہ خوشی ہے

۱۰۴

اور آگے روانہ ہوئے جب شاہِ حق آگاہ اللہ کی رحمت ہوئی پھر آپ کے ہمراہ
آئی جو نظر چشمِ شہِ پاک کی ناگاہ قوسین بنے ابروئے شاہنشہ ذیجاہ
جب پردۂ اسرار کے نزدیک تر آئے
سب طالب و مطلوب کے ارمان بر آئے

۱۰۵

مہمان تھے اس جا پہ شہنشاہِ خوش اوقاف اپنی ہی جہاں غیر، شہِ دیں کو ملی ذات
ئے وقت نہ لمحہ نہ کوئی سمت نہ دن رات نہ طول نہ عرض اور نہ من وتُو نہ اشارات
قدرت نے سخن بھی وہ کئے شاہ زماں سے
تھے جو کہ جدا لوثِ لب و کام و زباں سے

۱۰۶

باقی یہ ہی دور مے گلفام ہے ساقی معراج کے آغاز کا انجام ہے ساقی
خالی مے گلگوں سے مرا جام ہے ساقی پلوا مجھے جیسا کہ ترا نام ہے ساقی
لیکن وہ پلا میری جو منظور خوشی ہو
جمشید نے خسرو نے سکندر نے نہ پی ہو

۱۰۷

اس رنگ کے انسان تو ہوتے نہیں دل تنگ الماس کے ساغر میں پلا دے مئے گلرنگ
پیمانۂ زر میں تو بہت کھیلا یہ رنگ ایسی ہو مگر صاف کہ آئینہ بھی ہو رنگ
جتنے پئیں چہرے پہ بحالی نظر آئے
ساغر میں ہو مے اور وہ خالی نظر آئے

۱۰۸

گلشن ترا آباد ہو وہ پھول پلا دے پیتے ہی جو باغِ سخنِ تازہ کھلا دے
اور اتنے مضامیں کے ثمر طبع رسا دے جس موقع پہ کہتے ہیں کہ بندہ لے خدا دے
کچھ نظم کے کہنے میں تردد نہ خلل ہو
گویا ابھی بوؤں ابھی کاٹوں وہ مثل ہو

۱۰۹

قدرت کے صدف میں جو نہاں تھے وہ گہر لاؤں اس بزم میں جو اہلِ نظر ہیں اُنہیں کھلاؤں
اور خلعتِ تحسیں کو تو لے کر ابھی گھر جاؤں کل حشر میں پھر اپنی ریاضت کا ثمر پاؤں
رکھتا ہوں یہ امید خدائے جُز و کُل سے
گلدستہ گلِ عفو کا لوں ختمِ رُسل سے

۱۱۰

اب ناز کی باتیں ہیں محبت کا فسانہ کہتے ہیں یہ خالق سے شہ یثرب و بطحا
فرزند سلیمان سا داود کو بخشا جس کی کہ حکومت کا بجا خلق میں ڈنکا
کچھ کم نہیں تجھ سے یہ بڑا میرا گلا ہے
مالک مرے بدلہ مجھے کیا اس کا دیا ہے

۱۱۱

آئی یہ صدا دی ہے تمہیں ہم نے وہ دختر سو بیٹے سلیمان سے قربان ہیں اُس پر
ہے زہد و ورع خلق میں اس بی بی کا زیور بخشا ہے جسے حیدرؑ کرّار سا شوہر

ہے عزت و توقیر بڑی تیرے وصی کی
کی جس نے مدد خلق میں ہر ایک نبی کی ۱۱۲

مریم سے بھی رُتبہ تری دختر کا سوا ہے ماں گیارہ اماموں کی یہی اہل وفا ہے
عطرِ گلِ گلدستۂ تسلیم و رضا ہے سب ایک طرف شافعۂ روز جزا ہے

عورات میں توقیر نہیں اتنی کسی کی
دختر ہے سلیماں کی کنیزی میں اسی کی ۱۱۳

تخت ان کا ہوا پر بھی، فقط ہم نے اڑایا لیکن تمہیں تو عرش کی مسند پہ بٹھایا
حیرت ہوئی جب موت نے منہ ان کو دکھایا بے اذن ترے گھر میں فرشتہ نہیں آیا

دنیا کی ہر اک شے پہ حکومت اُنہیں دی تھی
پر شاہیٔ کونین کہاں ان کو ملی تھی ۱۱۴

کی عرض انگوٹھی بھی تو کی ان کو عنایت آئی یہ صدا تم کو ملی مُہرِ نبوت
ظاہر ہوا جس سے کہ ہوئی ختم رسالت اب کوئی نبی ہو گا نہ تا روزِ قیامت

باقی ہے امامت تو وہ گھر میں ہے تمہارے
کچھ اور گلہ ہو تو اُسے بھی کرو پیارے ۱۱۵

کی عرض کہ طوفاں سے بچے نوحِ خوش ایماں بدلا مجھے کیا اس کا دیا ہے میرے یزداں
آئی یہ صدا مرتبے تیرے ہیں فراواں امت تری دوزخ سے بچائیں گے مری جاں

ہم حشر کے دن تاج شفاعت تمہیں دیں گے
جنت کا بھی دوزخ کا بھی مختار کریں گے

۱۱۶

کی عرض زرہ حضرت داود کو بخشی ہر جنگ میں جس نے کہ حفاظت کی بدن کی
فرمایئے کیا اس کے عوض چیز مجھے دی کچھ اس کی ضرورت نہیں آواز یہ آئی

ہر جا رہے وہ ان کے حبیب امن و امان میں
۱۱۷ موجود ہیں ہم تیری حفاظت کو جہاں میں

کی عرض براہیم پہ آتش کو بجھایا کیا اس کا عوض مجھ کو دیا بار خدایا
آئی یہ صدا آگ سے صرف ان کو بچایا سن لیجئے پر آپ نے جو مرتبہ پایا

ہم دشمنوں کو تیرے جہنم میں بھریں گے
۱۱۸ اور دوستوں پر نارِ سقر سرد کریں گے

کی عرض کہ موسیٰ کو دکھایا رخ انور کیا اس کا عوض مجھ کو دیا اے مرے داور
آئی یہ صدا کب تھا یہ قرب اُن کو میسر باتیں ہی فقط، دُور سے ہو جاتی تھیں اکثر

خواہاں تھے وہ جس امر کے وہ بات نہیں کی
۱۱۹ پردہ ہی رہا کھل کے ملاقات نہیں کی

موسیٰ کا کہاں ذکر کہاں آپ کا مذکور وہ ہجر کے غم دیدہ ہیں، تم وصل سے مسرور
تم چرخ پہ، وہ کوہ پہ، تم پاس ہو، وہ دور انصاف کرو دل میں کہاں عرش کہاں طور

موسیٰ سے کہیں مرتبہ فایق ہے تمہارا
۱۲۰ وہ جس کے تھے مشتاق وہ عاشق ہے تمہارا

کی عرض کہ موسیٰ کو عصا بھی تو دیا تھا کیا اس کا عوض مجھ کو دیا اے میرے مولا
آئی یہ صدا اس کا تو فرماؤ نہ شکوا دو تم کو عصا بخشے کہ جن کا نہیں ہمتا

فرزند علیؑ کے وہ حسینؑ اور حسنؑ ہیں
ایماں کے جو سلطاں ہیں شہنشاہ زمن ہیں

۱۲۱

جو ان کی ہے توقیر خبر کیا تمہیں پیارے دنیا کی یہ رونق ہیں یہ ہیں عرش کے تارے
تم میرے ہو محبوب، یہ محبوب تمہارے ہیں بخشش امت کے یہ ہی دونوں سہارے

ایک عقدہ ہے پیچیدہ انہیں سے تو کھلے گا
۱۲۲ وہ بار اٹھائیں گے جو تم سے نہ اٹھے گا

اِس وقت مناسب نہیں اُس امر کا اظہار کھل جائے گا اک وقت میں پوشیدہ وہ اسرار
الفت کی یہ شب وصل کی یہ رات ہے سرکار کچھ پیار کی باتیں کرو کچھ ناز کی گفتار

سمجھو یہی دم بھر کی ملاقات غنیمت
۱۲۳ یہ وقت غنیمت ہے یہ ہے رات غنیمت

کی عرض کہ ان کو یدبیضا بھی تو بخشا خالق مرے کیا اس کا دیا ہے مجھے بدلا
آئی یہ صدا اُن سے ہے نسبت ہی تمہیں کیا وہ خاک سے تم نور سے میرے ہوئے پیدا

ہیں اور بھی مرسل پہ یہ رتبہ نہیں رکھتے
۱۲۴ تم خلق میں یکتا ہو کہ سایا نہیں رکھتے

خلوت میں بس اک آپ تھے، یا خالق یکتا پردہ تھا جو اے بزمؔ، وہ اٹھا کہ نہ اٹھا
تا حشر نہ کھلا ہے نہ کھلے گا یہ معما کیا جانئے خاص آپ سے باتیں ہوئیں کیا کیا

تھی وصل کی شب بس یہ کتابوں میں لکھا ہے
کیا اور کریں نظم، نہ دیکھا نہ سنا ہے

نعتیہ مسدس: ۲

حَمد، نَعت، مِعراج، اور تخلیقِ کائنات پر مشتمل

مطلع

عَبدِ ناچیز سے خالق کی ثنا کیوں کر ہو

تعداد بند: ۳۱۴

۱

عبد ناچیز سے خالق کی ثنا کیوں کر ہو شکر رزّاقِ دو عالم کا ادا کیوں کر ہو
سہل عقدہ نہیں، مشکل ہے، یہ وا کیوں کر ہو کس طریقہ سے کریں حمدِ خدا کیوں کر ہو
شفقتیں بندہ پہ معبود نے کیا کیا کی ہیں
اک زباں بخشی ہے اور نعمتیں صدہا کی ہیں

۲

کس طرح سے صفتیں اُس کی ہوں بندہ سے بیاں اُس کی تعریف سما سکتی ہے لفظوں میں کہاں
عادل و خالق و غفار و کریم و سبحاں عالمِ مقتدر و واحد و حیّ و دیّاں
اس پہ کونین کی جو شے ہے وہ سب ظاہر ہے
ذرّہ ذرّہ کی حقیقت سے غرض ماہر ہے

۳

لفظ و ذرّات و بُن و برگ و گیاہ و اشجار رگ و مو، بال و پر و نقطہ و امواجِ بحار
ریگِ صحرا و خطوط و ثمر و غنچہ و خار لحظہ و ساعت و پاس و گہر و سنگ و شرار
ان کی تعداد سے کوئی نہیں اصلا واقف
ہے اگر تو وہی دانا وہی بینا واقف

۴

ہے عجب ذاتِ خداوند دو عالم یکتا گو کہ بے گوش ہے لیکن ہے ہر اک کی سنتا
اُس کو بے چشم نظر آتا ہے حالِ دنیا گلشنِ دہر کے حالات چھپیں اس سے کیا
خوب آگاہ ہے مخفی ہے جو گوشِ گل میں
اس کو معلوم ہے جو کچھ ہے دلِ بلبل میں

۵

کچھ سمجھ میں نہیں آتے ہیں خدا کے اسرا اس میں انسان کا ادراک ہے بالکل بیکار
کاف ونوں اس کی مشیت نے ملا کر اکبار تازہ مضمون کئے سینکڑوں ان سے اظہار
کیوں نہ دو حرف کا بے مثل مُنَمّا نکلے
ماسوا کے بخدا جس سے کہ اسما نکلے

۶

نئے اوقات جو گلشن کے ہوئے مَدِّ نظر شام سوسن کی بنائی تو چنبیلی کی سحر
ہے فتیلہ سے نہ روغن سے ملاقات مگر گلِ خوشرنگ کا روشن ہے چراغ آٹھ پہر

خونِ مردہ میں عطا اس نے عجب جوش کیا
عکسِ لالہ نے فلک کو ہی شفق پوش کیا

۷

غور تخموں کی جو حالت میں کرے کچھ دانا اس قدر طور نہ تمیز کا پائے اصلا
نخل اُن چھوٹے سے دانوں سے کئے وہ پیدا دیکھ کر جن کی بلندی کو ہے حیراں دنیا

پھر جو خالق نے درِ فیض و عطا باز کیا
پھول بھی بخشے پھلوں سے بھی سرافراز کیا

۸

عقل و اوہام و خیالات و حواسِ انساں برسوں اندیشہ جو دن رات کریں تا امکاں
ذرہ بھر صنعتِ خالق کے نہ ہوں رازعیاں جو کہ اک پشہ کی خلقت میں کئے ہیں پنہاں

جب نہ مخلوق کی خلقت کو ذرا جان سکیں
اپنے خالق کو وہ کس طرح سے پہچان سکیں

۹

لطف یہ گیسوئے سنبل میں کیا ہے پیدا دُرِ نائفتۂ شبنم کو پرویا کیسا
رہ افتادگی میں اس کو یہ آرام دیا دیکھ لو سبزۂ خوابیدہ نہ اب تک چونکا

فیضِ قدرت سے بنفشہ، میں وہ رنگت بہر دی
لاجوردی ہی ہر اک لوحِ گلستاں کردی

۱۰

سَرِ بے جسم حبابوں کے بنائے یکسر اور فوارے کی گردن ہے نمایاں بے سر
شاخیں بے پنجہ کے ہیں ہاتھ، کرو غور اگر باغ میں اڑتی ہے ہر پھول کی خوشبو بے پر

بے دہن کی ہے زباں، خار کی صنعت دیکھو
بے زباں کا ہے دہن غنچہ کا، حکمت دیکھو

۱۱

برتری زار کو شہزور پہ دے گروہ ذرا فیل کا رختِ گراں ٹھہرے مگس کا جاما
حد سے نمرودِ بد ایماں کا بڑھا جب غرّہ اس پہ آرا پرِ پشّہ کا چلایا کیسا

کعبہ جب اہلِ حبش فیلوں سے ڈھانے آئے
سنگریزوں سے ابابیل بھگانے آئے ۱۲

رحم سابق ہے غضب پر مگر اُس کا ہر آں عاشقِ سہو و خطا رہتے ہیں، بذل و اِحساں
فیض اسے کہتے ہیں بے شرطِ اطاعت بھی یہاں نعمتیں سیکڑوں کرتا ہے عطا وہ سبحاں

وہی رزاق دو عالم کا ہے، مرزوق ہیں سبب
وہی خلاق ہے، باقی جو ہیں مخلوق ہیں سب ۱۳

شکر خلاقِ دوعالم کا ہو کس طرح ادا کہ ہمیں شاہِ رسالت سا دیا راہنما
بحرِ فیض ایسے کہ دریا بھی ہے ان کا قطرہ مہرِ نور ایسے کہ خورشید ہے ادنی ذرّہ

ایسے افصح ہیں کہ عاشق ہے فصاحت ان کی
یہ وہ ہیں مصحفِ ناطق ہے خموشی جن کی ۱۴

نوحؑ تھے اور نہ کشتی تھی نہ اصلِ دریا ناخدا روح کی کشتی کے یہ جب تھے بخدا
نیل تھا اور نہ یوسف نہ زُلیخا کا پتا جب یہ تھے یوسفؑ افلاک و مقامِ اعلا

نہ سلیمانؑ تھے نہ مذکور پری اور جن کا
نام تھا مہر نبوت کے نگیں پر اِن کا ۱۵

نہ براہیم کی ہستی تھی نہ گلزار کی تھی کعبۂ ہستیٔ عالم کے تھے معمار یہی
غم ہستی سے بہت دور تھے ایوبؑ نبی مردمک جب سے یہ تھے چشمِ شکیبائی کی

چشم موسیٰؑ تھی نہ آفاق میں، نے جلوہ تھا
من و سلوی کریں تقسیم، یہ کام ان کا تھا

۱۶

تھے نہ یعقوبؑ نہ اسحاقؑ کا تھا آوازہ یہی آفاق کے کنعان میں تھے جلوہ نما
ابھی معدوم تھا داؤدؑ نبی کا نغمہ شور ہر بزم میں تھا ان کی خوش اِلحانی کا
آسمانوں کے نشاں تک بھی نہیں اَصلا تھے
۱۷ کہ یہ زینت دہِ بامِ فلکِ اَعلا تھے

ابھی مٹی کو نہ تھی قالبِ آدمؑ کی خبر جلوہ افزا تھے مگر عرش کی یہ مسند پر
عاد کی قوم کو پہنچا تھا نہ صرصر سے ضرر ان کے اکرام کی چلتی تھی ہوا سرد مگر
ابھی خاموش مسیحا کا لب گویا تھا
۱۸ حیَ اموات کا یاں شغل سدا ہوتا تھا

باعثِ عالمِ ایجاد ہے ذات والا ہم شرف کوئی رسولوں میں نہیں تھا ان کا
پشت پر مُہر ہوئی ہے جو بفرمانِ خدا خاتمہ بابِ رسالت کا ہے صاف اس سے کھلا
کوئی ان کا سا نہ اعزاز و شرف پائے گا
۱۹ بعد حضرت کے رسولؐ اور نہیں آئے گا

سارے نبیوں میں کوئی آپ کا ہمسر نہ ہوا الیا ذیشان کوئی اور پیمبر نہ ہوا
اور ہوا بھی تو خدا کا کوئی دلبر نہ ہوا قرب ایسا کسی بندہ کو میسر نہ ہوا
سچ ہے زیبا ہے انہیں کے لئے رتبہ ان کا
۲۰ ہے جہاں نام خدا کا وہیں کلمہ ان کا

نہ یہ دنیا تھی نہ دنیا کا نشاں تھا اصلا خلد میں حضرت آدمؑ تھے، نہ حوا کا پتا
جلوہ گر اہلِ سماوات میں تھا، نور ان کا بس فقط ایک وہ خلّاق تھا یا یہ بندا
خلوت خاص تھی جلوت کا وہاں طور نہ تھا
تھے فقط عاشق و معشوق کوئی اور نہ تھا

۲۱

نورِ محبوب سے کی عرش کی خالق نے بنا جلوۂ عرش سے کُرسی کو کیا پھر پیدا
لوحِ کُرسی سے بنائی بصد الطاف و عطا تختۂ لوح پہ قائم ہُجرِ کِلک کیا

دے کے قط پھر یہ کہا حال سب انشا کردے
۲۲ ای قلم تختۂ گلزار یہ تختہ کردے

غش ہوا کاتبِ تقدیر کی سن کر یہ صدا برسوں سکتہ میں قلم، صورت تصویر رہا
ہوش جب آیا تو کی عرض لکھوں پہلے کیا آئی آواز کہ جو کچھ بھی ہے مقصود مرا

بحرِ رحمت بہت اس وقت ہے طغیانی پر
۲۳ نام لکھ احمدؐ و محمود کا پیشانی پر

نامِ احمدؐ کا سنا جب تو کہا میں قرباں کون ہیں یہ کہ جنہیں بخشی ہے خالق نے یہ شاں
آئی آواز کہ سلطانِ زمیں شاہِ زماں گلِ گلزارِ دنا بلبلِ قوسین مکاں

ابرِ رحمت میں جو مخفی تھا وہ پیارا ہے یہی
۲۴ میرا محبوب مرے عرش کا تارا ہے یہی

ایسا بندوں میں نہیں کوئی رفیع الدرجات آپ ہم بھیجتے ہیں جس پہ درود و صلوٰات
علّتِ غائی کونین، اسی کی تو ہے ذات اِسی نوشاہ کے دم سے تو ہے ہستی کی برات

جو یہ چاہے گا وہی اس کی خوشی کردیں گے
۲۵ سب گنہ گاروں کو دوزخ سے بَری کردیں گے

سن کے یہ بات قلم وجد میں آیا اکبار لوح پر لکھ تو دیا نامِ رسولِ مختار
شوقِ دیدار میں پر قلب کو آیا نہ قرار آخرش تیغِ محبت سے ہوا سینہ فگار

عشقِ احمدؐ کا نشاں خلق کو دکھلاتا ہے
یہ وہی ہے جو شگاف اس میں نظر آتا ہے

۲۶

حق نے پھر نور سے احمدؐ کے بصد شوقِ تمام خلق افلاک کئے اور ستاروں کے مقام
پھر سنوارا چمنِ خلد اور اس کے در و بام پھر اسی نور سے پیدا کئے بارہ یہ امام
مرتبے اور بڑھے اُس گہرِ یکتا کے
۲۷ لائے جب علم کی نہروں میں ملک نہلا کے

بحر میں جب مُبشّر ہوئے سُلطانِ ہدا جس قدر علم تھے ان سب پہ عبور ان کو ہوا
رحمت اس وقت میں پوشش تھی خورش حمدِ خدا نکلے جب واں سے تو سجدہ کیا خالق کا ادا
تن سے قطرے جو گرے سب دُرِ شہوار بنے
۲۸ فضل حق سے یہ رسولانِ خوش اطوار بنے

جسم حضرت کا بنے، جب یہ ہوئی حق کی رضا خاک لانے کے لئے روح امیں کو بھیجا
جب زمیں سے کہا جبریل نے فرمانِ خدا خاک بھی، میں نہیں دوں گی یہ جواب اس نے دیا
مجھ کو معلوم ہے خلق اس سے وہ پیدا ہوگی
۲۹ خاص کر دل سے معاصی کی جو شیدا ہوگی

ابھی حکم آئے نہ تھے روحِ امیں یہ لے کے دے گیا فقرہ یہ ابلیس زمیں کو آ کے
خاک دیدی تو بڑے تجھکو تردد ہوں گے صاف کہنا کہ بہت ان سے کدورت ہے مجھے
میرے سر مُفت کا الزام عبث دھرتے ہو
۳۰ ساتھ اُس خلق کے رسوا مجھے کیوں کرتے ہو

پائے میکال و سرافیل نے بھی جب یہ جواب آئے پھر حکم خدا سے ملک الموت شتاب
جتنی مقصود تھی لی خاک زمیں سے بہ عتاب اور یہ چلا کے کہا بھول گئی راہِ صواب
ایک بھی حکمِ خدا گر نہ بجا لائیگی
اے زمیں خاک میں سب آبرو مل جائے گی

۳۱

سخت حیرت ہے کہ دل میں ہے تو سمجھے ہوئی کیا خاک سر پر ترے سنتی نہیں فرمانِ خدا
تیری مٹی سے بنے گا وہ دُرِبیش بہا پست قسمت ہے، بہت اوج بڑھے گا تیرا
تجھ کو رکھے گا وہ محروم شرف پانے سے
۳۲ کیوں مکدر ہوئی ابلیس کے بہکانے سے

اسی غصہ پہ انہیں قابضِ ارواح کیا حضرت ذوق نے کیا خوب یہ مضموں ہے کہا
موت ہی سے تو دبا ورنہ یہ خاکی پتلا تھا وہ خودبیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا
مرگ کے خوف نے یہ رعب بٹھا رکھا ہے
۳۳ سب کو ایمان کے رستے پہ لگا رکھا ہے

حکم خلاق سے جب چرخ یہ خاک گئی پہلے تو خلد کی نہروں میں دُہلی صاف ہوئی
گِل سے گُل ہوگئی پھر حق نے یہ رنگت بخشی یہ وہی خاک ہے پہنچانی نہیں جاتی تھی
خاک کا اس میں ہو ذرہ بھی تو کچھ جان سکیں
۳۴ نور اب ہوگئی کیونکر اسے پہچان سکیں

جسم اُس نور کی مٹی سے بنا حضرت کا حصہ جو بچ گیا وہ طنیت آدم میں ملا
ڈالی اللہ نے تب گلشن ہستی کی بنا صفی اللہ کو پھر تختِ خلافت بخشا
معنی فی الارض خلیفہ کے ملک جان گئے
۳۵ سُن کے سُبحانکَ لاعلمَ لَنا مان گئے

حکم جب سجدۂ آدم کا فرشتوں کو ملا سب نے مانا مگر ابلیس نے انکار کیا
تھا زمیں سے جو غبار اُس کو وہ دل سے نہ گیا آخرش اوج گھٹا راندۂ درگاہ ہوا
یہ تو سمجھا کہ ہے بندہ کو یہ کیسا سجدہ
یہ نہ سمجھا کہ ہے باطن میں خدا کا سجدہ

۳۶

اس گل تر کو ہے اب گلشن ہستی کی ہوا سبز جوڑا ہے ہر اک نخل چمن نے بدلا
آمدِ شاہِ رسالت کا جو مژدہ ہے سنا طالبِ گل نہیں بلبل، یہ شگوفہ ہے نیا
بدلی پھولوں کی قبائیں جو نظر آتی ہیں
گٹھریاں رخت کی غنچوں کے کھلی جاتی ہیں

۳۷

یہی گل باغِ خلیلی کی بڑھائے گا فضا باغ ایماں کا اسی گل سے رہے گا تازہ
کوئی اس گل کے سبب سے نہ رہے گا کانٹا اور ہوجائے گی اب گلشنِ وحدت کی ہوا
صبح دم پھول کھلانے جو صبا آئے گی
غنچے جب چٹکیں گے حق حق کی صدا آئے گی

۳۸

دہر میں حضرتِ آدمؑ سے طریقہ یہ رہا اک نبی فوت ہوا دوسرا مرسل آیا
بند ہی کچھ روزوں سلیمانؑ کی عالم میں ہوا کچھ دنوں حضرت یوسفؑ کی رہی چاہ سوا
ملک خالی نہ خداوند تعالیٰ کا رہا
عہد موسیٰ کا، زمانہ کبھی عیسیٰؑ کا رہا

۳۹

جبکہ خلاقِ دوعالم کو یہ منظور ہوا اپنے محبوب کو بھیجے پئے سیر دنیا
لائے جبریل جو یہ مژدۂ فرحت اَفزا رنگ کچھ اور ہی افلاک و زمیں نے بدلا
گل کِھلے رحمتِ خالق کی ہوا آنے لگی
چار جانب سے درودوں کی صدا آنے لگی

۴۰

دھوم ہے خلق میں محبوبِ خدا آتے ہیں جس کی کونین کے قلبوں میں ہے جا آتے ہیں
اہل دل، اہل کرم بحر عطا آتے ہیں اُمتی کہتے ہوئے شاہِ ہُدا آتے ہیں
کہیں عالم میں نبی ہوتے ہیں پیدا ایسے
آپ اس امت عاصی کے ہیں شیدا جیسے

۴۱

جن کا مشتاق تھا کعبہ وہ رسول آتے ہیں ڈھونڈتا تھا جنہیں بطحا وہ رسول آتے ہیں
راستہ جن کا ہے سیدھا وہ رسول آتے ہیں پیار ہے جن پہ خدا کا وہ رسول آتے ہیں

یک زباں احمدؐ بے میم جہاں کہتا ہے
حق نے در پردہ انہیں اپنا لقب بخشا ہے ۴۲

پائیں گے در سے انہیں کے تو نشانِ خالق یہ وہ بندے ہیں جو دکھلائیں گے شانِ خالق
رتبہ داں ان کا وہ، یہ مرتبہ دانِ خالق ان پہ مخلوق کو ہوئے گا گمانِ خالق

مقصد کن یہی کونین کے بانی ہیں یہی
جن کا ثانی نہیں، وہ یوسف ثانی ہیں یہی ۴۳

راستہ مُلکِ شریعت کا بتائیں گے یہی معجزے مُنکر خالق کو دکھائیں گے یہی
اپنی امت کے سدا عیب چھپائیں گے یہی صورتِ بانگِ اذاں عرش پہ جائیں گے یہی

ان کے ہی فیض سے کعبہ میں جماعت ہوگی
ایک خالق کی زمانے میں اطاعت ہوگی ۴۴

ان کے آنے سے جہاں، وادی ایمَن ہوگا دیں کے آئیں گے قدم، کفر کا قدغن ہوگا
خار جس قطعہ میں تھے اب وہی گلشن ہوگا خانۂ کفر میں ایمان کا مسکن ہوگا

نہ تو بت اور نہ بتخانہ رہے گا باقی
دور اصنام کا، افسانہ رہے گا باقی ۴۵

مشتری جس کا خدا ہے وہ گہر آتا ہے نور ایماں کا ہے جس میں، وہ قمر آتا ہے
معرفت جس میں بھری ہے وہ ثمر آتا ہے شان خالق کی ہے جس میں وہ بشر آتا ہے

شایقِ گلشنِ توحید زمیں ہے یاں کی
اسی تختہ پہ تو آئیگی بہار ایماں کی

۴۶

شانِ حق آئیگی اب یثرب و بطحا میں نظر اب مدینہ کی زمیں عرش سے لیگی ٹکر
روز و شب شورِ اذاں ہوگا عرب میں گھر گھر اب بہار آئیگی مسجد کے بھی گلدستوں پر

نور ظاہر جو رسولِ عَرَبی کا ہوگا
۴۷ سبز پھر باغ، خلیلِ اَحَدی کا ہوگا

پردۂ قُدس میں تھا جو کہ مکیں آتا ہے مہروش آئینہ رخ ماہ جبیں آتا ہے
جس پہ خود حُسن ہے شیدا وہ حسیں آتا ہے مُہر ہے کف پہ جس کے وہ نگیں آتا ہے

کی نہ یوں حق نے کبھی اور کسی کی خاطر
۴۸ ڈاک بیٹھے گی فرشتوں کی اسی کی خاطر

شاخ ہے جس کی امامت، وہ شجر آتا ہے صدفِ رحمتِ خالق کا گہر آتا ہے
جس سے کونین ہیں روشن وہ قمر آتا ہے جو ملا دے گا خدا سے وہ بشر آتا ہے

ہو جو بے مثل ثنا اُس کی کرے کیا کوئی
۴۹ حق یہ ہے بعد خدا کے نہیں ایسا کوئی

سب رسولوں میں انہیں کے لئے یہ دولت تھی دونوں راضی رہے اللہ بھی اور امت بھی
گو کہ تھے دہر میں وہ بھی بڑے رتبہ کے نبی بات یہ حضرت موسیٰ کو بھی حاصل نہ ہوئی

جو نہ تھے اوروں میں ان میں وہ شرف سارے ہیں
۵۰ اپنے خالق کے بھی، مخلوق کے بھی پیارے ہیں

سب سے اچھا کوئی مسلک ہے تو اِن کا مسلک یہی محبوبِ خدائے دو جہاں ہیں بیشک
ان کی تعظیم نہ کیونکر کریں سُکانِ فلک اک یہی بندوں میں پہنچے ہیں فقط خالق تک

کفر کلمہ پڑھے اعجاز نمائی ایسی
رتبہ اس طرح کا حُسن ایسا رسائی ایسی

۵۱

نظر آتی ہے زمانے کی ہر اک شے پر نور تنکے تنکے کا یہ عالم ہے کہ ہے شعلۂ طور
باچھیں غنچوں کی کھلی جاتی ہیں گل ہیں مسرور دھوم ہے سیرِ جہاں کے لئے آتے ہیں حضور
ذرّے حیرت میں ہیں نور آ گیا کس کا ہم میں
۵۲ چاند نکلا نہیں اور چاندنی ہے عالم میں

کون آتا ہے کہ چہرہ ہے ہر اک پھول کا لال زرِ گل سے ہے ہر اک نخلِ چمن مالا مال
غنچے ہنستے ہیں شجر سبز ہیں شاخیں ہیں نہال قمریاں سرو پہ توحید کے گاتی ہیں خیال
نونہالانِ چمن مست بھی مسرور بھی ہیں
۵۳ اک نظر دیکھ لیں، اس تاک میں انگور بھی ہیں

کونپلوں کا پئے نظارہ نکلنا دیکھو نئی پوشاک ہر اک گل کا بدلنا دیکھو
جھوم کر ٹھنڈی ہواؤں کا وہ چلنا دیکھو شوق میں حوض کے پانی کا اچھلنا دیکھو
نغمے بلبل کے مسرت کا پتہ دیتے ہیں
۵۴ آؤ آؤ یہی طاؤس، صدا دیتے ہیں

چاہیے جامِ مئے ہو شربا اب ساقی تو ہے فیاض، کرم اپنا دکھا اب ساقی
ہو جو توفیق تو رندوں کو پلا اب ساقی سچ یہ ہے آئے گا پینے کا مزا اب ساقی
دلِ اعدا کی گزک، آج تو اک قاب میں لا
۵۵ مہرِ دیں آتا ہے مے ساغرِ مہتاب میں لا

نشہ کم ہوگیا اب بہرِ خدا دیر نہ کر سَنسَنی جسم میں ہے سر میں بھی ہے کچھ چکّر
دستِ نازک سے پیالے مجھے دے بھر بھر کر حال مولود کا بے کیف لکھوں گا کیونکر
ہم فقیروں کو پلا اوج سوا ہو تیرا
کر بھلا ساقیٔ مہوش، کہ بھلا ہو تیرا

۵۶

آج تو میکدۂ چرخ سے لا کوئی سبو جس میں ہو رنگ وِلا کا گُلِ توحید کی بو
تا کہ پی جاؤں صراحی کی طرح تا بہ گلو اور کچھ اس میں سے بچ جائے تو کرلوں میں وضو
غلغلہ سرور کونین کے ہے آنے کا
۵۷ ابھی پڑھنا ہے دوگانہ مجھے شکرانے کا

خم کی خیرات میں پلوا مجھے ساقی کوئی جام آتے ہیں سوئے زمیں بادشہِ عرش مقام
جلد دے دیر کا ہرگز یہ نہیں ہے ہنگام یہ وہ موقع ہے کہ ساغر کا نہ پینا ہے حرام
فرش پر عرشِ الٰہی کا مکیں آتا ہے
۵۸ جس کا عاشق ہے خدا اب وہ حسیں آتا ہے

اب بھی ساقی جو نہ پلوائی تو پلوائے گا کب پیاس مدت کی ہے اس رند کے تر کردے لب
ہم سے شیشہ کی پری اڑتی ہے اب ہائے غضب پیرِ میخانہ سے بیعت ہوں تو نکلے مطلب
آج اُلجھنا ہے ہمیں بھی کسی مستانے سے
۵۹ بے پیئے تو نہیں جاتے ترے میخانے سے

کچھ بھی اس دور میں ساقی نہیں ہم پانے کے مفت بھئی پہ گنہگار ہوئے آنے کے
تو نے تو سیکھے میں ڈھب رندوں کے ترسانے کے شوق یاں کہتا ہے لب چوم لے پیمانے کے
میری بیتابیاں رنگ اپنا دکھا دیں گی ابھی
۶۰ دیکھنا شیشہ و ساغر پہ گرادیں گی ابھی

مے بھی وہ دے جو پیا کرتے ہیں جنت والے روزِ محشر جسے مانگیں گے قیامت والے
جس کو پیتے ہیں حقیقت میں شریعت والے ہم تو دنیا میں اُسی کے ہیں فقط متوالے
مئے کوثر ہی کے پینے کی تمنا ہے مری
اور کچھ اُس کے سوالائے تو توبہ ہے مری

۶۱

آج بھی شاد نہ کرنے کا ہے منشا ساقی ہم بھی کیا یاد کریں گے تجھے اچھا ساقی
پھک گیا پیاس کی شدت سے کلیجا ساقی پھول پلوا کہ نکل جائے یہ کانٹا ساقی

ہم بھی آنکلیں گے آبادیہ سرکار رہے
۶۲ بادہ کش ٹوٹ پڑیں میکدہ گلزار رہے

پیرِ میخانہ ہوں یہ دھیان نہ دل میں لانا میں بھی حیدرؑ کے مریدوں میں ہوں نامی بخدا
ساقیٔ روزِ جزا پر، مرا گھر بار فدا اسی میخانہ سے ملتی ہے مئے ہوشربا

یاں ہوں کوثر پہ مگر روح دہری ہے میری
۶۳ حور زاہد جسے کہتا ہے، پری ہے میری

اے محبانِ نبی جائے ادب ہے بخدا آتے ہیں سیرِ جہاں کے لئے سلطانِ ہدا
جسکی مدت سے تمنا تھی وہ موقع آیا کیسے عاشق ہونہیں سنتے یہ ہاتف کی صدا

آپ کیا آئے تجلیٔ دو عالم اُتری
۶۴ قدرت اللہ کی، رحمت قدِآدم اُتری

منبرِ کعبۂ ایماں کا خطیب آپہنچا مرضِ کثرتِ عصیاں کا طبیب آپہنچا
جس کا عاشق ہے جہاں اُس کا طبیب آپہنچا کفر جو دور کرے گا وہ قریب آپہنچا

وقت یہ نعرۂ صلوات کی تقدیم کا ہے
۶۵ اُٹھیں حضار کہ موقع یہی تعظیم کا ہے

نذرِ جاں لیکے بڑھو جلد وہ آئے حضرت جلد یثرب کو چلو جلد وہ آئے حضرت
بہرِ تسلیم اٹھو جلد، وہ آئے حضرت جا کے یہ بیت پڑھو جلد، وہ آئے حضرت

مَرحَبا سیّدِ مکّی مَدَنی العَربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

٦٦

آئے گا جس پہ کہ قرآن، وہ صورت آئی عالمِ زر میں جو مخفی تھی وہ دولت آئی
جس پہ تاحشر چلیں گے، وہ شریعت آئی شکلِ انساں میں ہے اللہ کی قدرت آئی

نورِ حق کا جو پتہ دیوے گی طلعت ان کی
٦٧ شرع پردے میں چھپالے گی حقیقت ان کی

آبِ کوثر مَلَکِ عالَم بالا لائے کپڑے پھر نور کے نہلا کے انہیں پہنائے
فرش پر عرش سے منہ دیکھنے قدسی آئے اس کی رحمت کے جو ہر سمت تھے بادل چھائے

بادۂ معرفتِ حق کا سرور آنے لگا
٦٨ چاند سے چہرہ پہ توحید کا نور آنے لگا

سینہ جو روزِ ازل سے غِل وغِش سے تھا صفا نور اور اُس میں یدِ قدرتِ خالق نے بھرا
پہلے سینہ تھا پر اب ہوگیا طورِ سینا مُہر پھر پشت پہ کی، بخت نگیں کا جاگا

کلمہ پڑھوا دیا ہر کافرِ بے پروا کو
٦٩ تھا عجب نقش کہ تسخیر کیا دنیا کو

کیوں جبیں پر نہ ہوئی مہر عجب ہے حیرت یہ نشاں دیکھ کے پہچانتی ساری خلقت
پشتِ حضرت پہ لگانے میں یہ تھی پر حکمت جان لیں سب کہ یہ ہیں پشت و پناہِ اُمت

ماسوا اِس کے یہ منظورِ خدا ہوئے گا
٧٠ ان سے گر پشت پھرائی تو برا ہوئے گا

جس طرح معجزے خالق نے کئے ان کو عطا اسی صورت سے ہر اک شے کا انہیں علم دیا
اپنے محبوب کا خلّاق خود استاد بنا تھے ازل سے یہ پڑھے لکھے پڑھاتا کوئی کیا

آئے تھے سوئے زمیں علم کے دریا ہوکر
کیسے بندوں سے سبق لیتے وہ مولا ہوکر

۷۱

سنِ بہی سلطان دو عالم کا بڑھا مثلِ شعور سال بھر کا ہوا اک ماہ میں وہ شاہِ غیور
ان کو ہر علم پہ تھا روز ازل سے ہی عبور دو مہینے میں ہوئے لائق مکتب جو حضور
کس میں یہ جان تھی اتنی کوئی ہمت کرتا
۷۲ خود یہ ہادی تھے انہیں کون ہدایت کرتا

تن میں سایہ جو نہ تھا اُس کی کروں وجہ بیاں سائے کا پیکر نوری متحمل تھا کہاں
حق نے سائے کو جہاں صَرف کیا کب ہے نہاں مستفیض اس سے ہوئے حور و ملک اور انساں
اسی سائے سے تو یہ بال بنائے حق نے
۷۳ اور اسی سے یہ خط و خال بنائے حق نے

اُسی سائے کی سیاہی ہے یہ ماتینِ جہاں لکھتے ہیں اہلِ قلم جس سے حدیث و قرآں
اور باقی جو رہا کچھ وہ بحکم یزداں ہوگیا مردبکِ اہلِ نظر میں پنہاں
گوسیہ ہے پہ جھلک نور کی دکھلاتا ہے
۷۴ اُسی سائے کی بدولت تو نظر آتا ہے

جس کے سایہ نہ ہو ایسا نہیں عالَم میں کوئی اپنے محبوب کو پر حق نے کیا اس سے بری
ماسوا اس کے، ہے یہ بات بھی اک سیدھی سی کہ پسند آتی نہیں خالق عالم کو دوئی
اس لئے خلق کیا حق نے نہ سایا اُس کا
۷۵ خود جو یکتا ہے تو دلبر بھی ہو یکتا اُس کا

کیوں نہ تھا سایۂ محبوبِ خدا کچھ نہ کھلا گو کہ مداحوں نے توجیہیں رقم کیں صدہا
رمز کو عاشق و معشوق کے سمجھے کوئی کیا خاص اسباب میں پر مجھ کو ہوا ہے القا
اب میں سمجھا ہوں سمجھ میں مری کچھ آیا نہ تھا
گر وہاں جسم نہیں تھا تو یہاں سایا نہ تھا

۷۶

وقت اب نغمۂ داود کا باقی نہ رہا اب کہاں حضرتِ موسیٰ کی شریعت کا پتا
اب کہاں خلق میں احکامِ جنابِ عیسیٰ رائج اب دینِ محمدؐ کا جہاں میں ہوگا
برکت خانۂ اسلام کی بڑھ جائے گی
۷۷ اب جو منسوخ نہ ہوگی وہ کتاب آئے گی

راویوں نے یہ کتب میں ہے بہ تفصیل لکھا ہر نبی کے لئے خلوت تہی تقرب کی جدا
خلوتِ حضرتِ آدم کا یہ دیتے ہیں پتا کہ مقام انکا سراندیپ تھا یا کوہِ صفا
ترک اولا کے سبب سخت پریشاں یہ رہے
۷۸ تین سو سال تک اسبات پہ نالاں یہ رہے

جب لیا وقت دعا پنجتن پاک کا نام توبہ مقبول ہوئی خوش ہوا خلاقِ انام
خلوتِ حضرت ادریس کا پر ہے وہ مقام کہتے ہیں مسجدِ سہلہ جسے سب خاص وعوام
ایسی منزل سے گئے جنتِ اعلا کی طرف
۷۹ پھر کے آئے، نہ کبھی آئیں گے دنیا کی طرف

خلوتِ حضرتِ یوسف ہے زُلیخا کا مکاں حال سے جس کے کہ واقف ہیں سبھی خورد وکلاں
گو کہ تھے روئے زلیخا کے بظاہر نگراں باطنا دیکھتے تھے قدرتِ خلاقِ جہاں
قصدِ عصیاں نہ کیا، حُسن پہ مائل نہ ہوئے
۸۰ یادِ خالق سے کسی وقت میں غافل نہ ہوئے

دوں خلیلِ اَحدی کی بھی میں خلوت کا پتا صاف لکھا ہے وہ آتشکدہ نمرود کا تھا
جس میں چنگاریاں لاکھوں تھیں اور اخگر صدہا آئی جب غیب سے بَرداً وَسَلاماً کی صدا
فضلِ خلاق سے سب آگ وہ گلزار بنی
کیا شگوفہ تھا گُلِ نار سے گلنار بنی

۸۱

خلوتِ حضرتِ موسیٰؑ کا کروں اب اظہار جبل طور ہے وہ، لکھتے ہیں اہلِ اخبار
دیکھ کر جس پہ تجلیٔ خداوندِ کبار مست و مدہوش ہوئے دل سے گیا صبر و قرار
گر نہ ہوتے وہ نبی، گر کے سنبھل بھی جاتے
ساتھ اُس کوہ کے کب کے وہیں جل بھی جاتے ۸۲

خلوتِ حضرتِ یونسؑ کا کروں حال رقم اہلِ باطن اسے بتلاتے ہیں ماہی کا شکم
گو بظاہر تو یہی سمجھے ہیں اہلِ عالم پر وہ تھا پردۂ اسرارِ خدائے اکرم
وان بھی تصدیقِ حقیقت کی کئے جاتے تھے
نام اللہ کا اُس جا بھی لئے جاتے تھے ۸۳

خلوتِ حضرتِ عیسیٰؑ کا تو ظاہر ہے نشاں چرخِ چارم پہ ہیں ہمراہِ ملک جلوۂ کناں
واں بھی مشغول ہیں تسبیحِ خدا میں ہر آں ہوں گے جب مہدیؑ موعود زمانے میں عیاں
آپ بھی چرخ سے بالائے زمیں آئیں گے
حکمِ خلاق جو ہوگا وہ بجا لائیں گے ۸۴

خلوت فخرِ زمیں نور، زماں خیرِ بشر ہے مقامِ ملکوتی سے بھی کچھ بالاتر
سب بیاں کرتے ہیں جس کو جبروت اہلِ خبر کیوں معزز نہ ہوں ہیں بھی تو جیپ داور
وصل میں فصل ہو یہ مرضیٔ داور نہ ہوئی
ایسی خلوت کسی مرسل کو میسر نہ ہوئی ۸۵

دوسرا نام ہے معراج اُسی خلوت کا جس میں شرطیں ہیں کئی، صاف کتب میں ہے لکھا
یعنی مہمان اُسے آپ بلا بھیجے خدا ہو ملک ساتھ میں جبریل سا اک راہنما
فیضیاب اور فرشتے بھی رہیں خدمت سے
اور بُراق آئے سواری کے لئے جنت سے

۸۶

اور کونین میں گزرے ہیں معزز جو نبی پیشوائی کے لئے خلد سے آئیں وہ بھی
لامکاں تک ہو مقامات کی آراستگی فرش سے عرش تک اک دھوم پڑے آنے کی

ہو یہ بزمِ طرب افزا نہ فقط دنیا میں
۸۷ بلکہ ہو عیش کی صحبت ملاء اعلا میں

اس کے مصداق ہوئے صرف رسول اکرم کسی بندے کا یہ رُتبہ نہیں خالق کی قسم
کہ سر عرش مع کفش رکھے اپنے قدم شوقِ دیدار میں بُلوائے خدائے عالم

پیار اخلاص کی گفتار ہو دعوت ہوئے
۸۸ دیر تک عاشق و معشوق میں خلوت ہوئے

حُسن گو حضرت یوسفؑ کا ہے مشہور جہاں پر یہ نقشہ یہ ملاحت تھی بھلا اُن میں کہاں
اور صورت کا بڑھا نور جب آیا قرآں اُس پر طُرّہ یہ ہوا، حق نے بلایا مہماں

واں گئے آپ فرشتے بھی نہ جس جا پہ گئے
۸۹ فرق ادنیٰ رہا جب منزلِ اعلا پہ گئے

حال معراج کا اب تجھ کو ہے لکھنا اے فکر پانچویں رنگ کا موقع ہے سنبھل جا اے فکر
عرش سے ڈھونڈ کے مضمون نئے لا اے فکر بزمؔ تعریف سے کردے تہہ و بالا اے فکر

کام مصرے ترے وہ فضل خدا سے کر جائیں
۹۰ خوش ہوں احباب عدو رشک و حسد سے مر جائیں

آجکل رنگ زمانے نے ہے بدلا کیسا حسد و رشک کی مداحوں میں پھیلی ہے ہوا
ہو فقط اپنی ہی تعریف یہ کوشش ہے سدا چاہتے ہی نہیں ہو نام کسی دوسرے کا

کسی ذاکر کی جو شہرت کی خبر پاتے ہیں
دور سے مفتِ خدا دل میں جلے جاتے ہیں

۹۱

جب یہ سنتے ہیں کسی شخص کا اچھا ہے کلام تو یہ کہتے ہیں کہ ان کا کہاں ایسا ہے کلام
ایک مصرع نہیں چوری کا یہ پورا ہے کلام پھر یہ فرماتے ہیں دعوے سے کہ اپنا ہے کلام
وقتِ تحقیق جب آتا ہے تو رو دیتے ہیں
کر کے توبہ وہیں کان اپنے پکڑ لیتے ہیں

۹۲

قاعدہ پہلے مروج تھا جہاں میں ایسا جس کا پشتینی جو تھا کام وہی کرتا تھا
دیکھتے دیکھتے اب رنگ ہے کچھ اور ہوا زاغ دینے لگا بلبل کی صدا واویلا
اُلٹے دریا بخدا زیرِ فلک بہنے لگے
خیر سے مرثیہ دہقان بھی اب کہنے لگے

۹۳

خیر کہتے ہیں اگر اپنی جگہ پر تو کہیں پر کسی اہلِ زباں سے نہ کبھی نوک کی لیں
اُن سے کہہ دے یہ کوئی حدِ اَدب سے نہ بڑھیں بل نکالے ہیں بہت ہم نے نہ اتنا اکڑیں
اب جو فرمائیں گے ذلت کا سبب ہوئے گا
منہ ہمارا جو کھلے گا تو غضب ہوئے گا

۹۴

زینتِ بزمِ فصاحت ہے فسانا اپنا موجدِ طرزِ بلاغت ہے گھرانا اپنا
مرثیہ گوئی میں قائل ہے زمانا اپنا حُسنِ ایجاد ہے انداز پرانا اپنا
ہم نے آغاز کیا طرز صف آرائی کو
گویا ہم خلق میں پیدا ہوئے گویائی کو

۹۵

ہے تخلص سے یہ ظاہر کہ مرے جد ہیں فصیح کیوں سخن میں نہ مزا ہوئے کہ بابا میں ملیح
کیوں نہ روشن ہو مرا نام کہ عمو ہیں صبیح موجدِ بیتِ سخن میرے برادر میں ذبیح
اس گھرانے سے ہے ایجاد ثنا خوانی کا
اب مگر خاتمہ ہے مجھ پہ سخندانی کا

۹۶

اس گھرانے سے ہویدا ہوئے کیا کیا ایجاد جدِّ اعلیٰ نے کیا وصفِ سراپا ایجاد
مدح گوئی میں کیا جنگ کا نقشا ایجاد بات پیدا کی سخن میں کیا اچھا ایجاد

کس کے آئینِ سخن میں نہیں پُرتو اپنا
۹۷ جو ہے اس راہ کا رہرو، وہ ہے پیرو اپنا

اپنے رُتبہ پہ جو میں فخر کروں زیبا ہے جدّ و آبا مرے کیسے ہیں چچا کیسا ہے
بھائی بھی حق نے وہ بخشا ہے کہ جو یکتا ہے ارث یہ اپنے بزرگوں سے ہمیں پہنچا ہے

سخنِ غیر سے کچھ کام نہیں رکھتے ہم
۹۸ پاس مانگی ہوئی صمصام نہیں رکھتے ہم

مجھ سے بے وجہ جو لوگوں کو حسد ہے اتنا شخصِ کامل ہوں کوئی میں بھی، یہ معلوم ہوا
مانوں کیوں میں کسی غماض کے کہنے کا برا معجزوں کو نبیؐ اللہ کے جب سحر کہا

غم نہیں، آتے ہیں گر سنگِ سخن داماں میں
۹۹ میں ثمردار شجر ہوں، چمنِ امکاں میں

جن کی بھدی ہے طبیعت، نہیں اُن سے شکوا جب سمجھ ہی میں نہیں آئے، تو بولے کوئی کیا
ورنہ آفاق میں ہے شعر و سخن کا وہ مزا صاحبِ فہم سے چُپکا نہیں بیٹھا جاتا

رشک سے داد نہ دیگا جو کوئی کیا لے گا
۱۰۰ گر ہے مضمون نیا آپ ہی چخوالے گا

کوئی مجلس میں اگر منہ کو بھی سی کر بیٹھے اور ذاکر کوئی مضمون نیا آکے پڑھے
میرا ذمہ ہے جو بیٹھا ہوا خاموش سُنے بہرِ تحسین یہ بے چینی ہو ٹوٹین ٹانکے

کب یہ ممکن ہے سخن کچھ نہ اثر دکھلائے
بے ارادہ کئے سامع کا دہن کُھل جائے

۱۰۱

ہم سے جلنے کو عبث بنتے ہیں آتشبازی پختہ کاروں سے چلے گی نہ یہ افسوں سازی
ایسے عالم میں بہت دیکھے ہیں ترکی تازی ہم سے لیجا نہیں سکتے کبھی نو سِکھ بازی

آج کی بات نہیں بیٹھ رہے جو کر کے
۱۰۲ پشتہا پشت کے ہیں مدح سرا اس گھر کے

جوہر نظم وہ دیکھیں کہ جو رکھتے ہیں نگاہ آپ کھل جائے گا سب فرق سپید اور سیاہ
خالی باتوں کا میں قائل نہیں خالق ہے گواہ جس کو دعوی ہو کہے بیٹھ کے میرے ہمراہ

کس کو عزت یہ سرِ بزم خدا دیتا ہے
۱۰۳ دیکھیں کاغذ پہ چمن کون کہلا دیتا ہے

باغباں کون ہے اس باغ کا کُھل تو جائے کس کا جد خلق میں نامی ہوا کُھل تو جائے
پہلے اس رنگ میں کس نے کہا کُھل تو جائے اہلِ انصاف پہ اچھا برا کُھل تو جائے

وہی دیکھیں گے ہنر، علم و ہنر ہے جن کو
۱۰۴ وہی پرکھیں گے جواہر کو نظر ہے جن کو

بزمؔ کیوں آج یہ کیا رنگِ تکلم ہے ترا اپنی تعریف نہیں اپنی زباں سے زیبا
گو تعلّی ہے فصیحانِ جہاں کا شیوا میں سمجھتا نہیں اِس بات کو لیکن اچھا

تجھ سے ناراض جو کوئی سرِ محفل ہوگا
۱۰۵ خود ہی مُنصِف ہو کہ مسرور ترا دل ہوگا

میں تو وہ صبح ہوں جس میں کہ نہیں نام کو نور شام بھی وہ ہوں جو ہے شامِ غریباں مشہور
ہوں وہ غم دوست کہ رہتی ہے خوشی جس سے دور گل بھی وہ گل ہوں، نہیں جس میں ذرا بوئے سرور

خلق میں مضطر و محنت کش و ناکام ہوں میں
ننگ ہے نام کو بھی جس سے وہ بدنام ہوں میں

۱۰۶

یہ بھی اُن سب کی عنایت ہے جو کرتے ہیں ثنا میں کجا اور یہ آوازۂ تحسین کجا
ہیں میں لکھنے کو تو کیا بیٹھا تھا اور لکھ گیا کیا حال معراجِ شہ دیں کا ابھی ہے لکھنا

سب کو اُس رات کی تصویر میں دکھلاتا ہوں
۱۰۷ اپنے پھر مقصدِ اصلی کی طرف جاتا ہوں

ام ہانی سے یہ مذکور ہے معراج کی شب نور ایسا تھا کہ تھی جس سے عیاں قدرت رب
مشعلِ طور میں یہ حُسن یہ جلوہ تھا کب رشکِ خورشیدِ جہانتاب تھا اک اک کوکب

جو کوئی چرخ کی جانب نگراں ہوتا تھا
۱۰۸ کسی شادی کی ہے محفل، یہ گماں ہوتا تھا

جس طرف دیکھو نظر آتا تھا انداز طَرَب پائی جاتی تھی ہر اک چیز میں پرواز طَرَب
مطربوں کی طَرَب افزا تھی ہر آوازِ طَرَب ہاتھ میں لولئ گردوں کے بھی تھا سازِ طَرَب

صاف کہتی تھی ادا عیش کے سامانوں کی
۱۰۹ حسرتوں کی ہے یہ شب، رات ہے ارمانوں کی

لے کے جبریلِ ارم سے جو بُراق آئے یہاں دیکھا آرام سے سوتے ہیں شہنشاہِ زماں
کیا ترکیب سے چونکا کے یہ آہستہ بیاں آپ کا دیر سے مشتاق ہے خلاقِ جہاں

مرکبِ خُلد سواری کے لئے لایا ہوں
۱۱۰ سیرِ افلاک دکھانے کے لئے آیا ہوں

سنی تفسیر میں لکھتے ہیں یہ اربابِ خبر حق کو محبوب کا آرام جو تھا مدِّنظر
بھیجا وہ مرکبِ طرار پئے خیرِ بشر شکل انسان کی تھی کرتا تھا باتیں فر فر

مدعا اس سے یہ تھا شب ہے نہ گھبرا جائیں
باتیں کرتے ہوئے اُس سے شہِ والا جائیں

۱۱۱

تھے تو جبریل بھی ہمراہِ شہنشاہِ زماں اُن میں انساں کی سی ہوسکتی ہے پر بات کہاں
کوئی ہم جنس ہو خالق کی یہ مرضی تھی یہاں اس لئے مرکب خلد آیا بشکلِ انساں

جیسی اللہ نے کی اپنے نبی کی خاطر
۱۱۲ کوئی محبوب کی کرسکتا ہے ایسی خاطر

ہے حکیمِ علی الاطلاق جہاں کا والی چیز اُس کی کوئی صنعت سے نہیں ہے خالی
پتلی جس وقت جواہر کی خدا نے ڈھالی اُس کے ہر عضو پہ حکمت کی نظر بھی ڈالی

ایسا مرکب تو کسی کے لئے آیا ہی نہیں
۱۱۳ جس کا حصہ کوئی بیکار بنایا ہی نہیں

تھا جواہر کا فرس ناخنِ پا سے تاسر پیٹ الماس کا دُم مُشک کی، یاقوت کے پر
حکمتیں جس میں خدا نے تھیں بھریں سرتاسر آنکھیں دو گوہرِ یکتا کی تھیں اے اہلِ نظر

نظم میں راز کی باتوں کو عیاں کرتا ہوں
۱۱۴ شرحِ اعضا کے مضامین بیاں کرتا ہوں

پَردیئے اُس کو جو خالق نے یہ تھا اُس کا سبب کہ سوار اس پہ کبھی ہوں جو شہنشاہِ عرب
اُڑ کے افلاک کی یہ راہ کرے طے بہ ادب خاص یاقوت کے پردینے سے یہ تھا مطلب

کہ ہوا دیتے ہوئے چرخ یہ لے جائیں گے
۱۱۵ بیش قیمت ہوں کہ محبوب کے کام آئیں گے

مُشک کی دُم سے یہ مقصود تھا اے اہلِ یقیں کہ مقام اس کا جو ہے حصۂ اسفل کے قریں
اُس کی بدبو سے مُضرّت کوئی پہنچے نہ کہیں اُس کی خوشبو سے معطر ہو دماغِ شہِ دیں

دھیان گر دوست کی راحت کا نہ آیا ہوتا
حق نے اس کو بھی جواہر کا بنایا ہوتا

۱۱۶

اٹھے یوں بسترِ آرام سے شاہِ ابرار شوق کی جیسے نگہہ اُٹھتی ہے سوئے دلدار
غسل کرنے کے لئے جب ہوا پانی درکار کی یہ جبریل نے رضوانِ جنان سے گفتار

حکم دو طاسِ زمرد میں ابھی لانے کا
۱۱۷ آبِ تسنیم سے فرمان ہے نہلانے کا

غُسل کرنے لگے حمام میں جب شاہ ہدا دلو کے بُرج میں خورشید ہے ثابت یہ ہوا
آفتابہ ہوا عکسِ رخِ شہِ سے لوٹا ہاتھ منہ دھویا تو پانی کا ہوا دل ٹھنڈا

طاس میں آب کے قطرے جو چمک جاتے تھے
۱۱۸ دامن چرخ میں انجم سے نظر آتے تھے

جب پہننے لگے پوشاک شہنشاہِ زمن دیکھ کر گل سا بدن پھول گیا پیراہن
شوق سے تنگ بغل میں لیا کرتے نے بدن چاند کنٹھے کا ہوا ضو سے گلے کی روشن

شادیٔ وصل سے، دامانِ عبا پھیل گئے
۱۱۹ تن میں جب آئے تو کچھ اور ہوا پھیل گئے

اس تفاخر سے مسرت کا ہوا یہ عالم بولیں کلیاں یہ چٹک کر گل فردوس ہیں ہم
شہ سے بیعت ہوئے دستانے یہ کہتے تھے بہم موزے کہنے لگے اب شہِ کے نہ چھوڑیں گے قدم

سب ہی قائل ہوئے عمامہ کی تو رفعت کے
۱۲۰ پیچ قسمت کے کھلے سر سے بندھا حضرت کے

مَس ہوا تن سے تو ٹھنڈا ہوا دل کُرتے کا آستیں کو ہوئی قوت جو وہ بازو پایا
چاک سے اپنے گریباں بھی ہنسے دیتا تھا عید کے دن کی طرح ملتے تھے گھنڈی تکمہ

ایسا بیتاب تھا اس کو نہیں چین آتا تھا
پٹکا تو شوق میں لپٹا ہی چلا جاتا تھا

۱۲۱

شہ کی تسبیح کا یہ فخر سے کہتا تھا امام شکرِ حق دستِ نبیؐ میں مرا اس دم ہے قیام
کیوں نہ سو جاں سے ہوں قربانِ شہنشاہِ انام کہ چلے لے کے مجھے نزدِ خدائے علّام

گوٹ کہتی تھی یہ دامن کی کہ ہر دور مرا
گردِ شہ پھرتی ہوں، کیوں ہو نہ مزاج اور مرا

۱۲۲

ساری پوشاک سے تھا رنگ مسرت پیدا کہتی تھی دوش کی چادر کہ بلند اوج ہوا
بند جو باندھتے تھے شوق میں کھل جاتا تھا شرعی ہوگیا پاجامہ جو شہ نے پہنا

جس قدر اِس کا زباں وصف کرے تھوڑا ہے
پانچ کپڑے یہ نہیں پنجتنی جوڑا ہے

۱۲۳

ہوئے پوشاک پہن کر جو شہِ دیں تیار عرض کی حضرتِ جبریل نے اے عرش وقار
اب چلیں سوئے فلک قبلۂ دیں ہو کے سوار کہ بہت حور و ملایک کو ہے شوقِ دیدار

دیدِ حضرت کی جو آس اُس کو لگی رہتی ہے
درِ فردوس کی بھی آنکھ کھلی رہتی ہے

۱۲۴

جب بیاں روحِ امیں کا شہِ دیں نہ یہ سنا پہلے سلطانِ زمن طوفِ حرم لائے بجا
پھر چلے بیٹھ کے مرکب پہ بصد لطف و عطا کہ مدینہ میں دوگانہ کریں خالق کا ادا

اس عبادت سے بھی فارغ جو وہ ذیجاہ ہوا
جانبِ طور رواں کُل کا شہنشاہ ہوا

۱۲۵

پہنچا جس دم جبلِ طور پہ وہ حق کا ولی ہم بھی مدت کے جلے تن ہیں یہ آواز آئی
چلتے چلتے نظرِ لطف و کرم ہم پر بھی جل کے اس غم میں ہوئے خاک یہ حالت پہنچی

اُس کے ہوتے ہمیں کیا دھیان میں لائیں گے حضور
سرمہ مازاغ کا آنکھوں میں لگائیں گے حضور

۱۲۶

آئے جب بیتِ مقدس میں شہنشاہِ ہدا یاں بھی دو رکعتیں کیں، خالق عالم کی ادا
جب گزر مسجد اقصیٰ میں ہوا حضرت کا دیکھا موجود سب اُس جا پہ ہیں خاصانِ خدا
اُس جماعت کی یہ توقیر بڑھائی شہ نے
۱۲۷ حکمِ خالق سے نماز اُن کو پڑھائی شہ نے

پھر جو ہونے لگے حضرت سوئے افلاک رواں تھاما میکال نے تو زینِ فرس کا داماں
فخر سے چومی سرافیل نے گھوڑے کی عناں علَمِ سبز لئے ہاتھوں میں حورو غلماں
ترقّو کہتے ہوئے مثلِ خبردار چلے
۱۲۸ پکڑے جبریل رکابِ شہ ابرار چلے

شہ کو رستے میں عجب ایک مقام آیا نظر جس میں چلتی تھی غم و رنج کی بادِ صرصر
مرکبِ خلد کے اُڑنے سے ہوئے ساکت پر دم الجھنے لگا گھبرائے شہِ جن و بشر
کہا جبریل سے غم دل پہ گھرا آتا ہے
۱۲۹ نام اس دشتِ پُر آفت کا بتاؤ کیا ہے

عرض کی حضرتِ جبریل نے اے شاہِ ہُدا حق نے دنیا میں نبی جتنے کئے ہیں پیدا
آ کے اس بن میں اٹھائی ہے ہر اک نے ایذا یہی وہ جا ہے جہاں تختِ سلیماں تھا گرا
ابنِ مریم نے بھی یاں رنج و الم پایا تھا
۱۳۰ اور یہیں نوح کی کشتی پہ زوال آیا تھا

کربلا نام ہے اس دشت کا اے خیرِ بشر طبع محزوں ہو یہاں کی ہے ہوا کا یہ اثر
کس طرح سے شہِ والا کو سناؤں یہ خبر آپ کے پیارے نواسے کا کٹے گا یہیں سر
رنگ تقدیر یہ اک وقت میں دکھلائے گی
گلشنِ آلِ محمدؐ پہ خزاں آئے گی

۱۳۱

سن کے جبریل سے یہ واقعۂ غم افزا ایسا صدمہ ہوا رونے لگے شاہِ والا
پھر یہ فرمایا کہ تفصیل کرو اِس کی ذرا حاملِ وحیٔ خدا نے یہ بصد عجز کہا

آپ پر رازِ نہفتہ کو عیاں کرتا ہوں
۱۳۲ جو یہاں واقعہ گزرے گا بیاں کرتا ہوں

ذکر یہ ماہ محرم کا ہے ای عرش پناہ پہلی تاریخ کو اس دشت میں آئے گا وہ شاہ
قافلہ ہوگا عزیزورفقا کا ہمراہ چوتھی تاریخ جب آجائے گی دشمن کی سپاہ

نہ رہیں نہر پہ سادات یہ جھگڑا ہوگا
۱۳۳ آخرش خیمۂ شہ دھوپ میں برپا ہوگا

صبح سے ساتویں تاریخ کو اے شاہِ ہدا بند مہمانوں پہ پانی بھی کریں گے اعدا
لاکھ فرمائیں گے شبیرؑ میں ہوں نورِ خدا کوی پر ان میں سُنے گا نہ سخن حضرت کا

مختصر یہ ہے کہ دسویں کو لڑائی ہوگی
۱۳۴ دوپہر دن میں بھرے گھر کی صفائی ہوگئی

پہلے جائے گا پے جنگ حر نیک نہاد اذن پھر شاہ سے لیں گے رفقا بہرِ جہاد
ہوگی پھر دشت میں مسلم کی کمائی برباد قتل ہوجائے گی پھر شہ کی بہن کی اولاد

پھر سوئے دشتِ وغا ابنِ حسنؑ جائیں گے
۱۳۵ عمِ ذیقدر کو پردیس میں رلوائیں گے

لاش جب گھوڑے سے ہوجائے گی ان کی پامال اور بچوں کا برا پیاس سے ہوگا احوال
آئے گا حضرت عباس کو اس وقت جلال جنگ کی لے کے رضا بھائی سے وہ خوش اقبال

نام کرجائے گا عالم کے نمودارو ں میں
مشک کو نہر سے بھر لائے گا تلواروں میں

۱۳۶

پانی قسمت میں جو بچوں کی نہیں ہے لکھا مشک لیجانے نہ دیں گے سوئے خیمہ اعدا
ہوگی عباسِ دلاور سے ترائی میں وغا چھید کر مشک نکل جائے گا اک تیر جفا
ہاتھ بھی پیارے برادر کے جو کٹ جائیں گے
۱۳۷ نہر پر روتے ہوئے سبطِ نبی آئیں گے

غم میں اس شیر کے ہوجائے گی بیکار کمر دردِ پہلو سے نہ آرام ملے گا دم بھر
ہونے پائیں گے نہ اس رنج سے فارغ سرور خوں میں تر لاش جواں بیٹے کی آئے گی نظر
کیا کہوں شاہ کی س وقت جو حالت ہوگی
۱۳۸ جبکہ اک تیر سے بچے کی شہادت ہوگی

بعد اس حادثہ کے اور جو ہوگی حالت کیا کروں عرض اسے سن نہ سکیں گے حضرت
مختصر یہ ہے جب آلام کی ہوگی شدت آئیں گے خیمہ میں شبیرؑ برائے رخصت
مل کے جس وقت بہن بھائی جدا ہوئیں گے
۱۳۹ خوں کے اشکوں سے تمام اہل فلک روئیں گے

ہوگا نشتر بہ جگر گریۂ اطفالِ حرم اُس پہ غم اتنے رفیقوں کا لعینوں کے ستم
چھوٹنا پیارے بھتیجے کا برادر کا الم مرگِ فرزندِ جواں، لاشیں اُٹھانا پیہم
جز حسینؑ اور کسی کا نہیں ایسا دل ہے
۱۴۰ اختیارات پہ یوں جبر کرے مشکل ہے

طبعِ اقدس بہت اس وقت ہوئی ہے رنجور اب کروں جنگِ حسینؑ ابن علی کا مذکور
تا کہ حضرت کا ہو دل شاد طبیعت مسرور قصد میداں کے جو جانے کا کریں گے وہ حضور
ان میں حضرت ہی کی سب شان وادا ہوئے گی
یہی دستار یہی برمیں قبا ہوئے گی

۱۴۱

باہر آجائیں گے یوں خیمہ کے پردے سے جناب چاہ سے جیسے نکلتا ہے تڑپ کر سیماب
یا کبھی ابر سے ہوتا ہے برآمد مہتاب عدم آباد سے یا جیسے زلیخا کا شباب

جب یہ غل ہوگا پئے جنگ وہ ذیشاں نکلا
۱۴۲ مطلع تیغ حیدرؑ کی کہے گی مرا ارماں نکلا

کی یہ پہر روحِ امیں نے شہ دیں سے گفتار اب یہاں سے ہے خیالِ شعرا کا اظہار
ہوگا دنیا میں یہ وہ معرکا شاہِ ابرار ہر زباں میں جو لکھا جائے گا تا روزِ شمار

مدح گو نظم جو اک بیت بھی فرمائیں گے
گلشن خلد بریں اُس کا صلا پائیں گے ۱۴۳

اے زباں جوہرِ تیغِ صُفہانی دکھلا بحرِ زخار، طبیعت کی روانی دکھلا
آج سب بزم کو زور ہمہ دانی دکھلا رن میں بہتا ہوا تلوار کا پانی دکھلا

غم سے دل سینۂ حاسد میں لہو بن جائے
۱۴۴ رشک خود سُرمۂ آوازِ عدو بن جائے

شُعلۂ فیض ترا شمعِ سخن گر نہ جلائے بزم میں شاہدِ مضموں کا پتہ کوئی نہ پائے
گر ترا حُسنِ بیاں تا حدِ افلاک نہ جائے پیشوائی کے لئے برق سرِ طور نہ آئے

ہاں سکھائے ہوئے یہ طرز ادب تیرے ہیں
۱۴۵ جتنے جلوے ہیں زمانے میں وہ سب تیرے ہیں

تو نہ ہو گر تو نہ ہو کار جہاں کا انجام متکلم کا زمانے میں نہ شایع ہو کلام
کس و ناکس پہ جہاں میں جو ترا فیض ہے عام بے نشاں بھی یہ سمجھتا ہے کہ ہوں صاحب نام

وہی مشہور ہے تو نے جسے شہرت دی ہے
تجھ کو اللہ نے ہر طرح کی قدرت دی ہے

۱۴۶

دوستوں کے لئے تو شہد ہے دشمن کو ہے سم بہر احباب خوشی ہے پئے اغیار ہے غم
کہیں تو فرحت و شادی ہے کہیں رنج و الم میں تو قائل ہوں تیری تیزیوں کی مجھ کو قسم
زخم خوردہ جو خلائق تری گفتار کی ہے
باڑہ رکھی ہوئی تجھ پر کسی تلوار کی ہے

۱۴۷

اے زباں میں تو ہوں اک عمر سے ممنون ترا مجھ کو ہر معرکے میں تو نے ظفر مند کیا
ہر جگہ دشمنوں کے دل پہ بٹھایا سکہ جا بجا گاڑ دیا نام کا میرے جھنڈا
سامعیں کے بھی دلوں کا ہے مزا ساتھ ترے
جیت لے آج کا میدان بھی ہے ہاتھ تیرے

۱۴۸

جب چڑھے رخشِ صبا دم پہ شہنشاہِ ہدا غل ہوا عرش پہ ہیں ختم رسل جلوہ نما
باد پا جھوم کے طاؤس کی مانند اُڑا حسن رفتار پہ سو جان سے پریاں تھیں فدا
غل فرشتوں میں ہوا قدرت باری دیکھو
پسرِ صاحبِ رفرف کی سواری دیکھو

۱۴۹

اَشہَبِ چرخ نے دیکھا نہیں ایسا گھوڑا تو سنِ عمرِ رواں سے بھی سُبک تر تھا سوا
جوڑ بند ایسے کئے تھے اُسے خالق نے عطا جس طرح سے کہ حسینیوں کے ہوں موزوں اعضا
دل سپاہی کا سلاطینِ جہاں کی جاں تھا
اُس پہ مرتا تھا ہر انسان عجب حیواں تھا

۱۵۰

دُم چنور کر کے قدم جبکہ اٹھایا اُس نے کبک و طاؤس کا انداز دکھایا اُس نے
دم پرواز جو ہمراہ نہ پایا اُس نے ہو کے بیزار دیا پریوں کو سایا اُس نے
کیوں نہ ہو فخر کہ رفرف سے فزوں پایا ہے
دوشِ محبوب الٰہی کا شرف پایا ہے

۱۵۱

باگ گھوڑے کی اٹھا کر شہِ ذیجاہ چلے کوئی باقی نہیں اِس وقت جو ہمراہ چلے
غل ہوا غزوہ خیبر پہ یداللہ چلے سامنے رعب و حشم مثل ہوا خواہ چلے
بڑھ کے نصرت نے ندا دی کہ دلیر آتا ہے
جس نے زہرا کا پیا شیر، وہ شیر آتا ہے

۱۵۲

طلعت روئے ضیا بار سے روشن ہے جہاں ذرہ ذرہ سے ہے نورِ مہ و خورشید عیاں
گیسوؤں سے ہے خجل، سنبلِ باغِ رضواں آنکھ وہ جس پہ غزالانِ ختن بھی قرباں
مجمعِ حُسن و شرف فاطمہؑ کا جانی ہے
نورِ حق جس میں ہے وہ چاندسی پیشانی ہے

۱۵۳

سربزرگی میں ہے قرآنِ خدا، بے مُجنت ہاتھ وہ، عقدہ کشائی کی ہے جن میں قوت
پاؤں وہ جن میں دمِ جنگ نہ ہٹنے کی صفت سینہ وہ جس میں بھرے رہتے ہیں رازِ قدرت
آنکھیں وہ جن میں مروت کا حیا کا گھر ہے
اور دل وہ جو حقیقت میں خدا کا گھر ہے

۱۵۴

جگر ایسا جور ہے سختیاں سہنے پہ گداز ہو خجل نغمۂ داود وہ پیاری آواز
کمرِ شاہ شریعت کا ہے باریک اک راز حالِ گیسو کا کیا کہیں کہ یہ قصہ ہے دراز
کوئی مدحت میں زباں کھول سکے منہ کیا ہے
ناز ہے جس پہ خدا کو بھی یہ وہ بندا ہے

۱۵۵

پارۂ مصحفِ گل پھول سے دونوں رخسار بدرِ پیشانیٔ حضرت پہ ہے خورشید نثار
قد وہ موزوں کہ خجل جس سے ہے سروِ گلزار سبزۂ خط کا یہ ایما ہے کہ آپہنچی بہار
صرف سردار نہیں گلشن جنت کے ہیں
تیسرے باب بھی بستان امامت کے ہیں

۱۵۶

بینیٔ پاک ہے گویا الفِ لفظِ الہ لام ہے یہ رخِ پر نور پہ گیسوئے سیاہ
حلقۂ ہ سے مشابہ ہے دہن وقت نگاہ صاف یہ کاتب قدرت نے لکھا ہے اللہ

اوسط و آخر و آغاز کا یکساں قط ہے
۱۵۷ جس نے تحریر کیا ہے وہ بڑا خوش خط ہے

تہہِ راں ہے وہ فرس جو دم پروازِ پری بلکہ پروازِ پری سے بھی فزون تیز پری
مثل دُلدُل کے ہراک عیب سے یہ بھی ہے بری ساری دنیا میں پھرے دم نہ بھرے اس کا ذری

جائے افلاک پہ یہ پیک نظر سے پہلے
۱۵۸ منزلوں کو یہ کرے ختم قمر سے پہلے

ہے ہوا یا کہ ہوا کی کوئی کل ہے رہوار یال کو موئے پری کہتے ہیں جو ہیں ہشیار
عجب اس کا ہے کہ چو پایہ بنا ہے پردار سمجھے نعل اس کے نہ کوئی، مہ نو ہیں یہ چار

پے بہ پے تین طرارے جو کبھی بھرتا ہے
۱۵۹ راہِ یک سالہ کو گویا کہ یہ طے کرتا ہے

کم نہیں ابلقِ ایام سے یہ خوش اوقات اس کے کانوں پہ اندھیری ہے کہ قطبین پہ رات
آب پر مثلِ ہوا جائے عجب کی ہے یہ بات چال میں تیرِ نظر پست، چھلاوہ ہے مات

نام رہوار ہو بندھنے پہ بھی یہ تھوڑا ہے
۱۶۰ باد پا سب کہیں رکنے پہ بھی کیا گھوڑا ہے

دونوں باگوں سے یہ مطلب ہے، سنیں اہلِ ہنر کہ نہیں دونوں جہاں میں کوئی، میرا ہمسر
چال کیا، اُمڈی چلی آتی ہے موجِ کوثر کوسوں اکدم میں پہنچ جاتا ہے یہ مثل خبر

اس سے افزوں نہ اُڑے پر جو لگائیں اس کے
تارِ برقی بنے گر نعل لگائیں اس کے

۱۶۱

مثلِ شمشیر یہ شبدیز بھی ہے ذی جوہر سُبکی میں ہے، نہ تیزی میں ہے کوئی ہم سر
ابھی آنکھوں میں سما جائے جو ہو مدِّ نظر صاف کاجل کو اُڑا لے نہ ہو پُتلی کو خبر

چاہے تو تیز ابھی، رواجِ رواں سے ہو جائے
۱۶۲ باہر اک گام میں، یہ دونوں جہاں سے ہو جائے

بند جب سرعتِ رہوار میں کوئی لکھا بعد دم بھر کے نہ لفظ ایک بھی کاغذ پہ رہا
ہاتھ سے اپنے دبائے نہ اگر میں رہتا اُس وَرَق کا بھی نہ ملتا کہیں زنہار پتا

پھر جو لکھنے کے لئے ہاتھ اٹھایا میں نے
۱۶۳ ذہن میں اپنے وہ مضموں بھی نہ پایا میں نے

کبھی رم کرتا ہے، آہو کی طرح خوش منظر کبھی رفتار میں ہے، کبکِ دری کا ہمسر
کبھی آندھی یہ بنا کرتا ہے، سرپٹ چل کر اور کبھی اُڑ کے یہ پریوں کا دکھاتا ہے ہُنر

مختلف نام ہیں جب تک یہ پھرا کرتا ہے
۱۶۴ لا کے جب تھان پہ ٹھہراؤ وہی گھوڑا ہے

رخش کی تیز روی کا ہے، یہ مضمون نیا اس کی تصویر بھی کاغذ پہ نہ ٹھہرے اصلا
مو قلم سے جو مصور کوئی کھینچے خاکا تازیانہ اُسے یہ جان کے ہو جائے ہوا

باندھنا چال کا مضمون ہی، نادانی ہے
۱۶۵ بندھ نہیں سکتی ہے شاعر سے وہ جولانی ہے

خوبصورت کوئی دیکھا نہیں ایسا تو سن ہے اندھیری سے یہ روشن کہ ہے گھونگھٹ میں دلہن
کبھی یوں چلتا ہے خم کر کے یہ اپنی گردن جس طرح رقص کناں دشت میں طاؤسِ چمن

واہ اس رخش کا کیا کہنا ہے، کیا کُنڈا ہے
دُم سے، چہرے کی مگس رانی، یہ خود کرتا ہے

۱۶۶

پہنچے اس شان سے لشکر میں تو خود سر بھاگے دھاک تھی جن کی جہاں میں وہ دلاور بھاگے
پہلوانوں کے قدم اٹھ گئے افسر بھاگے فیل جنگل سے، ترائی سے غضنفر بھاگے

ڈر کے کہتے تھے، رُخ اس دشت سے پھیرو بھاگو
ہمہمہ شیرِ الٰہی کا ہے شیرو بھاگو

۱۶۷

آج پھر بادۂ گلرنگ پلادے ساقی پھر کوئی جام مرے لب سے لگا دے ساقی
تیرے میخانے کی ہو خیر چھکا دے ساقی سیر گلزار ارم مجھ کو دکھا دے ساقی

سب سے میں مانگ چکا خلق میں باقی تو ہے
جام لوں گا میں تجھی سے مرا ساقی تو ہے

۱۶۸

ہاں قلم نقشۂ حربِ شہِ ذیجاہ دکھا شیر کے خوف سے تر ہر صفِ روباہ دکھا
راہیٔ نارِ سقر فوج ہو وہ راہ دکھا رن میں چلتی ہوئی تیغِ اسد اللہ دکھا

ذوالفقارِ شہِ مرداں کا چمکنا دیکھوں
موجزن چار طرف خون کا دریا دیکھوں

۱۶۹

شکل اب لکھتا ہوں پوشاک بدلنے کی نئی ذکر کچھ آگیا ہے اسلحۂ جنگ کا بھی
طبع اس گلشنِ عالم میں ہے رنگیں جن کی خاص کر غور سے وہ دیکھیں ریاضت میری

اجر و تفریح کا مجموعہ بنا رکھا ہے
باغ اک تختہ کاغذ پہ کھلا رکھا ہے

۱۷۰

خوف غازی کا دلوں میں تھا سمایا ایسا گردنیں خم ہوئیں شملہ کو جو سر پر کھا
دل ہوئے چاک جو پہنی تن اقدس میں قبا تغفین کھل کھل پڑیں باندھا جو کمر سے پٹکا

حال بے جنگ کئے غیر ہوا اُن سب کا
عزم ڈھیلے ہوئے جب تنگ کھچا مرکب کا

۱۷۱

سہمے سب اہلِ خطا جبکہ کماں ہاتھ میں لی دم وہاں سوکھ گئے تیغ کمر سے جو بندھی
عقلیں چکرا گئیں صورت جو سپر کی دیکھی آنکھیں جھپکائیں جب انگشت سناں کی چمکی

بولیں کڑیاں جو زرہ کی تو پریشان ہوئے
۱۷۲ شکل چار آئینہ کی دیکھ کے، حیران ہوئے

سنبھلے رہوار پہ مثلِ اسد اللہ امام بڑھ کے نعرہ جو کیا کانپ گیا لشکرِ شام
شمر کو دی یہ صدا شہ نے کہ او بدانجام دیر اب کچھ نہیں کرتا ہوں علم رن میں حسام

حشر کا معرکہ ہے میری لڑائی ظالم
۱۷۳ دیکھ لے کانپتے ہاتھوں کی صفائی ظالم

جس کا بھائی ہے حسنؑ خلق میں میں ہوں وہ حسینؑ خلفِ شاہِ نجف فاطمہؑ کا نور العین
وارثِ دولتِ اعجازِ شہِ بدر و حنین فخر کرتی ہے نجابت وہ نجیبُ الطرفین

خلق میں کس پہ نہاں ہے مری عالی نسبی
۱۷۴ سب زمانے پہ عیاں ہے مری عالی نسبی

کون ہے میرے سوا، لختِ دلِ خیرِ بشر کس کا بابا ہے زمانے میں سمیٔ داور
شرفِ مریم و حوا ہوئی، کس کی مادر کس کو جھولے میں جھلاتے تھے، فرشتے اکثر

سر پہ شبہر سے ملک سایہ کئے ہیں دیکھو
۱۷۵ یہ شرف مجھ کو مرے رب نے دیئے ہیں دیکھو

رونقِ بزمِ جہاں میرے سوا کوئی نہیں شرف کونِ و مکاں، میرے سوا کوئی نہیں
ہادیٔ پیرو و جواں، میرے سوا کوئی نہیں زینتِ باغِ جناں، میرے سوا کوئی نہیں

دمِ پیکار ہزاروں سے نہیں بند ہوں میں
سبطِ احمدؐ ہوں یدُاللہ کا فرزند ہوں میں

۱۷۶

وہ یدُ اللہ کہ ہے مرتبہ جن کا اعلا بادشاہِ دوجہاں مرجعِ سلطان و گدا
جانشینِ شہِ لولاک امامِ دوسرا عالمِ علمِ نبی واقفِ اسرار خدا

آج مختارِ سفیدی و سیاسی ہیں وہی
قوتِ بازوئے محبوبِ الٰہی ہیں وہی ۱۷۷

شیرِ حق خویشِ نبیؐ زوجِ بتولِ عذرا نورِ رب صاحبِ اعجازِ شہنشاہِ ہُدا
یوسفِ مصرِ امامت، دُرِ دَریائے عطا نیّرِ بُرجِ شَرَف مَطلعِ انوارِ خُدا

مقتدائے ملک و جن و بَشر ہیں حیدرؑ
شش جہت جن سے ہے روشن وہ قمر ہیں حیدرؑ ۱۷۸

شرفِ کون و مکاں مقصدِ اربابِ وِدار دافعِ کفر وحَسد قاطعِ بُنیادِ فساد
صاحبِ جود و کرم، راحم و مُعطی و جَواد ناصرِ دینِ محمدؐ اَسد رَبِّ عِباد

آج تک جن کے لئے ارض و سما روتے ہیں
ایسے بندے بھی خدائی میں کہیں ہوتے ہیں ۱۷۹

شش جہت میں نہیں جس کا کوئی ہم سر وہ علیؑ سب میں مشہور ہے جو فاتحِ خیبر وہ علیؑ
شہرِ علمِ شہِ بطحہ کا جو ہے دَر وہ علیؑ جس کو سب اہلِ جہاں کہتے ہیں حیدرؑ وہ علیؑ

یہی کام آتے ہیں ہر رنج و بلا میں بخدا
ثلثِ قرآن، انہیں کی ہے ثنا میں بخدا ۱۸۰

شان دیکھو اسد اللہ کی جرأت دیکھو کی وفا لاکھوں سے تنہا یہ شجاعت دیکھو
رعب و جاہ و حشم و شوکت و سطوت دیکھو توڑ ڈالا درِ خیبر کو یہ قوت دیکھو

پُر جگر ایسا بھلا کون ہوا عالم میں
خون میں مرحب و عنتر کو کیا تر دم میں

۱۸۱

عرش تک دھاک ہے جس کی وہ شجاعِ ازلی شاہِ قسیمِ ظفر خالقِ اکبر کے ولی
اسمِ اعظم جسے کہتے ہیں وہ ہے نامِ علی تھے شجاعت کے اثر، چہرۂ اقدس سے جلی

دم لیا دیووں کے سر کاٹ کے صفدر ایسے
۱۸۲ دو زبانوں کی ملی تیغ، دلاور ایسے

انحراف اُس سے جو ہے لختِ دلِ خیرِ بشر واہ ری عقل کہ بیدیں کو بنایا رہبر
قہرِ خالق سے ڈرو، دھیان تمہارا ہے کدھر شب تاریک کجا اور کجا نورِ قمر

خِضرِ راہ کجا غولِ بد انجام کجا
۱۸۳ ظلمت کفر کجا نیر اسلام کجا

فاطمہ اسکی ہو گرماں تو بتادو مجھ کو پیار اسے کرتا ہو یزداں تو بتادو مجھ کو
گر ملک اس کے ہوں درباں تو بتادو مجھ کو اس کے گھر آیا ہو قرآں تو بتادو مجھ کو

چاہتے ہوں شہ لولاک اُسے بھی تو کہو
۱۸۴ آئی ہو خلد سے پوشاک اسے بھی تو کہو

فضلِ خالق سے ملے مجھ کو بزرگوں کے کمال حسنِ اخلاقِ حسنؑ، شیرِ الٰہی کا جلال
میری عالی نسبی، میری بزرگی پہ ہے دال میں وہ خورشید ہوں جس کو نہیں تا حشر زوال

جلوۂ قدرتِ باری ہے اس آئینہ میں
۱۸۵ نور اللہ و نبیؐ کا ہے مرے سینے میں

آج دو دن سے ہوں پیاسا، مری ہمت دیکھو مستعد جنگ پہ فوجوں سے ہوں، جرأت دیکھو
تم پہ گھر کر دیا قرباں یہ سخاوت دیکھو میرے الطاف و کرم اپنی شقاوت دیکھو

دیکھو دانستہ جہنم میں نجاؤ اب بھی
قتل کرنے سے مرے ہاتھ اٹھاؤ اب بھی

۱۸۶

سن کے یہ فوجِ دغا باز بڑھی بہرِ وغا سنبھلا گھوڑے پہ یہاں بھی پسرِ شیرِ خدا
تیغ کو کر کے علم، رخش کو کاوا جو دیا پھر گیا آنکھوں، میں ضرغامِ صمد کا نقشا

غل یہ فوجوں میں ہوا خلق کا سرتاج آیا
۱۸۷ لو وہ لختِ جگرِ صاحبِ معراج آیا

لو وہ تلوار چلی، سینہ و سر کٹنے لگے نیزے دو ہونے لگے، تیر و بتر کٹنے لگے
گرز بیکار ہوئے، خود و سپر کٹنے لگے قلب پہلو میں، تو سینے میں جگر کٹنے لگے

ہو کے مجروح تڑپتے تھے جفا جو رن میں
۱۸۸ گرم اک موت کا بازار تھا ہر سو رن میں

ایک کو فوجِ ستمگر میں سنبھلنے نہ دیا جو سپاہی تھے انہیں ٹھاٹ بدلنے نہ دیا
باغیوں کا کوئی ارمان نکلنے نہ دیا شجرِ کفر و حسد، پھولنے پھلنے نہ دیا

قلعہ بدعت و الحاد اکھاڑا اس نے
۱۸۹ گلشن کفر کو اکدم میں اُجاڑا اس نے

جانیں لینے کو بڑھا تیغ کا جب دستِ طلب تہلکہ مچ گیا لشکر میں، کہ حشر آیا اَب
بھاگے دہشت سے سوارانِ رے و روم و عرب ٹھنڈے ٹھنڈے گئے دوزخ کی طرف شامی سب

آب شمشیر کی وہ اوس پڑی مقتل میں
۱۹۰ کوسوں ناری نظر آئے نہ کہیں جنگل میں

نہیں معلوم کس آہن سے یہ تلوار بنی گاہ خوں بار بنی، گاہ شرر بار بنی
مست خوں پی کے بنی اور کبھی ہشیار بنی جنگ کے وقت کسی کی نہ مگر یار بنی

شوق سے گو کہ لپکتے تھے ہر اک سر کے لئے
پی کے پر خون ٹھہرتی نہ تھی دم بھر کے لئے

۱۹۱

دل نہیں گو پہ یہ پہلو میں رہا کرتی ہے مئے کوثر نہیں پر کھچ کے چلا کرتی ہے
گو یہ فتنہ نہیں پر حشر بپا کرتی ہے گو قضا یہ نہیں پر کارِ قضا کرتی ہے
ہے فن جنگ کی ماہر مگر استاد نہیں
۱۹۲ دامِ جوہر تو ہے قبضہ میں پہ صیاد نہیں

خط جوہر ہیں کہ کھولے ہوئے ہے بال پری آب تک خشک ہے کس قہر کی آتش ہے بھری
چھوڑتی ہی نہیں کیسا، ہی مقابل ہو جری دم میں انساں کو بناتی ہے عدم کا سفری
اس کو کیا آنکھ کا احول کی ہنر آتا ہے
۱۹۳ جو گیا سامنے بس وہ ہی نظر آتا ہے

مل کے چہرہ پہ سیاہی کو سپر لاکھ ڈرائے نہیں ممکن کہ یہ کردار سے اپنے باز آئے
جوہر اس کا ملک الموت کو جب آنکھ دکھائے کیسے پھر رد و بدل موت سے ہو کوئی بتائے
تا گلو جاتی ہے اک دم میں، رسائی دیکھو
۱۹۴ لاکھ مردوں میں نکلتی ہے صفائی دیکھو

سر پہ سجدہ جھکے جاتے ہیں خمار ایسی دے کے جاں لیتے ہیں سب گرمیٔ بازار ایسی
جھکی پڑتی ہے مئے حسن سے سرشار ایسی چشم خورشید نے دیکھی نہیں تلوار ایسی
آنکھ جب پیار کی جوہر کبھی دکھلاتے ہیں
۱۹۵ غنچۂ زخم بشاشت سے کھلے جاتے ہیں

لوٹتے پھرتے تھے اعضائے بریدہ ہر سو اپنے ہی خون میں ناری تھے طپیدہ ہر سو
جاں بلب درد سے تھے زخم رسیدہ ہر سو دشمنوں سے رہی یہ تیغ کشیدہ ہر سو
گوشۂ امن کسی جا نہ لعیں پاتے تھے
سیدھے بھاگے ہوئے دوزخ کو چلتے جاتے تھے

۱۹۶

زین ثابت تھا نہ کوئی، نہ سلامت تھی لگام نہ رکابوں کے نشاں تھے نہ دہانوں کا تھا نام
تنگ جینے سے ہوئے، بھول گئے طورِ خرام دوڑے کشتوں پہ تو پس پس گئے مقتول تمام
غل تھا رہواروں نے اسواروں کو پامال کیا
۱۹۷ بعد مُردَن بھی لعینوں کا زبوں حال کیا

مورچے لشکرِ بزدل کے تھے درہَم برہَم بیرقوں کا تھا نشاں اور نہ پرچم نہ عَلَم
پہلوانوں کے بھی بڑھتے تھے نہ میداں میں قدم جانتے تھے کہ ہے درپیش ہمیں راہِ عدم
جاں بلب خوف سے سب پیر و جواں تھے رن میں
۱۹۸ چار سو حشر کے آثار عیاں تھے رن میں

ہیبت شاہ سے لرزے میں ہے میداں کی زمیں شور تھا زلزلہ میں صبح سے ہے یاں کی زمیں
مثل گہوارے کے ہلتی ہے بیابان کی زمیں اٹھ کے شیروں کو دباتی ہے نیستاں کی زمیں
جان شیروں میں نہیں جان سے رنجیدہ ہیں
۱۹۹ شیرِ قالیں کی طرح فرش پہ خوابیدہ ہیں

کیوں نہ دل آب ہوں، کس دھار کی تلوار ہے یہ خلفِ احمد مختار کی تلوار ہے یہ
اسد اللہ سے کرّار کی تلوار ہے یہ ڈھال کی ڈھال ہے تلوار کی تلوار ہے یہ
خود مہِ نو ہے، پہ گرد شہِ دیں ہالا ہے
۲۰۰ حافظِ مصحفِ رُخسارِ شہِ والا ہے

حُسن میں، ناز میں، جلوہ میں پری ہے تلوار ناہیں کہتی ہیں کہ غصہ میں بھری ہے تلوار
سیمِ خالصِ ہو خجل، ایسی کھری ہے تلوار زہر میں ڈوبی ہے ایسی کہ ہری ہے تلوار
کس طرح دم نہ بھرے صور سرافیلؑ اس کا
لوہا مانے ہوئے ہیں حضرت جبریلؑ اس کا

۲۰۱

شور تھا فوج میں گھوڑوں کو بھگاؤ، بھاگو سامنے شیر دلاور کے نہ جاؤ، بھاگو
قدم اس معرکے سے جلد اٹھاؤ، بھاگو اپنے ہاتھوں میں نہ جانوں کو گنواؤ، بھاگو
سرکشو دلبرِ ضرغامِ صمد بپھرا ہے
۲۰۲ بزدلو شیرِ الٰہی کا اَسَد بپھرا ہے

بھاگتی پھرتی تھی میداں میں سپاہ اشرار متردد تھے رسالے تو پریشاں سردار
دشت ہلتا تھا، تزلزل میں تھے پیہم کہسار پھینک کر پشت سے اسواروں کو، بھاگے رہوار
پہلواں شام کے کوسوں نہ نظر آتے تھے
۲۰۳ جتنے پیدل تھے وہ سب بھاگے چلے جاتے تھے

خوف چھایا ہوا اعدا کے دلوں میں تھا بڑا جانتے تھے یہ دلاور ہے علیؑ کا بیٹا
قتل سب ہوگئے ہیں اس کے عزیز و رفقا تیغ کو غیظ میں کاٹھی سے جو یہ کھینچے گا
جن نہ انساں نہ پہاڑ اور نہ دریا ہوں گے
۲۰۴ یہ زمیں کیا ہے دو عالم تہہ و بالا ہوں گے

لے کے شمشیر کو حیدرؑ کی جو بپھرے شہ دیں چرخ ہلنے لگے جنبش میں زمینیں آئیں
ڈر کے کہتے تھے سرافیل سے یہ روحِ امیں آج بے صور پھکے حشر نہ آجائے کہیں
کچھ نہ کچھ گلشنِ عالم پہ زوال آیا ہے
۲۰۵ خوف کی بات ہے صابر کو جلال آیا ہے

پہلا حملہ تھا کہ ٹکرائے جنوب اور شمال مل گئے مشرق و مغرب خط توامَ کی مثال
خوف سے تن پہ فرشتوں کے کھڑے ہوگئے بال قُطب کو اپنی جگہ سے ہوا، جنبش کا خیال
خاک اڑاتی تھی زمیں چرخ پہ جانے کے لئے
اور فلک سوئے زمیں جھکتا تھا آنے کے لئے

۲۰۶

دوسرا حملۂ شیرانہ جو حضرت نے کیا خوفِ شمشیر سے تھے ہوش کسی کے نہ بجا
متصل اُن سے جو تاشام تھی فوجِ اعدا برہمی ہو گئی اک مرتبہ اس میں پیدا
سب جو کوفہ کی طرف پچھلے قدم ہٹنے لگے
۲۰۷ شام کی فوج کے دیواروں سے سر پھٹنے لگے

رنگ یہ دیکھ کے گھبرایا یزیدِ مکّار اہلِ تنجیم کو بلوا کے کیا استفسار
زائچے دیکھ کے سب نے بادب کی گفتار غیظ میں کھینچی ہے حیدرؑ کے پسر نے تلوار
فکر کر اِس کی، نہیں اور تعب ہوئے گا
۲۰۸ اب کا جملہ شہِ والا کا غضب ہوئے لگا

تذکرہ تھا یہ ابھی یاں کہ ہوا حشر بپا زلزلہ آیا زمیں کانپی وہ ایوان ہلا
آئے چکر میں فلک بدلا جہاں کا نقشا سامنے تیغ کی بجلی کو چمکتے دیکھا
جاں نکلنے کے لئے جسموں میں گھبرانے لگی
۲۰۹ نعرۂ سبط پیمبر کی صدا آنے لگی

کہہ کہ تکبیر پکارے یہ امامِ ذیجاہ کس طرف ہے عمرِ سعد کہاں ہے وہ سپاہ
حوصلہ اب بھی ہو گر کچھ تو بڑھو بسم اللہ پھر چلے تیغ دودم پھر صفِ دشمن ہو تباہ
پھر زمیں دشتِ پرآشوب کی تھرانے لگے
۲۱۰ پھر چمک تیغ کی تاچرخ بریں جانے لگے

نکلیں وہ بہر دغا ہاتھ ہوں جن کے تیار کھینچ کر تیغیں بڑھیں کوفہ ورے کے اسوار
گرز تانے ہوئے میدان میں آئیں جرار نیزہ داروں سے بھی کہہ دو کہ کریں مجھ پر وار
شوق سے پھر مرے ہاتھوں کی صفائی دیکھیں
پھر بڑھیں فوج سے پھر میری لڑائی دیکھیں

۲۱۱

کیوں جگر بند پیمبر کی شجاعت دیکھی تشنہ لب تم سے لڑا ہوں مری ہمت دیکھی
اسد اللہ کے دلبند کی جرأت دیکھی تم نے کچھ فاطمہ کے شیر کی طاقت دیکھی

شہرۂ ہمتِ مردانہ رہے گا برسوں
۲۱۲ آج کی جنگ کا افسانہ رہے گا برسوں

وعدہ طفلی کا نہ ہوتا جو مرے پیشِ نظر بھیجتا سب ستم ایجاد وں کو میں سوئے سقر
ایک پیاسے کی لڑائی سے ہے تر بھر لشکر کیا ہوئے وہ جو اٹھائے ہوئے آئے تھے تبر

پاؤں جمتے نہیں کیوں کھیت میں مکاروں کے
۲۱۳ کیوں قدم پیچھے ہٹے جاتے ہیں جراروں کے

آج کا معرکہ تا حشر رہے گا مشہور اب کروں سیر جناں دل کو یہی ہے منظور
گوتنِ زار مرا زخموں کی شدت سے ہے چور آؤ تلواریں لئے پاس، کھڑے ہو کیوں دور

اب یہ حسرت ہے کہ دربارِ خدا میں پہنچوں
۲۱۴ سرخرو قصرِ رسولؐ دو سرا میں پہنچوں

یہ سخن سنتے ہی پھر بانیٔ بیداد بڑھے تیغیں تولے ہوئے شہ پر ستم ایجاد بڑھے
گرز ہاتھوں میں لئے ظالم و جلاد بڑھے چند سردار بھی پیہم پئے امداد بڑھے

گھر گئے فوج میں زخموں سے لہو بہنے لگا
۲۱۵ ہائے فرزند نبیؐ ظلم و ستم سہنے لگا

ہائے اک وار پہ سو وار عیاذاً باللہ ہائے تلوار پہ تلوار عیاذاً باللہ
نیزے اور سینۂ افگار عیاذاً باللہ پیاسے پہ تیروں کی بوچھار عیاذاً باللہ

ہے اگر حسرتِ دیدار زیارت کر لو
گرتے ہیں اب شہ ابرار زیارت کر لو

۲۱۶

ہاتھ تھم تھم کے جو اٹھتا ہے تو شاداں ہیں عدو نوبتیں بجتی ہیں پاس آگئے ہیں عربدہ جو
تیغیں سر پر کبھی آتی ہیں کبھی سوئے گلو خاک پر بہتا ہے فرزند پیمبر کا لہو
گاہ غش ہوتے ہیں گہ خون اگلتے ہیں حسینؑ
یا علیؑ کہہ کے کبھی زیں پہ سنبھلتے ہیں حسینؑ

۲۱۷

شاہ پر ٹوٹ پڑے برچھیوں والے صد حیف پھول سے تن کے لئے ظلم کے بھالے صد حیف
نہیں کوئی جو شہِ دیں کو بچالے صد حیف علی اکبر ہیں کہاں، کون سنبھالے صد حیف
سر کٹائے ہوئے خویش و رفقا سوتے ہیں
ایسے بیکس بھی زمانے میں کہیں ہوتے ہیں

۲۱۸

اب سنبھل سکتے نہیں رخش پہ سلطان انام چھٹ چکی ہے شہ مظلوم کے ہاتھوں سے لجام
سر سے پا تک ہے بدن تیروں سے مجروح تمام ڈگمگاتے ہیں قدم، حالت غش میں ہیں امام
پہنچے فردوس میں شبیرؑ کے پیارے ہے ہے
کون مظلوم کو گھوڑے سے اتارے ہے ہے

۲۱۹

عرض کی حضرتِ جبریل نے یا شاہ زماں اب وہ حالت ہے کہ خادم کی لرزتی ہے زباں
دین کا پشتِ فرس سے جو گرے گا سلطاں لیکے پھر ایک لعیں آئے گا تیغ براں
زخم روئیں گے لہو، پیاس کی شدت ہو گی
مختصر یہ ہے، کہ سید کی شہادت ہو گی

۲۲۰

مہر چھپ جائے گا وہ آندھیاں آئیں گی سیاہ آگ خیموں میں لگادیں گے لعین بدخواہ
پیٹتی نکلیں گی سیدانیاں باحالِ تباہ غیب سے آئے گی آواز، کہ قومِ گمراہ
یہ نہیں صرف، حسینؑ ابن علی کا خوں ہے
فاطمہؑ کا یہ لہو ہے یہ نبیؐ کا خوں ہے

۲۲۱

سارے موجود رسولؐ اور نبیؐ بھی ہوں گے ساتھ میں اُن کے رسولوں کے وصی بھی ہوں گے
وتد ابدال قُطب، غوث، ولی بھی ہوں گے آپؐ بھی فاطمہؑ بھی اور علیؑ بھی ہوں گے
ساتھ میں ان کے ملک اشک بہاتے ہوں گے
۲۲۲ حسنؑ سبز قبا خاک اُڑاتے ہوں گے

اہلِ کیں کعبۂ دیں ڈھائیں گے دنیا کے لئے حوریں سر پیٹتی ہوں گی شہ والا کے لئے
اشکِ خوں روئیں گے غلمان بھی آقا کے لئے ٹھوکریں کھائیں گے جن، بیکس و تنہا کے لئے
غم میں پیہم لب دریا پہ بھی نالا ہو گا
۲۲۳ خون برسے گا زمانہ تہہ و بالا ہو گا

سن کے اس واقعہ کو ضبط کا یارا نہ رہا اے اَخی یاں سے چلو پہلے یہ حضرت نے کہا
لے کے جبریل کو پھر آگے بڑھے شاہِ ہدا پہنچے جب نزدِ فلک آپ، تو ظاہر یہ ہوا
رخِ حضرت کی ضیاء چار طرف پھیلی ہے
۲۲۴ چاندنی فرش ہوئی جاتی ہے پر میلی ہے

سن لیا جب کہ قریب آگئے سلطانِ زماں قدِ بسم اللہِ قرآن نبیؐ کا بکشاں
سورۂ نجم کی ظاہر تھی ہر اک نجم میں شاں ہو گئی لوحِ فلک صورتِ لوحِ قرآں
جو فرشتہ تھا فدا وہ صفت بُلبُل تھا
۲۲۵ آمدِ مصحفِ ناطق کا ہر اِک سو غُل تھا

تھا یہ فیض شہ ابرار، میں اُن پر صدقے ورنہ قاضیٔ فلک، سورۂ لقمان پڑھے
سورہ نور کا جلاد فلک، ورد کرے لوٹ ہوں شرع کے قانون پہ زُہرہ یہ کہے
خبر آمد کی جو نور اِنکا سنادیتا تھا
لامکاں ہوں یہ ہر اک چرخ صدا دیتا تھا

۲۲۶

بڑھ کے جبریل نے دربان فلک سے یہ کہا کھول دے چرخ کا در آ گئے محبوب خدا
سن کے اس مژدہ کو خوش ہو کے جگہ سے اٹھا اور کہا کھول کے در کو میں اس آنے کے فدا

گر قدم رنجہ کنی جانبِ کاشانۂ ما
۲۲۷ رشکِ فردوس شود از قدمت خانۂ ما

جبکہ دروازہ میں داخل ہوئے سلطان زماں دیکھ کر ایک ملک کو ہوئے حضرت حیراں
جس کے چہرہ سے غضب اور خشونت تھی عیاں شہ نے فرمایا اخی اس کا کرو حال بیاں

جب سے خلاق دو عالم نے بنایا ہے اسے
۲۲۸ دھیان ہنسنے کا کسی وقت بھی آیا ہے اسے

کہا جبریل نے ہنسنے سے اسے کیا سروکار حق نے مالک اسے دوزخ کا کیا ہے سرکار
یہ ملک جب سے جہنم کا ہوا ہے مختار غیظ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اس کا ہر بار

مگر ایسا ادبِ شاہِ انام اُس نے کیا
۲۲۹ رسمِ تعظیم بجا لایا، سَلام اس نے کیا

خُلق یہ دیکھ کے فرمانے لگے شاہِ ہدا اے اَخی اس سے کہو کھول دے در دوزخ کا
میں بھی دیکھوں کہ عذاب اس میں بھرے ہیں کیا کیا جبکہ مالک نے یہ ارشاد شہ دیں کا سنا

حکم سے آپ کے پھیرا نہیں سر کھول دیا
۲۳۰ پہلے جبریل کے کہنے سے، وہ در کھول دیا

دیکھا حضرت نے کہ آتش ہے غضب شعلہ فشاں ندیاں پیپ کی، اور خون کے دریا ہیں رواں
وہ دھواں ہے نظر آتا نہیں کوئی بھی وہاں مگر آتی ہے گنہ گاروں کی فریاد و فغاں

بند کروا دیا در شاہ نے ٹھہرا نہ گیا
رنج بندوں کا خدا دوست سے دیکھا نہ گیا

۲۳۱

دوسرے چرخچہ جانے لگے جب شاہ ہدا راہ میں ایک مکاں سید والا کو ملا
نور سے جس کے ہیں روشن طبق ارض و سما اس میں داخل ہوئے جب سرورِ دیں یہ دیکھا

طاق چالیس ہیں ہر طاق میں اک بیضا ہے
پوچھا جبریل سے حضرت نے کہ ان میں کیا ہے

۲۳۲

بادب حضرت جبریل نے کی عرض کہ ہاں اس میں اسرار ہیں کچھ قدرتِ خالق کے نہاں
حکم مجھ کو نہیں کس طرح کروں راز بیاں بڑھ کے ایک بیضہ اوٹھا لیجیے یا شاہِ زمان

حال جو کچھ کہ ہے پنہاں وہ نظر آئے گا
دستِ حضرت سے یہ عُقدہ ابھی کُھل جائے گا

۲۳۳

سن کے جبریل سے یہ شہ نے کیا ہاتھ دراز لے چکے طاق سے بیضہ جو شہنشاہِ حجاز
چشمِ حق بیں کو کر اب بند، یہ آئی آواز تا کہ کُھل جائیں مری قدرتوں کے تجھ پر راز

حق کے فرمان سے جب آنکھ کھلی کیا دیکھا
ہوں میں ایک شہر کے اندر یہ تماشا

۲۳۴

نہ فلک اور نہ جبریل نہ شب اور نہ براق نہ وہ پر نور مکاں اور نہ بیضے نہ وہ طاق
ہوا اکبار شب وصل الٰہی میں فراق شہر کے لوگ ہیں سب آمدِ شہ کے مشتاق

کپڑے پاکیزہ ہر اک پہنے نظر آتا ہے
جمعہ کا روز ہے مسجد کی طرف جاتا ہے

۲۳۵

دیکھئے جس کو وہ ہے مومنِ پاکیزہ فعال ذی کرم صاحبِ اخلاق، حمیدہ افعال
ایک کو ایک سے رنجش نہ خصومت نہ ملال رونقِ دینِ محمدؐ کو بڑھائیں یہ خیال

سورۂ حمد ہر اک آن پڑھا کرتے ہیں
وقت پر طاعتِ معبود ادا کرتے ہیں

۲۳۶

جانتے مکر کا فجّار ذرا ڈھنگ نہیں نرم دل ایسے ترازو میں بھی پاسنگ نہیں
کبھی چلا کے صدا دینے کا آہنگ نہیں کسی کے آئینۂ دل پر ذرا زنگ نہیں

جنس کا نرخ جو بائع نے کہا مان گئے
اس پہ بازار سے لے کر نہیں نقصان گئے ۲۳۷

صاف ہر ایک سڑک جس پہ نہ تنکا نہ غبار جنس تازہ کے دکانوں میں لگے ہیں انبار
لینے والا بھی فردشندہ بھی دونوں دیندار کسی سودے میں نہ حجت ہے نہ غل نے تکرار

کم نہ دیتے ہیں نہ مال اُن کا سوا لیتے ہیں
دام رکھ دیتے ہیں اور چیز اٹھا لیتے ہیں ۲۳۸

شہر میں صاحب تقوی ہے ہر اک پیر و جواں زہد کی جن کے خبر دیتا ہے ماتھے کا نشاں
جیسے پاکیزہ خیالات ہیں ویسی ہی زباں کہہ سکیں جن کو فرشتہ صفت ایسے انساں

جھوٹ اور مکر کی باتوں سے حذر کرتے ہیں
گو کہ اوقات تجارت میں بسر کرتے ہیں ۲۳۹

پیشہ ور جتنے ہیں سب شاد ہیں غم سے ہے فراغ قلب پر شیشہ گروں کے نہ کدورت ہے نہ داغ
چرخ ہفتم پہ نہیں عطر فروشوں کا دماغ پھول والوں کی طبیعت کا کھلا رہتا ہے باغ

تازہ دل میوہ فرشوں کے ہیں، آگاہ ہیں سب
سیب جو بیچتے ہیں اُن کے بھی خواہ ہیں سب ۲۴۰

بانٹ کم وزن، نہ دوکاں میں کوئی جنس خراب پاک عارف کی طبیعت کی طرح اُن کے حساب
باخبر دین سے، دانندۂ آئین ثواب مسئلہ پوچھتے ہیں شرع کی پڑھتے ہیں کتاب

جب کسی سے کوئی شے پاتے ہیں یاد دیتے ہیں
یا نبی کہتے ہیں یا نام علیؑ لیتے ہیں

۲۴۱

شہ نے اک مومن دیندار سے پوچھی یہ خبر آپ سب لوگوں کا کیا قصد ہے جاتے ہیں کدھر
کہا اس شخص نے یہ کر کے سراپا پہ نظر تازہ وارد نظر آتے ہیں یہاں آپ مگر
چہرۂ پاک پہ تشویش سی کچھ پاتا ہوں
۲۴۲ کہا حضرت نے ابھی تو میں چلا آتا ہوں

پھر یہ کی اس نے گزارش کی ہمارا ہے جو شاہ آٹھویں روز وہ آتا ہے بصد حشمت و جاہ
اور نمازیں بھی پڑھاتا ہے وہی حق آگاہ ہو اگر قصد زیارت کا تو چلئے ہمراہ
سر منبر جو کبھی وعظ وہ فرماتا ہے
۲۴۳ سارے احکامِ شریعت ہمیں بتلاتا ہے

جب سنا شاہ نے اس مردِ خوش ایماں کا بیاں شوق سے جانبِ مسجد ہوئے ساتھ اس کے رواں
دیکھا دروازۂ مسجد پہ پہنچ کر یہ سماں کہ ہے اک خلق خدا راہ کی جانب نگراں
غُل ہے تشریف شہِ ہر دوسرا لاتے ہیں
۲۴۴ ایک سے ایک یہ کہتا ہے کہ اب آتے ہیں

تذکرہ یہ تھا ابھی یاں کہ اٹھی گرد اکبار ہوئے شاہانہ سواری کے نمایاں آثار
مرد ہے ہاتھ میں چھڑیاں لئے اک سوزرکار عربی گھوڑوں پہ بیٹھے ہوئے اک سمت سوار
جا ادب کی ہے یہ خُدّام صدا دیتے ہیں
۲۴۵ سامنے گر کوئی آتا ہے ہٹا دیتے ہیں

بیچ میں اُن کے ہیں غلماں لئے اک تختِ رواں اس پہ بیٹھا ہے بصد جاہ و حشم اک سُلطاں
سَرِ پُر نور پہ ہے تاجِ جواہر کی وہ شاں دیکھنے والوں کے دل ہوتے ہیں جس پر قرباں
خالی چاوش جلالت نے جو راہیں کردیں
وقف مردُم نے اُسی سَمت نگاہیں کردیں

۲۴۶

سر پہ ہے چتر کی جا سایۂ افضالِ خدا چہرۂ صاف پہ ہے برق سرطور فدا
حال یہ دیکھ کے احمدؐ کو تحیر جو ہوا لبِ پر نور سے اس وقت یہ ارشاد کیا

واہ کیا قدرتِ خلاق جہاں پرور ہے
آئی آواز کہ ششدر نہ ہو یہ حیدر ہے

۲۴۷

سن کے یہ بات شہنشاہ زماں شاد ہوئے درِ مسجد پہ اُدھر تخت سے حیدر اترے
جس قدر مومنِ دیندار تھے اُس جا پہ کھڑے باادب چوم کے ہاتھوں کو قدم سب نے لئے

ہاتھ اپنے بھی بڑھا کر جو نبیؐ ہنسنے لگے
دیکھ کر چہرۂ احمدؐ کو علیؑ ہنسنے لگے

۲۴۸

پھر یہ حیدرؑ سے شہنشاہِ رسل نے پوچھا کہو مجھ سے بھی تو یہ ماجرا اے شیرِ خدا
شہ والا سے بصد عجز، علیؑ نے یہ کہا حق نے چالیس جگہ کا مجھے سلطاں ہے کیا

جمعہ کے روز ہر اک جا میں یونہیں جاتا ہوں
اسی صورت سے نماز ان کو پڑھا آتا ہوں

۲۴۹

کہہ کے یہ بات ہوئے داخل مسجد مولا پیچھے سب بہرِ نماز آکے ہوئے استادا
نیتیں باندھ کے جب کرنے لگے ذکر خدا غائب اُن سب کی نظر سے ہوئے سلطانِ ہدا

ختم جب طاعت رب دوسرا کی سب نے
پڑھ کے صلوات محمدؐ کی ثنا کی سب نے

۲۵۰

دی یہ جبریل نے پھر سرورِ عالم کو صدا حکم خالق ہے کہ اب ہاتھ سے رکھ دو بیضا
رکھ کے بیضے کو یہ فرمانے لگے شاہ ہدا غیر ممکن ہے کہ بندہ سے ہو خالق کی ثنا

نہ وہ مسجد ہے نہ وہ شہر نہ وہ ساماں ہے
وہی بیضے ہیں وہی طاق وہی ایواں ہے

۲۵۱

باہر اُس قصرِ عجائب سے جب آئے مولا اُس فلک کو شہِ بوذر نے طلائی پایا
رنگ بڑھتا ہی چلا جاتا تھا تولوں جس کا اور کچھ راہ جو طے کی تو یہ شہ نے دیکھا

نور کا سامنے بہتا ہوا اک دریا ہے
۲۵۲ کہ نشاں جس کے کناروں کا نہیں ملتا ہے

پوچھا جبریل سے حضرت نے کہ یہ بحرِ رواں کیا صفت رکھتا ہے، کچھ مجھ سے کرو اس کا بیاں
عرض کی نام ہے اس بحر کا بحرِ حیواں آتی ہے آپ سے جس کی تنِ بے جاں میں بھی جاں

لطف کی بات یہ ہے قند سے میٹھا ہے یہ
۲۵۳ دودھ سے صاف ہے اور برف سے ٹھنڈا ہے یہ

حق نے بیکار نہیں کی ہے کوئی شے پیدا ہوگا جب قُربِ قیامت کا تو یہ برسے گا
اسی پانی سے تو ہو جائیں گے مُردے زندا انتہا قدرتِ حق کی نہیں شہ نے یہ کہا

واہ کیا صنعتِ صنّاع ہے کیا حکمت ہے
۲۵۴ کہ ہر اک قطرہ میں اک نطفہ کی خاصیت ہے

اور کچھ واں سے بڑھے جب کہ شہنشاہ ہدا تیسرے چرخ کو دیکھا کہ وہ ہے موتی کا
جس کے دروازہ میں ہے نور کا اک قفل لگا شاہ والا کو جو دربان نے آتے دیکھا

بے کہے بہرِ شہِ جن و بشر کھول دیا
۲۵۵ بڑھ کے اک نور کی کنجی سے وہ در کھول دیا

جبکہ دروازہ میں داخل ہوئے سلطانِ زماں دیکھا سردار دو عالم نے حسیں ایک جواں
جس کے رخسار سے تھا نورِ مہ و مہر عیاں پوچھا جبریل سے یہ کون ہیں اے بہای جاں

عرض کی حضرتِ یعقوبؑ کے یہ اختر ہیں
حسن میں سب سے، بجز شاہ ہدا بہتر ہیں

۲۵۶

جب سے معلوم ہوئی آپ کے آنے کی خبر شوقِ دیدار میں حضرت کے چلے آئے ادھر
مل کے جب یوسفؑ سے بڑھے خیر بشر وہیں زُہرا نے کیا سامنے مجرا آکر
شہِ کونین کو محظوظ جو پایا اس نے
۲۵۷ نغمہ توحید کے پردے میں سنایا اس نے

ہنس کے فرمایا کہ تو ہے فلکِ عیش کی ماہ کوئی اس فن کا نہیں تجھ سے زیادہ آگاہ
اہل دنیا کو جھنکائے گی کنوئیں تیری چاہ پر رہے شرع کے قانون پہ ہر وقت نگاہ
وقتِ آخر بہت اس بات کا غم ہوئے گا
۲۵۸ ساز اس سے جو نہ رکھے گی توسم ہوئے گا

جب ہوا قصر چہارم پہ وُرودِ مولا دیکھا حضرت نے کہ یہ چرخ تو ہے چاندی کا
در کی پیشانی پہ لیکن ہے محمدؐ لکھا شہ نے خورشید کو پوچھا تو امیں نے یہ کہا
سامنے آپ کے آتے ہوئے شرماتا ہے
۲۵۹ وہ تو کچھ دن ہی سے غائب ہے کہ چاند آتا ہے

لے کے اے کلک بس اب پختنِ پاک کا نام پانچویں چرخ کا بھی حال رقم کردے تمام
آئے جب طارم پنجم پہ شہنشاہ انام غم فرقت سے لبِ گور تھا اُٹھا بہرام
تن میں جان آنے لگی مطلبِ دلخواہ ملا
۲۶۰ وہیں ہارون سے بھی کل کا شہنشاہ ملا

جب گئے چرخ ششم پر شہِ افلاک و زمیں بارک اللہ کی ہر سو سے صدائیں آئیں
مشتری ہوگئی خود مشتریٔ ماہِ مُبین باتیں تادیر یہیں حضرتِ موسیٰ سے رہیں
یہیں کافور بہشتی کے محل کو دیکھا
اور یہیں شاہ نے میزانِ عمل کو دیکھا

۲۶۱

دور آخر ہے یہ اے ساقیِ گلگوں اندام جاتے ہیں منزلِ ہفتم کی طرف شاہِ انام
کیف میں سب سے جو اوّل ہو پلا اُسکا جام تا کہ گھر بیٹھے لکھوں خُلد کا احوال تمام
فیضِ حضرت سے جو سیر اسکی میسر ہوگی
۲۶۲ یہی معراج وہاں میری زباں پر ہوگی

پہنچے جس دم درِ فردوس پہ شاہِ عالم چلی جنت کی ہوا لینے کو سرور کے قدم
نوبت آمد کی بجانے لگے غُنچے پیہم بلبلیں گانے لگیں نعت کے نغموں کو بہم
پہنچا رضوان تو گلدستۂ جنت لے کر
۲۶۳ اور ادریس بڑھے نور کا خلعت لے کر

کی تہی فردوس کی رضواں نے بڑی تیاری جتنی حوریں تھیں وہ سب پہنے تھیں جوڑے بھاری
نخل چھانٹے گئے تھے صاف ہر اک تھی کیاری خوبصورت تھا جو ہر پھول تو کلیاں پیاری
کسی گلرو کی قبا کا نہیں ایسا دامن
۲۶۴ بن گیا قدرتی قالین زمیں کا دامن

آمدِ سرورِ عالم سے سجا تھا گلزار نونہالانِ گلستاں کی دو رویہ تھی قطار
سرو و شمشاد نقیبانہ کھڑے تھے ہشیار سر پہ باندھی تھی شہِ گل نے گلابی دستار
تمغہ پایا گُلِ لالہ نے تو سالاری کا
۲۶۵ گل عباس کو عہدہ تھا علمداری کا

چوٹیاں اونچے درختوں کی یہ دیتی تھیں صدا پہلے ہم دیکھیں گے نورِ رخِ شاہِ والا
پھل گئے آتشِ فرقت سے پھلوں نے یہ کہا ٹوٹ کر دیکھنے کو ہم تو گریں گے بخدا
اُڑ گئی شوق میں عالم یہ ہوا خوشبو کا
جب تو گل میں نہیں ملتا ہے پتا خوشبو کا

۲۶۶

سرسری ڈال کے اپنے قدو قامت پہ نظر سب سے اونچا ہوں کہا سرو نے یہ خوش ہو کر
پہلے دیکھوں گا میں ہی نورِ رُخِ پیغمبر میں بھی کچھ کم نہیں شمشاد اکڑتا تھا ادھر

بولی نرگس کہ بہت شوق میں ہم جاگے ہیں
۲۶۷ بڑھ کے بیلوں نے کہا سب سے ہمیں آگے ہیں

فخر اور ناز سے گلشن کی زمیں نے یہ کہا پاؤں سر پر مرے رکھیں گے شہنشاہ ہدا
خواب راحت سے یہ کہتا ہوا سبزہ چونکا سب سے پہلے میں ہی حضرت کے قدم چوموں گا

درجنت نے کہا یہ تو ہے درجا میرا
۲۶۸ پاؤں رکھ دیں گے تو بڑھ جائے گا رُتبہ میرا

تھی یہ سوسن کی تمنا کہ اشاروں پہ چلوں قول داودی کا یہ تھا، کہ میں خوش گا کے کروں
تھا یہ نرگس کا اشارہ قدم آنکھوں پہ دھروں تھی چنبیلی کی یہ خواہش کہ کنیز ان کی بنوں

سرو کہتا تھا غلام شہِ دیں بے شک ہوں
۲۶۹ سویا یہ جانتا تھا ان کا میں لے پالک ہوں

تھا مدن مان رسولِؐ مدنی پر شیدا قدِ موزوں پہ ہوا جاتا تھا شمشاد فدا
عشقِ پیچاں کی یہ حالت تھی کہ مجنوں تھا بنا سرِ اقدس یہ کئے مولسری تھی سایا

ان کے چلنے سے لہک میں جو نہ فرق آتا تھا
۲۷۰ سبزہ قدموں سے شہ دیں کے لپٹ جاتا تھا

فرقتِ شہ میں ہوا جو چمنِ خُلد کا حال اس کو کرتا ہوں میں تحریر یہاں بالا جمال
گر بہ تفصیل لکھوں کیوں طول کا ہوتا ہے خیال ہے نئی بات سنیں غور سے اربابِ کمال

ہو پرانا کوئی مضموں تو دکھا دیں مجھ کو
فارسی کی ہو کتب میں تو پتا دیں مجھ کو

۲۷۱

سب سے پہلے گُلِ لالہ کا کروں حال رقم پڑ گیا داغ کلیجہ پہ اٹھایا یہ الم
خوں کے اشکوں سے جو رویا کیا برسوں پیہم ہوگئی سُرخ قبا دیکھ لیں اہلِ عالم

جب سے دیکھا رخِ حضرت وہ جلن دور ہوئی
۲۷۲ ہجر کی آگ جو سینے میں تھی کافور ہوئی

سامعیں اب گلِ سوسن کا سنیں حال ذرا آتش عشق نے تن ایسا جلایا اُس کا
تپِ فرقت نے کیا رنگ مِسی کا پیدا اس قدر چیخ کے روئی، کہ گلا بیٹھ گیا

جب سے دیدارِ رسولؐ عربی دیکھتا ہے
۲۷۳ رنگ باقی ہے دھواں دل سے نہیں اٹھتا ہے

گل کی کیفیت تازہ بھی ہے حیرت افزا ہجرِ سرور میں ہوا زور جو وحشت کا سوا
لال منہ پہلے تو خود اپنا طمانچوں سے کیا دھجیاں دھجیاں پھر کی تنِ نازک کی قبا

شہ کے صدقے سے رہا گونہ وہ سودا باقی
۲۷۴ آج تک دیکھ لو پر رنگ ہے رخ کا باقی

جسم نازک پہ ہے گرچہ وہی صد پارہ قبا آستینوں کا پہ کوسوں نہیں اب تک بھی پتا
نہ گریبان کا معلوم ہوا حال اَصلا پر ہوا شہ کی زیارت سے یہ حاصل رُتبا

لوگ ہاتھ آتے ہی دامن میں اٹھا لیتے ہیں
۲۷۵ اکثر ایسے ہیں کہ جو سر پہ چڑھا لیتے ہیں

سنبلِ تر کا ہوا عشق نبیؐ میں یہ حال نہ تو کنگھی کی خبر اُس کو نہ چوٹی کا خیال
الجھے بالوں سے یہ ثابت کہ مشوش ہے کمال دیکھ کر روئے نبی اتنی ہوئی طبع بحال

اب وہ الجھن نہیں پر بال کھلے رہتے ہیں
آج تک سنبل پیچاں اسے سب کہتے ہیں

۲۷۶

حالِ نرگس پہ بھی اے اہلِ نظر چشم رہے زرد تن ہوگیا صدمہ سے غم فرقت کے
روشنی چشم کی جاتی رہی روتے روتے اتنی تسکیں ہوئی پر دیدِ شہِ والا سے

پوری حالت نہ رہی گو یرَقاں کی باقی
۲۷۷ دونوں آنکھوں پہ مگر رہ گئی زردی باقی

یہ ثمر دار درختوں کا ہوا حال ابتر پھَل گئے سوزِ غمِ ہجرِ نبیؐ سے یکسر
چھالے آنے لگے ہر شاخ میں کثرت سے نظر جب ہوئے واردِ فردوس شہِ جن و بشر

ایسی فرحت ہوئی پاکیزہ و تر بن گئے سب
۲۷۸ جتنے چھالے تھے تر و تازہ ثمر بن گئے سب

ہاں فقط تاک ہے ایک فیض سے محروم ضرور کہ ہرے رہتے ہیں بندھنے پہ بھی اس کے انگور
سبب اس کا یہ ہے گر غور کریں اہل شعور اُس کی مے کھینچتے ہیں اہلِ جہاں بہرِ سرور

معصیت میں ہے گرفتار سزا پائے گا
۲۷۹ عارضہ تا بہ قیامت یہ نہیں جائے گا

اسی باعث سے تو ٹئی میں یہ رہتے ہیں سدا شرم سے منہ نہیں دکھلاتے ہیں انگور اصلا
آڑ میں پتوں کے چُھپنے کو بنالی جا تاکے باہر سے کوئی لاکھ ملے گا نہ پتا

جس طرف دیکھئے پتے ہی نظر آتے ہیں
۲۸۰ بڑی کوشش سے نظر باز انہیں پاتے ہیں

جانور بھی تھے اسی طرح سے بے دیکھے فدا پہلے بلبل کا سُنیں حال تمام اہل ولا
جب ہوئے داخل فردوس شہِ ہر دوسرا دفعتاً پھول گئی دیکھ کے گل سا چہرا

حق کے محبوب ہیں یہ جبکہ یہ جانا اس نے
گایا پھر آمدِ حضرت کا ترانا اس نے

۲۸۱

جب تک اس نے شہ والا کو نہیں دیکھا کوہ و صحرا میں بنا لیتی تھی مسکن اپنا
جب سے حضرت کی زیارت کا شرف اس کو ملا باغ میں رہنے لگی یہ بھی شگوفہ ہے نیا
گُلِ خوش رنگ کی عاشق نہیں زنہار ہے یہ
۲۸۲ پھر اسی پھول سے چہرے کی طلب گار ہے یہ

جب تو بیتابی سے ہر گل کی طرف آتی ہے اپنے محبوب کی خوبو جو نہیں پاتی ہے
شاخ پر بیٹھ کے بو سونگھ کے اُڑ جاتی ہے مطلب اس شعر کا ہر مرتبہ دُہراتی ہے
حیف در چشمِ زون صحبتِ یار آخر شد
۲۸۳ روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

فاختہ بھی تھی اس طرح سے اِن پر شیدا متلاشی تھی کہ پاؤں کہیں حضرت کا پتا
اسی منت کا تو تھا طوق گلے میں ڈالا یہی باعث تھا کہ خاکستری رنگوائی قبا
روئے حضرت کا تصور میں مزا لیتی تھی
۲۸۴ ہر جگہ بیٹھ کے کوکو کی صدا دیتی تھی

لائے جب دہر میں تشریف شہِ نیک اساس دیکھا تو پر نہ بجھی تشنۂ دیدار کی پیاس
گو کہ امید بر آئی مگر اب تک ہے اُداس اسی باعث سے بدن میں وہی اگلا ہے لباس
اب بھی کوکو کی صدا ہے خفقاں باقی ہے
۲۸۵ بڑھ گیا طوق، پہ گردن پہ نشاں باقی ہے

سرو گلزار کی ہرگز پہ نہیں شیدائی یاد جب آ گیا اس کو قد زیبائے نبیؐ
شاخ پر دیکھنے کو غور سے دم بھر بیٹھی بوئے مقصود نہیں پائی تو پھر اُڑ کے چلی
پھر وہ قد دیکھ لوں اس دُھن میں جیا کرتی ہے
ایرے پھیرے یونہیں گلشن کے کیا کرتی ہے

۲۸۶

یوہیں طاؤس بھی تھا عاشقِ سلطانِ رمن اس قدر فرقت شہ میں سہے آلام و محن
کثرت داغ الم سے ہوا سینہ گلشن ڈھونڈتا پھرتا تھا محبوبؐ خدا کو بن بن

آئے جب سیر کو سلطانِ عرب جنت میں
۲۸۷ رقص کرتا ہوا حضرت کی گیا خدمت میں

اب کبھی رقص جو کرتا ہے میان صحرا صاف ظاہر ہے سبب اس کا سمجھ لیں عقلا
یاد جب آتی ہے فردوس کی وہ اس کو فزا اور پھرتا ہے نظر میں وہی گل سا چہرا

محو یہ شہ کے تصور میں ہوا کرتا ہے
۲۸۸ رقص پہروں اسی صورت سے کیا کرتا ہے

تاب کیا ہے جو کرے کوئی صفت حوروں کی مسکرا دیں تو یہ معلوم ہوا برق گری
نام کو جس میں شرارت نہیں ایسی شوخی نہ وہاں ناز کا خنجر ہے نہ غمزہ کی چھری

صید کو اپنے جو تڑپائیں وہ صیاد نہیں
۲۸۹ ہیں تو معشوق مگر طرز جفا یاد نہیں

جانتی ہی نہیں وہ کرتے ہیں عشوہ کیونکر صورتیں ایسی کہ دل صدقے کرے آپ بشر
نہ کسی چال سے واقف ہیں نہ غمزہ سے خبر ان کی باتوں میں مسیحائی ہے آنکھوں میں اثر

جس بشتی سے سخن ہنس کے کیا لوٹ ہوا
۲۹۰ پیار سے جس کی طرف دیکھ لیا لوٹ ہوا

داخلِ چشمۂ رحمت ہوئے پھر شاہِ زمان چشمۂ خور ہوا جلوہ سے تمام آبِ رواں
بلبلے نجم بنے، موج ہر اک کاہکشاں صاف آتا تھا نظر چرخ کا پانی میں سماں

غسل محبوب خدا اس میں جو فرمانے لگے
سب بھنور چودھویں کے چاند نظر آنے لگے

۲۹۱

جب وہ دُر چشمۂ رحمت سے نہا کر نکلا مثلِ خوشبو کے اُڑا لے گئی سدرہ پہ ہَوا
ہاتھ ہر شاخ کا بیعت کے لئے آپ بڑھا گھر یہ خادم کا ہے جبریل نے حضرت سے کہا

شہِ والا کے یہاں آنے کی نوبت آئی
۲۹۲ جس کی مدت سے تمنا تھی وہ ساعت آئی

دیکھتے کیا ہیں بصد غور شہِ عرش نشیں ساکن اُس پیڑ کے اک برگ پہ ہیں روحِ امیں
کی ہے یاقوت کی محراب سے جس کی تیزئین تحفہ کرسیٔ مرصع پہ بچھاہے قالیں

گل ہر اک شاخ میں کثرت سے بھرتے رہتے ہیں
۲۹۳ ایسی شادابی ہے کانٹے بھی ہرے رہتے ہیں

شہ سے پھر روحِ امیں نے بہ مسرّت یہ کہا خُلق نے آپ کے کیا شاد کیا دل میرا
کب سے یہ شوق تھا آئیں مرے گھر بھی مولا لطف اس بندۂ ناچیز پہ کیا فرمایا

اور یہ مجھ پہ کرم شاہ زمانہ ہوجائے
۲۹۴ عید ہوجائے اگر یاں بھی دوگانہ ہوجائے

یاں بھی دو رکعتیں سلطانِ رسالت نے پڑھیں آگے بڑھنے کا کیا عزم تو بولے یہ امیں
حد یہیں تک تھی ہوا خواہ کی یا سرورِ دیں اب سر مو بھی تو قدرت مجھے بڑھنے کی نہیں

کوئی یہ مرتبہ عالم میں نہیں پاسکتا
۲۹۵ واں چلے آپ جہاں میں بھی نہیں جاسکتا

رہ گئے روح امیں بڑھ گئے شاہ ابرار کرکے طے پردوں کو قدرت کے جو نکلے اکبار
ہوگئی سُست براقِ شہِ دیں کی رفتار بادب اس نے یہ کی شاہ رسل سے گفتار

یاں سے رخصت یہ ہوا خواہ بھی اب ہوتا ہے
آگے بے حکم بڑھوں اب مری قدرت کیا ہے

۲۹۶

جب براق آپ سے یہ کہہ کے سوئے خلد گیا آ کے رفرف نے کیا شاہِ زمن کو مجرا
بیٹھ کر اس پہ روانہ ہوئے پھر شاہِ ہدا جبکہ طے اُس نے بھی، ہفتاد حجابوں کو کیا

عرض کی یاں سے بڑھوں یہ نہیں قدرت میری
۲۹۷ یا نبیؐ سلب ہوئی جاتی ہے قوت میری

آخرش پشت پہ میکال کی بیٹھے سرور ہوگئے ان کے بھی، پرواز سے جب ساکت پر
پھر سرافیل نے کاندھے پہ اٹھایا بڑھ کر پردۂ قدرتِ حق دور سے جب آیا نظر

عرض کی یاں سے بس اب میں بھی نہیں جا سکتا
۲۹۸ آپ کو عرش خدا تک نہیں پہنچا سکتا

شہ نے جس وقت سرافیل کا یہ عجز سنا طَرَفِ عرش روانہ ہوئے، حضرت تنہا
پہنچے جب متصل عرشِ شہنشاہِ ہدا چاہا نعلین کریں دور، تو آئی یہ صدا

گھر تمہارا ہے یہ کس واسطے شرماتے ہو
۲۹۹ کفشیں پہنے ہی ہوئے، کیوں نہیں آجاتے ہو

اور آگے جو بڑھے شوق میں شاہِ ابرار غیریت گم ہوئی، وحدت کا ہوا پھر اظہار
کوئی پردہ نہ رہا، کھل گئے سارے اسرار آپ ہی طالب مضطر تھا وہ، آپ ہی دلدار

اہل ظاہر کبھی بھید اس کا نہیں پائیں گے
۳۰۰ شرع کی آنکھ سے تو دو ہی نظر آئیں گے

میزباں کون تھا اور آپ تھے مہماں کیسے کہ گئی پردہ میں جبریل کے رحمت لینے
شوق دیدار کے طے ہوگئے سارے قصے کیسے ممکن ہے کہ حالات کھلیں تخلیئے کے

کون کہہ سکتا ہے ان دونوں میں کیا بات ہوئی
جب کہ قوسین کے گوشے میں ملاقات ہوئی

۳۰۱

ناز کے کرتے رہے پہلے سخن شاہِ امم عہد بخشایشِ امت کا ہوا پھر باہم
بعد اک مدت بسیار کے یہ سمجھے ہم فقط اس رات کی خاطر ہی بنا تھا عالم
راز مخفی یہ کسی نے بھی نہیں جانا تھا
۳۰۲ اتنی محبوب کی خاطر ہے یہ دکھلانا تھا

نازِ محبوب کی باتیں بھی سنیں اب خُضّار عرض کی دو دیئے جبریل کو شہپر اکبار
مجھ کو کیا اس کا عوض تو نے دیا اے غفار آئی آواز تمہیں ہم نے وہ گیسو دیئے چار
جن کے ہر بال سے خوشبوئے جناں آتی ہے
۳۰۳ جب یہ کھلتے ہیں، کلی قلب کی کھل جاتی ہے

کہا موسیٰ کو کلیم اپنا بنایا تو نے اور پھر طور پہ دیدار دکھایا تو نے
حضرتِ نوح کی کشتی کو بچایا تو نے تخت شاہی پہ سلیماں کو بٹھایا تو نے
جتنے شکوے کروں اس وقت ہے زیبا مجھ کو
۳۰۴ میرے خالق عوض ان سب کا دیا کیا مجھ کو

آئی آواز یہ شکوہ تو نہ مانا ہم نے آپ کا بندوں سے پڑھوا دیا کلمہ ہم نے
طور پر گو انہیں دکھلادیا جلوا ہم نے پاس آنے کا مگر حکم نہ بخشا ہم نے
دور سے دیکھ کے وہ غافل و سرشار رہے
۳۰۵ اور تم پاس کھڑے رہ کے بھی ہشیار رہے

حضرتِ نوحؑ سے اے ماہ تمہیں نسبت کیا ان کو کشتی کی عطا تم کو جہاز امت کا
ناخدا جس کا زمانے میں نہیں ہے تم سا دی سلیمانؑ کو شاہی نہ کرو اس کا گلا
ان کو جبریل سا خادم پئے خدمت نہ دیا
تخت دنیا کا دیا، تاجِ شفاعت نہ دیا

۳۰۶

دیو جن رہتے تھے دربار میں، واں لیل ونہار میرے محبوب ملائک ہیں ترے خدمت گار
جس انگوٹھی سے سلیماں کا بڑھا عزّ و وقار اس میں تیرا ہی تو تھا نام رقم، اے دلدار

میں نے مختار کیا ہے تجھے اپنے گھر کا
۳۰۷ تو نگینہ ہے مرے عرش کی انگشتر کا

اے حُسین تیرے مراتب ہیں عجب بیش بہا اور سب مرسلوں کو، معجزہ ایک ایک دیا
ہم نے سب معجزوں کا پر تجھے مختار کیا عرض کی نغمۂ داود کا کیا بخشا صلا

ان کو خالق نے خوش آوازی کی نعمت بخشی
۳۰۸ آئی آواز تمہیں ہم نے فصاحت بخشی

کی زرہ ایک عطا ان کو، حفاظت کے لئے ہم نے دو جوشنِ نایاب تمہیں بھیج دیئے
جس جس امت نے نبی کے نہیں فرمان سُنے کیسے کیسے نہیں دنیا میں عذاب ان پہ ہوئے

تیری امت پہ مگر کچھ نہ عذاب آئے لگا
۳۰۹ بخش دیں گے اسے جب روزِ حساب آئے لگا

اور نبیوں کی کتابوں کا ہوا یہ انجام چند ہی روز میں کردی گئیں منسوخ تمام
پر ترے دفترِ اعزاز کا اعلا ہے مقام کبھی قرآن کے ترمیم نہ ہوں گے احکام

بعد تیرے بھی رہے گی یہ شریعت باقی
۳۱۰ سلطنت ہے تری تا روزِ قیامت باقی

عرض کی حُسن کیا حضرت یوسفؑ کو عطا دیکھ کر جن کو ہوا ایک زمانہ شیدا
جب زلیخا کو ہوا عشق کا ان کے سودا مصر کو بخش کے ہمتائے عزیز ان کو کیا

شب یہ ہے وصل کی موقع ہے گلے کا مجھ کو
بدلا ان باتوں کا خالق نے دیا کیا مجھ کو

۳۱۱

آئی آواز جوابات سنو اِن کے بھی گو کہ یوسفؑ ہوئے ہمتائے عزیزِ مصری
ہم نے کونین میں شے تم سے عزیز ایک نہ کی سارے نبیوں میں رسوا قدر تمہاری ہی رہی

یہ بھی سن لو نہ رہے تا کوئی کھٹکا باقی
ہو گئے ہم ہی تمہارے تو رہا کیا باقی ۳۱۲

حسن بخشا انہیں کرتے ہو جو اس کا شکوہ تم سے بہتر تو کسی طرح نہ تھا، حُسن ان کا
واں صباحت تھی یہاں لطف ملاحت ہے سوا دیکھو کتنا ہی مگر، سیر نہیں دل ہوتا

تھے حُسین حُسن میں وہ تم سے، مگر خوب نہ تھے
تھے وہ معشوقِ زلیخا، مرے محبوب نہ تھے ۳۱۳

باتیں یہ ختم بھی ہونے نہیں پائیں تھیں یہاں ہوگیا دعوت محبوب کا فوراً ساماں
کاسۂ شیر و برنج آیا پئے شاہِ زماں نوش فرما کے ہوا قلب نہایت شاداں

آپ جب گھر کی طرف باحشم و جاہ چلے
سدرہ سے حضرتِ جبریلؑ بھی ہمراہ چلے ۳۱۴

واہ بزمِ جگر افگار، ترا کیا کہنا خوب مجلس میں ہوا شور ثنا کیا کہنا
خوش ہوئے تجھ سے رسولؐ دوسرا کیا کہنا سچ یہ ہے خوب مسدس یہ کہا کیا کہنا

مدح سرور نے کیا، خاک سے اکسیر تجھے
دیں گے محبوبِؐ خدا خُلد کی جاگیر تجھے

بزم آفندی.....مرثیہ نگاری کا معتبر حوالہ

(ایک مختصر جائزہ)

پروفیسر حسن عسکری کاظمی

رثائی ادب کی تاریخ اس اعتبار سے منفرد اور مختلف ہے کہ ہمارے کلاسیکی مرثیہ نگاروں نے جتنی ریاضت اور توجہ کے ساتھ مرثیے تخلیق کئے اور جس طرح یک سوئی کے ساتھ عبادت سمجھ کر خانوادۂ رسالت مآب ﷺ کے فضائل ومصائب کی ترسیل کا اہتمام کیا اس کی دوسری کوئی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی، اردو مرثیے کے ارتقائی منازل کا جائزہ لیتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بہت سے پُر گو شعرائے مرثیہ ہماری عدم توجہی کے باعث منظر عام پر نہ آسکے یا ان کے نام اور کام کے حوالے سے تحقیق اور تنقید کا حق ادا نہ کیا جاسکا۔ اس کے علاوہ بہت سے مرثیے وقت کی دیمک چاٹ گئی۔ مرثیہ تخلیق کرنے والوں کے ورثاء کی نا اہلی اور غم روزگار کی یورش یا بے بضاعتی کے نتیجے میں ان کا قیمتی سرمایہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکا، اس کے باوصف یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس صنفِ شاعری فروغ پذیری میں کمی نہیں آئی نیز یہ کہ مرثیہ نگاروں کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ ہے، سید عاشور کاظمی نے سولہویں صدی سے بیسویں صدی تک اور بیسویں صدی کے اردو مرثیہ نگار کے ذیل میں اردو مرثیے کی تاریخ ہمارے سامنے رکھی ہے جس میں تفصیل کے ساتھ مسلم اور غیر مسلم شعرائے مرثیہ اور اسی طرح مرثیہ گو شاعرات میں سنِ پیدائش احوال اور مرثیوں کے نمونے پیش کئے ہیں، اگرچہ اس تحقیق میں بعض شعراء سے متعلق نامکمل کوائف بھی پائے جاتے ہیں اس کے باوجود ''اردو مرثیے کا سفر'' میں بہت سے شعراء کو عاشور کاظمی کو چۂ گمنامی سے باہر نکال کر لانے میں کامیاب رہے ہیں'' ان میں بزم

آفندی کا ذکر بھی اختصار سے کیا گیا ہے۔

124

جہاں تک بزم آفندی کے حالات زندگی اور ان کے مرثیوں کی بابت بیان کیا گیا ہے، ہمیں یہی بتایا گیا کہ بزم آفندی کے پوتے سہیل آفندی نے ان کے چالیس مرثیوں کا ذکر کیا ہے لیکن وہ چالیس مرثیے اور ان کا ذکر پھر کہیں سننے کو نہ ملا، حالانکہ خود سہیل آفندی مرثیہ نگار شاعر ہیں، مگر اب محترم باقر زیدی کی جانب سے یہ مژدۂ جاں فزا ملا کہ وہ بزم آفندی کے مراثی ترتیب دے رہے ہیں، مزید تفصیل وہ خود بتائیں گے فی الوقت ان کے نو دریافت ۲۷ مرثیوں کے حوالے سے چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔

مرزا عاشق حسین بزم آفندی ۱۸۶۰، آگرہ (اکبر آباد) میں پیدا ہوئے اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۳ حیدر آباد میں انتقال ہوا، ان کے صاحبزادے جناب نجم آفندی استاد سخن سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں، ان کی انقلابی نوحہ نگاری اور جدید لہجہ کے علاوہ ماتم میں ترسیلِ مقصد ہمیشہ غالب رہا یقیناً یہ وصف خاص انہیں اپنے والد محترم بزم آفندی سے ملا، وہ بھی مرثیے میں فکر اور جذبے کا حسین امتزاج پیش نظر رکھتے رہے، نجم آفندی کو طویل عرصہ اپنے والد گرامی کی صحبت نصیب رہی، یہی وجہ ہے کہ وہ بھی مشاہدے کی آنکھ کھلی رکھتے رہے اور ان کا یہ بند کوئی کیسے بھول سکتا ہے۔

اہلِ زمیں کی آج ستاروں پہ ہے نظر ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر مردانِ حق پرست کا جانا ہوا اگر
عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند پر حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے

بزم آفندی کی مرثیہ نگاری پر منیر شکوہ آبادی کی چھاپ گہری ہے، اس کے علاوہ وہ مرزا سلامت علی دبیر سے خاندانی رشتہ رکھتے ہوئے بجا طور پر اپنے دبستان شاعری پر فخر

کرنا ضروری سمجھتے رہے، وہ مرزا دبیر کی رثائی روایت کو آگے بڑھانے اور اسی ڈگر پر قائم رہنے کی کوشش کرتے رہے۔ دراصل مرثیہ نگاری کی جملہ خصوصیات اور تخلیقی مراحل کے تقاضے پیشِ نظر رکھنے کی روایت اتنی مضبوط رہی کہ شعرائے مرثیہ نے سرمو فرق رکھنے یا اس میں تبدیلی کو درخورِ اعتناء خیال نہیں کیا۔

بزم آفندی کے یہ مرثیے ان کی علمیت، روایت کی پاسداری اور رکھ رکھاؤ کا واضح نشانِ امتیاز ہیں، وہ مرثیے کے چہرے سے لے کر بین اور دعا تک وہی رویہ اپنانا ضروری سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان مرثیوں کی زبان محاورہ بندی روزمرہ اور مکالمہ غرض ہر وصف ایک آئینہ ہے جس میں بزم آفندی کے خدوخال، ان کی فکری بصیرت اور عقیدت صاف چھلکتی نظر آتی ہے قریباً ہر مرثیے کا پہلا بند اور آغاز مرثیہ بلکہ پہلا مصرعہ ان کے ممدوح شہید کا استعارہ بن کر قاری کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، یہ بات دوسرے مرثیہ نگاروں کے ہاں بھی ملتی ہے بلکہ میر انیس اور مرزا دبیر کی اس روش کو جہاں سب نے اپنایا وہاں بزم آفندی بھی اس پر کاربند رہے، انہوں نے حضرت حُر پر کئی مرثیے کہے، حضرت عون و محمد کی شہادت پر مرثیہ لکھا، حضرت عباس اور حضرت امامعالی مقام حسین علیہ السلام کے علاوہ حضرت حبیب ابن مظاہر اور حضرت علی اکبر کی شہادت پر مرثیے کہے، ان تمام مرثیوں میں ہر مرثیے کا پہلا بند اور مصرعہ اول اتنا مؤثر اور خوبصورت کہا ہے کہ مرثیے کا قاری اپنی تمام تر توجہ مرثیے پر مرکوز کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے مثلاً حضرت حُر سب سے پہلے شہید ہیں۔

دُرِیگانۂ بحرِ وفا ہراول تھا معین و عاشقِ شاہِ ہدا ہراول تھا
خذف کے ریزوں میں الماس یا ہراول زہے عروج وہ کس فوج کا ہراول تھا

لکھی تھی فوج جو فردوس کی مقدر میں
ہوا تھا بندے کا چہرہ خدا کے دفتر میں

اسی طرح حضرت عون ومحمد کی شہادت کا آغاز دیکھئے:

کیا گل اندامِ گلستانِ رسالت کو ملے کیا ترو تازہ ثمر قاسم جنت کو ملے
کیا دُربیش بہا تاجِ نبوت کو ملے کیا نمودار پسر شافع امت کو ملے
یہ وہ ہیں جن کی زمانے میں عزا ہوتی ہے
رات دن جن کے لئے خلق خدا روتی ہے

حضرت عباس علیہ السلام کے احوال میں مرثیہ کہا اس کا مطلع اور پہلا مصرعہ ملاحظہ کیجئے

؎ آمد ملک الموت کی ہے دشت وغا میں

ایک اور مرثیے کا پہلا مصرعہ اس طرح آیا ہے۔

؎ وغا کو شیرِ الٰہی کا شیر آتا ہے

امام سیّد الشہدا حسین علیہ السلام کے لئے

؎ محبوب کردار کا مطلوب کون ہے

ان مثالوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بزم آفندی کے ہاں نقطۂ آغاز سے مرثیے کا موضوع کھل کر سامنے آجاتا ہے، وہ مرثیے میں ممدوح شہید کا سراپا، حسن و جمال، خصائص، مقام ومرتبہ غرض ہر رُخ سے اس کے محاسن اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شخصیت نکھر کر ہمارے سامنے آموجود ہوتی ہے۔ تفصیلات کا یہ سلسلہ مختلف انداز میں جاری وساری رہتا ہے۔ اگرچہ موجودہ زمانے میں ایجاز واختصار اور اشارہ وکنایہ خوبی تصور کیا جاتا ہے لیکن ایک صدی قبل جزئیات نگاری اور شعری محاسن میں صنائع بدائع لفظی ومعنوی تشبیہات اور علم بیان پر مکمل دسترس کے نتیجے میں بہت سی فنی اور معنوی خوبیاں در آئیں بزم

آفندی بھی التزاماً ان خوبیوں کو برتنے اور اپنا ہنر آزمانے پر توجہات مبذول کرتے ہے
لیکن رثائی واقعات کے بیان میں وہ ہر قسم کے تصنع سے دامن بچا کر مرثیے کی صحت مند
روایت کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں مثلاً حضرت علی اکبر کی وغا اور جاں سپاری کا مرحلہ
کس احتیاط سے طے کرتے ہیں

منصفو ایک بلا ہو اسے ٹالیں اکبر ہاتھ زخمی ہوا، کیا تیغ سنبھالیں اکبر
ایک دو وار سے جاں اپنی بچالیں اکبر کس طرح ڈھال میں سب تن کو چھپالیں اکبر

مینہ برس جاتا ہے تیروں کا جدھر جاتے ہیں
جس طرف آنکھ پھری پھول بکھر جاتے ہیں

لاکھ تیغوں سے بچے ایک جواں مشکل ہے ان بلاؤں میں بچے شیر کی جاں مشکل ہے
پیاس سے ہونٹوں پہ جب آئے زباں مشکل وہ قیامت تھی کہ ذاکر سے بیاں مشکل ہے
ہے

کس زباں سے میں کہوں حال مرا غیر ہے اب
چل گئی دل پہ سناں خاتمہ بالخیر ہے اب

مرثیے میں غلو یا مبالغہ برتنے کا سبب یہ ہے کہ شاعر عقیدت کا رنگ جمانے کی
خاطر یا سامعین کے ذوقِ سماعت کا لحاظ پیش نظر رکھتے ہوئے یہ روش اختیار کرتا ہے۔
خصوصاً گھوڑے اور تلوار کی تعریف میں طبع رواں کے جوہر دکھاتے ہوئے تخیل کے زور پر
وہ ایسی باتیں نوک قلم پر لاتا ہے جن کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، یہ انداز اظہار پسندیدہ
تصور کیا گیا اس لئے بیشتر کلاسیکی شعرائے مرثیہ نے طبع آزمائی کرتے ہوئے بزعم برتری غلو
میں سبقت لے جانے کو فن کی معراج تصور کیا، بزم آفندی کے ہاں وہی زمانے کی پسندیدہ
مبالغہ آرائی گھوڑے اور تلوار کے حوالے سے ان کے مرثیوں میں قاری کو محظوظ کرتی اور کبھی

اس کے دل میں انقباضی کیفیت پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے، ظاہر ہے کہ مرثیہ گوئی میں دوسری اصنافِ سخن کی طرح شاعروں کی پرِ پرواز پر پہرہ نہیں بٹھایا جاسکتا، حضرت عون و محمد میدان کارزار میں اپنی چھوٹی چھوٹی تلواروں سے دشمنوں کے سرتن سے جدا کر رہے ہیں۔

کچھ عجب نیچوں نے دونوں کے پائے ہیں بخدا سیف زبانوں سے ہے وصف ان کا کمال کمال

تیز ایسے ہیں کہ ممکن نہیں عالم میں مثال وقتِ تصویر کشی ان کا جو آجائے خیال

ان کی برش کا ہر اک شہر میں شُہرا اڑجائے
ہوش نقاش کے، تصویر کا خاکا اڑجائے

اسی طرح ان کے رہواروں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے بزم آفندی اپنی روایت پر قائم رہے، گھوڑوں کی تعریف میں وہ اپنی عقیدت کا رنگ اور حُسن غلو کام میں لاتے ہیں

دونوں رہوار سبک رو بھی طرحدار بھی ہیں خوش عناں بھی ہیں صبادم بھی ہیں جاندار بھی ہیں

صاحبِ فہم بھی، خوشرو بھی ہیں جرار بھی ہیں جیسے اسوار ہیں ویسے ہی یہ رہوار بھی ہیں

جب اڑے فرش سے یوں عرشِ علا تک پہنچے
جیسے تکبیر کی آواز خدا تک پہنچے

بزم آفندی کے یہ مرثیے اردو رثائی ادب میں قابل قدر اضافہ ہے باقر زیدی نے ماضی کے گرد و غبار سے بیش قیمت رثائی آثار ڈھونڈ کر قارئین کے سامنے لا رکھے ہیں۔ یقیناً یہ بڑی لائق ستائش خدمت ہے جو انجام پائی ہمارے ناقدین اور محققین ایسے عظیم

کارناموں پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں، بزم آفندی خوش نصیب ہیں کہ ان کا تخلیقی کام ضائع ہونے سے محفوظ رہا ورنہ ہم یہی سنتے آئے ہیں کہ ''بزم آفندی کا یہ خزانہ کس کے پاس ہوگا، کس حال میں ہوگا، ہوگا بھی کہ نہیں'' مقام شکر ہے کہ بزم آفندی کے ہاتھ میں باقر زیدی نے سند اعتبار تھما دی، ممکن ہے کہ اور مرثیے بھی دریافت ہو جائیں، حقیقت یہ ہے کہ زمانے کی بے مہری اور عدم توجہی کے سبب اور قاری کی کم نصیبی یا کسی تخلیقی سرمائے کی گم شدگی کے سبب ہم مسلسل خسارے میں جا رہے ہیں۔ زمانے کی برق رفتاری کہ وقت اڑتے ہوئے پرندے کا بھاگتا ہوا سایہ ہے جو ہمارے ہاتھ نہیں آتا اور ہم اپنے اسلاف کے عظیم کارناموں کو طاق نسیاں کی نذر کر بیٹھے ہیں، باقر زیدی نے عمدہ مثال پیش کی اور بزم آفندی جیسے بزرگ استاد فن مرثیہ نگار کو نگار خانۂ ادب میں بلند مقام پر عزت بخشی۔

آخر میں بزم آفندی کے دعائیہ کلمات پر اس مختصر جائزے کو تمام کرنا مقصود ہے کہ ان کی دعا مستجاب ہوئی اور وہ مرثیہ نگاروں میں نمایاں مقام پانے میں کامیاب و کامران ہوئے۔

اے بزمؔ بس کہ بزم میں محشر بپا ہوا خوش تجھ سے مصطفیٰؐ ہوئے راضی خدا ہوا
کیا تیرے حال پر کرمِ مرتضیٰؑ ہوا اب تاجدارِ کشور مدح و ثنا ہوا

ایک ایک لفظ مرثیہ کا انتخاب ہے
تو بے نظیر ہے تو سخن لاجواب ہے

حسن عسکری کاظمی

۲۷۔سی اعوان ٹاؤن لاہور

نوٹ:

پروفیسر حسن کاظمی صاحب کا مضمون کتاب کی ٹریسنگ نکل آنے کے بعد ہم تک پہنچا اس لئے اس کو دوسرے مضامین کے ساتھ نہ رکھا جا سکا جس کے لئے میں اپنے بزرگ محترم سے معذرت خواہ ہوں-----باقر زیدی

جنابِ بزم

فرشِ سخن کے عرش مکیں ہیں جنابِ بزم
اگلی روایتوں کے امیں ہیں جنابِ بزم
یہ مرثیے ہیں، فکر و ہنر کا اک امتزاج
بزمِ رثا کے صدر نشین ہیں جنابِ بزم

☆☆☆☆☆

اوجِ شعر و سخن، کمال ہُنر
روشنی بخش، مثل نورِ سَحر
کیا دنیا نے بڑھ کے استقبال

رزم آفرینی کے یہ مرثیے ان کی طبیعت، روایت کی پاسداری اور رکھ رکھاؤ کا واضح نشان بنتے ہیں۔ وہ مرثیے کے پورے سفر کے دوران اور ہر مقام پر اپنا تاثر ضرور دیتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ان مرثیوں کی زبان، لفظ و معنی، رمز و علامت، غرض ہر وصف ایک آئینہ ہے جس میں رزم آفرینی کے خدوخال، ان کی گہری بصیرت اور عقیدت سامنے جھلکتی نظر آتی ہے۔ قریباً ہر مرثیے کا پہلا بند اور آغاز مرثیہ یعنی پہلا مصرعہ ان کے ممدوح شہید کا استعارہ بن کر تلوار کے کسی وار یا فوج کو اپنی گرفت میں لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ بات دوسرے مرثیہ نگاروں کے ہاں بھی ملتی ہے مگر میر انیس اور مرزا دبیر کی اس روش کو جہاں سب نے اپنایا وہاں رزم آفرینی بھی اس پر کاربند رہے۔ انہوں نے حضرت ثمر پر کہی مرثیے کے حضرت عون و محمد کی شہادت پر مرثیہ لکھا، حضرت عباس علمدار، حضرت قاسم، علی اکبر، حضرت علی اصغر، حضرت حبیب ابن مظاہر اور حضرت علی اکبر کی شہادت پر مرثیے کہے۔ ان تمام مرثیوں میں ہر مرثیے کا پہلا بند اور مصرعہ اتنا موثر اور فی البدیہہ کہا ہے کہ مرثیے کا قاری اپنی تمام تر توجہ مرثیے پر مرکوز کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ مثلاً حضرت ثمر سب سے پہلے شہید ہیں۔

ذریعۂ نجم وفا جو اول تھا　　معین و عاشق شاہ ہدا جو اول تھا
غلاف کعبہ میں لپٹا سوار اول تھا　　زہے عروج وہ کس فوج کا جو اول تھا

کبھی تھی فوج جو فردوس کی مقدر میں
ہوا تھا بھائی سے پہرہ خدا کے دفتر میں

اسی طرح حضرت عون و محمد کی شہادت کا آغاز دیکھئے:

کیا علی اعدام گلستان رسالت کو ملے　　کیا ثمر تازہ و ثمر قاسم جنت کو ملے
کیا ذبیح بیا تاج نبوت کو ملے　　کیا نمودار پسر شافع امت کو ملے

یہ وہ گل ہیں جن کی زینت سے عزا ہوتی ہے
رات دن جن کے لئے خلق خدا روتی ہے

حضرت عباس علمدار کے احوال میں مرثیہ کہا اس کا مطلع اور پہلا مصرعہ ملاحظہ کیجئے

آمد مکہ الصبت کی ہے دشت وفا میں

ایک اور مرثیے کا پہلا مصرعہ اس طرح آیا ہے۔

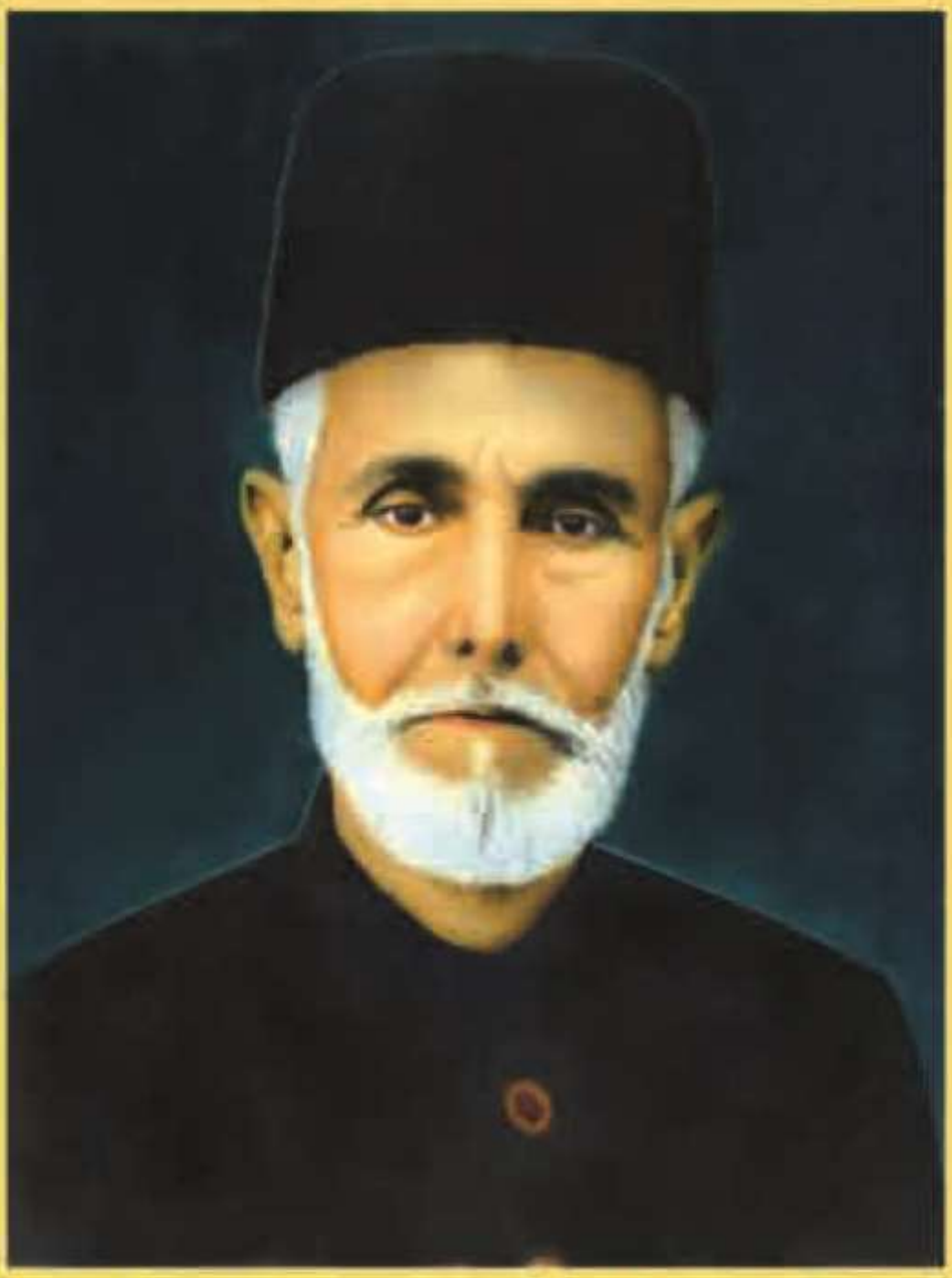
وفا کو شیر الٰہی کا شیر آتا ہے

امام سید الشہداء حسین علیہ السلام کے لئے

محیط کرب و بلا کا مطلوب کون ہے

ان مثالوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ رزم آفرینی کے ہاں لفظ آغاز سے مرثیے کا موضوع مکمل کر سامنے آ جاتا ہے اور مرثیے میں ممدوح شہید کا سراپا، حسن و جمال، خصائص، مقام و مرتبہ غرض ہر پرتو سے اس کے محاسن اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شخصیت نکھر کر قاری کے سامنے آ موجود ہوتی ہے۔

حسن عسکری کاظمی
۴۷۔ سی اخوان ٹاؤن لاہور



ہر بزم میں چرچا ہے مری شوخ زباں کا
ہر شہر میں شہرہ ہے مرے حسن بیاں کا

ہر بیت مرا سخن قطعہ ہے گلستاں جاں کا
نوچ رخ سے جھک جھک کے مضامین لجھا کا

دیکھو مری تائید کلام آتے ہیں دیکھو
مضمون مرے سننے کو اوہام آتے ہیں دیکھو